

کتاب اللمع فی التصوف اسلامی تصوف پر لکھی جانے والے پہلی کتاب



مترجم
پیرو فیسرا سرار بخاری

مصنف
ابونصر سراج الطوسی

تصحیح و تخریج: عطاء المصطفیٰ مظہری

کتاب محلّ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ ادارہ کتاب محل سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر نہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا، اگر اس قسم کی کوئی بھی صورت حال نمودار ہو، پوری ہے تو قانونی کارروائی لائق محفوظ ہے۔

الْمَع

نام کتاب

ابونصر سراج الطوسی

مصنف

پروفیسر اسرار بخاری

مترجم

عطاء المصطفیٰ مظہری

تصحیح و تخریج

قیمت

کتاب محل

در بارہ مارکیٹ لاہور
محمد فہد 0321-8836932

نئی، پرانی، عربی، فارسی، اردو، انگریزی کتب کا مرکز
ادارے کے پاس 100 سالہ پرانے نسخہ جات دستیاب ہیں

اپنی کتابیں پرنٹ کروانے کیلئے رابطہ فرمائیں
مسودہ دیں تیار کتاب لیں

زیر سرپرستی

پیر عبدالحق قادری

سجاد انیس ناٹا، قادریہ پورہ چنڈی شریف

نسوی کاش

صاحبزادہ سید احسان گیلانی

اسٹاکس حافظ الملت الکیٹی
شانقاہ عالیہ قادریہ
محمد ہنثی شریف

فہرست

49	مقام توبہ	13	مقدمہ
50	ورع	15	تعارف تصوف، مسلک صوفیہ اور بحیثیت علماء ان کا مقام
51	زہد	18	طبقات محدثین اور ان کے مخصوص علوم و فنون
51	طبقات زہاد	22	طبقات صوفیہ اور ان کے
52	فقراء	22	نظریات و احوال اور خصائص و محاسن
54	مقام صبر، شہل اور ایک اجنبی کا مکالمہ، اصناف صابریں	22	صوفیہ کے مخصوص آداب، احوال اور علوم
55	مقام توکل	23	خلوص اعمال
56	درجات توکل	23	صوفیہ اور حقیقت حقوق
56	توکل ام سے متعلق اقوال صوفیہ	24	دیگر علوم و معانی میں صوفیہ کا امتیازی مقام
57	توکل خاص اقوال صوفیہ کے آئینے میں	26	صوفیہ عظام پر چند الزامات اور ان کی تردید
57	توکل خاص الخالص اور اقوال صوفیہ	26	قرآن حکیم میں صوفیہ کے مختلف اسماء
57	مقام رضا اور اہل رضا	28	صوفیہ کرام کی نظر میں فقہاء ظاہر کی حیثیت
58	رضا اور اقوال صوفیہ	28	اور فقہ کی مدلل تخریفات
58	طبقات اہل رضا	30	علوم دینیہ اور اس کے ماہرین
59	احوال صوفیہ عظام علیہم الرحمہ	32	صوفی کو ”صوفی“ کیوں کہتے ہیں؟
59	مراقبہ، اہل مراقبہ کے طبقات	32	اصطلاح صوفی کی تحقیق
60	حالیہ قرب	33	ثبوت علم باطن
61	درجات قرب	34	حقیقت تصوف
62	محبت	35	صوفیہ کون ہیں؟
62	قول عز و جل:	37	توحید اور موحّد
64	خوف، اقسام خوف	38	پہلی، دوسری، تیسری
65	رجاء	43	معرفت اور عارف
66	اقسام رجاء	46	حقیقت عارف، ذریعہ معرفت
67	مفہوم خوف و امید (رجاء)، جذب و شوق	48	احوال و مقامات
68	مقامات اہل شوق، انس	48	مقامات اور ان کی حقیقت
69	احوال اہل انس، اطمینان	48	مفہوم احوال

115	صوفیانہ تشریحات
115	صوفیاء کے نزدیک مفہومات قرآن وحدیث
117	علوم و احوال تصوف سے متعلق صوفی کی تشریحات کا باہمی اختلاف
119	خصوصاً رسول اللہ ﷺ قرآن کی روشنی میں
120	خصوصیات رسول ﷺ
121	اندازِ خطاب، حبیب و ظیل
123	معراج جسمانی
125	رسول ﷺ اللہ کے خصوصاً
125	احادیث کی روشنی میں
128	احادیث نبوی اور صوفیہ کے اخذ کردہ مفہومات
131	صحابہ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین
131	ذکر و محاسن صحابہ
133	سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
136	مدح صدیق "میں ابو العباس" کے چند اشعار
137	سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
139	امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
141	امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ
142	اؤلیس شارح احوال و مقامات
145	اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم
154	آداب صوفیہ
156	صوفیہ کے آدابِ طہارت و وضو
160	صوفیہ اور آدابِ نماز
162	نماز کے کچھ اور آداب
164	صوفیہ اور آدابِ زکوٰۃ و صدقات
166	شوقِ فقیری
167	احادیث کی زکوٰۃ
167	حقیقتِ غناء
168	آدابِ صوم اور صوفیہ کرام
169	صوم داؤدی

70	اقسامِ اطمینان
71	مشاہدہ
72	احوالِ اہل مشاہدہ، یقین
73	طبقاتِ اہل یقین
75	قرآنِ نبی و اتباع قرآن میں مقرب صوفیہ کا مقام
75	اتباع کتاب اللہ
77	دعوت و اصطفاء
81	مخاطبین کلامِ الہی کے درجات اور
81	قبولِ خطاب میں ان کا باہمی تفاوت
85	سماعت قرآن حکیم کے ذریعے اخذ اسرار و معانی
85	سماعت قرآن کے تین طریقے
86	غیب کیا ہے؟
87	صوفیہ کرام اور قرآنِ نبی
87	ذکر مومنین:
88	شرکِ خفی
89	جہالتِ علم اور عمل کی اچھوتی تشریح
90	مقام سابقین مقررین اور ابرار قرآنی آیات کے آئینے میں
91	ادراکِ حقائق اور استطاعت مومنین
92	قرآن اور تاکیدِ اعمال
94	مطالبِ حروف و اسماء
94	بسم اللہ کی صوفیانہ تشریح
94	نیکی و بدی کیا ہے؟
94	اسم ذات اللہ ہر صورت میں با معنی ہے
96	قرآن کریم سے استنباط کرنے اور سمجھنے کے غلط اور صحیح اصول
100	اتباع اسوہ رسالت ﷺ
100	صوفیہ کی قرآنِ نبی اور اتباع اسوہ حسنہ
104	آنحضور ﷺ کے خدا داد بلند اخلاق و عادات
110	مومنین کو اللہ کی عطا کردہ بہولتوں اور
110	عیادتوں سے متعلق احادیث
113	صوفیہ اور اتباع رسول ﷺ

208	صوفیہ کی فائدہ کنشی کے آداب	170	روح عبادت
209	بیماری میں صوفیہ کے آداب	172	یک روزہ زندگی
211	مشائخ کا اپنے مریدین سے حسن سلوک	173	صوفیہ کے آداب حج
211	مقام صحبت، احترام مشائخ	174	حج صوفیہ سے متعلق چند واقعات
213	آداب مریدین اور سالکین	175	وادئ حجاز میں رہنے کے آداب
215	آداب خلوتیاں	179	سفر و حضر میں صوفیہ کے آداب اور باہمی روابط
216	آداب محبت و رفاقت	179	فقیر صادق، انتظار و صل، مخصوص خصائل فقراء
217	صوفیہ کے دنیا سے کوچ کرنے کے آداب	180	صوفیہ کا نظریہ ملکیت
217	شاد باش اے دل	182	صوفیہ کے آداب صحبت
218	شہادت گمہ الفت	182	معیار دوستی
219	مسائل تصوف سے متعلق صوفیہ کے مختلف نظریات	185	علمی مذاکرات اور آداب صوفیہ
219	جمع و فرق	187	کلہ فناء کا شمار
220	فناء بقاء	187	علم علماء
220	فناء و بقاء کے چار مدارج	188	صوفیہ کے معمولات مجالس ضیافت اور طعام کے بارے میں
221	مسئلہ حقائق	191	صوفیہ اور آداب وجد و سماج
223	خدا تعالیٰ کی تعریف	191	چاک گریاں نہیں چاک دل چاہتے
223	علم، حقیقت اور حق	192	وجد غیر ارادی
223	حقیقت انسانیت	193	صوفیہ کے آداب لباس
223	وصل و عقل	193	لباس فقر
223	مسئلہ صدق	195	صوفیہ کے آداب سفر
224	اخلاص	197	صوفیہ کا اپنے ساتھیوں کے لیے کامل ایثار
225	مخلص کی علامت	199	دنیوی تحائف اور صوفیہ کرام
225	ذکر الہی	200	غیب و غریب امانت
226	حقیقت غناء	201	صوفیہ کے آداب کسب معاش
227	مسئلہ روح	201	ایک مکتوب
229	اشارہ	203	حصول و عطا اور فقراء پر مہربانی کرنے سے متعلق صوفیہ کا طریق
229	اللہ کی جانب اشارہ کرنے سے متعلق اقوال صوفیہ	205	ترہیب اولاد اور تزویج کے آداب
230	ظرف	205	عبادت گزار میاں بیوی
230	مروت	206	ایک سوال اور اس کا جواب
230	لفظ صوفی کی تحقیق	207	صوفیہ خلوت اور جلوت میں

240	ابو رودباری کے نام ابوہلی بن ابی خالد صورٹی کے ایک مکتوب سے اقتباس
241	ایک شیخ کا مکتوب
242	ایک داناکے نام یوسف بن حسین کا مکتوب
242	ابوالعباس احمد بن عطاء اور ابوسعید خرازی کی خط و کتابت
243	نامہ بنام حبیب
243	ایک شیخ کے مکتوب سے اقتباس
243	ہرن کی رفاقت
243	مصائب سے پیار
244	مکتوب جنیدؒ
247	صوفی کی کتابوں سے چند تعارفی اقتباسات
247	جنید بغدادی کی ایک کتاب کا پیش لفظ
247	ایک اور اقتباس
247	اقتباس
247	اقتباس
248	اقتباس
248	ابوہلی رودباری کی ایک تحریر
248	ابوسعید ابن الاعرابی کی ایک تحریر
249	ایک اور اقتباس
249	ابو خرازی کی تحریروں سے چند اقتباسات
250	کردی الصوفی الارموی کی ایک تحریر
250	دقی علیہ الرحمہ کی چند تحریریں
250	ایک اقتباس
252	احوال و اشارات پر مبنی صوفیہ کے اشعار
252	ذوالنون کے اشعار
252	ابوالقاسم جنید علیہ الرحمہ کے اشعار
253	ابوالحسن نوری کے ابیات
253	قناذ کے چند اشعار
253	جنید بغدادی کے دو اشعار
254	ابوہلی رودباری کے اشعار

230	سب رزق
231	رزق کی بلا امتیاز تقسیم، مقام فنا اور عبدیت،
231	یکسانیت مدح و ذم، سکون قلب، ایک انجانا غم
232	فراسٹ مومن
232	دہم، عقل اور فہم
232	ظلم، مقصد اور سابق بالئیرات کی تشریحات
233	امید اور ترنا
233	فرعون اور سر نفس
233	غیرت بشریہ اور غیرت الہیہ
233	گناہ تصور گناہ اور نیت گناہ
233	احوال مکتوب
234	آزمائش کی تین صورتیں
234	حسب اور دو میں فرق
234	گریہ و زاری
235	شاہد
235	خلوص معاملات و عبادات
236	فیاضی
236	فکر
236	تفکر و فکر میں فرق
236	اعتبار
237	نیت
237	درست کیا ہے؟
237	خلق خدا پر شفقت
237	پرہیزگاری
237	سر
239	صوفیہ کے مکتوبات
239	مکتوب عمرو بن عثمان کی علیہ الرحمہ بنام طائفہ بغداد
239	مکتوب ابو بکر شیبلی علیہ الرحمہ بنام ابوالقاسم جنید علیہ الرحمہ
240	جواب جنید بنام شیبلی
240	ابوہلی رودباری کا ایک مکتوب

277	جواز سماع	254	ابراہیم الخواص کے اشعار
280	شاعری	255	سنون علیہ الرحمہ کے اشعار
280	ساع اور بعض فقہاء و علماء	256	ابوالحسن سری سقطی کے پسندیدہ اشعار
282	ساع خواص اور ان کے درجات	256	بزم مرگ پر شیلی کا پسندیدہ شعر
284	طبقات اہل ساع	258	سہل بن عبداللہ کے اشعار
284	ساع قرآن کرنے والا طبقہ	258	یحییٰ بن معاذ رازی کے اشعار
288	ساع قصائد و اشعار	258	ابوالعباس کے شکر سے متعلق اشعار
290	سالمین اور مبتدئین کے احوال سماع	259	درندہ موت سے بچانے کا باعث بنا
292	متوسط درجے کے شیوخ کا سماع	259	ابو نصر بشر بن الحارث کے چند اشعار
295	ساع کے بارے میں مخصوص اہل کمال صوفیاء کا طرز عمل	260	یوسف بن حسین رازی کے اشعار
296	صوفیاء اور عارفی سماع	260	ابو عبد اللہ الترمذی کے اشعار
297	ذکر، وعظ اور اقوال سننے کا بیان	260	ابو عبد اللہ عیسیٰ مہلبی کے اشعار، ابو عبد اللہ ترمذی کے نام
298	ساع سے متعلق کچھ اور باتیں	261	اشعار صوفیہ سے متعلق ایک احتیاط
300	وہ صوفی جو سماع قرآن کو گانے کے انداز میں پڑھنے	263	متقدمین مشائخ کی دعائیں
300	اشعار و قصائد اور دو رقص کو صحیح نہیں سمجھتے	263	ذوالنون کی دعائیں
302	حقیقت وجد	264	دعائے یوسف بن حسین
304	وجد کرنے والوں کی صفات	264	دعائے جنید بغدادی
306	رات باز مشائخ کا تواجد	265	ابوسعید دینوری کی دعا
308	غلبہ وجد کی قوت	266	ابوبکر شیلی کی دعا
310	وجد میں ساکن اور متحرک رہنے والے	266	یحییٰ بن معاذ رازی کی دعائیں
311	ابوسعید بن الاعرابی کی تالیف --- کتاب الوجد کی تلخیص	267	ابراہیم بن ادھم اور ڈوبتا سفینہ
315	تحقیق آیات و کرامت	267	سری سقطی کی دعا
315	آیات و کرامات کا مفہوم اور بعض اہل کرامت کا ذکر	267	دعائے حضرت علیہ السلام
315	انوکھی ضیافت	268	وجوہات دعا
315	نگاہ کیسیا اثر	269	صوفیہ کی باہمی وصیتیں
316	ابولیمان خواص اور ان کا گدھا	272	ساع
316	علم کی فضیلت	272	حسن آواز، سماع اور مستمعین کے مختلف درجات
316	گشودہ چیز کو پانے کی ایک مجرب دعا	274	خوش گلوچی اور مست اونٹ
316	اولیاء اللہ سینوں کے مجید جانتے ہیں	275	ساع اور اس کے مفہوم سے متعلق صوفیہ کے مختلف اقوال
		277	عوام الناس کے لیے جواز سماع کی شرائط

328	ایماء
329	رمز
329	صفاء
329	صفاء الصفاء
330	زوائد
330	فوائد
330	شاہد
330	مشہود
330	موجود اور مفقود
331	معدوم
331	جمع
331	تفرقة
331	نہیت
331	غشیہ
331	حضور
332	صحو و سکر
332	سکر اور غشیہ میں فرق
332	صحو، حضور، میں فرق
332	صحو الوجد
333	ہجوم و غلبات
333	فناء اور بقاء
333	مبتدی
333	مرید
333	مراد
334	وجد
334	تواجد و تاسا کر
334	دقت
334	الباردی
334	وارد
334	خاطر

317	انکار کرامات اولیاء پر اہل ظاہر کے دلائل، کرامات اولیاء کے جواز پر دلائل اور اس سلسلے میں انبیاء و اولیاء کا باہمی فرق
317	کرامات اور تادیب نفس
319	کرامات اولیاء کے ثبوت پر دلائل اور کرامات کو انبیاء کے لیے مخصوص سمجھنے والوں کی غامی
320	سبیح جام
320	پانی پر چل پڑے اور درندوں نے رستہ دیا
321	سید الرسل ﷺ کا اعزاز
322	کرامات میں خواص کا مقام اور بعض اہل کرامت کا خوفِ قہر کے باعث کرامت سے اظہارِ ناپسندگی
323	بے مثال پرہیزگاری
324	مشابہت فرعون سے احتراز
325	اصطلاحات صوفیہ اور ان کی تشریحات
325	الحق بالحق للحق
325	منہ، یہ اور لہ
325	حال
325	مقام
326	مکان
326	مشاہدہ
326	لواح
326	لواح
327	الحق
327	حقوق
327	تحقیق
327	تحقیق
327	حقیقت
328	انصوص
328	خصوص انصوص
328	اشارہ

344	صفت
344	ذات
344	خلق اور خالق
345	حجاب
345	دعویٰ
345	اختیار
346	اعتبار
346	البلاء
346	اللسان
347	سر
347	عقد
348	اہم
348	الملاحظ
348	محو
349	محق
349	اثر
349	کون
349	بون
350	وصل
350	فصل
350	اصل
350	فرع
351	ظمس
351	الزئیس اور الدرس
351	قصم
352	سبب
352	نسبت
352	صاحب قلب ہوتا
352	رب حال
353	صاحب مقام

334	واقع
335	قادر
335	عارض
335	قبض و بسط
336	ماخوذ اور مستلب
337	دہشت
337	حیرت
337	تخیر
338	طوارح
338	طوارق
338	کشف
338	مطخ
339	الوصول
340	ذہاب
340	لقس
340	حس
340	توحید عامہ
341	توحید خاصہ
341	تفرید
341	تجزید
341	اہم المفرد اور السرا لہجود
342	محادثہ
342	مناجاة
342	بسامۃ
342	ردیۃ القلوب
343	اسم
343	رسم
343	وتم
344	روح اور تروح
344	نعت

364	لطیفہ
364	امتحان
364	حدیث
365	الکلیدیۃ
365	تلمیہیں
365	شرب
366	ذوق
366	عین
366	اصطلام
367	حریت
367	رین
367	غین
368	الوسا اظ
369	شطیحات و کلمات صوفیہ جو بظاہر فہم مگر دراصل صحیح ہیں
369	معنی شطیحات اور منکرین شطیحات کی تردید
371	تشریح علوم، علماء کی علمی مشکلات اور ان کی صحت پر دلائل
372	علوم رسالت مآب ﷺ
372	علوم شریعت کی اقسام
374	شطیحات ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ مع تفسیر جنید بغدادی علیہ الرحمۃ
375	ابو یزید بسطامی کی ایک شرح اور اس کی تشریح
378	ابو یزید بسطامی کی ایک اور شرح اور اس کی تشریح
381	ابو یزید بسطامی کا ایک قول اور اس کی تشریح
384	صاحب کتاب المبع اور ابن سالم میں
384	ابو یزید بسطامی کی شطیحات پر ایک مباحثہ
384	فرعون اور بایزید بسطامی
386	صوفیہ کرام پر علم الحقائق تک رسائی حاصل کرنے بغیر معترض ہونا گمراہی ہے۔
386	اکتساب فیض کا طریق
387	ذکر اور تذکرہ

353	بے نفس ہونا
353	صاحب اشارہ
353	انابلا انانخون بلائخون
353	انانت وانانت انان
354	من تو شدم
355	ہو بلا ہو
355	قطع علائق
355	بادی بلا بادی
355	انغلی
356	عجلی
356	سختی
357	العلیۃ
357	ازل
357	ابد اور ابدیت
358	وقتی مسرہ
358	بحری بلا شامی
359	عین میرون
359	تلوین
360	بذل الیج
360	تلف
360	اللبیاء
361	انزعاج
361	جذب الارواح
361	الوطر
362	الوطن
362	الشرد
363	تصود
363	اصطناع
363	اصطفاء
364	منج

410	ترک طعام، عزالت نشینی اور ترک دنیا	387	ابن سالم کے مرید خاص اور صاحب کتاب للمبع
412	تصوف ابو ولعب، کا نام نہیں	389	مظہوظات ابو بکر شہلی علیہ الرحمۃ اور ان کی تشریح
413	حریت و عبودیت	389	تصرف اولیاء
414	اختیار مصطفیٰ ﷺ	389	مقام مصطفیٰ و انکار مصطفیٰ ﷺ
415	اخلاص میں اہل عراق کی غلطی	391	ابو بکر شہلی کی ایک طرح کی تشریح
416	نبوت و ولایت میں غلطی کرنے والے	391	اولیاء اللہ پر بغیر سوچے سمجھے طعن و تشنیع گناہ عظیم ہے
416	فضیلت ولایت و نبوت	393	ابو بکر شہلی کے بعض اقوال پر اعتراضات
417	کرامات سید الرسل ﷺ کی اتباع سے ملتی ہیں	393	ضیاع مال کی حقیقت
418	اباحت و عدم اباحت میں غلطی کرنے والا فرقہ اور اس کے نظریات کی تردید	396	کلام ابو بکر شہلی علیہ الرحمۃ کی تشریح اور جنید بغدادی سے ان کی گفتگو
420	فرقہ حلو لیل کی لغزشیں اور ان کے نظریات	400	ابو بکر الواسطی کے ملفوظات
421	فناء بشریت کو غلط معانی پہنانے والے	400	فضیلت درود
422	رویت بالقلوب کو غلط سمجھنے والے	400	سید الرسل ﷺ لا ثانی و بے نظیر ہیں
424	صفاء و طہارت میں غلطی کرنے والے	401	دعائے رسول ﷺ
425	انوار کا غلط مفہوم	401	مقام مصطفیٰ ﷺ
425	نور الہی	401	اولیاء اللہ پر تنقید اللہ سے روگردانی کی علامت ہے
425	انوارِ قلوب	402	مدعیان تصوف کی غلطیاں اور ان کی وجوہات
426	عین الجمع میں غلطی کرنے والوں کا بیان	402	صوفیہ کے تین اصول
426	صدیق آوز زندیق	403	تصوف میں غلطی کرنے والوں کے طبقات اور ان کی غلطیوں کی نوعیت
427	انس، بسط اور ترک خشیت کا غلط مفہوم سمجھنے والوں کا بیان	404	فروعات میں غلطی کرنے والے
428	اوصاف بشری کی بنا کا غلط معنی	404	فقر و غنا میں غلطی کرنے والے طائفے
428	مراد لینے والوں کا بیان	406	اسباب دنیوی کی کثرت و قلت اور کسب معاش
429	گمشدگی حواس اور اس کا غلط مفہوم	408	ارادات میں غفلت، مجاہدات میں غلطی اور آرام و آسائش اختیار کرنا
430	روح سے متعلق غلط نظریات		
430	روح کے بارے میں اہل حق کا نظریہ		

تعارفِ تصوف، مسلکِ صوفیہ اور

بحیثیتِ علماء ان کا مقام

مجھ سے کسی شخص نے علم تصوف اور مسلک صوفیہ کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے سوال کیا کہ لوگ مذکورہ موضوعات کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ کچھ تو ان کی فضیلت بیان کرنے میں بہت نلوع سے کام لیتے ہیں بعض انہیں دائرہ معقولیت سے باہر لے جاتے ہیں، کچھ انہیں لہو و لہب اور جہالت سے آنکھیں بند کر لینے کا عمل گردانتے ہیں۔ بعض لوگ انہیں اتقویٰ، تقشف، اونی لباس پہننے، بے تکلف پاکیزہ گفتگو کرنے اور پاکیزہ لباس پہننے وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ اور کچھ انہیں الحاد و گمراہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ الغرض وہ یہ چاہتا تھا کہ میں اسے ایسا جواب دوں کہ جو مسلک صوفیہ کے اصولوں کتاب اللہ کی اتباع، رسول اللہ ﷺ کی پیروی، صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اخلاق و اطوار اور اللہ کے صالح بندوں کے آداب سے ہم آہنگ ہو۔ اور میں اپنے جواب کو قرآن و سنت کی روشنی میں اس مدلل انداز سے بیان کروں کہ حق و باطل جدا جدا نظر آئیں۔ تصوف کی جملہ اقسام اپنی اپنی جگہ واضح ہو جائیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ کیا علم تصوف علوم دینی میں سے ایک ہے؟

مذکورہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مومنوں کو کتاب اللہ سے تمسک کرنے اور اسے مضبوطی سے تھامنے کا حکم دے کر ان کے دلوں سے جملہ شبہات کو دور کر دیا اور دین کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔

جیسا کہ فرمایا:

وَ اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۗ [آل عمران: ۱۰۳]

ترجمہ: ”اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جانا۔“

اور فرمایا:

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوَىٰ ۗ [المائدہ: ۲۰]

ترجمہ: ”اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔“

اور پھر ایک اور مقام پر اللہ نے فرشتوں کے بعد اپنے بندوں میں سے افضل اور دینی اعتبار سے اعلیٰ رتبہ رکھنے والوں کا ذکر فرمایا۔ اور خود اپنی وحدانیت پر فرشتوں کے بعد انہیں بندگان خاص کو گواہ ٹھہرایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۗ [آل عمران: ۱۸]

ترجمہ: ”اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم

ہو کر۔“

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

”علماء انبیاء کے وارث ہیں۔“

میرے نزدیک ”اولوا العلم“ سے مراد ورثہ الانبیاء (الانبیاء کے وارث) ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے والے، اتباع رسول میں مجاہدہ کرنے والے، صحابہ و تابعین کی پیروی کرنے والے، اور اس کے متقی پسندیدہ بندوں کے راستے پر چلنے والے یہی لوگ ہیں۔

اس کے نیک بندوں کی تین قسمیں ہیں۔ محدثین، فقہاء اور صوفیہ، اور ان ہی تین اقسام کے لوگوں کا تعلق ”اولوا العلم قائماً بالقسط“ سے ہے جو کہ انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ اسی طرح علوم کی بے شمار اقسام ہیں۔ جن میں سے ایک علم، دین ہے جس کی تین قسمیں ہیں۔ علم قرآن، علم سنن و بیان اور علم حقائق ایمان۔ اور یہی وہ علوم ہیں جو محدثین، فقہاء اور صوفیہ میں متداول ہیں۔

الغرض جملہ علوم دین مذکورۃ الصدر تین آیات مبارکہ، حدیث رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کے قلوب سے صادر ہونے والی حکمت سے خارج نہیں اور اس کی اصل حدیث الایمان ہے۔ جب جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کے تین اصولوں اسلام، ایمان اور احسان ظاہری و باطنی کے بارے میں سوال کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام تو ظاہر ہے اور ایمان وہ ہے جو ظاہری بھی ہو اور باطنی بھی مگر احسان حقیقت ظاہر و باطن کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے

نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔“

جبریل نے یہ سن کر آپ کی تصدیق کی۔

علم کا قریب ترین رشتہ عمل سے ہے۔ اور عمل کا تعلق اخلاق سے ہے۔ جب کہ اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے علم و عمل کے ساتھ اپنے مجبود حقیقی کی خوشنودی حاصل کر لے۔ مومنین کے یہ تینوں اصناف (محدثین، فقہاء اور صوفیہ) علم و عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے مقاصد اور مراتب کے لحاظ سے فضیلت میں باہم یکساں نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کی باہمی فضیلت اور درجات کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ [المجادلہ: ۱۱]

”اور ان کے جن کو علم دیا گیا اور جے بلند فرمائے گا۔“

اور فرمایا:

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا عَمِلُوا [الاحقاف: ۱۹]

”اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے عمل کے درجے ہیں۔“

۱۔ روایت حضرت ابو برداء، حسن ابن ماجہ، سنن ترمذی اور صحیح ابن جان وغیرہم میں، جبکہ امام احمد نے ”السنن“ میں حضرت صفوان المرادی رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ حمزہ الکنانی نے اس روایت کو سنن قرار دیا۔

۲۔ حدیث جبریل کے نام سے معروف متفق علیہ روایت جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

أَنْظُرُ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۗ [بنی اسرائیل: ۲۹]

ترجمہ: ”دیکھو، ہم نے ان میں سے ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لوگ آپس میں اس طرح برابر ہیں جیسے کنگھی کے دندانے؛ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر صرف علم اور تقویٰ کی بنیاد پر۔“

اگر کسی کو دین کے اصول، فروع، حقوق، حقائق، حدود اور احکام کی ظاہراً باطناً سمجھ نہ آئے تو اس پر لازم ہے کہ وہ محدثین، فقہاء اور صوفیہ کی طرف رجوع کرے۔ ان مذکورہ تینوں اصناف کے لوگ علم و عمل حقیقت اور حال سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور انہیں علم، عمل، مقام، کلام، فہم و فراست اور بیان میں سے اسی قدر حصہ ملتا ہے کہ جس قدر انہوں نے حاصل کیا اور جو کھو دیا سو اس سے جاہل رہے۔ ان میں کسی کو یہ کمال حاصل نہیں ہوتا کہ تمام علوم کا احاطہ کر سکے، جو جس مقام پر فائز ہوتا ہے وہ فقط اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ میں آگے چل کر ان جملہ اصناف عباد کے اس پہلو سے بحث کروں گا کہ انہوں نے کس کس علم یا عمل کی کون سی قسم پر عبور حاصل کیا۔ ان کی فضیلت میں باہمی فرق کی کیا وجوہات ہیں اور یہ کہ ان میں سے اعلیٰ طبقہ کونسا ہے۔

طبقات محدثین اور ان کے مخصوص علوم و فنون

اس عنوان کے تحت طبقات محدثین، ان کا طریق روایت، معرفت حدیث اور علم حدیث میں ان کے مخصوص مقام کے بارے میں بیان کریں گے۔

محدثین کرام نے خود کو حدیث رسول اللہ ﷺ کی ظاہری صورت سے متعلق رکھا اور کہا کہ یہ دین کی اساس ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تَنْبَغِيهِمْ: ”اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔“ [الحشر: 7]

جب انہیں (محدثین) اس طرح قرآن حکیم نے خطاب کیا تو وہ اس سلسلے میں دور دراز کے سفروں پر روانہ ہو گئے، راویان حدیث رسول سے ملاقاتیں کیں، ان کے پاس قیام کیا، ان سے احادیث نقل کیں اور صحابہ و تابعین سے جو کچھ روایت کیا گیا اُسے جمع کیا پھر ان تمام معلومات کو اکٹھا کر کے محفوظ کر لیا جو انہیں صحابہ و تابعین کے حالات زندگی، اعمال و آثار، مسالک، احکام میں اختلاف، اقوال، احوال اور ان کے اخلاق کے بارے میں میسر آسکیں۔ انہوں نے تمام روایات کو بذاتِ خود سنا اور انتہائی ضبط و احتیاط کے ساتھ درایت کے کڑے اصول کے مطابق ان کی صحت کا خیال رکھا اور یہ بھی پیش نظر رکھا کہ راوی ثقہ ہو تو یہی صفات اس سے پہلے کے راوی میں بھی موجود ہوں کہ جس سے اس نے روایت کیا۔ اور اس طرح ثقاہت کا یہ سلسلہ حدیث کے پورے سلسلہ اسناد میں آخری تک چلا جائے۔

انہوں نے راویان حدیث سے نقل و ضبط کے دوران ان کی جائے بود و باش سے بھی واقفیت حاصل کی اور ان کے اسماء کنیتوں اور نشین پیدائش و وفات کو بھی مدون کیا۔ اور یہ بھی معلوم کیا کہ راویان حدیث میں سے کس نے کتنی حدیثیں روایت کیں، کس سے روایت کیں اور کس سے نقل کیں۔ اور ان میں سے کس سے دورانِ نقل غلطی ہوئی، کس نے ارادی طور پر غلطی کی اور کس نے غیر ارادی طور پر۔ مختصر یہ کہ مذکورہ تمام اصول و ضوابط کو برپا کرنے کے بعد انہیں دروغ گو اور راست گو راویوں کے ناموں کا علم ہو گیا، ایسے راویوں کا پتہ چلا جو روایت میں اکیلے تھے، یا ان کی روایت دوسروں کی روایت سے بحیثیت الفاظ مختلف تھی، بہر حال انہیں یہ علم ہو گیا کہ ہر حدیث کو کتنے راویوں نے بیان کیا اور اس کے نقل کرنے والوں میں کیا کمزوری تھی۔

اس کے بعد محدثین نے تمام احادیث کو اکٹھا کر کے ان کے علیحدہ علیحدہ باب قائم کیے صحیح احادیث کو ان احادیث سے جن میں اختلاف تھا یا جس کا راوی ضعیف تھا، جدا کر دیا تاکہ متفق علیہ اور مختلف فیہ احادیث میں فرق واضح ہو۔ اور ہر کم اور زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے راوی کی روایت کی خوب چھان بین کی۔ مختلف علاقوں کے ائمہ کی احادیث کو سمجھا اور طبقات رواۃ کے بارے میں بھی واقفیت حاصل کی کہ ان میں بلحاظ عمر کون چھوٹا تھا اور کون بڑا۔ کون پہلے تھا اور کون اس کے بعد اس کے علاوہ ان محدثین کرام نے روایت حدیث میں راویوں کے اختلاف سے متعلق جملہ اسباب و علل ترمیم و تنسیخ اور

ان کی جائے بود و باش کا پوری طرح جائزہ لیا۔ چونکہ حدیث دین کی اساس ہے اور محدثین کرام اس فن میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض تو یہ حق رکھتے ہیں کہ فنی مہارت اور زبردست قوت حافظہ رکھنے کے لحاظ سے علماء پر جرح، رد اور قبول حدیث کے سلسلے میں ان کی گواہی قابل قبول ہوتی ہے اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل، امر و نہی اور دعوت کے سلسلے میں ان کی گواہی بھی قابل قبول ہوتی ہے۔ قول باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يُكُونَ الرَّسُولَ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا [البقرة: ۱۴۳]

ترجمہ: ”اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں میں سے افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔“

اس آیت کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ شہداء سے مراد اصحاب حدیث ہیں۔ جو کہ رسول اللہ ﷺ ان کے صحابہ اور تابعین کے اقوال و افعال پر گواہ ہوں گے۔ اور یَكُونُ الرَّسُولَ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا کا مفہوم یہ ہے کہ خود سید الرسل ﷺ اپنے اقوال و افعال، احوال اور اخلاق کے بارے میں محدثین کرام کی گواہی پر شاہد ہیں۔
قول نبوی ﷺ:

”جس نے (میرے قول و فعل سے متعلق) مجھ پر جھوٹ باندھا وہ یہ جان لے کہ جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔“

ایک اور حدیث ہے کہ اللہ ان کے چہروں کو رونق و تازگی بخشنے جو مجھ سے سن کر اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ ۵۔ آپ کی دعائی کا اثر ہے کہ محدثین کے چہروں پر رونق ہوتی ہے۔

محدثین نے فن حدیث کے مفہوم و معنی اور اصول و قوانین کے بارے میں باقاعدہ تصنیفات کی ہیں اور علوم دینی کے اس اہم شعبے میں کئی معروف ائمہ فن بھی ہیں جن کے معاصرین ان کی فضیلت علمی، دیانت اور عمق ریت و ذہانت کی بنا پر ان کی امامت پر متفق ہیں۔ اس ضمن میں خاصی تفصیلات موجود ہیں تاہم جو کچھ بیان کیا گیا وہ سمجھنے والوں کے لیے کافی ہے۔

۱ حدیث متواتر ہے جسے ساتھ سے زیادہ صحابہ کرام بخندسہ نے روایت کیا جن میں ”عشرہ مبشرہ“ بھی شامل ہیں۔

۲ اصحاب سنن نے حضرت عبدالقدوس مسعود سے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس پر حکم لگاتے ہوئے اسے ”صحیح“ قرار دیا جبکہ امام بیہقی نے اسے حدیث متواترہ میں شمار فرمایا۔

طبقات فقہاء اور ان کے مخصوص علوم و فنون

اگرچہ طبقات فقہاء کو محدثین پر فضیلت حاصل ہے مگر وہ محدثین سے کاملاً اتفاق کرتے ہیں۔ فقہاء، لہجہ حدیث، استنباط اور ترتیب احکام میں وقت نظری، حدود دین اور اصول شریعت میں گہری تحقیق کا ملکہ رکھتے ہیں۔ انہی نے کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں ناسخ و منسوخ اصول و فروع اور خصوص و عموم کو جدا جدا بیان کر کے ان میں فرق کو واضح کیا ہے۔ مسلمانوں کی سہولت کے پیش نظر قرآن و حدیث کے احکام کو بیان کیا اور بتایا کہ وہ کون سی آیات و احادیث ہیں جن کا حکم تو منسوخ ہے مگر ان کی تحریری صورت باقی ہے۔ اور وہ کون سی آیات و احادیث ہیں جن کی تحریری صورت باقی نہیں مگر ان کا حکم موجود ہے۔ اور وہ کون سی آیات و احادیث ہیں جو لفظی حیثیت سے تو عام ہیں مگر مفہوم کے اعتبار سے خاص ہیں، یا لفظی طور پر خاص ہیں اور معنوی اعتبار سے عام ہیں۔

اسی طرح اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ کن آیات و احادیث میں خطاب جماعت سے ہے مگر اس سے مراد کوئی ایک فرد ہے۔ یا کس مقام پر خطاب ایک سے ہے اور مراد جماعت ہے۔ انہوں نے جہاں مخالفین کو عقلی دلائل سے بھرپور جواب دیئے وہاں مگراہوں کی واضح دلائل سے رہنمائی بھی کی ہے۔ اور لاریب ان کی یہ تمام سماعی فقط خدمت دین کے لیے تھیں۔

انہوں نے استنباط احکام میں بالترتیب نص قرآنی، حدیث رسول، نص قرآنی پر قیاس اور اجماع امت کو اپنا محور بنایا۔ جنہوں نے ان سے مناظرہ کرنا چاہا ان سے باقاعدہ آداب مناظرہ کے مطابق گفتگو کی۔ اور جو مجادل کرنا چاہتے تھے ان سے اسی کے آداب کے مطابق پیش آئے۔ اور اپنے مخالفین کا مقابلہ حتی دلائل و شواہد کے ساتھ کیا۔ الغرض انہوں نے ہر بات موقع و محل کی مناسبت سے کی۔ ہر شرعی حد کو قائم رکھا، مختلف پیچیدہ اصطلاحات و الفاظ کے معانی واضح کئے، مزید یہ وضاحت بھی کر دی کہ اوامر و نواہی میں سے کون سے احکامات ضروری ہیں کون سے مستحسن ہیں اور کون سے ترغیبی و تنبیہی ہیں۔ جن احکام میں اشکال تھارفع کر دیا، عقدے کھول دیئے، قوانین واضح کر دیئے، شبہات زائل کر دیئے، اصول سے فروع کی تخریج کی، اجمال کی تشریح کی اور حدود دین کو اس احتیاط کے ساتھ بیان کیا کہ کوئی کمی باقی نہ رہی اور اس بات کی ہرگز گنجائش باقی نہ چھوڑی کہ کوئی شخص کسی کی تاویل وغیرہ میں آسکے (یعنی احکام کو بہت واضح کر کے بیان کیا۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی فقہاء کا طائفہ ہی ہے جس نے مسلمانوں کے حدود و قوانین کی حفاظت کی۔ اور یہی ہیں جن کا ذکر قرآن یوں کرتا ہے:

فَلَوْلَا نَفَعْنَا مِنْكُمْ آلِهَةٌ لَّاتَّبَعْتُمُوهَا فِي التَّبَاطُؤِ [التوبہ: ۱۲۴]

ترجمہ: ”تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس سے اللہ تعالیٰ کوئی اچھا کام لینا چاہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔“ ﴿

فقہاء کرام نے علوم فقہ میں مستقل تصنیفات چھوڑی ہیں۔ اور ان میں مشہور ائمہ فہم ہو گزرے ہیں جن کی امامت پر امت کا اجماع ہے۔

اس بارے میں مزید کہنا باعث طوالت ہوگا۔ بہر حال عقل مند کم سے ہی زیادہ کام لے سکتا ہے۔

﴿ بروایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد ہے، جبکہ سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

طبقات صوفیہ اور ان کے نظریات و احوال اور خصائص و محاسن

صوفیہ کرام کے تمام طبقے محدثین و فقہاء کے معتقدات سے کامل اتفاق کرتے ہیں۔ اور ان کے علوم و فنون مطالب و مفاہیم اور طریقوں سے کوئی اختلاف نہیں رکھتے بشرطیکہ ان میں اہو و لعب پر مبنی بدعات کی آمیزش نہ ہو اور خود ان محدثین و فقہاء پر بیرونی رسول کا غلبہ ہو۔

وہ صوفیہ کرام جو علمی لحاظ سے فقہاء و محدثین کے مرتبے کے نہیں ہوئے وہ ”حکم من احکام الشریعۃ او ہدمن حدود الدین“ اس کا ترجمہ اس قدر واضح نہیں ہے یوں کیا جائے تو شاید بہتر ہے احکام شریعت بھی اور اصول دین کی حدود جیسے مشکل مسائل کے حل کے لیے وغیرہ وغیرہ کے مشکل مسائل کے حل کے سلسلے میں انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور جس مسئلے پر فقہاء محدثین متفق ہوں اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور جہاں فقہاء و محدثین میں اختلاف پایا جاتا ہو وہاں صوفیہ کا طریق یہ ہے کہ احسن، اولیٰ، اور مکمل ترین صورت کو اپنایا جائے تاکہ اللہ نے جو احکام صادر فرمائے ہیں ان پر انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ عمل ہو سکے۔ صوفیہ کے ہاں امور دین کے سلسلے میں کسی قسم کی چھوٹ، تاویل، آسانس ڈھونڈنے اور شبہات کو راہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

جو کچھ سطور گزشتہ میں بیان ہوا وہ صوفیہ کے اس طرز عمل کے بارے میں تھا جو وہ فقہاء و محدثین کے ظاہری متداول علوم کے بارے میں اپناتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کے عمل کا ایک اور درجہ ہے اور وہ ہے۔ مراتب بلندی کا جانب بڑھنا۔ الفرض صوفیہ اخلاقِ جمیلہ اور عبادات و حقائق عبادت و اطاعت کے جن بلند ترین احوال و منازل پر فائز ہوئے اور جن اسرار و رموز سے وہ مختص ٹھہرے وہ فقہاء محدثین کو حاصل نہ ہوئی۔

صوفیہ کے مخصوص آداب، احوال اور علوم

صوفیہ کرام کی کچھ خصوصیات ہیں جن میں وہ باقی لوگوں سے منفرد ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جب فرائض کی ادائیگی اور افعال ممنوعہ سے اجتناب کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی اپنے سے غیر متعلق چیزوں کو علیحدہ کر دیتے ہیں اور ہر اس تعلق کو ختم کر دیتے ہیں جو ان کے اور مطلوب و مقصود کے درمیان حائل ہو۔ اور اس کا مطلوب و مقصود فقط اللہ ہی ہے۔ اور ان کے کچھ مخصوص آداب ہیں مثلاً زیادہ کے مقابلے میں تھوڑی سی دنیوی دولت پر قناعت قوت لایموت ضروری لباس، بچھونا اور دیگر انتہائی ضروری چیزوں پر گزارہ، امیری پر فقیری کو ترجیح کثرت کے مقابلے میں قلت پر قناعت، شکم سیری پر بیہوک کو اختیار کرنا، غرور، فخر اور علوم مرتبت سے کنارہ کشی چھوٹوں پر شفقت اور ہر ایک سے تواضع سے پیش آنا، خلق خدا کے لیے ضرورت کے وقت قربانی دینے کی جرأت، دنیا حاصل کرنے والوں پر رشک نہ کرنا، اللہ سے لو لگانا، آزمائشوں پر صبر

اختیار کرنا۔ اللہ کے ہر فیصلے پر اظہارِ رضا مندی، مسلسل مجاہدہ نفس، مخالفتِ خواہشات اور اس نفسِ امارہ سے دشمنی جسے اللہ نے امارۃ بالسوء کے نام سے پکارا اور جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”یہی نفسِ امارہ ہی وہ بدترین دشمن ہے جو تیرے پہلوؤں میں موجود ہے۔“^۱ (الغرض یہ وہ خوبیاں ہیں جو صوفیہ کرام کے اعلیٰ کردار کا جزو لاینفک ہیں۔)

خلوصِ اعمال

صوفیہ کے آداب و خصائل میں سے کچھ یہ بھی ہیں کہ وہ اللہ کی پوشیدہ حکمتوں پر غور کرتے ہیں۔ اس کا خوف ہر وقت دل میں موجود رکھتے ہیں، دلوں میں برے خیالات اور غائل کر دینے والے ایسے افکار جنہیں بجز ذاتِ علیم و خیر کے کوئی نہیں جانتا، کو ذہنوں میں جگہ نہیں دیتے۔ گویا وہ اس حالت میں اپنے معبودِ حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں کہ ان کے دل حاضر، ارادے متوجع اور نیتیں سیدھی ہوتی ہیں۔

بلاشبہ اللہ جل شانہ اپنے بندوں کی وہی عبادت قبول فرماتا ہے جو خالصتاً اسی کے لیے ہو جیسا کہ ارشاد فرمایا:

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ^۲ [الزمر: ۳]

ترجمہ: ”ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔“

صوفیہ اور حقیقتِ حقوق

صوفیہ کے خصائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اولیاء اللہ کے راستوں پر چلتے ہیں۔ اس کے بندگانِ خاص کی منزلوں کو پانے کی سعی کرتے ہیں۔ اور حقوق کی اصلیت جاننے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ وہ روح کی مکمل توجہ، نفس کشی، اللہ کی راہ میں زندگی پر موت کو ترجیح دینے، عزت کے بجائے اللہ کی خاطر ذلت قبول کرنے کا ایثار، گوہر مراد پانے کے لیے آسائش کی جگہ تنگی اور ارادہ حق کو اپنا ارادہ تصور کرنے کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔

مذکورہ تمام احوال و حقائق اور حقیقتِ حقوق کی وادیوں میں سے پہلی وادی ہے۔

کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ”ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو حارث رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا: ”میں نے نفس کو دنیا سے کنارہ کش کر لیا، راتیں جاگتے بسر کیں اور دن بیاسے گزارے، اور (اب کیفیت یہ ہے کہ) میں عرشِ الہی کو صاف دیکھتا ہوں، اہل بہشت مجھے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے نظر آتے ہیں اور اہل جہنم کو آگ میں جھوم کرتے ہوئے اپنے سامنے پاتا ہوں اور حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے اس بیان پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تو نے حقیقت کو پالیا۔ بس اسی پر خود کو قائم رکھو۔^۳

۱ امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کتاب الزہد میں روایت کیا۔

۲ سند ابھر میں روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ جبکہ امام طبرانی نے عمدة الکبیر میں حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کیا۔

دیگر علوم و معانی میں صوفیہ کا امتیازی مقام

کئی ایسی آیات و احادیث موجود ہیں۔ جن کا مفہوم بیان کرنے میں صوفیہ دیگر طبقات اہل علم سے بہت ممتاز ہیں۔ اور جو تفسیر یا استنباط وہ کرتے ہیں وہ اعلیٰ اخلاق کی دعوت دیتی ہے، احوال و فضائل اعمال کی بلندیوں سے سرفراز کرتی ہے اور دین میں ایسے بلند و ارفع مقامات کی نشاندہی کرتی ہے کہ جو صرف مؤمنین میں سے ایک موصوفہ گروہ یعنی صوفیہ، صحابہ کرام اور تابعین کا حصہ ہیں۔ اور یہی وہ احوال و آداب اور اعلیٰ خوبیاں ہیں جو ذات رسول اللہ ﷺ کا خاصا ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا:

”اللہ نے مجھے بہتر ادب و اخلاق سکھایا۔“ ۵

اور اللہ نے آپ کی بلندی کی اخلاق کو اس طرح بیان فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿١٠﴾ [القلم: ۱۰]

ترجمہ: ”اور بے شک تمہاری نظر ثانی بڑی شان کی ہے۔“

صوفیہ کرام نے آیات و احادیث کی جو تفسیر کی ہیں یا ان سے جو استنباطات کئے ہیں وہ علماء و فقہاء کے بس کا روگ نہیں یہ کام صرف وہ صوفیہ کر سکتے ہیں جو اوال العلم قائما، بالقسط کے دائرے میں آتے ہیں۔ ان کے ذمے یہی کچھ ہے وہ ان کا اقرار کریں اور ان کی حقیقت کو تسلیم کریں۔ مثلاً کچھ حقائق جو صوفیہ نے بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں: تو بہ کی حقیقت، اس کی صفات، تو بہ کرنے والوں کے درجات اور ان کے حقائق جو صوفیہ نے بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں: تو بہ کی حقیقت، اس کی صفات، تو بہ کرنے والوں کے درجات اور ان کے حقائق۔

ورع (پرہیزگاری) کی بارکیاں، اہل ورع کے احوال،

اہل توکل کے طبقات

اللہ کے فیصلوں کے آگے سرخم کرنے والوں کے مقامات۔

اور صبر کرنے والوں کے مراتب

اس کے علاوہ اور کئی ایسے احوال و آداب ہیں جن کے بارے میں صوفیہ کی اپنی تشریحات اور حقائق ہیں جو فقط انہی کا

حصہ ہیں

صوفیہ میں سے ہر ایک اپنی اپنی بساط کے مطابق ان حقائق کو بیان کرتا ہے۔

یعنی جس قدر حصہ علم و دانش کا اللہ انہیں عطا فرماتا ہے۔ اسی کے مطابق وہ بیان کرتے ہیں۔

صوفیہ عظام کی خصوصیات کے بارے میں ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں۔ وہ

حرص، امید، ریاکاری، پوشیدہ خواہشات اور شرکِ خفی کے اسباب و علل سے بھی باخبر ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کس

طرح ان برائیوں سے خلاصی پا کر اللہ کی پناہ حاصل کی جاسکتی ہے۔

وہ ہمہ وقت اللہ ہی سے صدق دل کے ساتھ التجاء کرتے ہیں۔ اور اپنے ہر معاملے کو اسی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی کے

۵ امام ابن حجر مقلانی نے اسے ”الذاتی المنورہ“ میں ذکر کیا، مفہوم تو درست ہے مگر سند صحیح نہیں۔

آگے سر نیا ختم کرتے ہیں اور اسی کے سہارے ہر قوت و خوف سے خود کو محفوظ رکھتے ہیں۔

صوفیہ کرام نے ایسے مسائل و نکات علوم دینیہ میں پیدا کئے، جو فقہاء و علماء کی فہم سے بالا ہیں اور یہ باریک مسائل ان اشارات میں مخفی ہوتے ہیں۔ جن کی نشاندہی صرف صوفیہ کی بصیرت ہی کر سکتی ہے۔ جیسے عوارض و علائق، حجابات، پوشیدہ اسرار، مقامات اخلاص، احوال معارف، حقائق افکار، درجات قرب، حقیقت توحید، منازل تعزیر، حقیقت بندگی، وجود عالم کو ازل کے ساتھ مٹانا (یعنی صرف ازل جو کہ اللہ کا حکم ذاتی ہے اور ہمارے وجود سے قبل بھی اسی طرح موجود تھا جیسے اب ہے کہ ذریعے کائنات کے موجود کو جو بہر طور ازل کے مقابلے میں نیست ہے، فانی گردانا جائے۔) قرب قدیم سے حادث کا معدوم ہوجانا، عطا کرنے والے کے دیدار کی بقاء، عطاء محسن کی فناء اور احوال و مقامات سے گزر، احساس مقصد کو احساس مقصود میں فنا کر دینا، اور دشوار گزار تار یک راستوں کو طے کرنا یہ ہیں وہ مخصوصات جو صوفیہ ہی کا حصہ ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں مذکورہ تمام موضوعات سے متعلق پیچیدگیوں کا علم ہے۔ خلوت ہو کہ جلوت وہ ہر وقت ان پر کار بند رہتے ہیں۔ اور ان کی آبیاری خون جگر سے کرتے ہیں۔ انہیں ان سے اس قدر آگہی حاصل ہوتی ہے کہ وہ ان کے ذائقے اور کی مٹشی کے بارے میں صحیح معلومات دے سکتے ہیں۔ وہ ان نکات و مسائل کے بارے میں کسی کے بے دلیل دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور وہ ان میں سے غلط و صحیح کی پہچان رکھتے ہیں۔ یہ اجمالی گفتگو تفصیلات سے کہیں بڑھ کر رہے اور یہ کسی طرح بھی قرآن و سنت سے باہر نہیں۔ ان کے اہل لوگ اس کی سمجھ رکھتے ہیں۔ اور علماء ان کا انکار نہیں کرتے۔ مگر کچھ ظاہری علوم رکھنے والے اس علم تصوف کے قائل نہیں۔ کیونکہ وہ کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ میں سے صرف ظاہری احکام ہی کا علم رکھتے ہیں۔ اور وہی کچھ جانتے ہیں جس سے وہ اپنے مخالفوں پر سبقت لے سکیں۔ اور یہ عمل آج ہمارے دور کے وہی لوگ اپناتے ہیں جو دنیوی جاہ و منصب اور شان و شوکت کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ آپ کو ایسے ملیں گے جو تصوف میں مشغول رہنا چاہتے ہوں۔ کیونکہ اس میں جفاکشی اور محنت کرنا پڑتی ہے یہ گھٹنوں کو تھکا دیتا ہے اور دل میں درد کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس میں آنکھیں بھیگ جاتی ہیں، اور یہ چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو چھوٹا بنا دیتا ہے۔ تو کب کوئی اس وادی میں قدم رکھنے کی ہمت کرتا ہے نفس کو اس کے حصول میں کوئی حظ نہیں آتا کیونکہ اس میں نفس کشی، دنیا و مافیہا سے بے خبری اور خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء ظاہر اس علم (تصوف) کو ترک کر کے ایسے علم میں مشغول ہو گئے ہیں، جو انہیں دین میں بے جا مباحث، تاویلات اور رخصت کی اجازت دے اور جو بشری لذتوں سے زیادہ قریب ہو اور عیش کوش طلبا کعب پر بار نہ ہو۔

صوفیہ عظام پر چند الزامات اور ان کی تردید

ائمہ دین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ جل جلالہ نے قرآن حکیم میں صوفیہ کا ذکر ذیل کے اسماء کے ساتھ کیا ہے۔
قرآن حکیم میں صوفیہ کے مختلف اسماء

الصادقین (سچے) الصادقات (سچی عورتیں) القانتین (ادب والے فرمانبردار) القانتات (ادب والی فرمانبردار عورتیں) الخاشعین (عاجزی کرنے والے) الموقنین (یقین والے) المخلصین (فقط اللہ کی بندگی کرنے) المحسنین (نیک والے) الخائفین (اللہ کا خوف رکھنے والے) الراجین (امید رکھنے والے) الواجلین (ڈرنے والے) العابدین (عبادت کرنے والے) السائحین (روزے رکھنے والے) الصابرين (صبر والے) الراضین (راضی رہنے والے) المتوکلین (توکل والے) المنخبین (تواضع والے) الاولیاء (اللہ کے ولی) المتقین (تقویٰ والے) المصطفین (منتخب، چنے ہوئے) المجتبین (چنے ہوئے) الابرار (نیوکار) المقربین (قرب والے) اور ایک اسم، مشاہدین کا ذکر اس آیت میں یوں فرمایا:

أَوْ أَلْقَى السَّحَابَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ [ق: ۳۷]

اور صوفیہ کے ایک اسم اطمین کا ذکر یوں فرمایا:

أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَكْمَلِينَ الْقُلُوبِ ﴿٢٨﴾ [الرعد: ۲۸]

ترجمہ: ”سن لو! اللہ ہی کی یاد میں دلوں کا چین ہے“

اس کے علاوہ قرآن میں مزید اسماء صوفیہ بھی مذکور ہیں جیسے السائقین (سبقت لے جانے والے) المتصدین (میانہ رو) اور ”المسارعین الی الخیرات“ بھلائیوں میں جلدی کرنے والے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میری امت میں ایسے بکھرے غبار آلود بالوں والے اشخاص موجود ہیں۔ کہ اگر وہ کسی

معاملے میں اللہ پر قسم کھا جائیں تو وہ ان کو ان کی قسم میں سچا فرمادے۔“ ﴿

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت وایضہ سے (ایک استفسار کے جواب میں) فرمایا: اپنے دل سے پوچھو۔ ﴿

آپ نے کبھی کسی اور صحابی سے اس طرح کی بات نہیں کی۔

ایک روایت میں ہے:

”میری امت میں سے ایک شخص کہا جاتا ہے کہ وہ اویس قرنی ہیں جن کی شفاعت پر قبائل ربیعہ و

مضر کے برابر افراتجنت میں داخل کیے جائیں گے۔“

﴿ امام مسلم نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ رب اشعت اغبر مدفوع الی الابواب لو اقسام علی الی۔ ج۔

امام احمد نے منہ میں، اور امام دارمی نے ”سنن“ میں روایت کیا جبکہ امام نووی نے ریاض الصالحین میں اسے ”حسن“ قرار دیتے ہوئے ان الفاظ سے روایت کیا:

استفت نفسك وان افتاك المفتون۔

اور فرمایا:

”میری امت میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب تلاوت کرتے ہیں تو مجھے ان کے دلوں پر خشیت الہی کے طاری ہونے کا سماں دکھایا جاتا ہے اور طلق بن حبیب ان ہی میں سے ہیں۔“

اور فرمایا:

”میری امت کے ستر ہزار افراد بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ لوگ کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: جو خود کو داغے ہیں اور نہ ہی جادو منتر کی طرف رجوع کرتے ہیں بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“ ۵

اس ضمن میں آثار اخبار اس قدر کثرت سے تو اتر کے ساتھ موجود ہیں کہ سب کا ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ بہر صورت جو کچھ ذکر سطور بالا میں مختلف اسماء اور افراد کا ہوا ان سے مراد امت محمدیہ کے صوفیہ ہی ہیں۔ اگر امت مسلمہ میں صوفیہ کرام موجود نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کبھی ان کا ذکر نہ فرماتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجسم میں ان کا تذکرہ فرماتا۔

جب ہم نے یہ جان لیا کہ لفظ ایمان تو تمام مؤمنین کو شامل ہے اور صوفیہ کو خصوصی اسماء سے پکارا گیا جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں، تو یہ بات واضح ہو گئی کہ علامۃ المسلمین پر ان کو خصوصیت حاصل ہے۔ ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام عند اللہ سب سے بڑے مقام کے حامل ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا اپنے رب سے راز و نیاز کا تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ پر کمال درجے کا ایمان و یقین رکھنے کے ساتھ اس کے احکام پر بھی پوری طرح عمل پیرا ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام بشری تقاضوں جیسے خورد و نوش، نیند اور دیگر عوارض سے مبرا نہیں ہوتے۔ انہیں اولیاء کرام پر وحی، رسالت اور نبوت کے سبب جو فوقیت حاصل ہے۔ اس میں کوئی بھی ان کا ہسر نہیں ہو سکتا۔

صوفیہ کرام کی نظر میں فقہاء ظاہر کی حیثیت اور فقہ کی مدلل تعریف

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جسے اللہ تعالیٰ بھلائی سے نوازا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔“
حسن بصریؒ فقہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:
”فقہ دین سے دل نہ لگانے والے، آخرت کو چاہنے والے، اور امور دین میں بصیرت رکھنے
والے کو کہتے ہیں۔“

فَلَوْ لَا تَفَرُّ مِنْ كُلِّ فُرْقَةٍ مَعْنَهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ [التوبة: ۱۲۴]

ترجمہ: ”تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے، کہ دین کی سمجھ حاصل کر لے۔“

مذکورہ آیت مبارکہ میں لفظ دین، ظاہری و باطنی احکامات سے عبارت ہے۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ احوال و مقامات سلوک کے احکامات و معانی کی سمجھ حاصل کرنا طلاق، ظہار، قصاص، قسامت حدود اور غلاموں کو آزاد کرنے جیسے مسائل جان لینے اور سمجھ لینے سے کسی طرح کم فائدہ مند نہیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ احکام ظاہری سے متعلق مسائل سمجھنے کی ضرورت اس قدر نہیں پڑتی جس قدر باطنی احکامات کے مسائل کی۔ کیونکہ ظاہری احکامات کے مسائل ہر وقت پیش نہیں آتے بلکہ جب بھی اس طرح کی کوئی صورت واقع ہو تو کسی فقہیہ سے اس کے بارے میں پوچھ لیا جاتا ہے۔ اور اس طرح اس مسئلے کے پھر واقع ہونے تک سوال کرنے والا اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ لیکن باطنی احکامات و مقامات و مقامات سلوک کا جاننا عمر کے ہر حصے میں ہمہ وقت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ جیسے صدق، اخلاص، ذکر الہی اور ترک غفلت جیسے احوال کو اختیار کرنے کے لیے کوئی معین وقت نہیں بلکہ بندے پر ہر لمحہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان پر عمل پیرا رہے۔ صوفیہ عظام ان احوال و مقامات سے کامل آگہی رکھتے ہیں اور اسی کی جملہ تفصیلات بیان کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

بندے کو اس بات کا علم رکھنا چاہیے کہ اس کا راہ و خیال کیا ہے۔ اگر وہ حقوق سے تعلق رکھتا ہو تو اسے پورا کرے اور کسی خواہش نفس سے متعلق ہو تو اسے ترک کرے۔ جیسا کہ رب کائنات جل جلالہ نے نضر رسل سید الکونین علیہ التحیۃ والسلام سے خطاب فرمایا:

لَا تَطِغْ مَنْ أَعْقَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ [الکہف: ۶۸]

ترجمہ: ”اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلا

اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔“

الغرض مذکورہ بالا احوال کا تارک وہی ہو سکتا ہے جس کے قلب پر غفلت کی تار یکیاں چھا گئیں ہوں۔

موضوعات تصوف کی وسعت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ قرآن و سنت سے جس قدر احکامات تصوف، صوفیہ کرام نے اخذ کیے وہ بہر حال فقہاء کرام کے مستنبط احکام سے کہیں بڑھ کر ہوں کیونکہ علم تصوف کی دستوں کو محدود نہیں کیا جاسکتا اس کے راستے لطیف اشارات و دشاوار گزار صحراؤں، دلکش خیالات اور عطا و بخشش کے خزانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اور اس کا ادراک رکھنے والے ہر آن اہل طلب کی جھولیاں بھر رہے ہیں۔

اس دنیا میں ہر علم کی ایک حد ہے اور یہ حد تصوف پر آ کر ختم ہو جاتی ہے جب کہ تصوف کی حد کسی دوسرے علم پر ختم نہیں ہوتی اس کو کسی دوسرے علم کی احتیاج نہیں۔ اس کا یہ طریق ہے کہ سالک کو اپنے اعلیٰ مدارج کی طرف لے جاتی ہے۔ اس علم کا کوئی کنارہ نہیں کیونکہ اس کے مقصود کی کوئی حد نہیں اور علم تصوف کا وہ اعلیٰ ترین درجہ ہے جسے علم الفتوح کہتے ہیں، اللہ کی طرف سے اپنے مخصوص بندوں کو ودیعت کیا جاتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کے قلب کو اپنے کلام کی سمجھ عطا کر کے اپنے خطاب سے صحیح استنباط کا مالک عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلَ الدَّيْلِكِ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيَ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَكِدًا ۝ [الکہف: ۱۰۹]

ترجمہ: ”تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔“

اور فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [ابراہیم: ۷]

ترجمہ: ”کہ اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔“

بندوں پر اس کے فضل خاص کی کوئی نہایت نہیں۔ انہیں ہر حال میں شکر ادا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ شکر ادا کرنا خود اپنی جگہ ایک نعمت ہے اور مستوجب شکر ہے اور اس کے بے پایاں لطف و کرم کا ضامن۔

علوم دینیہ اور اس کے ماہرین

علوم دینیہ میں سے ہر علم اس کے ماہرین سے مخصوص ہے۔ جب کہ علماء کی ایک جماعت نے علم شریعت میں تخصیص سے انکار کیا ہے۔ اور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو صرف وہی کچھ لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا جو ان پر نازل کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۗ [المائدہ: ۶۷]

ترجمہ: ”اے رسول! پہنچا دو جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا۔“
اور اسی ضمن میں قول نبوی ﷺ ہے:

”جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لو تو ہنسو گے کم اور رو گے زیادہ۔“ ۱

اگر وہ علم جو رسول اللہ ﷺ کے قلب منور میں موجود تھا مگر صحابہ اس سے بے خبر تھے اس کے پھیلانے کی اجازت ہوتی تو ضرور صحابہ کو اس سے آگاہ کیا جاتا۔ اور اگر صحابہ اس کے بارے میں سوال کرنا درست سمجھتے تو ضرور پوچھتے (یعنی یہ بات ثابت ہوگئی کہ کچھ علوم ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں تخصیص ہوتی ہے)

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے افراد موجود تھے جو بعض مخصوص علوم سے بہرور تھے۔ جیسا کہ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ اساء منافقین کا علم رکھتے تھے جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے سکھا تھا۔ اور اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ان سے منافقین کے ناموں کے بارے میں پوچھتے تو کہتے ”کیا میں ان میں سے ہوں۔“ ۲
اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ستر علوم سکھائے ہیں اور یہ علوم آپ نے میرے سوا کسی اور کو نہیں تعلیم کیے۔ ۳

تخصیص علوم کے باب میں ہم نے تفصیلی ذکر تو اس کتاب کے آخر میں کیا ہے یہاں اس کے بارے میں صرف اسی قدر کہنا ہے کہ جو علم، صوفیا کرام محدثین اور فقہاء عظام کے ہاں متداول ہے۔ وہ علم لوین ہے جس کی ہر شاخ سے واقفیت رکھنے کے لیے اہل علم میں سے مخصوص افراد ہیں جنہوں نے علم دین کی تمام اصناف پر علیحدہ علیحدہ تصانیف اور اقوال ہمارے لیے چھوڑے ہیں۔

الغرض ہر علم اور ہر فن کے اپنے اپنے ماہرین ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ محدثین نے کبھی اپنے مسائل کے حل کے لیے فقہاء کی طرف رجوع کیا ہو۔ اور نہ ہی کبھی فقہاء نے فقہ کی پیچیدگیوں کے بارے میں محدثین سے گفتگو کی۔
اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی شخص مقامات سلوک و لطائف قلب کے بارے میں صوفیہ کے علاوہ کسی سے معلومات

۱ امام بخاری، حاکم، احمد، ترمذی، بطرانی نے اسے روایت کیا، امام حاکم نے اسے ”صحیح قراؤا“۔

۲ ”صحیحین“ میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

۳ امام ابو نعیم نے علیہ الاولیاء میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اسے روایت کیا۔

حاصل کر سکے۔

اور کسی کو بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ کسی کے بارے میں معلومات نہ رکھتے ہوئے کوئی بات کرے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو بلاشبہ خود کو ہلاکت میں ڈالے گا۔ اللہ ہمیں اس طرح کی غلطیوں کے ارتکاب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

صوفی کو ’صوفی‘ کیوں کہتے ہیں؟

ایک شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ تو نے محدثین کو علم حدیث، اور فقہاء کو علم فقہ سے منسوب کیا۔ مگر صوفیہ کو کسی مخصوص کیفیت، حال، یا علم سے منسوب نہ کیا۔ جب کہ زاہدوں کو زہد، توکل کرنے والوں کو توکل اور صبر کرنے والوں کو صبر سے منسوب کیا۔

میرا جواب یہ ہے کہ صوفیہ کو کسی ایک صفت یا علم سے منسوب نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معدن علم اور طرح طرح کے احوال محمودہ سے متصف ہوتے ہیں، ہمہ وقت منازل ترقی طے کرتے رہتے ہیں، ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اپنے رب کی قربتوں سے شاد کام ہوتے ہیں۔ اور ہر لحظہ اللہ سے بہت قریب ہونے کے مشتاق رہتے ہیں۔ اب ایسی حالت میں ان کو کسی ایک مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ لہذا میں نے ان کے ظاہری لباس ہی سے انہیں منسوب کیا (یعنی اون کا لباس پہننے والے) کیونکہ اون کا لباس پہننا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء و اصفیاء کا شعار رہا ہے جیسا کہ بیشتر روایات اس کی موید ہیں۔

اگر میں نے ان کو ان کے ظاہری لباس کی مناسبت سے ہی ایک نام سے یاد کیا ہے تو فقط اس لیے کہ یہی لفظ صوفی ہی ان کے تمام علوم، اعمال اور اخلاقی حمید کا پتہ دیتا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا ذکر کیا تو انہیں ان کے ظاہری لباس کی مناسبت سے حواری کے نام سے پکارا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: **إِذْ تَقَالَ الْحَوَارِيُّونَ النَّخِ [المائدہ: ۱۱۲]** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو اس لیے حواریوں کے نام سے پکارا گیا کہ وہ سفید لباس پہنتے تھے۔ اللہ نے انہیں ان کے لباس سے منسوب کر کے پکارا ان کے اعمال، احوال اور علوم و اخلاق سے نہیں۔

میرے نزدیک صوفیہ بھی اپنے ظاہری لباس سے اسی طرح منسوب کر کے پکارے جاتے ہیں جیسا کہ سفید لباس پہننے کے باعث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو حواری کہا گیا۔ اور بلاشبہ صوفی پہننا انبیاء و اولیاء کا طریق ہے۔

اصطلاح صوفی کی تحقیق

کسی نے پوچھا کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے لوگوں میں تو صوفیہ کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ اگر کوئی تذکرہ ہے بھی تو فقط زاہدوں، عابدوں، ساجوں، فقراء اور صحابہ کرام کا۔

ہم اللہ کی توفیق سے یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت پاک سے مشرف ہونے کی ایک اپنی حرمت اور خصوصیت ہے اور جن نفوس قدسیہ کو یہ سعادت حاصل رہی انہیں صحابی کے نام سے ہٹ کر کسی اور نام سے موسوم کرنا تو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اور کیا آپ پر یہ عیاں نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، زاہدوں، عابدوں، اللہ پر توکل کرنے والوں، فقراء، مجاہدہ نفس کرنے والوں اور صابروں کے امام تھے، اور انہوں نے جو مقام بلند (مقام صحابیت) حاصل کیا وہ سرکار رسالت ماب ﷺ کی صحبت ہی کا اثر تھا۔

اس لحاظ سے صحابی رسول ﷺ ہونا خود سب احوال سے بڑھ کر ہے اور اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں۔ اور ایسی صورت میں صحابی رسول ﷺ کو کسی اور نام سے یاد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ (اسی بناء پر صحابی کو صوفی کے نام سے نہیں موسوم کیا گیا)

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صوفی بعد کے زمانے کی ایک خود ساختہ اصطلاح ہے جسے بغدادیوں نے گھڑا، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ حضرت حسن بصری جنہوں نے بعض صحابہ کا دور پایا تھا، کہتے ہیں کہ:

”میں نے طواف کعبہ کے دوران ایک صوفی دیکھا اور اسے کچھ دینا چاہا مگر اس نے لینے سے انکار

کر دیا۔ اور کہا کہ میرے پاس چار درہم موجود ہیں جو میرے لیے کافی ہیں۔“

سنان شریفی فرماتے ہیں:

”اگر ہاشم الصوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاء کی حقیقت معلوم نہ ہو سکتی۔“

تاریخ مکہ کرمہ پر مشتمل ایک کتاب اخبار مکہ میں محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے راویوں سے روایت ہے کہ ”اسلام سے قبل مکہ پر ایک ایسا دور بھی آیا تھا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا کوئی نہ تھا، ان حالات میں کسی دور دراز مقام سے ایک صوفی آتا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا۔“

اگر مذکورہ روایت درست ہے تو ثابت ہوا کہ لفظ صوفی قبل از اسلام بھی مروج تھا اور نیکو کار لوگوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔ باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ثبوت علم باطن

اہل ظاہر کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ہم تو صرف ظاہری طور پر علم شریعت کو جاننے کا اقرار کرتے ہیں۔ جب کہ علم باطن اور علم تصوف سراسر بے معنی ہے۔ اللہ کی توفیق و تائید سے ہم یہ جواب عرض کرتے ہیں کہ علم شریعت ایک ہی علم اور اسم ہے جو دو لفظوں روایت اور درایت کو شامل ہے یعنی علم شریعت بیک وقت اعمال ظاہری و باطنی کی دعوت دیتا ہے۔ کیونکہ علم جب تک دل میں رہے باطنی کہلاتا ہے اور زبان تک پہنچے تو ظاہری۔ گویا علم کی دو قسمیں ہوئیں۔ ظاہری اور باطنی، اور یہ علم شریعت ہی ہے جو ظاہری و باطنی اعمال کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اعمال ظاہری سے مراد وہ اعمال ہیں جو انسان کے ظاہری اعضاء انجام دیتے ہیں۔ پھر اعمال ظاہری کی دو قسمیں ہیں، عبادات اور احکامات۔ عبادات میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ حج اور جہاد وغیرہ شامل ہیں جب کہ حدود و طلاق، غلاموں کو آزاد کرنا، خرید و فروخت کے مسائل، وراثت اور قصاص وغیرہ احکامات میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جملہ احکامات و عبادات انسان کے ظاہری اعضاء سے ہے۔

جہاں تک اعمال باطنی کا تعلق ہے، تو وہ قلب سے متعلق ہیں۔ جیسے مقامات احوال یعنی تصدق، ایمان، یقین، صدق، اخلاص، معرفت، توکل، محبت، رضا، ذکر، شکر، توبہ، خشیت، تقویٰ، مراقبہ، فکر، اعتبار، خوف، امید و صبر، قناعت، تسلیم، تقویٰ، قرب، شوق و جد، حزن، ندامت، حیا، شرم، تعظیم اور ہیبت۔

مذکورہ اعمال باطنی کا اپنا اپنا مفہوم و معنی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی صحت و عدم صحت پر آیات قرآنیہ اور احادیث

نبوی ﷺ شاہد ہیں۔ جس نے ان کو جان لیا وہ ان کا عالم ٹھہرا اور جس نے ان کو نہ سمجھا وہ ان سے بے خبر رہا۔ جب ہم علم باطن کا نام لیتے ہیں تو ہماری مراد ان اعمال باطنی کا علم ہوتا ہے جو قلب پر جاری ہوتے ہیں۔ اور علم ظاہر کا مفہوم ان اعمال ظاہری کا علم ہے جو انسان کے ظاہری اعضاء انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَسْبِغْ عَلَيْكُمْ نِعْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً [لقمان: ۲۰]

ترجمہ: ”اور تمہیں بھر پور دیں، اپنی نعمتیں، ظاہر اور چھپی۔“

یہاں اس آیت مبارکہ میں نعمت و ظاہرہ سے اعمال ظاہری مراد ہیں۔ جو انسان ظاہری اعضاء کے لیے اللہ کی نعمت ہیں جب کہ نعمت باطنیہ قلب پر جاری ہونے والے احوال کو کہتے ہیں۔ گویا ظاہری اور باطنی اعمال کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور ان میں سے کوئی ایک، کسی دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ فرمان الہی ہے:

وَكُورِدُّوْةً إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلَىٰ أَوْلِيَ الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّيْهِ الَّذِينَ يَسْتَلِطُوْنَ لَهُمْ

[النساء: ۸۳]

ترجمہ: ”اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور ان سے اس کی

حقیقت جان لیتے، یہ بعد میں کاوش کرتے ہیں۔“

آیت مذکورہ میں مستبطل علم سے مراد علم باطن ہے جو کہ علم تصوف ہے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث سے اخذ کردہ نکات اور علوم صوفیہ کرام ہی کا حصہ ہیں۔ ان شاء اللہ ہم آگے چل کر ان میں سے کچھ کا ذکر کریں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم، قرآن، حدیث اور اسلام ہر ایک کے دو درخ ہیں یعنی ظاہری و باطنی۔ صوفیہ علوم ظاہری و باطنی کے ثبوت کے لیے بے شمار عقلی و نقلی دلائل رکھتے ہیں جن کی تفصیلات میں جانا یہاں حد اختصار سے تجاوز کا باعث ہو سکتا ہے۔ بہر حال جو کہا گیا یہ بھی صاحب فہم کے لیے کافی ہے۔

حقیقت تصوف

تصوف کی حقیقت کے بارے میں محمد بن علی القصاب، جو حضرت جنید بغدادیؒ کے استاد تھے، نے فرمایا: تصوف، رسول اللہ ﷺ کے ان اعمال کا نام ہے۔ جو انہوں نے ایک مبارک عہد میں شرفاء و صلحاء کے ایک گروہ کے سامنے انجام دیئے۔ جنید بغدادی نے تصوف کی تعریف یوں بیان کی: یہی تصوف ہے کہ تیرے اور تیرے رب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔ جناب رویم بن احمد نے ماہیت تصوف پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے: اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے مطابق رکھنا ہی تصوف ہے۔ حضرت سمنون تصوف کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: تو کسی دنیوی چیز کا مالک بنے اور نہ کوئی شے تیری مالک بنے، یہی تصوف ہے۔

ابو محمد جریری نے کہا: ہر بری اور فحش عادت کو چھوڑ کر پاکیزہ عادات اپنالینا تصوف ہے۔

عمر بن عثمان کئی کے نزدیک تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت عمل صالح اختیار کرنے کا خواہاں رہے۔

علی بن عبدالرحیم قناد: معنی تصوف کو یوں بیان کرتے ہیں: اپنے مقام و مرتبہ کو محبت الہی کے جذبے میں گم کر کے فنا سے کنارہ کش ہو کر دوام سے واصل ہونا حقیقت تصوف ہے۔

صوفیہ کون ہیں؟

صوفیہ کرام کی کیا تعریف ہے اور وہ کون ہیں۔ اس سوال کا جواب عبدالواحد بن زید یوں دیتے ہیں: صوفیہ وہ ہیں جو اپنی عقلوں اور قلوب کو مصائب و آلام کے باوجود ثابت قدم رکھتے ہیں۔ اور نفس کے ہر شعلہ شراغیز کو مرشدِ کامل کی اتباع سے سرد کر دیتے ہیں۔

ذوالنون مصری کہتے ہیں: جسے طلب تھا کہ نہ سکے اور سلب بے قرار نہ کرے وہ صوفی ہے اور صوفیہ ان لوگوں کا طائفہ ہے جنہوں نے ہر شے پر اللہ ہی کو غالب مانا، یہی وجہ ہے اللہ نے انہیں ہر چیز پر غلبہ عطا کیا۔

ایک صوفی سے کسی نے پوچھا کہ کس کی صحبت میں بیٹھوں؟ انہوں نے کہا: صوفیہ کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ قبیح چیزوں سے بچنے کے طریقے جانتے ہیں اور مادی قوت و عظمت کو اپنے ہاں جگہ نہیں دیتے۔ ان کی صحبت تجھے اس قدر بلند کر دے گی کہ خود پر ناز کرے گا۔“

جنید بن محمد کا قول ہے: صوفیہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں جب چاہتا ہے انہیں ظاہر کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے پوشیدہ کر دیتا ہے۔

ابوالحسن نوری فرماتے ہیں: صوفی وہ ہے جو سماع سنتا ہے اور اسباب کو تابع کر لیتا ہے، اہل شام صوفیہ کو فقراء کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بھی قرآن کریم میں صوفیہ کو فقراء کے نام سے ہی پکارا ہے:

لِنُفِّقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ [البقرة: ۱۷۷]

ترجمہ: ”ان فقیروں کے لیے جو راہِ خدا میں روکے گئے۔“

ابو عبداللہ احمد بن محمد بن یحییٰ الجلاء صوفی کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم تعریف صوفی کو شرط علم سے مشروط نہیں کرتے بلکہ صوفی وہ ہے جو اسباب سے بے نیاز ہو کر اللہ کے ہاں قریب ترین مقام پر فائز اور اللہ کی جانب سے ہر مقام کو جاننے کی نعمت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لفظ صوفی سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصل میں صَفْوٰی تھا اداسگی میں ثقیل ہونے کے باعث صوفی کہا جانے لگا۔

ابوالحسن قناد کہتے ہیں: صوفی، صفائے مشتق ہے اور صفا سے مراد اللہ کے لیے ہمہ وقت بشرط وفاداری قیام میں رہنا ہے۔

بعض کے نزدیک صوفی وہ ہے جسے دو عادتوں یا حالتوں کا سامنا ہو تو وہ ان میں سے اعلیٰ ترین پر پابند ہو۔

صوفی کی ایک رائے کے مطابق بندہ، عبودیت میں ثابت قدم ہو جانے اور اللہ کی جانب صفا قلب پالنے کے بعد حقیقت سے

آگہی حاصل کرتا ہے اور احکام شریعت سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ یعنی صفائے باطن کے حصول کے بعد ہی کوئی بندہ صوفی بنتا ہے۔

اگر کوئی آپ سے صوفی کی تعریف دریافت کر لے تو جواب یہی ہے کہ معرفت الہی سے بہرہ ور اپنے رب کے احکامات پر

ثابت قدمی سے عمل پیرا، کسی چیز کو یقین کی حد تک پہچان لینے کے بعد تسلیم کرنے والے اور اپنے مقصود کے حصول میں خود کو گم کر

دینے والے کو صوفی کہتے ہیں۔

ابوالحسن قتادہ کہتے ہیں۔ اگرچہ ظاہری لباس کی مناسبت سے ہر صوفی کو صوفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقتاً صوفیہ اپنے احوال و مقامات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوتے ہیں۔

ابوبکر شبلی لفظ صوفی کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صفاء باطن کی بناء پر صوفیہ کو اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا باطن صاف ہو جاتا ہے جس کی مناسبت سے ہی انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ اور آپ نے مزید فرمایا کہ صوفیہ اصحابِ صفہ کی یادگار ہیں۔

جہاں تک ظاہری لباس کے اعتبار سے صوفی کے پکارے جانے کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت کے لیے کئی روایات پیش کی جا سکتی ہیں مگر طوالت مانع ہے۔ مختصر یہ کہ انبیاء علیہم السلام اور سلفِ صالحین نے صوف پہننے کو اپنا شعار بنایا۔ تصوف سے متعلق ابراہیم بن مولد الرقی نے کوئی سو سے زائد جوابات دیئے ہیں۔ بہر حال صورت جو کچھ ہم نے اس ضمن میں پیش کیا وہ بھی کافی ہے۔

علی بن عبدالرحیم القناد نے تصوف اور اہل تصوف کے انحطاط پر یہ اشعار کہے ہیں۔
ترجمہ اشعار:

اہل تصوف باقی نہ رہے اور تصوف فسانہ بن کر رہ گیا۔ حالت یہ ہے کہ چیخ و پکار دکھاوے کے سوز و وجد اور ایک عام سی کیفیت کو تصوف کا نام دیا جانے لگا۔

اب علوم رہے نہ روشن دل، تجھے تیرے نفس نے جھوٹی خبر دی اور یہ کوئی اچھا طریق نہیں۔ یہاں تک کہ تو اس شخص کی مثل ہو گیا کہ جس کو چاروں طرف سے آنکھیں گھور رہی ہوں اور تجھ پر اس (تصوف) کے حادثات گزر رہے ہیں مگر تیرے باطنی ارادے پسپا ہیں۔

بعض مشائخ کرام نے تصوف کی تعریف تین طرح سے کی ہے۔

وہ کہتے ہیں: صفاء قلب، حسن خلق اور اتباع شریعت رسول اللہ ﷺ کا نام تصوف ہے۔

ترک ملکیت، لغو گفتگو سے پرہیز اور فقط اللہ کو اپنے لیے کافی سمجھنا تصوف ہے۔

اللہ کا بندے کو صفاء باطن کی صفت سے متصف کرنا ہی تصوف ہے۔

میں نے حصری سے صوفی کی تعریف پوچھی تو انہوں نے فرمایا: صوفی ایسے بندے کو کہتے ہیں جسے نہ زمین نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہو اور نہ آسمان اس پر سایہ لگن ہو۔ یعنی نہ آسمان نے براہ راست اس کو اپنے سایہ تلے رکھا ہو ہے اور نہ ہی زمین نے اٹھا رکھا ہے بلکہ وہ اللہ کے سہارے قائم رہتا ہے اور ہر واقعے کو منجانب اللہ تصور کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں نے اللہ کے کلام میں اپنی رائے کو شامل کیا تو کون سا آسمان مجھے پناہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اپنے اوپر اٹھائے گی۔ ❦

توحید اور موحّد

یوسف بن حسین رازئی نے فرمایا: ایک شخص نے ذوالنون مصری سے حقیقت توحید بیان کرنے کے لیے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا: حقیقت توحید یہ ہے کہ تو یہ جان لے کہ جملہ اشیاء میں قدرت الہ اس طرح موجود ہے کہ اسے ان اشیاء میں شامل کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ وہ پہلے ہی سے ان میں اصلاً موجود ہوتی ہے۔ اور اللہ نے ہر چیز کی مشق یا کوشش کے بغیر تخلیق کی ہے، اس کی صفت ہی ہر شے کی علت ہے جب کہ اس کی صنعت کی کوئی علت نہیں۔ آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ اور تیرے وہم و گمان میں اس کا جو بھی تصور موجود ہے وہ قطعی اس سے مختلف ہے۔

حضرت جنید توحید کے بارے میں فرماتے ہیں: توحید یہ ہے کہ موحّد (اللہ کو ایک جاننے والا) پوری طرح اللہ کے کمال احدیت کے ساتھ اس کی وحدانیت کا یقین کرتے ہوئے یہ جان لے کہ اس کی ذات واحد ہے کہ نہ اسے کسی نے جنم دیا اور نہ اس نے کسی کو جنم دیا۔ اور اس کے علاوہ تمام اضداد، امثال، اشبہ اور موجودوں کی مکمل نفی کرے۔

ایک اور موقع پر جنید بغدادی نے موضوع توحید پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: توحید ایک ایسا مفہوم ہے کہ جس میں تمام اشیاء و رسوم معدوم اور جملہ علوم ختم ہو کر رہ جائیں۔ اور صرف اسی کی ذات لم یزل باقی رہ جائے۔

مذکورہ بالا دونوں تعریفیں توحید ظاہری سے متعلق تھیں۔ اور جو تعریف ہم اب پیش کرتے ہیں اس کا تعلق توحید خاص سے ہے۔

حضرت جنید فرماتے ہیں۔ توحید خاص یہ ہے کہ بندہ اللہ کے حضور ایسے وجود کی مانند ہو جس پر اس کی تدبیر کے تصرفات اس کے احکام قدرت کے وقع کے ساتھ جاری ہیں، وہ بحر توحید کی موجوں سے کھیلتا ہو اس طرح فناء نفس سے ہمکنار ہو کہ دعوتِ خلق سے اسے سروکار نہ رہے اور قرب حق تعالیٰ کے ایسے مقام پر فائز ہو کہ فناء نفس کی منزل پر پہنچ کر اس کی حس و حرکت بھی رخصت ہو جائے۔ اور یہاں تک کہ وہ وجود وحدانیت رب کو قبول کرنے کا احساس تک بھی نہ کر سکے۔ اور وہ اپنے انجام کو آغا جان لے تاکہ اس کی حالت اس کے وجود میں آنے سے قبل کی ہی ہو جائے۔

مزید فرمایا کہ توحید، علاقہ زمانی کی تنگنائیوں سے نکل کر میدانِ سرمدیت میں قدم رکھنے کا نام ہے۔ جنید کے قول ”اس کی حالت اس کے وجود میں آنے سے قبل کی ہی ہو جائے“ کی وضاحت کے لیے ہم یہ آیت مبارکہ

پیش کرتے ہیں:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنَيِّ أَدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ [الاعراف: ۱۷۲]

ترجمہ: ”اور اے محبوب: یاد کرو جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی۔“

اور جنید بغدادی خود اپنے قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس وقت جب کہ بندوں کے وجود نہ تھے تو صرف ارواح نے ہی اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا تھا یعنی بندہ اپنے وجود کو اسی طرح نیست کر دے جیسے یوم الست کو صرف روح تھی اور اسی نے اقرار توحید کیا تھا۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ سے ایک شخص دلف بن جدر نے توحید مجرد کی حقیقت کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا: تجھ پر انوس ہے کہ توحید مجرد کے بارے میں زبانی وضاحت چاہتا ہے حالانکہ جس نے توحید کو الفاظ کا جامہ پہنا یا وہ طہ ہو، جس نے اس کی طرف اشارہ کیا وہ شرک ٹھہرا، جو اس سے خاموش رہا وہ جاہل ہے جس نے خود کو واصل سمجھا اسے کچھ ہاتھ نہ آیا، جس نے خود کو قریب سمجھا وہ دور ہے اور جس نے تکلف و جدواری کیا اس نے سب کچھ گھو دیا۔

جان لو کہ تم نے جب کبھی اسے اپنے اذہان، عقول اور خیالات کی مدد سے بزعم خود پوری طرح پہچاننے کی کوشش کی تو بیشک تمہارا نتیجہ باطل اور تمہارے اپنے وجود ہی کی طرح مصنوعی ثابت ہوا۔

اگر ہم یہاں ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کے توحید سے متعلق مذکورہ بالا قول کی کچھ وضاحت پیش کر دیں تو بے محل نہ ہوگا۔ کہنا یہ ہے کہ ان کی تمام تر تعریف توحید کا خلاصہ، قدیم کو حادث کے ذریعے پہچاننے سے علیحدہ کرنا ہے۔ یعنی یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان جو کہ حادث ہے وہ اللہ کی ذات قدیم کو واقعتاً پہچان سکے یا اس کی وصل حاصل کر سکے۔

بندوں کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق اس کی حمد و ثنا اور عبادت انجام دیتے رہیں۔

یوسف بن حسین نے توحید کی تین تعریفیں بیان کی ہیں:

پہلی:

توحید عامہ سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف وحدانیت کے پیش نظر رہتے ہوئے اضداد، امثال، اشکال اور انداز غائب ہو جائیں۔ اس حالت میں کہ حقیقت تصدیق کے غائب ہو جانے اور حقیقت اقرار کے باقی رہنے کے ساتھ رغبت و خوف سے سکون ملے۔

مذکورہ تعریف میں حقیقت تصدیق کے غائب ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ حقیقت تصدیق کے باقی رہنے سے بندہ رغبت و خوف سے سکون نہیں پاسکتا۔

دوسری:

توحید اہل حقائق: اس کی توحید کی ایک ظاہری تعریف اس طرح ہو سکتی ہے کہ روپہ اسباب و اشاہ کے غائب ہو جانے کے ساتھ اقرار وحدانیت ہو۔ اور یہ اقرار اس طرح ہو کہ امر و نہی پر ظاہر و باطن میں عمل ہو۔ اور قیام شواہد و استجابت کے ساتھ رغبت و خوف ماسوا کا ازالہ کیا جائے۔

اگرچہ سوال کیا جائے کہ معارضہ رغبت و خوف کے ازالے کا کیا مطلب جب کہ دونوں حق ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ رغبت و خوف دونوں حق ہیں اور دونوں اپنی جگہ موجود مگر انہیں غلبہ وحدانیت نے اس طرح مغلوب کر رکھا ہے جیسے سورج کی روشنی ستاروں کی روشنی پر غالب آجاتی ہے اور وہ بظاہر نظر نہیں آتے۔

تیسری:

توحید خاص: اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنی حقیقت، وجد اور قلب کے ساتھ اللہ عزوجل کے حضور میں اس طرح حاضر ہو کہ

اس کے تصرفات تدبیر اس پر جاری ہوں اور اس کے احکام قدرت اس پر اس طرح مرتب ہوں کہ بندہ بجز توحید میں غوطہ زن ہو کر پانی مراد کو واقعتاً پانے کے بعد اپنے نفس اور حواس کو فنا کر چکا ہو اور وہ پھر سے اسی طرح ہو گیا ہو جیسا کہ ہونے سے قبل تھا اور اس کا بیان جیسا کہ حضرت جنید نے کہا اللہ کے اس قول میں ہے "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ" اس آیت کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں۔

حقیقت توحید کے بارے میں مشائخ عظام کا ایک اور بیان بھی ہے۔ اور وہ بیان ہے اس پر فائز ہستیوں کا۔ انہوں نے اس کے بارے میں جو اشارات دیئے ہیں وہ اگر چہ سمجھنے سے بالا ہیں تاہم بعض کا ہم یہاں ذکر کر کے ان کی ممکن حد تک شرح بھی پیش کرتے ہیں۔

یہ اشارات دراصل ایک پیچیدہ علم ہے جو اس کے اہل لوگوں پر تو واضح ہیں اور جب ان کی تشریح کی جاتی ہے تو ان کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔ مجھے ان کی تشریح پر اس بات نے ابھارا کہ میں نے ان کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ جب کہ کتاب کو وہ بھی پڑھیں گے جو اسے سمجھ لیں گے اور وہ بھی جو نہیں سمجھ پائیں گے اور ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔

ہم نے جن اشارات کا ذکر کیا ہے ان میں سے رویم بن احمد بن یزید البغدادی کا یہ قول ہے کہ توحید آثار بشریت کے مننے اور صرف الوہیت کے باقی رہ جانے کو کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ آثار بشریت کے مننے سے ان کی مراد عادات نفس کا تبدیل ہو جانا ہے۔ کیونکہ یہ عادات نفس ربوبیت کو اپنی نظر میں اپنے افعال سے منسوب کرتی ہیں۔ جیسے بندے کا کہنا: "انا" "میں" جب کہ انا صرف اللہ ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ انیت صرف اللہ ہی کے لیے ثابت ہے۔ یہ تو معنی تھا "آثار بشریت کے مننے" کا اور "صرف الوہیت باقی رہ جانے کا مفہوم یہ ہے کہ قدیم کو حادث چیزوں سے بالکل الگ کر لے۔

ایک اور بزرگ کہتے ہیں کہ توحید، توحید کے سوا سب کچھ بھول جانے کو کہتے ہیں۔ یعنی صرف وہی کچھ یاد رہے جس پر حکم حقیقت کا وجود ثابت ہو۔

مزید کہا کہ وحدانیت حق کے سوا سب کچھ فنا کر دینے اور صرف اس کے باقی رہنے کا نام ہے ماسواء کے فنا سے مفہوم فناء عباد ہے۔ اس طرح کہ اپنے نفس و قلب کے ذکر کو فنا کر کے اللہ کی عظمت اور اسی کے ذکر کو دوام دے۔

ایک شیخ کہتے ہیں کہ توحید میں خلق اور اللہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہوتا۔ اور تو حید حق تعالیٰ کے لیے ہے جب کہ خلق صرف اس کے طفل میں ہے۔

توحید کے بیان میں ہم یہ آیت پیش کرتے ہیں اور اسی سے توحید کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔
قول باری تعالیٰ ہے:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَالسَّلَامَةُ ۖ وَأُولُو الْعِلْمِ قَالُوا لَمْ نَلْقَ بِهَا بِالْفَسْطِ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ ﴿۱۸﴾ [آل عمران: ۱۸]

ترجمہ: "اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں جو عزت والا اور حکمت والا ہے۔"

اللہ نے اپنی توحید پر خلق سے پہلے گواہی دی گویا من حیث الحق توحید کی حقیقت وہی ہے جس پر اللہ نے خود خلق سے پہلے گواہی دی اور من حیث المخلوق اس کی حقیقت وہی ہے۔ جو انہوں نے حقیقت و وجد کے اعتبار سے اسی قدر پائی جس قدر اللہ نے ان کے لیے مقرر کی اور جو اس نے ان سے چاہی۔ اور وہ لوگ صرف ”ملائکہ اور اولوالعلم اور قائمًا بالقسط“ ہی ہیں۔ اور بطریق اقرار توحید میں سب مسلمان برابر ہیں۔ اور جو طریق اقرار کا قابلِ اعتماد ہے وہ دل سے ہے زبان سے نہیں۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: جس نے توحید کے بارے میں کوئی تصور باندھا، مشاہدہ معانی کیا، علم الاسماء پر عبور حاصل کیا۔ اسماء الہی کی اللہ کی طرف نسبت کی اور صفات کو اس سے منسوب کیا اس نے توحید کی بوتل تک بھی نہیں سونگھی مگر جس نے یہ سب کچھ جاننے کے بعد اسے منفی کر دیا وہی مؤحد ہے مگر رسمی طور پر حقیقتاً نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خود ذات حق تعالیٰ ہی توحید سے بہتر طور پر آگاہ ہے وہ خود ہی اثبات صفات و لغوت کرتا ہے اور اسی انداز سے کرتا ہے جیسا کہ اس کے لائق شان ہے۔ توحید کو وہ خواہی لیے بہتر طور پر جانتا ہے کہ اس کے اور توحید کے درمیان کسی اور اک، ال اور تو ہم کا وسیلہ موجود نہیں ہوتا۔

بعض عارفین کا کہنا ہے کہ توحید وہ ہے جو صاحبِ بصیرت کو اندھا، عاقل کو متحیر اور ثابت قدم کو دہشت زدہ کر دیتی ہے۔ کیونکہ جو بھی حقیقت توحید کو جاننے کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اس کے دل میں عظمتِ کبر یا بسیرا کر لیتی ہے اور اس کی ہیبت اس پر طاری ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں بندہ ہیبت زدہ اور اس کی عقل حیرت زدہ ہو جاتی ہے۔

ابوسعید احمد بن عسیٰ خراز علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: مقام اولین اسی کو حاصل ہوتا ہے جو علم توحید کو پالیتا ہے۔ اور اس کی مدد سے تمام اشیاء ماسوا اللہ کے ذکر تک کو قلب سے منفی کر کے فقط اللہ کی یکتائی کو جان لیتا ہے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ توحید کی پہلی علامت بندے کا جملہ اشیاء سے خروج یا علیحدگی ہے۔ اور تمام اشیاء کو ان کے پروردگار کی طرف لوٹانا ہے۔ حتیٰ کہ مخلوق اپنے رب کے سامنے ہو اور وہ اسے دیکھتا ہو۔ اس صورت میں کہ وہ خود ان میں قائم اور متمکن ہو، پھر وہ انہیں ان کے نفوس میں اس طرح محض کر دے کہ وہ خود اپنے نفس سے مخفی ہو جائیں گویا ان کے نفس کو ان کے نفوس ہی میں مار کر انہیں اپنے لیے منتخب فرمائے۔ اس طرح کی توحید، ظہور توحید کی شیت سے باب توحید میں دیومیت ساتھ پہلا داخلہ ہے۔ اور اس کی وضاحت یوں ہے کہ اشیاء ماسوا اللہ کا ذکر قلب سے فنا ہو جائے اور اللہ کا ذکر بندے کے قلب پر اس طرح جاری ہو جائے کہ اللہ کے سوا تمام اذکار زائل ہو جائیں (یعنی اسے سب کچھ بھول جائے اور فقط ذکر خدا ہی یاد رہے۔)

دیومیت۔ دوام سے ہے یعنی ہمیشہ جاری و باقی رہنا۔

ہر شے سے خروج کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی استطاعت کی طرف یا نفس کی جانب کسی چیز کی نسبت نہ کرے۔ ہر چیز کی مضبوطی یا قوت کو اللہ کے ساتھ قائم مانے۔

جملہ اشیاء کا اپنے مالک کے حضور حاضر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک و متولی صرف اللہ کو جانے اور ان کا وجود اللہ کے ساتھ قائم مانے یہ نہ سوچے کہ اشیاء خود اپنی ذات سے قائم ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

ترجمہ شعر: ”ہر شے اسی کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے۔“

اور ہر چیز میں اس کے موجود ہونے سے مراد ہے کہ اگر بندہ اشیاء کی طرف نظر کرے تو اس پر تاویں کا غلبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اشیاء کا وجود اللہ کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

تلوین اور تمکین تصوف کے دو مقامات ہیں۔ مقام تلوین میں حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور سالک مغلوب الخال رہنے لگتا ہے۔ جب کہ مقام تمکین میں سالک کو قرار حاصل ہوتا ہے اور کبھی مغلوب الخال نہیں ہوتا۔ (مترجم)

اور یہ قول کہ ”اللہ ان کو ان میں مخفی کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ خود سے خود بے خبر ہوتے ہیں اور انہیں مار دیتا ہے ان کے نفوس ہی میں“ اس کی تشریح یہ ہے کہ انہیں کوئی حس نہیں رہتی اور نہ ہی وہ اپنی ظاہری و باطنی حرکات کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ حرکات اگرچہ نظر انہی کے اشاروں سے ہوتی ہیں مگر درحقیقت مشیت و تقدیر ایزدی کے سامنے مٹ جاتی ہیں۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک شخص سے فرمایا: جانتے ہو؟ تمہاری توحید کیوں درست نہیں ہوتی، اس شخص نے عرض کیا: جنہو معلوم نہیں ایسا کیوں ہے۔ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ تو اللہ کو خود اپنے ہی ذریعے جاننا چاہتا ہے۔ مزید کہا کہ منتظر اس شخص کو توحید سے کامل آگاہی حاصل ہوتی ہے اور اسی کی توحید درست ہوتی ہے جس کا انکار ہی اس کا اقرار ہو۔ اور جب ان سے اس اقرار کی وضاحت پوچھی گئی تو فرمایا: اقرار سے مراد انانیت ہے اور وہ یہ ہے کہ مؤعد اپنے اقرار کا انکار کرے یعنی ہر چیز میں اپنے اثبات نفس کو راہ دے جیسے وہ ہے: میرا، مجھ سے، میری جانب، مجھ پر اور مجھ میں وغیرہ۔

یہ ضروری ہے کہ مؤعد انانیت یعنی میں کو ختم کرے اور باطن سے اس کا انکار کرے چاہے بظاہر اس کی زبان پر اقرار ہی کیوں نہ جاری ہو۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ ہی نے ایک اور شخص سے کہا: تو توحید بشری کا طالب ہے کہ توحید خدا کا؟ اس شخص نے جواب دیا: ان دونوں میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا ہاں توحید بشری سزا اور جزا سے ڈرنے کو کہتے ہیں اور توحید خدا یہ ہے کہ تو فقط اللہ ہی کو عظیم سمجھے اور اسی کی توحید و تعظیم کرے۔

قول شبلی علیہ الرحمۃ کی وضاحت یہ ہے کہ عرض پانا اور اللہ کے سوا کسی اور سے طبع رکھنا یا کام بنانے کی توقع کرنا تقاضائے بشریت ہے اسی لیے جس نے صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پیش نظر اس کو واحد جانا وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس نے صرف سزا و جزا کے خوف سے اسے ایک مانا۔ حالانکہ خوف عذاب الہی بھی ایک اچھی صفت ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جس نے علم توحید میں سے ذرہ برابر علم بھی حاصل کر لیا گویا اس نے اس قدر بڑا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا کہ اب وہ ایک ذرے کو اٹھانے سے بھی قاصر ہے۔ اور ایک بار فرمایا: کہ جسے علم توحید میں سے ذرہ برابر علم اللہ نے عطا کیا تو گویا اس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو اپنی پلکوں کے ایک بال کی نوک پر اٹھا رکھا ہے۔ یعنی جب اس کے سینے میں اللہ کی وحدانیت کا نور جلوہ گر ہوتا ہے تو ساری کائنات اس کو بہت چھوٹی اور ہلکی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اصل کائنات کا نور اس کے اندر موجود ہوتا ہے اور جملہ مخلوقات اسے ذرہ برابر دکھائی دیتے ہیں۔ جب کہ ایک روایت کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام کے چہ سو پر ہیں۔ اور وہ پر ہی اتنے بڑے ہیں کہ پھیلا دے تو شرق و غرب کو ڈھانپ لے۔ اور ابن عباس سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام کرسی کے پایے کے سامنے یوں ہیں جیسے زرہ کا ایک حلقہ کہا جاتا ہے کہ جبریل علیہ السلام

عرش، کرسی اور وہ مقام جو اہل علم کو حاصل ہے یہ سب مل کر ملکوت سے ماوراء جو کچھ ہے اس کے مقابل مثل ریت کے ایک کے ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم۔

ابوالعباس بن عطا بغدادی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حقیقت توحید کی علامت، نسیان توحید ہے۔ اور صدق توحید یہ ہے اس کے ساتھ ذات واحد کو قائم مانا جائے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ بندہ اللہ کی توحید میں روایت توحید کو اپنی تخلیق پہلے بھول جائے اور صرف رویت قیام الہی کو باقی رکھے۔ کیونکہ اگر اللہ عزوجل ان کو ان کے ارادے کے مطابق مقصد ہمکنار نہ فرمائے تو وہ کبھی توحید کو نہیں پاسکتے۔

ہمارے مشائخ کرام کی موضوع توحید پر بیشتر مستقل تصانیف ہیں مگر ہم نے صرف ضرورت کی تکمیل کے لیے ان سے بہت کم نکات کا یہاں اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔

معرفت اور عارف

ابوسعید الخدری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ معرفت کے سرچشمے دو ہیں (خوف خدا میں) آنکھوں کا آنسو بہانا اور مقدر بھر بجا ہدہ کرنا۔

ابو تراب نخعی علیہ الرحمہ نے عارف کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا: عارف وہ ہے جسے کوئی چیز مکدر نہ کر سکے اور ہر چیز کو اس سے صفالے۔ احمد بن عطاء علیہ الرحمۃ کہتے ہیں ”معرفت دو چیزوں کے جاننے کا نام ہے ایک اللہ دوسرے حقیقت اللہ کو جاننا یہ ہے کہ بندہ اللہ کی وحدانیت کو ان اسماء و صفات کے ذریعے جانے جو اللہ نے خلق کے لیے ظاہر کر رکھی ہیں اور حقیقت کو جاننے کا مفہوم یہ ہے کہ اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں کیونکہ اللہ کی حمدیت و ربوبیت درمیان میں حائل ہے جیسا کہ قول عزوجل ہے:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ [ظنہ: ۱۱۰]
ترجمہ: ”اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا۔“

کوئی راستہ حقیقت کو جاننے کا نہ ہونے کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت جو کہ بندوں کی استطاعت سے باہر نہیں، کا ان کو اسماء و صفات کے ذریعے پانے کی اجازت دی ہے مگر حقیقت تک رسائی تو کجا اس میں سے ذرہ برابر کا بھی سمجھ لینا کسی کے بس میں نہیں۔ اس لیے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ عزوجل کی عظمت و کبریائی کی وادیوں میں سے پہلے ذرے کے ظاہر ہوتے ہی لاشی ہو جاتی ہے۔ الغرض معرفت حقیقت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں عظمت و کبریائی کی صفت موجود ہو (اور بلاشبہ اس صفت سے صرف ذات واجب الوجود ہی متصف ہے) اسی مفہوم کو ادا کرتے ہوئے کسی کا قول ہے: اسے اس کے سوا کسی اور نے نہیں جانا اور نہ ہی اس کے سوا کسی نے اس کو چاہا۔ کیونکہ اس کی حمدیت (بے نیازی) احاطہ و ادراک کو روکے ہوئے ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ [البقرہ: ۲۵۵]
ترجمہ: ”اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے“

اس ضمن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

”پاک ہے وہ ذات کہ جس نے اپنے بندوں کو اپنی معرفت کا سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں بتایا کہ وہ اسے اپنی عقل قاصر سے ہی جائیں۔

ابو بکر شبلی سے پوچھا گیا کہ کب بندہ مقام مشاہدہ پر فائز ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جب شاہد ظاہر ہو جائے، شاہد فنا ہو جائیں، جو اس جاتے رہیں اور احساس متحمل پڑ جائے۔

اور جب ان سے مذکورہ کیفیت کے آغاز و انجام کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا: آغاز اللہ کی معرفت ہے اور انجام

اس کی توحید۔ مزید کہا کہ معرفت کی نشانی یہ ہے کہ بندہ خود کو اللہ کے غلبہ و قوت کے قبضہ میں سمجھے اور اسی حالت میں اس پر قدرت کی کارروائیاں جاری رہیں۔

معرفت کی ایک علامت محبت بھی ہے کیونکہ جس نے اس کو پہچانا اس نے اس سے محبت کی۔ ابو یزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی رحمہ اللہ سے صحبت عارف کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے یوں وضاحت کی کہ پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو برتن کا۔ اگر اسے سفید برتن میں ڈالا جائے تو تو اسے سفید سمجھے گا۔ اور سیاہ میں تو اسے سیاہ رنگ کا سمجھے گا حالانکہ مختلف احوال کی تبدیلی اس میں بظاہر یہ تبدیلی پیدا کر رہی ہوتی ہے یعنی پانی اپنی صفاء رنگت کے ساتھ متصف ہوتے ہوئے برتن کے رنگ میں رنگا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر درحقیقت برتن کا رنگ اس کی صفاء اور اصل حالت کو تو نہیں بدل سکتا دیکھنے والا چاہے اسے سفید یا سیاہ پائے مگر وہ اپنی مستقل صفت کے ساتھ متصف رہتا ہے۔ اسی طرح عارف اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے تعلق کی کیفیت دراصل ایک رہتی ہے چاہے احوال بدلتے ہی رہیں۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے عارف کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ وہ ان کی تعریف بیان کرنے والوں کی دسترس سے باہر نکل گئے ہیں۔ اور کسی نے معرفت سے متعلق یہ کہا کہ معرفت، اللہ کی توحید کو مطالعہٴ قلوب کے ذریعے اس کے لطائف تعریف کے مطابق پانے کو کہتے ہیں۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ اے ابو القاسم! عارفین اللہ سے کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے جواباً کہا: عارفین اللہ سے اپنے لیے حفاظت و پناہ طلب کرتے ہیں۔

محمد فضل سمرقندی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: کہ عارفین اللہ جل جلالہ سے نہ کچھ طلب کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ اسی حالت میں جو انہوں نے پایا سو پایا، کیونکہ عارفین اللہ ہی کے ساتھ قائم، باقی اور فانی ہیں۔ محمد ابن الفضل سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عارفین اللہ سے اس خوبی کی حاجت رکھتے جس کے ہوتے ہوئے سارے محاسن پورے ہو جاتے ہیں۔ اور جسے کھو کر سارے محاسن قبائح سے بدل جاتے ہیں۔ اور وہ خوبی، استقامت ہے۔ یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ عارف کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں شامل ہو کر بھی ان سے جدا ہوتا ہے۔ مزید کہا کہ عارف ایک بندہ ہی تھا جو ظاہر ہو گیا (یعنی ممتاز ہو گیا)

ابو الحسن النوری سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات ہے کہ اللہ کو عقل یا بھی نہیں سکتی اور اس کے سوا وہ جانا بھی نہیں جاسکتا؟ آپ نے جواب دیا: انتہاء والا بے انتہاء کو کیسے پاسکتا ہے یا مصیبتوں کا مکلف اسے کیسے جان سکتا ہے جس کے لیے کوئی منصبیت ہے نہ آفت۔ یا اللہ کی ذات صاحب کیفیت کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ خالق کیفیت بھی وہی ہے۔ یا وہ پابند زمان و مکان کیسے ہو سکتا ہے جبکہ زمان و مکان کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ اور اسی طرح اس نے اول کو اولیت بخشی اور آخر کو مؤخر کیا۔ اور وہ ذات جل جلالہ اول و آخر کو پیدا نہ فرماتا تو اولیت و آخریت کا علم کیسے ہو سکتا۔ اور اولیت فی الواقع ابدیت ہے ان دونوں میں کوئی حد فاصل نہیں۔ جیسا کہ اولیت آخریت ہے اور آخریت اولیت بعینہ یہی حال ظاہریت و باطنیت کا ہے بس اتنی سی بات ہے کہ محبوب حقیقی کبھی دولت وصال سے نواز دیتا ہے اور کبھی محروم رکھتا ہے صرف اس لیے کہ تجرید لذت ہوتی رہی۔ یعنی وصل و جبر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تاکہ وصل کی لذت میں اضافہ ہوتا رہے۔ اور وہ بندہ کی بندگی کو دیکھتا رہے۔

جس نے اسے اس کی صفت تخلیق سے پہچانا اس نے اسے مشاہدے کے ذریعے نہیں جانا اور یہ صفت تخلیق اس کے قول ”گن“ سے متعلق ہے۔

اور ابو الحسن نوری کے قول مشاہدے کے ذریعے پہچاننے سے مراد یہ ہے کہ بندہ، یقین و مشاہدہ قلب کے ساتھ ایمان بالغیب کے حقائق کو پوری طرح جان لے اور ان سے مانوس ہو جائے۔

اللہ کے لیے کسی طرح کی توقیت اور تغیر کو لازم قرار دینا کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ اس کی ذات واجب الوجود تو جیسی تھی ویسی ہی رہے گی اور جو اس نے فرمایا یا فرمائے گا دونوں حالت میں برابر ہے۔ قریب تر اس کے لیے بعید تر ہے اور بعید تر اس کے لیے قریب تر۔ بلاشبہ خلق کے لیے اس کی معرفت من حیث الخلق ہی ہوتی ہے۔ اور قرب و بعد، رضا و عدم رضا میں خلق کی صفت تلویح موجود ہوتی ہے اور یہ اللہ کی صفت نہیں۔

احمد بن عطاء علیہ الرحمۃ کا معرفت خداوندی سے متعلق ایک قول جسے ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ واقعاً مقدم الذکر ہی کا قول ہے: وہ کہتے ہیں کہ برائیاں تب برائیاں بنتی ہیں جب انہیں اللہ پوشیدہ رکھتا ہے اور نیکیاں تب نیکیاں بنتی ہیں جب وہ انہیں ظاہر و عیاں فرماتا ہے۔

اور یہ نیکی و بدی دو ایسی صفات ہیں جو ازل سے جاری ہیں اور اللہ کے مقبول اور دھتکارے ہوئے بندوں پر اپنے اثرات مرتب کرتی رہتی ہیں۔ مقبول بندوں پر ان کے شواہد روشنی کی صورت میں اور دھتکارے ہوئے بندوں پر اس کی پوشیدگی کے شواہد ظلمت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں زرد رنگ (شہرے) چھوٹی آستینیں یا جے کسی کام نہیں آتے۔

میرے خیال کے مطابق مذکورہ بالا قول مفہوم کے اعتبار سے ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ کے اس قول سے ملتا جلتا ہے کہ خلق کے اعمال اللہ کو راضی یا ناراض نہیں کرتے وہ جس سے راضی ہو جائے انہیں ایسے اعمال میں لگا دیتا ہے جو اس کی رضا کا باعث ہوتے ہیں اور جس سے ناراض ہو جائے انہیں ایسے کاموں میں مصروف کر دیتا ہے جو اس کی ناراضگی کا سبب بن جاتے ہیں۔ میرے نزدیک ابن عطاء علیہ الرحمہ کے قول کی شرح یہ ہے کہ برائیاں اس لیے برائیاں سمجھی جاتی ہیں کہ اللہ ان سے اعراض فرماتا ہے اور نیکیاں اسی لیے نیکیاں بنتی ہیں۔ کہ اللہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور انہیں قبولیت بخشتا ہے۔

اسی ضمن میں ایک حدیث ہے کہ رسول لالہ ﷺ دو صحیفے لے کر نکلے ایک ان کے دائیں اور دوسری ان کے بائیں ہاتھ میں تھا پھر آپ نے فرمایا یہ اہل جنت اور ان کے آباؤ اجداد کے ناموں کی فہرست ہے۔ اور اہل دوزخ اور ان کے آباؤ اجداد کے ناموں کی فہرست ہے۔ ۵

ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ کا کہنا ہے کہ جب اللہ نے اپنی معرفت ذات بندوں کو عطا کر دی تو ان کے نفوس ان سے جدا ہو گئے پھر انہوں نے لذاتِ سرمدی کے شواہد میں سے پہلے نظارے پر کوئی وحشت محسوس نہ کی۔ مذکورہ قول کی وضاحت یہ ہے کہ جس نے اپنے معبود کی عطا کردہ معرفت میں سے پہلے مقام کو پایا تو اسے ماسوا اللہ سے نہ کوئی وحشت لاحق ہوئی اور نہ ہی انس۔

حقیقتِ عارف

سبحی بن معاذ رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں جب تک بندہ معرفت حاصل کرتا رہتا ہے اسے یہ کہا جاتا ہے کہ تو کوئی چیز اختیار نہ کر اور اپنے اختیار سے دور رہ یہاں تک کہ تجھے عرفان مل جائے۔ اور جب بندہ معرفت پا کر عارف ہو جاتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اب تو چاہے کوئی چیز اختیار کر یا نہ کرتیری مرضی ہے کیونکہ اب تو جو بھی اختیار کرے گا وہ ہمارے اختیار کے ساتھ ہو گا اور جو کچھ ترک کرے گا تو ہمارے ہی اختیار سے ترک کرے گا۔ اس لیے کہ اب تو اختیار و عدم اختیار دونوں حالتوں میں ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ اور مزید کہا کہ یہ دنیا ایک دلہن کی مانند ہے جس نے اسے طلب کیا پھر اس کو خود سے دور نہ کرے گا۔ زاہد اس کے چہرے کو سیاہ کرتا ہے۔ اس کے بالوں کو نوچتا ہے اور اس کے کپڑے پھاڑتا ہے۔ اور عارف اپنے محبوب ازلی سے دل لگائے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

شیخ مذکور کہتے ہیں کہ جب حصولِ معرفت میں عارف سے ادب کا دامن چھوٹ گیا تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوا۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کہتے ہیں عارف کی تین نمایاں خصوصیات ہیں۔

پہلی: اس کے سینے میں جب شیخ معرفت فروزاں ہوتی ہے تو وہ پرہیزگاری کے چراغ کو بجھا نہیں دیتی۔
دوسری: وہ کسی ایسے باطنی علم کا قائل نہیں ہوتا جو اسے ظاہری احکام شریعت کی پابندی سے روکے۔
تیسری: اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات و اکرامات کی اکثریت اسے حرام چیزوں کے قریب بھی نہیں جانے دیتی۔

کسی شیخ کا قول ہے کہ وہ عارف نہیں جس نے آخرت کی فکر کرنے والے نیکی کاروں سے معرفت کا ذکر کیا چہ جائے کہ دنیا داروں سے اگر عارف اپنے رب کی اجازت کے بغیر اس سے توجہ ہٹا کر خلق کی طرف متوجہ ہو تو وہ رسوا ہوا۔
اے سالک! تو اسے اس وقت تک نہیں پہچان سکتا جب تک تیرے دل پر اس کی حقیقت کا غلبہ نہ ہو تو اسے کیونکر یاد کر سکتا ہے جب تک تیرے دل میں اس کے لطف و کرم کا احساس موجود نہ ہو۔ کیا تو اس کی صدائے محبت کو بھول گیا ہے؟ جو اس نے وجودِ خلق سے پہلے تجھے دی تھی۔

مجھ سے محمد بن احمد بن حمدون الفراء علیہ الرحمۃ نے کہا کہ کسی شخص نے عبد الرحمان فارسی علیہ الرحمۃ سے کمالِ معرفت کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے: جب متفرقات ایک ہو جائیں، احوال و مقامات یکساں ہو جائیں اور احساس تیز مٹ جائے تو کمالِ معرفت کا مقام آتا ہے۔

مذکورہ قول کی وضاحت یہ ہے کہ بندے کا وقت ہر حالت میں ایک ہونا چاہیے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اور وہ تمام حالات میں اللہ کے ساتھ لو لگانے رکھے اور اسوے تعلق کو منقطع رکھے اور یہی وہ لازمی امور ہیں جن کے ہوتے ہوئے سالک کو کمالِ معرفت کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

ذریعہ معرفت

ابو الحسن نوری علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا: آپ نے اللہ کو کس چیز کے ذریعے پہچانا؟ تو انہوں نے فرمایا: اللہ ہی

کے ذریعے ایک اور سوال میں ان سے کہا گیا کہ عقل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو انہوں نے جواب دیا: عقل عاجز ہے اور اپنی ہی طرح کسی عاجز چیز کی پہچان ہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عقول کو پیدا فرمایا تو اس سے سوال کیا: میں کون ہو؟ جواباً عقل خاموش رہی۔ پھر اسے سرمہ و حدانیت لگایا تو پکار اٹھی: اللہ۔ خلاصہ یہ نکلا کہ عقل نے اللہ کو اللہ ہی کے ذریعے جانا۔

ابوالحسنین نوری علیہ الرحمۃ نے ایک سوال کہ اللہ نے سب سے پہلے بندوں پر کون سا فرض عائد کیا تو فرمایا: معرفت جیسا کہ قول خداوندی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

ترجمہ: ”اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لِيَعْبُدُونِ (کہ میری بندگی کریں) کی تفسیر بَعْرِ فُؤُن (تا کہ میری معرفت حاصل کریں) سے فرمائی۔ یعنی عبادت کرنے سے مراد معرفت الہی کا حصول ہے۔

ایک شیخ سے معرفت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: قلب کی گہرائیوں سے جملہ اسماء و صفات کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کا اثبات اور اس کی تصدیق کا نام معرفت ہے۔ کیونکہ اس کی ذات ہی عزت، قدرت، عظمت اور غالب ہونے میں یکتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا بے مثال، سمج، بصیر، بے کیف اور بے مثل ہے۔ اور اللہ ہی قلوب سے اضمحداد، امثال اور اسباب کو دور فرماتا ہے۔ اور معرفت تو ایک عطیہ ہے۔

معرفت آتش شوق اور وجد ہے جب کہ ایمان نور اور عطاء و بخشش ہے۔

مومن و عارف میں یہ فرق ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف اللہ کی آنکھ سے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مومن صاحب قلب ہوتا ہے۔ اور عارف قلب نہیں رکھتا۔ قلب مومن ذکر اللہ سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور عارف کو سوائے محبوب ازلی کے قرار نہیں۔ گویا ایک ذکر حبیب میں محو ہے۔ تو دوسرا رخ یار کے مشاہدے سے شاد کام۔

معرفت کی تین اقسام ہیں۔ معرفت اقرار، معرفت حقیقت، اور معرفت مشاہدہ۔ معرفت مشاہدہ میں فہم، علم اور عبارت و کلام شامل ہے۔

یوں تو معرفت سے متعلق بے شمار اشارات لطیفہ اور تعریفات کاملہ موجود ہیں مگر ان کی وہ قلیل تعداد جو ہم پیش کر آئے ہیں، سا لک کے لیے کافی ہیں۔ اس کے علاوہ استدلال کرنے والوں اور ہدایت چاہنے والوں کے لیے بھی ان میں کافی مواد موجود ہے۔

حسن بن علی بن حیویہ دامغانی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ابوبکر زہرا بادی نے معرفت کے بارے میں فرمایا: معرفت ایک ایسا اسم ہے جس کا معنی قلب میں وجود تعظیم کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ اور یہ سا لک کو تشبیہ و تعطیل سے بچائے رکھتا ہے۔

احوال و مقامات

مقامات اور ان کی حقیقت

اللہ کے نزدیک، عبادات، مجاہدات، ریاضت اور اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کے لحاظ سے بندے کا کیا مقام ہے تو اس کے جواب میں قرآن کے یہ الفاظ پیش کئے جاتے ہیں کہ

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَابِلِيْ وَخَافَ وَعَبَدَ [ابراہیم: ۱۷]

ترجمہ: ”یہ اس کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے عذاب جو حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے۔“

اور فرمایا:

وَمَا مِمَّنْ اِلَّا لِمَا مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۷﴾ [الصافات: ۱۶۷]

ترجمہ: ”اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔“

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ قول رسول اللہ ﷺ ”الارواح جنود مجنودہ“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ارواح اپنے مقامات کے مطابق جمع ہوں گی۔ اور مقامات یہ ہیں مثلاً توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، رضا اور توکل وغیرہ۔

مفہوم احوال

صفا اذکار میں سے جو کچھ کیفیات دلوں میں جاگزیں ہوتی ہیں یا دل اس میں مقام اختیار کرتے ہیں، احوال کہلاتے ہیں۔

حضرت جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ حال دل پر نزول کرتا ہے مگر ہمیشہ اس میں نہیں رہتا۔ اور یوں بھی کہا گیا کہ حال ذکر خفی کو کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے۔

حال مجاہدات، ریاضات اور عبادات کے طریق پر نہیں ہوتا بلکہ وہ مراقبہ، قرب، محبت، خوف، رجاء شوق، انس، طمانیت، مشاہدہ اور تقنین وغیرہ کی طرح ہے۔

ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ نے کہا جب معاملہ قلوب تک پہنچ جاتا ہے تو جو ارجح استراحت کرتے ہیں۔

ابوسلیمان کا یہ قول دو معانی کا حامل ہے۔ ایک یہ کہ یہاں استراحت جو ارجح سے مراد مجاہدات ہیں اور قلب کو اللہ کے

۱) صحیح بخاری بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صحیح مسلم، سنن احمد میں بروایت حضرت ابو ہریرہ۔

۲) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے اسے روایت کیا، امام سیوطی نے اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا۔

ذکر سے غافل کر دینے والے اشغال و خیالات و مذمومہ سے جو ارج مامون ہو جاتے ہیں دوسرے یہ کہ بندہ مجاہدہ، اعمال اور عبادات میں اس قدر تمکن حاصل کر لے کہ وہ اس کا شکر نہ بن جائیں اور اس کا قلب ان سے لذت و حلاوت پائے۔ اور وہ پہلے کی طرح اب ان میں کرب و الم کی کیفیت سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے اور میرا خیال ہے کہ محمد بن واسع نے کہا ہے کہ میں برابر بیس برس تک ہر رات کرب کے عالم میں بسر کرتا رہا جس کے نتیجے میں مجھے مسلسل دس برس کی راحت و آسائش نصیب ہوئی۔

میرا خیال ہے کہ مالک بن دنیار نے کہا کہ میں لگاتار بیس برس تک قرآن مجید کو چبا تا رہا تا آنکہ دس برس تک تلاوت کی لذتوں سے کامیاب ہوا۔ جنید بغدادی کا قول ہے۔ تحفظ حقوق صرف حراست قلوب سے ملتا ہے اور جس کا باطن نہیں وہ گناہ پر اصرار کرنے والوں میں سے ہے۔

مقامات کے ضمن میں شیوخ عظام کے بے شمار اقوال و جوابات ہیں اور اسی طرح احوال میں بھی مگر ہم نے اختصار کی راہ اختیار کی ہے۔

مقام توبہ

ابویعقوب یوسف بن حمدان السوسی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اللہ کی جانب متوجہ ہونے والوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔ اور توبہ ہر اس چیز سے، جس کو علم شریعت نے برائیا یا ہو، ہر اس شے کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں جسے شریعت نے اچھا قرار دیا ہو۔

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: توبہ یہ ہے کہ گناہوں کو بھلا یا نہ جائے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے کہا: توبہ یہی ہے کہ توبہ اپنے گناہوں کو بھول جائے۔

ابویعقوب السوسی علیہ الرحمۃ اور سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ نے توبہ کی جو تعریف فرمائی اس کا تعلق مریدین، طالبین اور سالکین کی توبہ سے ہے۔ اور جنید علیہ الرحمۃ کی تعریف توبہ کہ گناہوں کو بھلا دینا چاہیے اس کا تعلق محققین کی توبہ سے ہے۔ کیونکہ یہ وہ بندے ہوتے ہیں جن کے قلوب پر عظمت خدا اور اس کے دائمی ذکر کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ گناہوں کو بھول ہی جاتے ہیں۔ جیسا کہ رویم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: توبہ سے توبہ کرنا ہی توبہ ہے۔ اور اسی طرح ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ عوام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص غفلت سے۔

توبہ کے بارے میں ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ نے جو کچھ کہا ہے وہ بلاشبہ توبہ کی خاص الخاص تعریف ہے۔ وہ فرماتے ہیں، توبہ یہ ہے کہ توبہ اللہ کے سوا ہر چیز سے توبہ کرے۔ اور اسی مفہوم کی طرف ذوالنون علیہ الرحمۃ نے یوں اشارہ کیا ہے کہ مقررین کے گناہ ابراہار کی نیکیاں ہوتی ہیں۔ مزید کہا کہ ریاء عارفین، اخلاص مریدین ہے۔

سالک جب طاعات و قربات الہی کے ذریعے ابتداء میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے دوران ان طاعات و قربات الہی میں قرار حاصل کرتا ہے، ان کی تصدیق کرتا ہے اور انوار ہدایت سے مالا ہو کر عنایت و رعایت خداوندی کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ اس کا قلب عظمت الہی کا مشاہدہ کرتا ہے صنعت صانع اور احسان قدیم پر غور و فکر کرتا ہے تو اپنی ارادت و ہدایات کی صورت میں، طاعات و اعمال اور قربتوں کی طرف التفات اور ملاحظہ و سکون سے تائب ہو جاتا ہے۔

ہمارے سامنے تین طرح کے توبہ کرنے والے ہیں۔ ایک وہ جو گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو غفلتوں سے تائب ہوتے ہیں اور تیسرے وہ جو اپنی طاعتوں اور نیکیوں پر نگاہ رکھنے سے توبہ کرتے ہیں۔

ورع

ورع (پرہیزگاری) ایک بلند مقام سلوک ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”تمہارے دین کا سرمیہ، ورع ہے۔“ ۱

اہل ورع کے تین طبقے ہیں ایک وہ جو شہادت سے اجتناب کرتا ہے اور یہ شہادت حلال و حرام کے واضح احکامات یا مبہم احکامات سے تعلق رکھتے ہیں۔

ابن سیرین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، میرے لیے ورع سے برہ کر کوئی چیز آسان نہیں جب بھی مجھے کسی چیز میں شک ہو جائے اسے بلا تردد ترک کر دیتا ہوں۔

اہل ورع کا دوسرا طبقہ ہر اس شے سے اجتناب کرتا ہے جس سے ان کا قلب دوری چاہے اور جسے اختیار کرنا انہیں ناگوار ہو۔ یہ مقام صرف اہل تصدیق اور ارباب قلوب و اہل دل کو حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور سالتما آب ﷺ نے فرمایا: گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ ۲

ابوسعید خرازی علیہ الرحمہ نے ورع کے بارے میں فرمایا: ورع یہ ہے کہ لوگوں پر تم سے ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہونے پائے اور یہاں تک کہ کبھی کوئی تیرے خلاف ظلم یا کسی زیادتی کی دھائی نہ دے۔

حارث محاسبی علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا ہاتھ ساری زندگی کبھی مشکوک طعام کی طرف نہیں اٹھا۔ جعفر خلدی کہتے ہیں کہ محاسبی علیہ الرحمہ مشتبہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو ان کی انگلیت شہادت کی رگ زور زور سے پھڑکنے لگتی اور اس طرح وہ مشکوک طعام سے خبردار ہو جاتے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ بشرحانی علیہ الرحمہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں کسی دعوت پر بلایا گیا اور جب ان کے سامنے کھانا چنا گیا تو باوجود کوشش کے ان کا ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ سکا۔ انہوں نے تین بار کوشش کی مگر بے سود۔ ایک شخص نے جو اس راز سے آشنا تھا میزبان سے کہا: اس طرح کے باکمال صوفی کو حرام یا مشکوک طعام پر بلانا مناسب نہیں تھا۔ اس واقعہ کو ہبل بن عبد اللہ کے اسی طرح کے ایک واقعے سے بھی تقویت ملتی ہے۔

میں نے بصرہ میں احمد بن محمد بن سالم کو یہ کہتے سنا کہ ہبل بن عبد اللہ سے حلال کی تعریف بیان کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا: حلال کی تعریف یہ ہے کہ اس کے ہونے اللہ کی نافرمانی کا اندیشہ نہ ہو۔

جس چیز میں معصیت خدا کا اندیشہ ہو اس کے بارے میں فقط اشارہ قلب ہی سے جانا جا سکتا ہے۔ اور اس کے لیے بطور دلیل میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پیش کرتا ہوں: آپ نے حضرت و ابصہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنے دل ہی سے

۱ امام طبرانی، بزار، اور سیوطی نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا۔ خبر دینکم الورع اس کی اسناد حسن ہے۔

۲ امام بخاری نے ابوسعید بن عمرو، امام مسلم نے صحیح میں اور امام ترمذی نے سنن میں اسے روایت کیا۔ جبکہ امام احمد نے سنن حسن کے ساتھ حضرت و ابصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

پوچھ لیا کہ دوسرے لوگ تو جو چاہیں گے کہیں گے۔“ اور مزید فرمایا: گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھلے۔
رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ دونوں اقوال سے آپ بخوبی جان سکتے ہیں کہ جائز اور ناجائز معلوم کرنے کے لیے قلبی اشارے کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی گئی۔

اہل ورع کا تیسرا طبقہ عارفین و واجدین کا ہے ان کے ورع کی کیفیت کے بارے میں ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ورع یہ ہے کہ تو ہر اس چیز کو برا سمجھے جو تجھے اللہ سے دور کر دے۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ ورع کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: حلال یہ ہے کہ اس میں اللہ کی نافرمانی کا اندیشہ نہ ہو اور حلال خالص یہ ہے کہ اس میں اللہ کو بھلا دینے کا شائبہ تک نہ ہو۔

ورع سے متعلق ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا: تیسرا قلب ایک لمحے کے لیے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ رہے یہی ورع ہے۔

الغرض تینوں طبقات اہل ورع کی ورع کو اقسام میں ظاہر کیا جائے تو پہلی ورع عام دوسری ورع خاص اور تیسری خاص الخاص ورع ہے۔

زہد

زہد، مقامات تصوف میں سے وہ مقام ہے جو احوال و مقامات بلند کی اساس ہے۔ بلاشبہ اللہ کا قرب حاصل کرنے والوں، اس پر توکل کرنے والوں اور ہر حال میں راضی رہنے والوں کے لیے جاوہ الفتح کا پہلا قدم ہے۔ جس نے اس مقام پر فائز ہوتے ہوئے اپنی بنیاد مضبوط نہ کی وہ بعد میں آنے والے مقامات کی طرف ترقی نہ پاسکا۔ چونکہ حب دنیا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے اور اس سے زہد اختیار کرنا ہی ہر بھلائی اور اطاعت کی بنیاد ہے کہتے ہیں کہ جو دنیوی جاہ و حشمت سے محبت کرنے والے کے نام سے مشہور ہوا تو گویا وہ ہزار ہرے ناموں سے موسوم ہوا اور جسے دنیا سے زہد (یعنی کنارہ کشی) اختیار کرنے والے کے نام سے پکارا جائے تو گویا اسے ہزار اچھے ناموں سے یاد کیا گیا اور زہد کا حلال سے گہرا تعلق ہے کیونکہ حلال اختیار کرتے وقت مشکوک اور حرام چیزوں سے پرہیز کرنا ہوتا ہے۔

طبقات زہاد

زہاد کے تین طبقے ہیں۔ پہلے طبقے کے زہاد کوئی دنیوی ملکیت نہیں رکھتے۔ اور جس چیز سے ان کے ہاتھ خالی ہوتے ہیں اس سے ان کے دل بھی خالی ہوتے ہیں یعنی وہ دل میں بھی کسی دنیوی ملکیت کی خواہش نہیں رکھتے۔ جیسا کہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا قول ہے: زہد ہاتھوں اور دلوں کا طمع سے پاک ہونا ہے۔ سری سقطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جن چیزوں سے ہاتھ خالی ہوں ان سے دل بھی خالی ہوں تو زہد کی دولت حاصل ہوتی ہے۔

دوسرے طبقے میں وہ زہاد شامل ہیں جنہیں زہد میں انتہائی رسوخ اور استقلال حاصل ہوتا ہے۔ رویم علیہ الرحمہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: دنیا میں جو کچھ ہے اس کی خواہش سے نفس کو روکنا صرف زہد میں راسخ و ماہر صوفیہ ہی کا حصہ ہے۔ کیونکہ خود ترک دنیا میں بھی زہاد کو ایک طرح کی نفسانی لذت محسوس ہوتی ہے وہ اس طرح کہ لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اسے شہرت حاصل ہوتی ہے۔ الغرض جس نے دل کی گہرائیوں سے ان تمام

لذات سے کنارہ کشی یعنی زہد اختیار کیا وہی راسخ و ماہر زہاد میں شمار کیا جاسکتا ہے۔
 زہاد کا تیسرا حلقہ ان صوفیہ پر مشتمل ہے جن کو اس بات کا علم اور یقین ہوتا ہے کہ اگر ساری دنیا ان کی ملکیت اور ان کے لیے حلال قرار دے دی جائے اور انہیں اس پر کسی طرح کے محاسبے کا بھی خطرہ نہ ہو اور وہ بھی جان لیں یہ کہ ایسی حالت میں اللہ کے ہاں ان کے مقام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی تب بھی وہ دنیا میں زہد ہی کو اختیار کئے رکھیں۔ گویا ان کے زہد کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جب سے دنیا کی کوئی چیز پیدا کی گئی تب سے انہوں نے اس کی طرف گناہ التفات نہیں کی۔ اور اگر اللہ کی نظر میں اس دنیا کی وقعت پر پشہ کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس دنیا سے زہد اختیار کرنے کو ترک کر دیتے اور ایسا کرنے سے تائب ہو جاتے۔ ۱

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: زہد غفلت ہے کیونکہ یہ دنیا لاشیٰ ہے اور لاشیٰ سے کنارہ کشی یعنی زہد اختیار کرنا صوفی کی غفلت ہی ہے۔

سحی بن معاذ علیہ الرحمہ نے فرمایا: دنیا ایک دلہن کی مانند ہے جس نے ایک بار اس کا قرب حاصل کیا پھر اس سے دور نہیں ہو اگر زہد کی پہچان یہ ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ اس عروس جہاں کے چہرے کو سٹخ کرتا ہے، اس کے بال نوچتا ہے اور اس کے کپڑے پھاڑتا ہے مگر ایک کامل و راسخ زہاد کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب حقیقی جل جلالہ کی محبت میں اس قدر مجھو و بے خبر ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا کی آراستہ و پیراستہ صورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔
 مقام فقر کی اہمیت کا اندازہ اس آیت مبارکہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ [البقرہ: ۲۷۳]

ترجمہ: ”(تمہارے صدقات) ان فقہروں کے لیے ہیں جو راہ خدا میں رکے ہوئے ہوں اور وہ زمین میں کاروبار کرنے کے لیے سفر نہ کر سکتے ہوں۔“

اور ارشاد حضور رسالت مآب ﷺ ہے: بندے کے لیے فقر کے گہنے سے بڑھ کر کوئی خوبصورت گہنا نہیں۔ ۲
 ابراہیم بن احمد خواص علیہ الرحمہ کا قول ہے:

فقر عزت کا لباس، انبیاء علیہم السلام کا پہناوا، صالحین کا پیراہن، متقین کا تاج، مومنین کا جمال، عارفین کا سرمایہ، مریدین کی آرزو، اطاعت گزاروں کا قلعہ، گنہگاروں کا زندان، گناہوں کا مٹانے والا، نیکیوں کو بڑھانے والا، درجات بلند کرنے والا، منزل تک پہنچانے والا، اللہ کی خوشنودی کا باعث اور بندوں کی عزت کا باعث ہے۔

فقراء

فقراء تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کے پاس اسبابِ دنیوی میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا وہ کسی سے ظاہراً کچھ طلب کرتے ہیں اور نہ باطناً۔ کسی سے کسی چیز کے ملنے کی توقع نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی کسی سے کچھ لینے کی لالچ رکھتے ہیں۔ یہ مقام مقررین کا ہے۔

۱ سنن ترمذی میں بروایت حضرت کمال بن سعد رضی اللہ عنہما ہے، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔

۲ امام طبرانی نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔

فقراء کے بارے میں اہل بن عبد اللہ کا قول ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں، کسی کو یہ بات کہنا جائز نہیں کہ صوفی فقیر ہیں بلکہ وہ تو اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر غنی ہوتے ہیں۔

ابو عبد اللہ ابن جلاء علیہ الرحمہ حقیقت فقر کے بارے میں کہتے ہیں: اپنی دونوں آستینوں کو دیوار پر مار کر کہو کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔

ابو بکر زقاق علیہ الرحمہ نے ابو علی رود باری علیہ الرحمہ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ فقراء ضرورت کے وقت بھی کسی سے کچھ لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ فقراء عطا کے بجائے عطا کرنے والے پر ہی اکتفا کئے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ابو بکر زقاق نے یہ سن کر کہا یہ تو درست ہے مگر میرا خیال ہے کہ فقراء وہ طائفہ ہے جسے کسی کے عطا کرنے سے کچھ فائدہ بھی نہیں پہنچتا وہ فقط وصل یا رک کے بھوکے ہوتے ہیں۔ اور فاقہ انہیں تکلیف نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ان کا مطلوب و مقصود تو صرف اللہ ہی ہوتا ہے۔

میں نے ابو بکر طوسی علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے سنا کہ ایک طویل عرصہ تک مختلف لوگوں سے یہ سوال پوچھتا رہا کہ آخر فقراء ہر شے پر کیوں فقرا اختیار کرتے ہیں مگر کہیں سے کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا اور بالآخر میں نے نصر بن الحسامی علیہ الرحمہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: فقرا ہر چیز پر اس لیے فقرا اختیار کرتے ہیں کہ فقر، منازل توحید میں سے پہلی منزل ہے اور مجھے اس جواب نے مطمئن کر دیا۔

فقراء کے دوسرے طبقے کے صوفیہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کچھ نہ رکھتے ہوئے کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔ نہ وہ براہ راست مانگتے ہیں اور نہ بالواسطہ بن مانگے کوئی کچھ دے دے تو اُسے رد نہیں کرتے قبول کر لیتے ہیں۔

حنید علیہ الرحمہ نے فرمایا: سچے فقیر کی نشانی یہ ہے کہ نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے اور نہ کسی سے مقابلہ کرتا ہے اگر کوئی مقابل آ بھی جائے تو خاموش رہتے ہیں۔ اہل بن عبد اللہ سے فقیر کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سچا فقیر نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے اور نہ ہی اپنے پاس کوئی چیز جمع رکھتا ہے۔

ابو عبد اللہ ابن الجلاء علیہ الرحمہ کا قول ہے: تجھے حقیقی فقر تب حاصل ہوگا جب کہ تو نے فقرا اپنے نفس کی خاطر اختیار نہ کیا ہو۔ اور جب بھی فقر حقیقی تجھے حاصل ہوگا تو وہ ہرگز تیرے اپنے نفس کے لیے نہ ہوگا۔ اور اس حیثیت سے کہ تو نے اپنے لیے فقرا اختیار نہ کیا ہوگا تو فقر یعنی محتاج ہی نہ ہوگا بلکہ حقیقت غنی ہوگا۔ (یعنی مستغنی باللہ)

ابراہیم الخواص فرماتے ہیں: فقیر صادق کی پہچان یہ ہے کہ وہ شکایت زبان پر نہیں لاتا اور مصائب کے اثرات کو ظاہر نہیں کرتا۔ ایسے مقام پر صدیقین فائز ہوتے ہیں۔

فقراء کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہیں ہوتا اور جب کبھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے ہی ہم مسلک کسی بھائی سے مانگ لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا ہم مسلک بھائی اس کے ایسا کرنے سے خوش ہوگا۔ اور اس طبقے کے فقراء اپنے ہم مسلک بھائیوں سے کچھ طلب کرنے کا کفارہ خلوص کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔

جریری علیہ الرحمہ کے مطابق حقیقی فقیر وہ ہے جو معدوم کو طلب کر کے خود کو موجود سے محروم نہیں کرتا۔

رویم علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر دنیوی شے کے عدم کا نام فقر ہے۔ اور فقیر اُسے کہتے ہیں جو دنیوی اشیاء کو اپنے لیے نہیں

بلکہ دوسروں کے لیے حاصل کرے۔ فقر میں یہ مقام صدیقین کو حاصل ہوتا ہے۔

مقام صبر

صبر مقامات سلوک میں سے وہ اہم اور اعلیٰ مقام ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے۔

الضُّبُورُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ [الزمر: ۱۰]

ترجمہ: ”صابروں کو بھرپور اور بے حساب اجر دیا جائے گا۔“
جید علیہ الرحمہ صبر کے بارے میں کہتے ہیں: تکلیف کا فقط اللہ کے لیے اس وقت تک برداشت کرنا کہ وہ ٹل جائے، صبر

ہے۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ کا قول ہے: اکثر لوگ صبر کے بوجھ کو اٹھانے سے فرار اختیار کر کے دنیوی اسباب کی طلب کا سہارا لیتے ہیں اور وہ ان اسباب پر اس طرح بھروسہ کر بیٹھتے ہیں کہ گویا وہی اُن کے رب ہیں۔

شبلی اور ایک اجنبی کا مکالمہ

کسی اجنبی شخص نے ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ سے صبر کے موضوع پر ایک گفتگو کی جو اس طرح ہے:

اجنبی: کون سا صبر، صابریں کے لیے مشکل ترین ہوتا ہے؟

شبلی: صرف اللہ کی اطاعت میں صبر اختیار کرنا مشکل ترین ہے۔

اجنبی: نہیں!

شبلی: خالصتاً اللہ کے لیے صبر اختیار کرنا۔

اجنبی: نہیں!

شبلی: تو کیا وہ صبر کہ جس میں خصوصی انعامات عطا ہوتی ہیں مگر بندہ ادب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

اجنبی: نہیں!

شبلی: (غضب ناک ہو کر) تجھ پر افسوس ہے پھر کون سا صبر ہے جو مشکل ترین ہے۔

اجنبی: مشکل ترین صبر یہ ہے کہ بندہ قرب الہی پانے کے بعد بارگاہ ایزدی سے دور کئے جانے پر صابر رہے۔

یہ سن کر ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ نے ایسی چیخ ماری کہ قریب تھا ان کی روح جسم سے جدا ہو جاتی۔

اصناف صابریں

بصرہ میں قیام کے دوران میں نے ابن سالم علیہ الرحمہ سے صبر کرنے والوں کے بارے میں سوال کا یہ تو فرمایا: صبر کرنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ مصبر جو بتکلف صبر کرتے ہیں۔ دوسرے صابر جو فی الواقع صبر اختیار کرتے ہیں۔ اور تیسرے صابر جو بہت زیادہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔

بتکلف صبر کرنے والا اللہ کے ذریعے صبر کرتا ہے۔ وہ بعض اوقات تو صبر اختیار کرتا ہے اور بعض اوقات اس سے عاجز ہوتا ہے۔ قاد علیہ الرحمہ نے کہا کہ جن چیزوں سے منع کیا گیا ان سے باز رہنا اور جن کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ان پر ثابت

قدم رہنا صبر ہے۔

صابر کی یہ علامت ہے کہ وہ رضائی خدا کے لیے اختیار کرتا ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی مصائب پر غم کا اظہار نہیں کرتا۔ مگر اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ فریاد کرے، جیسا کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں حالت مرض میں ایک صوفی کی عیادت کو گیا تو گفتگو کے دوران اس نے ایک دلہوڑ چنچ ماری اس پر میں نے اس سے کہا کہ وہ شخص محبت میں صادق نہیں جس نے مصیبت و دکھ میں صبر نہ کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا: نہیں بلکہ یوں کہئے کہ وہ شخص سچا محب نہیں جس نے دکھ سے لذت حاصل نہ کی۔

اس ضمن میں شبلی علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ ہے کہ جب انہیں شفا خانے میں داخل کیا گیا اور اس کے بعد کچھ احباب بغرض عیادت گئے تو انہوں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کے چاہنے والے، اس پر شبلی نے جواباً ان کی طرف اشارے پھینکیں اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کو پکارا کہ اے محبت کے جھوٹے دعویٰ اردو! کیا تم مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور میرے دیئے ہوئے دکھ پر صبر تک نہیں کر سکتے۔

جہاں تک صابرین میں سے صبر کا تعلق ہے۔ تو یہ درجہ اسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ جس نے اللہ کے ذریعے، اللہ ہی کے لیے اور اللہ کو ہی اپنا جاننے پر صبر اختیار کر لیا ہو۔ صبر یعنی انتہائی درجے کا صبر وہ ہوتا ہے کہ اگر مصائب کے پہاڑ بھی اس پر ٹوٹ پڑیں تو بھی اس کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹے نہیں پاتا۔ اور وہ ظاہری باطنی دونوں لحاظ سے غیر متزلزل رہتا ہے۔ ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ صبر کی وضاحت میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ اشعار:

(۱) آنسوؤں نے رخساروں پر جو سطرین رقم کیں وہ اس نے بھی پڑھ ڈالیں جو اچھی طرح پڑھ نہیں

جانتا۔

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ وارفیۃ الفت کی الم شوق و اندیشہ فراق میں ڈھلی ہوئی صدازیوں حالی و تنگی سے خالی نہیں ہوتی۔

(۳) محبت نے صبر کیا اور یہاں تک صبر کیا کہ خود صبر نے بھی دہائی دی اور محبت کا شیدائی پکارا تھا کہ اے صبر! صبر کر۔

صبر کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کے سر مبارک پر دشمنانِ خدا نے آ رہ چلا یا تو انہوں نے ایک دلہوڑ آہ نکالی اور اللہ نے وحی کی وساطت سے انہیں خبر دی کہ اے زکریا! اگر تیری دوسری آہ مجھ تک پہنچی تو میں تمام زمینوں اور آسمانوں کو ایک دوسرے پر لٹا دوں گا۔ ﴿

مقام توکل

کیا اعلیٰ مقام ہے توکل کا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ایمان کا ذکر کیا وہاں توکل کو بھی اس کے ساتھ ہی بیان فرمایا:

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنَّ كُنْتُمْ مَوْمِنِينَ ﴿۲۳﴾ [المائدہ: ۲۳]

﴿ اسراہیلیات میں سے ہے۔

تَوَكَّلْ: ”اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔“

اور فرمایا:

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿١٢﴾ [ابراہیم: ١٢]

تَوَكَّلْ: ”اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

مذکورہ آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے توکل متوکلین کو توکل مومنین سے مخصوص کیا اور پھر ایک مقام پر خاص الخاص توکل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ﴿٣﴾ [الطلاق: ٣]

تَوَكَّلْ: ”اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتا جیسا کہ سید المرسلین و الامم المتوکلین عليهم السلام سے خطاب فرمایا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعِزِّ الَّذِي لَا يَبُوتُ وَاسْتَبِخْ بِحَمْدِهِ ۗ وَكَلَّفِ [الفرقان: ٥٨]

تَوَكَّلْ: ”اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہیں مرے گا اور اسے سراہے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو اور

وہی کافی ہے۔“

اور فرمایا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾ الَّذِي يَرْبُكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢﴾ [الشعرا: ٢٧٨، ٢٧٩]

تَوَكَّلْ: ”اور اس پر بھروسہ کرو جو عزت والا مہربانی والا ہے جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم (نماز کے لیے)

کھڑے ہوتے ہو۔“

درجاتِ توکل

توکل کے تین درجے ہیں۔ توکل عام، توکل خاص اور توکل خاص الخاص۔

پہلے درجے کی تعریف ابو تراب خشنی علیہ الرحمہ کے الفاظ میں یوں ہے کہ توکل جسم کی عبودیت کا عادی بنانے اور قلب کو ربوبیت و لکائیت پر مطمئن رکھنے کا نام ہے۔ یعنی بندے کو کچھ عطا ہو تو شکر خداوندی بجالائے اور اگر محروم رکھا جائے تو قضا قادر پر صبر و شکر کے اطمینان سے بیٹھا رہے۔

توکل ام سے متعلق اقوالِ صوفیہ

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ: تدبیر نفس کو ترک کرنے اور ہر طرح کے خوف و قوت سے بے نیاز رہنا ہی توکل ہے۔

ابوبکر زقاق علیہ الرحمہ: توکل یہ ہے کہ ساری زندگی کو فقط ایک دن سمجھ لیا جائے تاکہ کوئی آنے والا دن رہے اور نہ اس کا غم۔

رویم علیہ الرحمہ: توکل یہ ہے کہ اللہ کے بندے سے وعدے کا اعتبار کیا جائے۔

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ تمام معاملات اللہ پر چھوڑ دینا ہی توکل ہے۔

توکل خاص اقوال صوفیہ کے آئینے میں

ابوالعباس ابن عطاء علیہ الرحمہ: جس نے اللہ پر اس کے ماسوا کے لیے توکل کیا تو اس نے اللہ پر گزرتوکل نہ کیا۔ توکل خاص تو یہ ہے کہ وہ اللہ پر اسی کے لیے اور اسی کے ذریعے ہو۔ اور اللہ پر توکل کو صرف مقام توکل پانے کی خاطر ہی اختیار کیا جائے۔

ابوبکر عبید اللہ علیہ الرحمہ: توکل، اسباب دنیا و آخرت کی لذتوں سے محرومی اور نفس کی موت کا نام ہے۔

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ: توکل کی اصل فقر و فاقہ ہے۔ متوکل کو چاہیے کہ انتہائی خواہشات اور آرزوؤں کے ایام میں بھی

توکل کو ترک نہ کرے۔ اور ساری زندگی، ایک لمحے کے لیے بھی اپنے توکل کی جانب متوجہ نہ ہو۔

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ: توکل کی مثال اس چہرے کی مانند ہے کہ جس کے ظاہری خدو خال نہ ہوں اور توکل فقط ان

لوگوں کا حصہ ہے جو اپنے نفس کو مار چکے ہوں اور عجز و انکساری کی ایسی کیفیت کے حامل ہوں کہ گویا وہ جیتے ہی اہل قبور ہیں۔

توکل خاص الخاص اور اقوال صوفیہ

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ: اللہ کے لیے خود کو اس طرح وقف کر دو کہ تیرا اپنا وجود باقی نہ رہے اور فقط ذات الہی باقی رہ

جائے جس کو زوال نہیں۔

بعض صوفیہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی حقیقت توکل کے اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

کیونکہ کمال میں کمال حاصل کرنا فقط ذات حق تعالیٰ کا حصہ ہے۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ: ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرنا توکل ہے۔

احمد بن ابی الحواری علیہ الرحمہ سے ان کے شیخ نے فرمایا: اے احمد آخرت کے کئی راستے ہیں جن میں سے اکثر سے

تیرے شیخ کو واقفیت ہے مگر ایک راستہ ایسا ہے کہ جس سے تیرا شیخ محروم ہے اور وہ ہے راہ توکل۔

بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ جس شخص نے توکل کا کاملاً حاصل کرنا ہو اُسے چاہیے کہ ایک قبر کھود کر خود کو اس میں دفن کر دے

اور دنیا و مافیہا کو بھول جائے۔ اور جہاں تک حقیقت توکل بکمالہ جاننے کا تعلق ہے۔ تو اسے خلق میں سے کوئی بھی نہیں پاسکا۔

مقام رضا اور اہل رضا

مقام رضا کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ [البینہ: ۸]

ترجمہ: ”اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔“

اور فرمایا:

وَرَضَوْنَ مِنَ اللَّهِ الْكِبْرُ [التوبة: ۷۲]

ترجمہ: ”اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔“

مذکورہ آیات مبارکہ میں اللہ جل جلالہ نے بندوں سے راضی رہنے کے ذکر کو بندوں کے اس سے راضی رہنے کے ذکر

پراویت دی اور اس طرح اسے اہم ٹھہرایا۔
 رضا اللہ کی جانب ایک دروازہ ہے اور دنیا میں ایک جنت کے برابر ہے۔ رضایہ ہے کہ بندہ اللہ کے ہر علم پر راضی
 رہے۔

رضا اور اتوالی صوفیہ

چند بغدادی علیہ الرحمہ: رضا اپنے اختیار سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔

قناد علیہ الرحمہ: اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر سکون و اطمینان اختیار کرنے کو رضا کہتے ہیں۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ: اللہ کی تفسار پر قلب کا مسرور ہو جانا رضا ہے۔

ابن عطا علیہ الرحمہ: رضایہ ہے کہ بندہ قلب کو اللہ تعالیٰ کے دائمی اختیار کی طرف متوجہ رکھے کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ
 اس نے جو کچھ نتائج اپنے بندے کے لیے منتخب فرمائے ہیں وہ اس کے لیے مفید ہیں۔ اس لیے بندے کو ہر حال میں اپنے
 رب سے راضی رہنا چاہیے۔

ابو بکر داسطلی علیہ الرحمہ: اپنی جدوجہد میں رضا کو حاکم بناؤ۔ ایسا نہ ہو کہ رضا کو خود پر مسلط کر کے اس کی لذتوں اور
 حقیقتوں سے محروم رہ جاؤ۔

طبقات اہل رضا

اہل رضا کے تین طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے کہ وہ اپنے دکھ درد کے اظہار کو یکسر ختم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں
 یہاں تک کہ ان کے دل اللہ کی طرف سے ہر دکھ، غم، آزمائش، آسائش اور منع و عطا کو خوشی سے قبول کرتے ہیں۔

اہل رضا کا دوسرا طبقہ اللہ سے راضی رہنے کے احساس کو چھوڑ کر اللہ کے اس سے راضی رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اور وہ
 اپنی خواہش اللہ کے اس قول کے مطابق کرتے ہیں کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اور چاہے تنگ دستی، خوشحالی اور
 منع و عطا کے حالات اس پر آجائیں تو بھی وہ اللہ کے اس سے راضی رہنے پر اپنی رضا کو ترجیح نہیں دیتا۔

تیسرا طبقہ اہل رضا کا مذکورہ حدود سے بھی کہیں آگے بڑھا ہوا ہے۔ اس طبقے کے صوفیہ نے اللہ کی دائمی عنایت کو رضائے
 عباد اور رضائے الہی کی بنیاد ٹھہرایا۔

ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں خلق کے اعمال ہی اللہ کو راضی یا ناراض نہیں کرتے بلکہ وہ جس سے راضی ہو
 جائے پھر اس سے ایسے کام لے لیتا ہے کہ وہ اس کی رضا کا باعث بن جاتے ہیں۔

احوال صوفیہ عظام علیہم الرحمہ

مراقبہ

حال مراقبہ کا ذکر ذیل کی ان آیات مبارکہ میں موجود ہے۔

كَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ﴿٥٠﴾ [الاحزاب: ٥٠]

ترجمہ: ”اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿٧٨﴾ [ق: ٧٨]

ترجمہ: ”کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ کہیں اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔“

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سُرُّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ [التوبہ: ٧٨]

ترجمہ: ”کہ اللہ ان کے دل کی پوشیدہ بات اور سرگوشی کو جانتا ہے۔“

وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١﴾ [التغابن: ١]

ترجمہ: ”اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔“

مذکورہ بالا آیات کے علاوہ بھی کئی دیگر آیات قرآنیہ میں حال مراقبہ کا ذکر موجود ہے۔ حضور سید الکونین ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کی بندگی اس طرح بجالاؤ کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ پاتے تو یہی

سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ ﴿

بندہ کا مراقبہ یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین کرے کہ اس کا رب اس کے باطن کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور اس کے ان

تمام خیالات و تصورات سے بھی بخوبی آگاہ ہے جو اسے اپنے مالک حقیقی کی یاد سے دور رکھتے ہیں۔

ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اللہ سے دلوں کا حال کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے جب کہ دلوں میں جو کچھ بھی ہوتا

ہے وہ اللہ ہی کی جانب سے دلنشین کیا ہوا ہوتا ہے۔

جنید علیہ الرحمہ کا قول ہے: مجھ سے ابراہیم جری علیہ الرحمہ نے کہا: اے لڑکے! اگر تو اپنے ارادے سے ذرا برابر بھی

اللہ کی طرف لوٹا دے تو یہ سارے عالم سے بہتر ہے۔

حسن بن علی دامغانی علیہ الرحمہ کہتے ہیں اپنے باطن کی حفاظت کر کیونکہ تمہارے باطن کے معاملات سے اللہ تعالیٰ اچھی

طرح باخبر ہے۔

اہل مراقبہ کے طبقات

اہل مراقبہ کے تین طبقے ہیں۔

﴿ اس کی تخریج گزربگی۔

پہلے طبقے کے لوگ جس طرح کے حال مراقبہ پر فائز ہوتے ہیں اس کا حال گزشتہ سطور میں حسن بن علی دامغانی کے قول میں بیان ہو چکا ہے۔

دوسرا گروہ اہل مراقبہ کا وہ ہے جس کے بارے میں احمد بن عطا علیہ الرحمہ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جس نے ماسوی اللہ کو فنا کر کے حق کو حق پر مراقب (نگہبان) ٹھہرایا اور اپنے اخلاق و اعمال اور آداب میں جناب ختم الرسل علیہ التحیۃ والسلام کی اتباع کی۔

تیسرے طبقے میں اکابر صوفیہ شامل ہوتے ہیں جو اللہ ہی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں اور اس عمل میں اللہ سے مدد مطلب کرتے ہیں۔ اور اللہ نے اس طرح کے اپنے مخصوص بندوں کو اس کرم سے نوازا ہے کہ تمام حالات میں وہ انہیں ان کے نفوس کے حوالے کرے گا اور نہ ہی انہیں کسی اور کا محتاج فرمائے گا۔ اور وہی ان کے تمام معاملات کی نگہبانی کرتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَهُوَ يَتَوَكَّلُ الصَّالِحِينَ ﴿١٩٦﴾ [الاعراف: ١٩٦]

ترجمہ: ”اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔“

ابن عطا علیہ الرحمہ نے خراسان کے کسی دانشور سے جو کہ جہالت کا شیدائی اور تشف کو اپنائے ہوئے تھا یہ کہا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو کچھ تو نے اپنے تن من پر مسلط کر رکھا ہے وہ تیرے پہلو میں ایک میل ہے جو برابر تیرے دل پر چڑھتا چلا جا رہا ہے اور تو اپنے باطن میں اس میل کی نگہبانی کر رہا ہے۔ تجھے تو چاہیے کہ اپنے ظاہر و باطن پر اپنے رب کو نگہبان بنائے کیونکہ اعمال و عبادات انجام دے کر انہیں اپنے ظاہر و باطن میں جگہ دے کر ان کی نگہبانی سے تو کہیں بہتر ہے کہ تو اپنے محبوب حقیقی جل جلالہ کو اپنے دل میں بسا کر اسی کا مراقبہ کرتا رہے۔

حالیہ قرب

حالیہ قرب کا ذکر مختلف آیات قرآنی میں اس طرح ہوا ہے۔

وَإِذْ أَسَأَلْتُكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ﴿١٨٦﴾ [البقرہ: ١٨٦]

ترجمہ: ”اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔“

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ [ق: ١٦]

ترجمہ: ”اور ہم شریک سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔“

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿٨٥﴾ [الواقعہ: ٨٥]

ترجمہ: ”اور ہم اس کے زیادہ پاس تم سے مگر تمہیں نگاہ نہیں۔“

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ [بنی اسرائیل: ٥٨]

ترجمہ: ”وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں

کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہیں۔“

آخر الذکر آیت مبارکہ میں وسیلہ سے مراد قرب ہے۔ اور اس سے ما قبل کی آیت میں اللہ نے اپنے سے بندوں کے

قرب ہونے کا ذکر کیا۔ اور پھر بندوں کے اس سے قریب ہونے کو وسیلے کے معنی میں بیان فرمایا:
مشاہدہ کرنے والے بندے کے حالِ قرب کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ سے اس کا قلب قریب ہوتا ہے۔ اور یہ قرب اسے اطاعتِ خداوندی اور ظاہراً و باطناً بارگاہِ رب العزت میں ہمہ وقت اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ارادے سے پیش کرنے کے باعث حاصل ہوتا ہے۔

درجاتِ قرب

قرب کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ طرح طرح کی اطاعتیں کر کے اور یہ جانتے ہوئے کہ اللہ اس سے بہت قریب اور اس پر قادر ہے، قربِ الہی کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔

مخربین میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں مذکورہ حالت پر استقامت حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ عامر بن عبد اللہ فرماتے ہیں: میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی کہ جس سے اپنے بجائے اللہ کو قریب تر نہ دیکھا ہو۔ ملاحظہ ہوں اسی ضمن میں چند اشعار۔

ترجمہ اشعار:

① میں نے تجھ کو اپنے نہا نمانہ دل میں پایا تو میری زبان نے تجھ سے سرگوشیاں کیں۔ گویا ہم کچھ اوصاف میں اکٹھے ہو گئے اور کچھ میں جدا۔

② اگرچہ تیری عظمتِ شان نے تجھ کو میری نظروں سے اوجھل رکھا تاہم وجد نے تجھے میری آنتوں یعنی باطن کے قریب کر دیا۔

قرب کے دوسرے درجے کے بارے میں جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: واضح رہے کہ اللہ اپنے بندوں کے قلوب سے اسی قدر قریب ہوتا چلا جاتا ہے کہ جس قدر ان کے قلوب اس سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ لہذا تو اس جانب دھیان کر کہ تیرے قلوب کے قریب کیا ہے؟

ایک صوفی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں کہ وہ ان سے اسی قدر قریب ہوتا ہے جتنا کہ وہ اس سے قریب ہوتے ہیں۔

قرب کے تیسرے درجے میں اکابرِ صوفیہ شامل ہوتے ہیں۔ اور اس کی وضاحت ابو الحسن نور علیہ الرحمہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے ایک ملاقاتی سے بیان فرمایا: ملاقاتی سے آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا بغداد سے۔ آپ نے کہا: بغداد میں کس کی صحبت میں رہے ہو۔ وہ بولا: ابو حمزہ کی صحبت میں، آپ نے اس سے فرمایا جب تو بغداد جا تو ابو حمزہ سے کہنا کہ جسے ہم قرب القرب سمجھتے رہے ہیں وہ دراصل بعد البعد ہے۔

اسی مفہوم کو ابو یعقوب السوسی علیہ الرحمہ یوں بیان کرتے ہیں: جب تک بندے کو قرب کا احساس رہتا ہے قرب باقی نہیں رہتا۔ اور جب وہ قرب کی کیفیت پر فائز ہوتے ہوئے خود کو قرب سے منفری کر دیتا ہے تب اسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

اور وہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔

محبت

محبت احوال صوفیہ میں سے محبت ایک اہم حال ہے۔ جس کا ذکر مختلف آیات مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

قول عزوجل:

مَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۗ [المائدة: ۵۴]

ترجمہ: ”تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے۔“

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ [آل عمران: ۳۱]

ترجمہ: ”اے محبوب تم فرما دو لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرما تیردار ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔“

اور فرمایا:

يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ [البقرہ: ۱۶۵]

ترجمہ: ”وہ ان (معبودوں) کو اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں۔ اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی سے محبت نہیں۔“

پہلی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں سے اپنی محبت کا ذکر بندوں کی اس سے محبت کے ذکر سے پہلے فرمایا۔ دوسری آیت کریمہ میں بندوں کی اس سے محبت اور اس کی بندوں سے محبت بیان کی گئی ہے۔ تیسری آیت مبارکہ میں بندوں کی اس سے محبت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

جو بندہ حال محبت پر فائز ہوتا ہے وہ اللہ کے عطا کردہ انعامات کا اپنی چشم بصیرت سے ادراک کرتا ہے۔ قرب معبود کو ہمہ وقت قلب میں موجود پاتا ہے اور قلب میں اس کی عنایت، حفاظت، ہدایت اور قدیمی محبت کو محسوس کرتا ہے۔ جس بندے کو اس طرح کی کیفیات حاصل ہوں بلاشبہ اس نے کلاہ اللہ جل جلالہ سے محبت کی۔

اہل محبت کے احوال تین قسم کے ہیں۔ پہلا حال محبت عام کا ہے جو اللہ کے احسان اور مہربانی کے نتیجے میں رونما ہوتا ہے۔ سید الرسل ﷺ نے فرمایا:

دل کی یہ جبلت ہے کہ جس نے اس کو راضی رکھا اس سے محبت کی اور جس نے ناراض کیا اس سے نفرت کی۔

مذکورہ حال محبت کی شرط حضرت سمون علیہ الرحمہ نے یوں بیان کی کہ دائمی ذکر محبوب ہی سے محبت خالص حاصل ہوتی ہے کیونکہ جس نے واقعی محبت کی اس نے ذکر حبیب کی کثرت کی۔

سہل بن عبد اللہ محبت کے بارے میں کہتے ہیں۔ محبت، اللہ کی جانب سے ہر چیز پر راضی رہنے، کیفیت کو ہمیشہ کے لیے اختیار کرنے، اتباع رسول اور اللہ کے حضور مناجات و فریاد کی شیرینی و حلاوت کے باوصف ذکر خداوندی میں دوام پیدا کرنے کا نام ہے۔

سید الشہداء حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے محبت کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: بندہ اس کی محبت میں اپنی ہی

پوری کوشش کرے پھر جو حبیب کی منشا ہو وہ کرے، یہی محبت ہے۔ کسی نامعلوم صوفی کا قول ہے کہ ثنائے محبوب سے والہانہ شوق، اس کی اطاعت اور ہر حال میں اس کے حضور سر تسلیم خم کرنے کو محبت کہتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا۔

ترجمہ شعر:

تو تجھ پر: اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی اطاعت اختیار کرتا، کیونکہ جو محبت کرتا ہے وہ اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔

محبت کا دوسرا حال اللہ جل جلالہ کی شان بے نیازی، رعب جلال و عظمت، علم اور قدرت پر چشم دل کو وا کرنے سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ محبت کی یہی مذکورہ کیفیت فقط صادقین (سچے چاہنے والوں) اور متفقیین کو نصیب ہوتی ہے۔ اس حال محبت کی توضیح میں جناب ابوالحسن نوری فرماتے ہیں: محبت کیا ہے؟ تجابات کا اٹھنا اور ازا ہائے سربستہ کا ظاہر ہونا۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ یوں گویا ہیں کہ محبت اپنے جمیع ارادوں کی نیستی اور تمام صفات و حاجات کو جلا کر رکھ کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔

ابوسعید خرازی محبت کی سرمدی لذتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں سعادت و خوش بختی ہے اس بندے کے لیے جس نے اس پیکرِ حسن لم یزل کی محبت کا جام نوش کیا۔ اور اس طرح رب جلّیل کے حضور مناجات اور اس کے قرب و محبت کی نعمتوں سے شاد کام ہوا کہ قلب محبت کی لازوال دولت سے مالا مال ہو گیا اور اشتیاق و الفت کے سرمدی کیفیت سے سرشار ہو کر مجھو امٹا۔ اللہ اللہ! کیا خوب عاشق ہے ایسا بندہ کہ جو حب حبیب میں ہر دم محو اس کا جو یاں اور اس کے سوا بے قرار رہے جین ہے۔

محبت کی تیسری کیفیت (حال) ان صدیقین و عارفین سے متعلق ہے جو اللہ کی اپنے بندوں سے الفت قدیم و بے علت کو جانتے اور محسوس کرتے ہیں۔ اور اسی طرح پاکیزہ و بے داغ محبت کا رشتہ ان کے اور محبوب حقیقی کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ محبت کی اسی قسم کے بارے میں ذوالنون مصری علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: خالص بے داغ محبت وہ ہے جس میں قلب اور دیگر جوارج سے محبت اس طرح ساکت ہو جائے کہ تمام اشیاء اور بندے کا وجود بھی صرف اللہ کے لیے ہی وقف ہو کر رہ جائے۔ گویا خود محبت کو اپنے دل میں محسوس کرنا بھی ماسوائے اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے جو اونچے درجے کے صوفیہ کا خاصا نہیں۔

ابویقوب السوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ محب اپنی محبت میں اس وقت تک سچا نہیں ہو سکتا جب تک وہ احساس محبت سے احساس محبوب تک نہ پہنچ جائے۔ اور اس کو اپنی محبت تک کا علم بھی نہ رہے۔ جب محب، محبت محبوب میں یہاں تک رسائی حاصل کر لے تو سمجھ لو کہ اس کی محبت مکمل اور بے کدورت ہے اور وہ محبت ہے بغیر محبت کے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا کہنا ہے: محبت، صفات محب کا صفات محبوب سے بدل جانے کو کہتے ہیں۔ شیخ مذکور کی یہ وضاحت دراصل اللہ کے اس قول سے مستفاد ہے جس میں فرمایا گیا کہ ایک مقام ایسا بھی ہے جس میں اللہ فرماتا ہے کہ میں ہی بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ ①

خوف

ہم نے حالِ قرب کے بیان کے بعد حالِ محبت و خوف کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ قرب دو حالتوں کا تقاضا کرتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ صوفیہ کے قلوب پر احساسِ قرب کے دوران خوف طاری ہوتا ہے یا محبت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ تقسیم ہے جس کے تحت اللہ نے ہر دل کو تصدیقِ حقیقت یقین اور خشیت کی دولت عطا فرمائی ہے۔ اور اس کا تعلق کشفِ غیب سے ہے۔

اگر بندے کے قلب نے قربِ محبوب کے دوران اس کی عظمت، ہیبت اور قدرت کا مشاہدہ کیا تو وہ خوف و حیا کی جانب بڑھے گا اور اگر اس کے قلب نے قرب کے دوران شفقت و محبت اور مہر و احسان کا مشاہدہ کیا تو وہ محبت، شوق، قلق، سوزوں، اللہ کے قدیمی لطف و احسان اور ایک دائمی تنگی کی کیفیت سے دوچار ہوگا۔ اور یہ سب کچھ صرف اللہ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے اور یہی خدائے عظیم و عزیز کا وہ مقررہ اندازہ ہے جس کا تعین اس نے خود فرمایا ہے۔

اقسامِ خوف

خوف کی تین قسمیں ہیں۔

مخصوص بندوں کا خوف، متوسط بندوں کا خوف اور عام بندوں کا خوف،
مذکورہ تینوں اقسامِ خوف کا ذکر مختلف آیات مبارکہ میں بالترتیب یوں کیا گیا ہے:

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾ [آل عمران: ۱۷۵]

ترجمہ: ”تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔“

وَلِيَعْنِ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ﴿٤٦﴾ [الرحمن: ۴۶]

ترجمہ: ”اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔“

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ [النور: ۳۷]

ترجمہ: ”ڈرتے ہیں اس دن سے جس دن الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔“

عام بندے اللہ کے غضب و عذاب سے ڈرتے ہیں اور سطوتِ معبود سے مطلع ہونے کے سبب ان پر خوفِ خدا طاری ہو جاتا ہے۔

درمیانے درجے کے بندوں کا خوف اللہ سے دوری اور معرفتِ خالص کے مکرر ہونے کے خدشے سے پیدا ہوتا ہے۔ ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ خوف کے بارے میں فرماتے ہیں: خوف کا مطلب اللہ سے اس خدشے کے تحت ڈرتے رہنا ہے کہ کہیں وہ بندے کو اپنے سے دور نہ کر دے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں نے ایک عارف سے خوف کی تعریف پوچھی تو فرمایا: میں تو خود اس تلاش میں ہوں کہ کوئی مجھے خوف کی تعریف سے آگاہ کرے۔ پھر مزید فرمایا کہ اکثر خوف کرنے والے اس بات سے اللہ کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں وہ اپنے نفس پر شفقت نہ کر بیٹھیں اور اس بات سے بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ کوئی ایسا عمل نہ کر بیٹھیں جو انہیں حکمِ خداوندی سے دور لے جائے۔

ابن خبیب علیہ الرحمہ نے کہا:

”میرے نزدیک خوفِ خدا رکھنے والے وہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ خوفِ وامن کی حالت میں رہے جیسا کہ ایک وقت میں مخلوق اللہ کا خوف رکھتی ہے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اللہ اسے مطمئن اور مامون فرمادیتا ہے۔“

تو اللہ علیہ الرحمہ کا قول ہے:

”علامتِ خوف یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو کسی نیک کام کے زمانہ حال میں کرنے کے بجائے مستقبل قریب میں انجام دینے کی بیماری نہ لگائے۔“

بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ ہیجانِ قلوب اور تربیت سے خوف رکھنا ہی علامتِ خوف ہے۔ ابن خبیب علیہ الرحمہ نے کہا: میرے نزدیک خائف وہ ہے جو شیطان سے اس قدر خوف نہ رکھے جس قدر کہ خود اپنے نفس سے ڈرے۔ خوفِ خدا رکھنے والوں میں جو لوگ طبقہٴ خواص سے تعلق رکھتے ہیں ان کے خوف کی کیفیت سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں:

”اللہ کا خوف رکھنے والے بندوں کے خوف میں سے ایک ذرہ بھی سارے عالم کے لوگوں تقسیم کر دیا جائے تو یہ ان کی نجات کا سامان ہو جائے۔ ان سے اس بارے میں جب سوال کیا گیا کہ اس درجہ کا خوف رکھنے والوں کے پاس کس قدر خوفِ خدا ہوتا ہے تو فرمایا: پہاڑ برابر۔“

ابن جلاء علیہ الرحمہ نے فرمایا:

”خوفِ خدا رکھنے والا اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ خوف کے اعلیٰ درجے پر فائز بندے فراقِ محبوب سے لرزاں رہتے ہیں جب کہ نچلے درجے والے پر خوفِ عذاب طاری ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ درجے کا خوف پانا تو بہت دور کی منزل ہے۔ کیونکہ جب تک نفس میں کسی طرح کی بھی رعوتیں باقی رہیں خوف کا یہ مقام حاصل ہونا ممکن نہیں۔“

نفس کی رعوتوں سے مراد نفس کی تدبیریں، دعویٰ کرنا اور اپنی عبادت گزار یوں پر نظر رکھنا ہے۔“

رجاء

جن آیات قرآنی میں رجاء (امید) کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ [الاحزاب: ۲۱]

ترجمہ: ”بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو۔“

وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ [اسرائیل: ۵۷]

ترجمہ: ”اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔“

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا [الکہف: ۱۱۰]

ترجمہ: ”تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہی ہوا سے چاہیے کہ نیک کام کرے۔“
 رجاء (امید) کی تفسیر میں کہا گیا کہ اللہ کی جانب سے اچھا بدلہ پانے کی توقع کرنا ہی احوالِ تصوف میں وہ حال ہے جسے
 رجاء (امید) کہا جاتا ہے۔

حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: اگر مومن کے خوف اور رجاء (امید) کا وزن کیا جائے تو برابر نکلیں گے۔
 بعض صوفیہ کا قول ہے کہ خوف و رجاء عمل کے دو پر ہیں جن کے بغیر وہ فضا سے قبولیت کی جانب پرواز نہیں کر سکتا۔
 ”ابو بکر و راق علیہ الرحمہ نے فرمایا: اللہ کی جانب سے رجاء (امید) ہی اس کا خوف رکھنے والوں
 کے لیے وہ فرحت بخش نعمت ہے کہ جو حاصل نہ ہو تو دل سکر جائیں اور عقلیں جاتی رہیں۔“

اقسامِ رجاء

رجاء (امید) کی تین اقسام ہیں۔

اللہ سے فقط اسی کی امید رکھنا، وسعتِ رحمت کی امید اور ثواب پانے کی امید۔

حصولِ ثواب و وسعتِ رحمت کی امید یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے انعامات کا ذکر سنے اور ان کے عطا ہونے کی امید
 رکھے۔ اور جب اس کو اپنے رب کے کرم و وجود اور بخشش و عطا کا علم ہو جائے تو اس کا دل اپنے محبوب کے فضل و کرم کا امیدوار ہو
 جائے۔ جیسا کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی دعائیں اللہ کے حضور عرض کیا کرتے تھے:

اللهم ان سعة رحمتك ارجالنا من اعمالنا عندنا و اعتقادنا على عفوكم
 ارجاء عندنا من عقابك.

”اے ہمارے رب ہمارے لیے اپنے اعمال سے بڑھ کر تیری وسعتِ رحمت امید افزا ہے۔“

اور ہم تیرے عذاب سے بڑھ کر تیری عفو و درگزر کے امیدوار ہیں۔“

اسی طرح کسی نے یوں کہا: اے میرے رب! جس نے تیری ذات ہی کو اپنے ارادوں کا محور بنایا اور مصائب کی
 گھڑیوں میں تجھے پکارا بے شک تو نے اس پر اپنے لطف و کرم کے خزانے کھول دیئے۔
 اے آرزو بھرے دلوں کی منزل! ہمیں ایسی آسائش سے نواز جو ہمیں بار بار تیری رضا کے چشموں سے سیراب کرے
 اور تیری قربت سے قریب کر دے۔

اللہ سے واقعتاً امید رکھنے والا دراصل اس کی ذات سے امید رکھنے میں اس قدر ثابت قدم ہوتا ہے کہ سوائے اس کے کسی
 اور کی تمنا ہی نہیں کرتا۔ گویا وہ اللہ سے اللہ کے قرب ہی کا تمنا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ نے امید کے بارے
 میں کہا: اللہ سے امید رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ تیرے نہاں خاندل میں اسی کی آرزو کا گزر رہے۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں ایک وادی میں گھوم رہا تھا کہ ایک عورت سے ملاقات ہو گئی۔ وہ
 کہنے لگی: آپ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا: مسافر۔ کہنے لگی: کیا قربت محبوب میں بھی مسافر کے غم موجود ہوتے ہیں؟

یہ حدیث نہیں ہے بلکہ اسلاف میں سے کسی بزرگ کا کلام ہے، امام سیوطی نے اس قول کے بارے میں کہا کہ حضرت عبداللہ بن احمد نے زوائد از حدیث میں ۳۴۱ بابی
 کا یہ قول ذکر کیا ہے۔

مفہوم خوف و امید (رجاء)

اصل صوفیہ کرام و اہل تصوف نے خوف و رجاء کے اصل مفہوم سے متعلق اپنی اپنی آراء دی ہیں۔ جن میں سے احمد بن عطا علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ یوں تو لوگ خوف و رجاء کو جانتے ہیں مگر ان کی حقیقت تک پہنچنے کا طریق صرف یہی ہے کہ ان دونوں کے حصول کے راستے کو طے کیا جائے اور ان دونوں کے حاصل کرنے ہی کو اپنا مقصود نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان کے ذریعے ذات باری تعالیٰ سے صرف اسی کی ذات کے لیے خوف کیا جائے اور اسی سے اسی کی تمنا کی جائے۔

اس بارے میں مزید کہا گیا کہ خوف و امید دونوں اس وقت تک نفس کے تابع رہتی ہیں جب تک دل سے غیر پر بھروسہ آرزوئے امن اور یاس و حرمان کے جذبات خارج ہو کر صرف اور صرف اللہ فی اللہ خوف و رجاء باقی نہ رہ جائیں۔ ابوبکر الواسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: کہ خوف کے ساتھ کئی تاریکیاں بھی ہیں جن میں خوف کرنے والا ہمیشہ حیران و پریشان رہتا ہے تا آنکہ رجاء (امید) اپنی روشنیاں لے کر آتی ہے تو سارے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور بندہ مقاماتِ راحت تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسے میں قوتِ ارادہ اس پر غالب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ دن کا حسن ظلمتِ شب سے ہے۔

خوف و رجاء میں صلاح کا نکتہ موجود ہے۔ جب دل خوف کے اندھیروں میں محصور ہو اور رجاء کے راستوں پر چل نکلے تو وہ امیر ہوتا ہے۔

الغرض محبت، خوف اور رجاء (امید) تینوں احوال باہم و گرمیوں ہیں۔

کسی نامعلوم صوفی کا قول ہے کہ جس محبت میں خوف شامل نہ ہو یا جس خوف میں امید کا عنصر نہ ہو وہ آفت زدہ ہے۔ اور اسی طرح جس امید میں خوف نہ ہو وہ بھی آفت زدہ ہے۔

جذب و شوق

سید المرسلین ﷺ کا ارشاد ہے:

”لوگ جنت کے مشتاق ہوتے ہیں۔ رب کعبہ کی قسم! کہ جنت ایک ہوائے عطر بیڑ ہے جو مسرت

بخشتی ہے، ایک نہر ہے جو رواں ہے اور ایک بیوی ہے جو حسین ہے۔“

حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام اپنی دعا میں فرماتے تھے:

استلک لذۃ النظر الی وجهک والشوق الی لقاءک۔

”اے میرے رب میں تجھ سے لذت دیدار اور شوق بقا کا طالب ہوں۔“

یہاں لذت دیدار سے مراد آخرت میں دیدار الہی ہے جب کہ شوق بقا کا مفہوم اس دنیا میں اس کے وصال کا شوق رکھنا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کو جنت کا اشتیاق ہو اس نے نیکیوں میں جلدی کی۔

مزید فرمایا کہ جنت علی، عمار اور سلمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مشتاق ہے۔

۱ امام نسائی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا۔

۲ صحیح ابن حبان میں بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہے۔

۳ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک سے اُسے ”سنان“ میں روایت کیا۔ اس کی سند صحیح ہے۔

کسی بندے کا شوق سے سرشار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لقاے محبوب میں اپنے وجود سے بھی بے پرواہ ہو جائے۔ کسی نامعلوم صوفی نے شوق کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا: دل کا دارفضہ ذکر یار ہو جانا ہی شوق ہے۔ کسی اور کا کہنا ہے کہ شوق وہ آگ ہے جو اللہ نے اپنے عشاق کے دلوں میں لگا رکھی ہے تاکہ ماسوا اللہ تمام خواہشات و خیالات اور جملہ ارادوں کو بھسم کر دے۔

ابو محمد جریری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اگر شوق میں فائدہ نہ ہوتا تو اس کی صعوبتوں کو کوئی نہاٹھاتا۔ ابو سعید خراز علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اہل شوق کے دل میں اس کی محبت میں وارفتہ اور بے قرار ہوتے ہیں۔ اور کیا ہی عجب کیفیت ہوتی ہے ان بے قراروں کی جن کو اس کے بغیر چین نہیں۔ سوائے اس کے ان کا کوئی ٹھکانہ ہوتا ہے اور نہ کسی سے وہ مانوس ہوتے ہیں۔

مقاماتِ اہل شوق

اہل شوق، شوق کے تین مقامات میں سے کسی ایک پر فائز ہوتے ہیں۔ پہلا مقام یہ ہے کہ اس میں اہل شوق اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقررین کو دیے جانے والے انعامات و اکرامات ثواب فضل اور رضاء کے طالب و مشتاق ہوتے ہیں۔ دوسرے مقام میں بندہ شوق لقاے محبوب میں خود فراموشی کی حد تک صرف وصل یار کا طالب ہوتا ہے۔ تیسرے مقام پر وہ اہل شوق فائز ہوتے ہیں جو قرب کا اس طرح مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں کہ گویا وہ ان کے سامنے ہے غائب نہیں وہ اس کیفیت میں وہ اس کے ذکر سے دل کو فرحاں و شاداں پاتے ہیں۔ مقام مذکور کے اہل شوق کہتے ہیں کہ شوق تو غائب کے لیے ہوتا ہے جب کہ اللہ عز و جل کی ذات اقدس حاضر ہے غائب نہیں۔ تو ایسے میں احساس شوق نہیں رہتا۔ گویا ایسے لوگ مشتاق ہیں بلا شوق احساس شوق کا کھودینا ہی انہیں دوسرے اہل شوق سے ممتاز کرتا ہے۔

انس

اللہ سے انس رکھنے کا مفہوم اس پر اعتماد کرنا، اس سے خوش ہونا اور اس سے اعانت طلب کرنا ہے۔ اس کے علاوہ انس کی مزید کوئی تشریح نہیں کی جاسکتی۔

ایک خبر میں ہے کہ مطرف بن عبد اللہ بن شحیر رحمۃ اللہ علیہ (یہ کبار تابعین میں سے تھے) نے حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کو لکھا: تجھے فقط اللہ ہی کے ساتھ انس رکھنا چاہیے۔ اور اسی کی صحبت میں رہنا چاہیے۔ کیونکہ جو اللہ کے بندے ہیں وہ اللہ ہی کے ساتھ انس رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنی خلوت میں جلوت سے بڑھ کر اللہ سے انس رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ بہت زیادہ نفرت کرنے والے ہوں وہ انتہائی انس رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ انتہائی انس رکھنے والے ہوتے ہیں وہ بہت زیادہ نفرت کرنے والے ہوتے ہیں۔

کسی نامعلوم عارف علیہ الرحمہ نے انس کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اس نے حقیقی انس کے مقام پر فائز کرنا چاہا تو انہیں اپنے ماسوا کے خوف سے باز رکھا۔

اللہ کے ساتھ انس رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی طہارت مکمل ہو اور اللہ کا ذکر خالص طور پر کرتا ہو وہ ہر اس شے

سے نفرت کرتا ہو جو اسے محبوب سے غافل کرے اور اس کے نتیجے میں اللہ اس سے انس رکھتا ہو۔

احوالِ اہلِ انس

اہلِ انس کے تین احوال ہیں۔

پہلا یہ کہ بندہ صرف ذکرِ حبیب میں مجبور ہے اور محبوب سے غافل کر دینے والی ہر چیز سے نفرت کرے، اطاعت کو عزیز جانے اور گناہ سے اجتناب کرے جیسا کہ اہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ نے کہا بندے کے اللہ سے انس رکھنے کی پہلی منزل یہ ہے کہ اس کے جوارح اور نفس، عقل سے مانوس ہو جائیں۔ اسی طرح عقل، نفس علم شریعت سے مانوس ہو جائے، پھر مجموعی طور پر عقل، نفس اور جوارح خالصتاً اللہ کے لیے عمل صالح کرنے سے مانوس ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ پوری طرح اپنے رب سے مانوس ہو کر اسی سے خوشی پاتا ہے۔

انس کا دوسرا حال یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے انس رکھے اور اس کے علاوہ جملہ خیالات و اسباب سے دوری اختیار کرے۔ جیسا کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے کہا گیا کہ اللہ سے انس رکھنے کی علامت کیا ہے؟ تو فرمایا: جب تو فرمادیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی مخلوقات سے مانوس کر رکھا ہے تو سمجھ لے کہ وہ تجھے اپنی ذات سے دور کر رہا ہے۔ اور جب تجھے یہ محسوس ہو کہ وہ تجھے اپنی خلقت سے دور کر رہا ہے تو یقین کرے کہ وہ اپنی ذات سے تجھے انس رکھنے کی توفیق بخش رہا ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے انس باللہ سے متعلق کہا: اللہ کا خوف رکھتے ہوئے، بندے کا اپنی حسنت و عزت کو خود سے منفی کر دینا انس ہے۔

انس کا تیسرا حال یہ ہے کہ اللہ کے قرب، تعظیم اور بیعت کی وجہ سے احساس انس کا کھودینا ہی انس ہے۔ جیسا کہ کسی عارف کا قول ہے: بلاشبہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں۔ جنہیں اس نے اپنی بیعت میں لے رکھا ہے۔ اور اسی بیعت نے انہیں ماسوا اللہ سے انس رکھنے سے باز رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں کسی نے لکھ بھیجا کہ ”اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب سے نامانوس فرمائے۔“ آپ نے جواباً لکھا: اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب سے نامانوس فرمائے کیونکہ جب اس نے تجھے اپنے قرب سے مانوس کیا تو یہ تیرا ارادہ تیری چاہت تھی اور جب اس نے تجھے اپنے قرب سے نامانوس کیا تو یہ اس کی مشیت تھی نامانوس کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ بندے کو اپنے قرب سے بیعت زدہ فرمادے۔ ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ انس یہ ہے کہ تو اپنی ذات اور سارے جہاں سے مانوس ہو جائے۔

اطمینان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الطَّمِينَةُ ﴿٢٧﴾ [الفجر: ٢٧]

”اے اطمینان والی جان!“

مذکورہ آیاتِ مبارکہ میں مطمئنہ سے مراد مطمئنہ بالایمان یعنی ایمان کے ساتھ مطمئن رہنے والی جان ہے۔

اور فرمایا:

الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ [الرعد: ٢٨]

ترجمہ: ”وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔“

اور قصہ ابراہیم علیہ السلام میں ارشاد فرمایا:

وَلٰكِنْ لَّيَطْمَئِنُّ قَلْبِي ۗ [البقرہ: ۲۶۰]

ترجمہ: ”مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔“

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جب قلب مومن کو اللہ دولت سکون سے نواز دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ قرار پکڑ لیتا ہے تو قلب مومن قوی ہو جاتا ہے اور جملہ اشیاء اس سے مانوس ہو جاتی ہیں۔

حسن بن علی دامغانی علیہ الرحمہ قول خداوندی: الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ كِتَابٌ يُرِيتُكَ حَالِ قُلُوبِهِمْ: پہلے قلوب، بالترتیب معرفتِ جلالِ کبریاء سے نرم، معرفتِ رحمتِ رحیم سے خوش، معرفتِ حفاظت و کفایتِ خداوندی سے پرسکون اور معرفتِ لطف و کرمِ کریم سے مانوس ہوتے ہیں، تب کہیں حجاب اٹھتے ہیں۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ سے ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ کے اس قول کہ ”جب قلب اپنی قوتِ اکٹھی کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے“ کی تشریح کے لیے عرض کیا گیا تو فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ قلب تب اطمینان حاصل کرتا ہے جب اسے قوت بخشنے والے کی معرفت حاصل ہو جائے۔

حال اطمینان پر صرف وہ بندہ فائز ہوتا ہے جس کی عقل رسا، ایمان قوی، علم راسخ اور ذکر خالص ہونے کے ساتھ اسے اپنی حقیقت سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

اقسام اطمینان

اطمینان کی تین اقسام ہیں۔

پہلی قسم کا اطمینان اُن عام لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو صرف اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہو جاتے ہیں اللہ کی بارگاہ میں ان کی وسعتِ رزق اور دیگر آفتوں کے ٹل جانے کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ جیسا کہ قولِ خداوندی ہے:

التَّقْسُ الطَّيِّبَةُ ۗ [الفجر: ۲۷]

یہاں مطمئن سے مراد مطمئنہ بالایمان (ایمان کی دولت پا کر مطمئن) ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی واقعہ و مانع نہیں۔ اطمینان کی دوسری قسم وہ ہے جو خواص کو حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ کے فیصلوں پر راضی، اس کی طرف سے آنے والی ہر مصیبت پر صابر، مخلص، متقی، پرسکون اور مطمئن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم گویا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ [النحل: ۱۲۸]

ترجمہ: ”بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔“

اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ [البقرہ: ۱۵۳]

ترجمہ: ”بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔“

الغرض مذکورہ درجے پر فائز صوفیہ اللہ کے قول ”مع الصابرين“ کے ذریعے مطمئن ہو گئے گویا ان کی طمانیت اور احساس اطاعت لازم و ملزوم ہیں۔

اطمینان کی تیسری قسم ہو ہے جس سے خاص الخاص بندگانِ خدا بہرور ہوتے ہیں۔ انہیں علم ہوتا ہے کہ ان کے باطن اللہ سے اس کی ہیبت و تعظیم کے طاری ہونے کے سبب مطمئن نہیں ہو سکتے۔ اور بلاشبہ اللہ کی کوئی انتہا نہیں کہ اسے پایا جاسکے اس کی مثال محال ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہسر ہو سکے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جس کا دل اس طرح کی دولت سے مالا مال ہوا ہے کسی اور چیز سے کیا اطمینان دیکھ سکتا ہے۔ اور جو شخص اس طرح کی مزید دولت پانے کا تشہرہ ہا وہ ایسے سمندر میں غوطہ زن ہوا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

مشاہدہ

خدا الم یزل کارشاد ہے:

[ان فی ذلک لکنزٌ لکلی لمن کان لہ قلبٌ اذّ الّقی السّمعُ وھو شہیدٌ] ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔“

یہاں شہید سے صالح حاضر القلب ہے۔

اور فرمایا:

وَشَآہِدٌ وَمَشْهُودٌ ﴿۱۸﴾ [البروج: ۱۸]

ترجمہ: ”(قسم ہے) اور اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں۔“

ابوبکر واصلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: شاہد خود ذاتِ حق تعالیٰ ہے۔ اور مشہور گون، (وجود عالم) اور اسی کی ذات برحق نے کل موجودات کو معدوم کیا پھر انہیں وجود عطا کیا۔

ابوسعید خرازی علیہ الرحمہ نے فرمایا: جس نے اپنے قلب سے ذاتِ حق کا مشاہدہ کیا۔ اس سے ماسوا اللہ سب کچھ منفی ہو گیا۔ اور عظمت و جود باری تعالیٰ کے سامنے کسی اور شے کا وجود معدوم ہو گیا۔ اور قلب میں فقط وجودِ حق ہی باقی رہ گیا۔

عمر بن عثمان مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جو چیز قلوب کو غیب سے غیب کے ذریعے حاصل ہو اور اسے نہ تو عیاں کیا جاسکے اور نہ وہ سمجھا جاسکے اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ مشاہدہ قلب کے ذریعے رویتِ حق کو حاصل کرنے اور رویتِ عیاں کے اتصال کو کہتے ہیں کیونکہ قلب کے ذریعے رویت تو کشف یقین کی کثرت کے سامنے فقط ایک تو ہم ہے۔ جیسا کہ رسول

اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا ”اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔“ ﴿۱۹﴾

آیت مبارکہ کے الفاظ ”وہو شہید“ کی وضاحت میں صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ شہید سے چشمِ عبرت اشیاء کا مشاہدہ کرنے والا اور چشمِ غور و فکر ان کا معنیٰ کرنے والا ہے۔

عمر و مکی علیہ الرحمہ نے فرمایا: مشاہدہ خلق سے غائب اور اللہ کے حضور حاضر رہنے کو کہتے ہیں۔ اور اسی حضور کو قرب الہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل وکراہ نے فرمایا:

﴿ اس کی تخریج کر رہی۔﴾

وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَدِيَّةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ [الاعراف: ۱۶۳]

ترجمہ: ”اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا کہ دریا کے کنارے تھی۔“
آیت کریمہ میں، حاضرة البحر، کا معنی قریبۃ البحر (دریا سے قریب) ہے۔ اور قریبۃ البحر کا مطلب ”شاهد البحر“

(دریا کا مشاہدہ کرنے والی) ہے۔
عمر و مکی علیہ الرحمہ نے مشاہدے کے بارے میں مزید کہا کہ مشاہدہ زواید یقین کا نام ہے اور یہ زوائد، مکاشفات حضور کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ جو دائرہ قلب سے کسی طرح خارج نہیں ہوتے۔ اور کہا کہ مشاہدہ، حضور کو کہتے ہیں جب کہ یہ حضور بمعنی قرب ہے، جو کہ علم یقین اور اس کے حقائق سے متصل ہوتا ہے۔

احوال اہل مشاہدہ

احوال اہل مشاہدہ تین طرح کے ہیں۔

پہلے حال پر فائز لوگ اصغر کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ نے کہا اشیاء کو عبرت و فکر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

دوسرے حال پر جو لوگ فائز ہوتے ہیں وہ درمیانی درجے والے کہلاتے ہیں۔ ان کی حالت وہی ہوتی ہے جس کی طرف ابوسعید خدری علیہ الرحمہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ جملہ مخلوقات اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور اسی کی ملکیت ہیں۔ جب اللہ اور بندے کے مابین مشاہدے کا تعلق استوار ہوتا ہے تو اس کے وہم و خیال میں بھی ماسوا اللہ کچھ نہیں ہوتا۔
اہل مشاہدہ کے تیسرے حال کے متعلق عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف ”کتاب المشاہدہ“ میں لکھا ہے کہ عارفین کے قلوب مشاہدہ حق تعالیٰ اس حال میں کرتے ہیں کہ فقط حق ظاہر ہوتا ہے اور خلق مخفی۔ گویا وہ ہر شے میں اسی کو دیکھتے اور جملہ کائنات کا اسی کی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ بیک وقت حاضر بھی ہوتے ہیں اور غائب اور دونوں حالتوں میں صرف اللہ ہی کو موجود پاتے ہیں الغرض وہ اللہ کی ظاہر و باطن اور اولاد و آخراد دیکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳﴾ [الحدید: ۳]

ترجمہ: ”وہی اللہ وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔“
مختصر آیہ کہ مشاہدہ ایک بلند کیفیت اور حقائق یقین کی ایک نورانی کرن ہے۔

یقین

کتاب اللہ میں یقین کی تین اقسام بین کی گئی ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے عفو، عافیت اور دنیا و آخرت میں یقین عطا کرنے کی دعا مانگو۔ ❶

اور آپ نے مزید فرمایا کہ ”اگر میرے بھائی عیسیٰ السلام کا یقین کچھ اور بھی بڑھا ہوا ہوتا تو وہ فضا میں چلتے۔“ ❷

❶ مسند احمد اور سنن ترمذی میں بروایت حضرت ابو بکر ہے، امام ترمذی نے اس روایت کو ”حسن غریب“ قرار دیا جبکہ امام نسائی نے دوسرے طریق سے اسناد صحیح سے اسے روایت کیا ہے۔

❷ امام غزالی نے اسے کیسے سعادت میں نقل کیا، جبکہ حافظ عراقی نے اسے حدیث مکرر قرار دیا۔

عامر بن قیس کہتے ہیں اگر میرے سامنے سے حجابات اٹھا دیے جائیں تو میرا یقین کم ہو جائے گا کیونکہ میں تو غیب پر ایمان لایا ہوں جب کہ نفع حجابات کا تعلق وجد و تحقیق سے ہے۔

قول رسول اللہ ﷺ ہے: خلق کو بعد الموت اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس پر ان کی موت واقع ہوتی ہوگی۔ ۱۰
تجربہ، مشاہدہ سے پوری مشابہت نہیں رکھتا لہذا بہت ممکن ہے عامر بن قیس کے قول میں میرا یقین سے مراد علم الیقین ہو۔

ابو یعقوب نہر جوڑی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب بندہ یقین کے تمام حقائق کو چالے تو آزماتش اس کے لیے نعمت اور خوشی مصیبت بن جاتی ہے۔

یقین سے مراد مکاشفہ ہے جس کی تین اقسام، پہلی قسم وہ عینی مشاہدہ ہے جو روز قیامت حاصل ہوگا دوسری قسم میں حقیقی ایمان و ایقان کے ساتھ بلا حد و کیف جو مکاشفہ قلوب کو حاصل ہو، شامل ہے۔ اور تیسری قسم کا مکاشفہ انبیاء کو معجزات کے ذریعے قدرت خداوندی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو کرامات سے۔

طبقات اہل یقین

بلاشبہ یقین احوال سلوک میں اعلیٰ درجہ کا حال ہے اور اس پر فائز بندوں کے تین طبقے ہیں۔

پہلے طبقے والے اصغر کہلاتے ہیں۔ اور اس میں مریدین اور عوام شامل ہوتے ہیں اور اس کی تعریف کے بارے میں جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ یقین کا پہلا درجہ یہی ہے کہ بندہ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہر چیز پر یقین کر لے اور جو کچھ بندوں کے ہاتھ میں ہو اس سے لاتعلقی و مایوسی اختیار کرے۔

اسی ضمن میں جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا قول ہے: یقین شک کے اٹھ جانے کو کہتے ہیں۔

ابو یعقوب علیہ الرحمہ نے کہا: جب بندہ اللہ کی جانب سے ہر فیصلے پر راضی ہو تو جان لیں کہ یقین کی کیفیت اس میں راسخ ہوئی۔

رویم بن احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: قلب کا اپنے مقصود کے بارے میں ثابت قدمی کے ساتھ یقین کر لینا ہی یقین ہے۔ دوسرے طبقے کے اہل یقین درمیانے درجے والے کہلاتے ہیں۔ یہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ ان کے یقین کی کیفیت کا اندازہ ابن عطاء علیہ الرحمہ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے وہ کہتے ہیں یقین وہ حالت ہے جس میں تمام عوارض ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائیں۔

ابو یعقوب نہر جوڑی علیہ الرحمہ کا قول ہے:

جب بندے میں کیفیت یقین راسخ ہو جائے تو وہ یقین کے ایک درجے سے دوسرے درجے کی طرف برابر ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ یقین ہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہو جاتا ہے۔

ابو الحسین نوری علیہ الرحمہ نے فرمایا: یقین مشاہدہ ہے۔

اہل یقین میں سے تیسرے طبقے کے لوگوں کو اکابر کہا جاتا ہے۔ یہ مخصوص ترین بندے ہوتے ہیں۔ ان کی کیفیت سے

متعلق عمرو بن عثمان کی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: یقین کامل، اللہ کی تمام صفات سمیت اس کی ذات کے مکمل اثبات کو کہتے ہیں۔ اور کہا کہ یقین کی تعریف یہ ہے کہ بندے کا قلب یقین کے ذریعے حاصل ہونے والے الہام کے ذریعے پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ابویقوب علیہ الرحمہ کا قول ہے:

”بندہ یقین کو نہیں پاسکتا تا وقتیکہ عرش سے لے کر پاتال تک کے تمام اسباب و عوارض سے منقطع نہ ہو جائے جو اس کے اور اللہ کے درمیان حائل ہو اس کے پیش نظر صرف اللہ کی ذات ہو اور وہ اسے جملہ موجودات پر ترجیح دے۔

یقین ایک ایسی حالت ہے جس کی اعلیٰ ترین صورتوں کی کوئی حد نہیں، بس اتنا ہی جان لینا چاہیے کہ جوں جوں سالک، دین کی حقیقت سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کا یقین بھی مدارج ترقی طے کرتا جاتا ہے۔

یقین تمام احوال سلوک کی بنیاد ہے۔ یہی وہ لفظ ہے جس پر آ کر احوال ہوتے ہیں۔ اور یقین ہی تمام احوال کا باطن ہے۔ اور باقی تمام احوال اس کا ظاہر۔ یقین کی اصل غیب کی تصدیق کے ثبوت کا نام ہے۔ بشریکہ شک و شبہ درمیان نہ رہے اور اللہ کی بارگاہ میں عرضداشت سے بندے کو لطف و مسرت اور حلاوت حاصل ہو۔ مزید یہ کہ بندہ پاکیزہ و پر خلوص نگاہوں سے قلب کے ذریعے اپنے محبوب ازلی کا نظارہ کرے اور تمام اسباب و علل اور دیگر عوارض سے اس کا دل پاک ہو۔

ارشاد رب العالمین ہے:

[النجم: ۷۰] إِنَّ فِي ذَلِكْ لَآيَاتٍ لِّمَنْتَوَسَّعِينَ

ترجمہ: ”بے شک اس میں نشانیاں ہیں فراست والوں کے لیے۔“

[الذّٰرئ: ۲۰] وَ فِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّمُؤَيَّقِينَ

ترجمہ: ”اور زمین میں یقین والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جب یقین معنوی لحاظ سے قلب میں جاگزین ہو جائے تو بندہ ”مشاہدہ احوال سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ یقین کے معنوی حقائق کو جان لینے کے بعد بندہ تفکرات عالم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت مقام صدیق میں سے ایک شرف ہے۔ اس پر فائز لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

[النساء: ۶۹]

ترجمہ: ”تو انہیں ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہید اور نیک

لوگ۔“

شہداء انہیں کہتے ہیں جو اپنی جانیں رب کے ہاتھ بیچ ڈالیں اور صالحین سے مراد وہ بندے ہیں جو اپنی امانتوں اور وعدوں کے محافظ رہتے ہیں۔

قرآن فہمی و اتباع قرآن میں مقرب صوفیہ کا مقام

اتباع کتاب اللہ

قول باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۚ

[آل عمران: ۷]

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ جن کے معنی ہیں اشتباہ ہے۔“

اور فرمایا:

وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۗ [بنی اسرائیل: ۸۴]

ترجمہ: ”اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔“

اور فرمایا:

يَسِّرْ ۙ وَالْقُرْآنَ الْحَكِيمَ ۝ [یسین: ۱۷۴]

ترجمہ: ”حکمت والے قرآن کی قسم۔“

اور فرمایا:

حِكْمَةً ۙ بَالِغَةً [القمر: ۵]

ترجمہ: ”انتہا کو پہنچی ہوئی حکمت۔“

سرور کائنات جناب ختم الرسل ﷺ نے فرمایا:

”قرآن کریم اللہ جل شانہ کی ایسی مضبوط رسی ہے کہ اس کی عجیب و غریب نادر حکمتیں ختم ہونے

میں آتی ہیں اور نہ کثرت تکرار سے اس کی حلاوت اور عمونی اعجاز میں بوسیدگی پیدا ہوتی ہے۔ جس

نے اس کے مطابق کہا اس نے درست کہا جس نے اس پر عمل کیا وہ ہدایت پا گیا، جس نے اس

کے مطابق فیصلہ سنایا اس نے عدل و قائم کیا جس نے اسے تھام لیا وہ راہ راست پر چلا۔“ ۱

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس کو علم حاصل کرنے کا شوق ہو وہ قرآن حکیم کی تلاوت

کرے کہ اس میں ساری نسل انسانی کا علم موجود ہے۔ ۲

قرآن کریم میں اللہ نے ارشاد فرمایا:

۱ سنن ترمذی میں بروایت حضرت علی کریم اللہ جبہ اکرم ہم۔

۲ طبرانی نے اپنی اسانید سے اسے روایت کیا اور بقول حافظ ایشمی اس کے بعض رجال، رجال صحیح ہیں۔

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ [البقرہ: ۱۰]
 ترجمہ: ”وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو بے
 دیکھے ایمان لائیں۔“

مذکورہ آیت مبارکہ کی تفسیروں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کتاب جسے سید
 الرسل ﷺ پر اتارا گیا۔ مومنین کے لیے ہر طرح کے شک و شبہ سے خالی ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ ہی کی جانب سے ہے اور اس
 میں مومنین کے لیے امور دینی کے سلسلے میں پیش آنے والے ان تمام اشکالات کا حل موجود ہے جو انہیں ایمان بالغیب کے بعد
 لاحق ہوں۔

ایمان بالغیب دراصل ان تمام باتوں کی تصدیق ہے جو مومنین کو قرآن حکیم کے ذریعے بتائی گئیں مگر وہ ان کی آنکھوں
 سے غائب ہیں۔

اور ایک آیت مبارکہ میں یوں فرمایا:

تَوَلَّوْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِّلْمُسْلِمِينَ ۝ [النحل: ۸۹]
 ترجمہ: ”اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اور ہدایت اور رحمت اور بشارت
 مسلمانوں کو۔“

گیا آیت مذکورہ میں اہل فہم کے لیے ایمان بالغیب کے بعد یہ افادہ موجود ہے کہ وہ اس کے ہر حرف میں پوشیدہ علوم کے
 خزانوں میں سے اسی قدر حاصل کر سکتے ہیں جو ان کے لیے مقدر ہے۔

قرآن کریم کے انہی سربستہ خزانے فہم اور ادراک سے متعلق صوفیہ نے ذیل کی آیات مبارکہ کا حوالہ دیا ہے:
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا فَتَنَّا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ [الانعام: ۳۸]
 ترجمہ: ”ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔“

وَ كُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامِهِ مُبِينٌ ۝ [یسین: ۱۲]
 ترجمہ: ”اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب ہیں۔“

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ ۚ وَمَا نُنزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ [الحجر: ۷۱]
 ترجمہ: ”اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم
 انداز سے۔“

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں من شئی سے مراد علم دین اور اللہ تعالیٰ اور خلق کے مابین واقع ہونے والے احوال کا علم ہے۔
 اور فرمایا:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِّلَّتِّينِ هِيَ أُمَّةٌ [بنی اسرائیل: ۹]

ترجمہ: ”بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔“

مذکورہ آیت بارکہ کی وضاحت یہ ہے کہ بے شک یہ قرآن اسی مفہوم کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو صحیح ترین ہو۔ اہل فہم نے صوفیہ کرام سے یہ بات اخذ کی ہے کہ قرآن جس صحیح ترین بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس کا حصول فقط اسی صورت میں ممکن ہے کہ کلام الہی کی آیات کو حضور قلب نصیحت گیری ذکر و فکر اور کمال تدرک کے ساتھ تلاوت کیا جائے۔ اور یہی بات اس آیت میں واضح ہے جس میں ارشاد فرمایا:

يَكْتُبُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكًا لَيْكُنَ بَرُوءًا لِيَتَّبِعَهُ وَ لِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ [ص: ٢٩]

ترجمہ: ”یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقلمند نصیحت مانے۔“

علماء باطن (صوفیہ کرام) نے ذیل کی ایک اور آیت مبارکہ سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ تدرک، فکر اور عبرت فقط حضور قلب ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ [ق: ٣٧]

ترجمہ: ”بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔“

یہاں آیت مذکورہ میں شہید سے مراد حاضر القلب ہے۔ اور اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں قلب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾ [الشعراء: ٨٨ - ٨٩]

ترجمہ: ”جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے عمروہ جو اللہ کے حضور حاضر ہو سلامت دل لے کر۔“

ایک اور مقام پر ذات باری تعالیٰ نے قلب سلیم ہی کو خلق کا امام ٹھہرایا:

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٤﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٥﴾ [الطفت: ٨٤، ٨٥]

ترجمہ: ”اور بیشک اسی کے گروہ سے ابراہیم ہے جب کہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلامت دل ہو کر۔“

اہل فہم کہتے ہیں کہ قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جس میں بجز ذات لم یزل کے کچھ نہ ہو۔ سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: اگر بندے کو قرآن حکیم کے ہر حرف کے ہزار مطالب عطا کئے جائیں تو بھی وہ قرآن کریم کی کسی ایک آیت کے معانی کو پوری طرح نہیں جان سکتا اس لیے کہ قرآن، کلام الہی ہے اور اس کی صفت۔ جس طرح اس کی کوئی انتہاء نہیں اسی طرح اس کی صفت کی بھی کوئی حد نہیں۔ کلام الہی کا علم اولیاء اللہ کو اسی قدر عطا ہوتا ہے جس قدر ان کا رعب چاہتا ہے۔ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور اس کے معانی و مطالب کا کامل حصول خلق کے بس میں نہیں کیونکہ ان کے اذہان حادث اور مخلوق ہیں۔

دعوت واصطفاء

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: دعوت عام ہے جب کہ ہدایت خاص اور آپ نے اس ضمن میں اس آیت

مبارکہ کی طرف اشارہ فرمایا:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى دَارِ السَّلَامِ ۗ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾ [يونس: ۲۵]

ترجمہ: ”اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔“

اوپر کی سطور پر میں مذکور آیت مبارکہ میں دعوت عام ہے اور ہدایت خاص کیونکہ ہدایت سے مراد اللہ کی جانب بڑھنا ہے۔ اور وہ لوگ جنہیں اللہ نے چن لیا اور انہیں عزیز جانا وہ ان لوگوں سے بلند مقام رکھتے ہیں جنہیں اس نے پکارا یا اپنی جانب دعوت دی۔

اصطفا کا ذکر جن آیات مبارکہ میں آیا ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰۗ ۗ اَللّٰهُ خَبِيْرٌۭ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾ [النمل: ۵۹]

ترجمہ: ”تم کہو سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اس کے چنے ہوئے بندوں پر کیا اللہ بہتر ہے۔“

آیت مذکورہ میں اسلام سے اشارہ ہے ان بندوں کی طرف جنہیں اللہ نے چن لیا مگر یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ کون اور کیسے ہیں۔

اور فرمایا:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا ۗ وَمِنَ النَّاسِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۭ بَصِيْرٌ ﴿٧٥﴾ [الحج: ۷۵]

ترجمہ: ”اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔“

مفسرین نے من الناس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد صرف انبیاء علیہم السلام ہی ہیں۔ مگر اس کا مفہوم یہ نہیں کہ بندوں میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی چنا ہوا بندہ ہوتا ہی نہیں، کیونکہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۗ فَمِنْهُمْ ظٰلِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۗ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۗ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ ۗ اِلٰلّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾ [فاطر: ۳۲]

ترجمہ: ”پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے

اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔“

الغرض سابقہ دونوں آیات میں انبیاء علیہم السلام اور دیگر بندوں کے انتخاب میں فرق قائم کر دیا گیا ہے۔ اور وہ بندے کہ جنہیں کتاب اللہ کا وارث ٹھہرایا گیا ہے شک یہی مومن ہیں مزید یہ کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر مومنین کے احوال باہم یکساں نہ ہونے کے بارے میں بی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

فَمِنْهُمْ ظٰلِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۗ [فاطر: ۳۲]

گویا اصطفا کو دو اقسام میں بیان فرمایا: اصطفا انبیاء جس کی بناء عصمت، تائید، وحی اور تبلیغ پر ہے۔ اور دیگر تمام مومنین کا انتخاب، حسن معاملی، مجاہدات اور حقائق و منازل پر قائم ہے۔

ایک مقام پر فرمایا:

لِيُكْفِرَ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَانًا ۗ وَكَوَشَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۗ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَيْتُمْ ۗ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۗ [المائدة: ٤٨]

ترجمہ: ”ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ مگر منظور ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو۔“

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں فقط یہ بتایا گیا کہ موثرین بھلائی کی جانب سبقت کریں جب کہ یہ وضاحت کہ بھلائی کیا ہے؟

دیگر آیات میں بیان فرمائی:

ملاحظہ ہوں اسی ضمن میں چند آیات:

فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ [البقرہ: ۱۷۷]

ترجمہ: ”اس میں ہدایت ہے ڈروالوں کو۔“

مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ [آل عمران: ۱۳۸]

ترجمہ: ”اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے۔“

إِنِّي أَنَا أَنُفُونَ [البقرہ: ۱۷۱]

ترجمہ: ”اور مجھ سے ڈرو۔“

إِنِّي أَنَا فَارَهُبُونَ [البقرہ: ۱۷۱]

ترجمہ: ”اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔“

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا ۚ [آل عمران: ۷۰]

ترجمہ: ”تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔“

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۗ [المائدة: ۳]

ترجمہ: ”تو ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔“

فَأَذِّنُ لَكُمْ [البقرہ: ۱۰۵]

ترجمہ: ”تو میری یاد کرو میں تمہاری چرچا کروں گا۔“

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا [المائدة: ۲۳]

ترجمہ: ”اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔“

أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ [النساء: ۵۹]

ترجمہ: ”دعہم مانو اور اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔“

وَالَّذِينَ جَاءَهُدُ وَآفِينًا [العنكبوت: ۶۱]

ترجمہ: ”اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی۔“

وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۗ [النمل: ۱۷]

ترجمہ: ”اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے۔“

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ [آل عمران: ۱۷۶]

ترجمہ: ”اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔“

وَمَا أُصْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدَ اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ [البينة: ۵]

ترجمہ: ”اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں۔ نرے اسی پر عقیدہ لائے۔“

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۗ [الاحزاب: ۲۳]

ترجمہ: ”کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔“

اس کے علاوہ اور کئی آیات میں اللہ کی جانب رجوع کرنے والوں، صابروں، اللہ کا خوف رکھنے والے مردوں اور عورتوں، توبہ، رجوع الی اللہ پر ہی بھروسہ کرنے والوں، تسلی، قناعت اور ترک اختیار کو بیان کیا گیا۔ جیسا کہ ذیل کی چند آیات مبارکہ سے واضح ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۗ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى ۗ [النساء: ۷۷]

ترجمہ: ”تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔ اور دُروالوں کے لیے آخرت اچھی۔“

ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۝ [آل عمران: ۱۷۵]

ترجمہ: ”یہ زندگی دنیا کی پونجی ہے۔ اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا۔“

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ ۗ [آل عمران: ۱۷۴]

ترجمہ: ”اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود۔“

مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ [آل عمران: ۱۷۳]

ترجمہ: ”اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے کمال ہے۔“

مَنْ كَانَ يُرِيدْ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۗ وَمَنْ كَانَ يُرِيدْ حَرْثَ الدُّنْيَا نُوتِبْ مِنْهَا وَمَا لُهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝ [الشورى: ۲۰]

ترجمہ: ”جو آخرت کی کھیتی چاہے، ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے

اس میں سے کچھ دیں گے۔ اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔“

اور شیطان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۗ [فاطر: ۶]

ترجمہ: ”بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اس دشمن سمجھو۔“

اور فرمایا:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ
عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشًّا ۗ ﴿٢٣﴾ [الجاثية: ٢٣]

ترجمہ: ”بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی۔ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا۔“

فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۖ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٧﴾ [النازعات: ٣٧]

ترجمہ: ”تو وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔“
اسی طرح کی کئی دیگر آیات بھی ہیں جن میں نیکوں کی جانب سبقت کرنے اور بھلائی کو جزو زندگی بنانے کی تلقین کی گئی۔ اور ان میں صدق و اخلاص کا بھی بکثرت ذکر کیا گیا ہے۔

جہاں تک نیکوں کو قبول کرنے کا تعلق ہے تو اس میں تمام مومن یکساں ہیں مگر ان کے درجات حقائق میں تفاوت ہے مگر مخاطبین کے درجے جدا جدا ہیں جن کا ذکر اگلے باب میں ہوگا۔

مخاطبین کلامِ الہی کے درجات اور

قبولِ خطاب میں ان کا باہمی تفاوت

مخاطبین کے تین درجات ہیں پہلے درجے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے خطابِ الہی کو سنا اُسے قبول کیا اور اس کا اقرار کیا مگر عمل کرتے وقت دنیوی مفادات، اتباعِ نفس اور غفلت ان کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دشمن (شیطان) کے جھانے میں آگئے اور خواہشاتِ دنیا پر مرمئے۔ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم کی مختلف آیات یوں گویا ہیں:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ [الجاثية: ٢٣]

ترجمہ: ”بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا۔ اور اللہ نے باوصف علم کے گمراہ کیا۔“

وَلَا تَطِغْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ [الکہف: ٢٨]

ترجمہ: ”اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے

چلا۔“

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾ [الاعراف: ١٩٩]

ترجمہ: ”اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو۔ اور بھلائی کا حکم دو۔“

رُتِينَ لِلنَّائِسِ حُبِّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَ الْبَيْنِينَ وَ الْقَنَائِطِ الْمُنْقَطِرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ

الْفِضَّةِ وَ الْخَبَلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْأَلْعَامِ وَ الْحَرِثِ ﴿١٨﴾ [آل عمران: ١٨]

ترجمہ: ”لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اور سونے چاندی

کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی۔“
 قُلْ أَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ بِحَيْثُ قَرِنَ ذِكْرُكُمْ ۗ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 خَالِدِينَ فِيهَا وَأَنْزَاجُ مَطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ [آل عمران: ١٥]
 ”تم فرماؤ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دوں پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس
 جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور سٹھری یہیاں اور اللہ کی خوشنودی
 اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔“

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے خطاب الہی کو سنا، قبول کیا، تائب ہوئے۔ اللہ کی جانب رجوع کیا، عمل اطاعت
 اختیار کی احوال و منازل کی حقیقت کو جانا، معاملات میں سچے ثابت ہوئے اور مقامات میں خالص نکلے۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر
 قرآن نے انعامات و اکرامات کی نوید لیے یوں کیا ہے:

الَّذِينَ يَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ هُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿١٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنَ
 رَبِّهِمْ [لقنن: ١٦]

”وہ جو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر یقین لائیں وہی اپنے رب کی ہدایت پر
 ہیں۔“

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفُردِوسِ نُزُلًا ﴿١٧﴾ [الکہف: ١٧]

”بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے، فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔“

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۗ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ
 أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾ [النسل: ٩٧]

”جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت ہو مسلمان تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی چلائیں گے اور ضرور
 انہیں ان کا نیکی کا اجر دیں گے۔“

آیت مذکورہ میں اکابر صوفیہ نے حیات طیبہ کا مفہوم قناعت اور رضایان کیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ ﴿٢﴾ [المؤمنون: ٣١]

”بے شک مراد کو پہنچنے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔ اور وہ جو کسی بے ہووہ بات
 کی طرف التفات نہیں کرتے۔“

عمر و کمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ما سوا اللہ، دلوں میں موجود ہر شے لغو و بے معنی ہے۔ آپ نے بتایا کہ اللہ کو ایک جاننے
 والے، اللہ کے سوا ہر شے سے منہ موڑے ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ هُمُ الرّٰشِقُونَ ﴿٧﴾ الَّذِينَ يَرْتَوُونَ الْفُردِوسَ ۗ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٨﴾ [المؤمنون: ١٣٣]

ترجمہ: ”یہی لوگ وارث ہیں جنت الفردوس کی میراث پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“
 اوپر کی آیت کریمہ میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں اور بھی کئی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔
 اور یہی وہ خوش بخت بندے ہیں جن کو خداوند قدوس نے باقی لوگوں پر فضیلت بخشی اور انہیں ثواب بے حساب عطا کرنے کا
 وعدہ فرمایا:

مخاطبین کلام الہی کے تیسرے درجے میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے ذکر کو اللہ نے علم اور خشیت جیسے اوصاف سے
 مزین فرمایا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ [فاطر: ۲۸]

ترجمہ: ”اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔“

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْوَلِيُّ الْعَلِيمُ ۖ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ [آل عمران: ۱۸]

ترجمہ: ”اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف کے
 ساتھ قائم ہو کر۔“

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ [الزمر: ۹]

ترجمہ: ”کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔“

اور تیسرے درجے پر فائز بندوں کی بھی مزید تخصیص فرمائی تو یوں اشارت فرمایا:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ

[آل عمران: ۷]

ترجمہ: ”اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب
 ہمارے رب کے پاس سے ہے۔“

اور اس آیت کے ذریعے ان تیسرے درجے کے بندوں کو مزید عنایات سے نوازتے ہوئے ان کی فضیلت میں ایک

اور خصوصیت کا اضافہ فرمایا:

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: والرسخون فی العلم سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیب الغیب کی اتھار گہرائیوں میں
 اپنی روح کے ساتھ اتر گئے اور سر السر کو جان لیا۔ گویا ان کے رب کریم نے جو چاہا انہیں بتا دیا۔ اور آیت کریمہ کا جو مفہوم و
 معنی انہیں عطا کیا وہ دوسروں کو نہیں دیا۔ اس طرح یہ بندگان کا ص مزید کچھ حاصل کرنے کی غرض سے فہم کی روشنی لے کر بحر علم
 میں غوطہ زن ہو گئے، جس کے نتیجے میں ان پر بے بہا خزانہ معرفت کے منہ کھول دیئے گئے۔ اور کلام اللہ کے ہر حرف و آیت
 میں پنہاں، متلاطم بحر معانی نے ان کا رخ کیا۔ اور انہوں نے اس مقام پر پہنچ کر نص قرآن سے بیش قیمت مطالب اخذ کئے
 اور نادرہ روزگار حکمتوں کا پتہ دینے لگے۔ بعض تو ان بندگان خدا میں سے ایسے بھی ہیں جن کے علمی مبلغ کے سامنے سمندروں کی
 حیثیت ایک قطرہ کے برابر ہے۔ بلاشبہ علم کی یہی وہ نادر قسم ہے جس سے خدائے علیم وخبیر نے انبیاء علیہم السلام، مقرب اولیاء
 کرام اور اصفیاء کو نوازا۔ اور یہی وہ مقرب بندے ہیں جنہوں نے اپنے باطن کو صفائی ذکر خالص اور حضور قلب کے ساتھ بحر

ادراک کی پہنائیاں سرکیں تو ایک جوہر نایاب کو پالیا۔ اور انہیں یہ بھی علم ہو گیا کہ خود مصادرِ کلام کا سرچشمہ کہاں ہے۔ عرفان آگہی کے اسی پر معنی سفر میں وہ ایک ایسے منبع تک پہنچ گئے جس نے انہیں بحث و تہیص اور غور و فکر کے ذریعے مطالب و معام کے حصول سے آزاد کر دیا۔

اب پیش ہے ابو بکر واسطی کی مذکورہ بالا گفتگو کی شرح ابو سعید خراز علیہ الرحمہ کی زبانی: آپ نے فرمایا: قرآن حکیم ابتدائی فہم، اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ عمل ہی کے دائرے میں علم فہم اور استنباط موجود ہے جیسا کہ قرآن کریم گویا ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ [ق: ٣٧]

ترجمہ: ”بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔“

فَكَبِّرْ عِبَادَ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۗ [الزمر: ١٨]

ترجمہ: ”تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات نہیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔“

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں جہاں اتباعِ احسن کے لیے کہا گیا ہے تو اس کی شرح یہ ہے کہ قرآن کریم سارا احسن ہے۔ مگر اتباعِ احسن سے مراد وہ مفہوم ہے جو قلبِ مومن پر قرآن کی سماعت سے منکشف ہو اور اسی آیت سے مقابل کی آیت میں القاءِ سمع سے مراد سمجھنے اور احکام اخذ کرنے کی نیت سے اپنی سماعت کو قرآن کریم کی طرف مبذول کرنا ہے۔

سماعت قرآن حکیم کے ذریعے اخذ اسرار و معانی

سماعت قرآن کے تین طریقے

یہ ذہن نشین رہے کہ پوری توجہ سے قرآن مجید کو سننے کے تین طریقے ہیں جو مجھ تک ابو سعید خراز علیہ الرحمہ سے پہنچے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو اس طرح سنا جائے کہ گویا خود حضور رسالت ماب علیہ التحیۃ والسلام تلاوت فرما رہے ہیں اور بندہ سن رہا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسے اس طرح سنا جائے کہ گویا جبریل علیہ السلام، آنحضرت ﷺ کے روبرو تلاوت کر رہے ہیں جیسا کہ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

وَإِنَّا لَنُنزِّلُ رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٠﴾ نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينُ ﴿٤١﴾ عَلَى قَلْبِكَ [الشعرا: ۱۹۲-۱۹۳]

ترجمہ: ”اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر۔“

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تو اس طرح سنے کہ گویا خود ذات حق تعالیٰ سے براہ راست سن رہا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَ نُنزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ [بنی اسرائیل: ۸۴]

ترجمہ: ”اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔“

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٠﴾ [الزمر: ۱۰]

ترجمہ: ”کتاب اتارنا ہے اللہ عزت و حکمت والے کی طرف سے۔“

حَمْدٌ ﴿١١﴾ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾ [المومن: ۱-۲]

ترجمہ: ”یہ کتاب اتارنا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا علم والا ہے۔“

جب بندہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ براہ راست حق تعالیٰ سے قرآن کریم کی سماعت کرے تو اس وقت فہم انسانی سے ماسوا اللہ ہر شے خارج ہو جاتی ہے اور وہ اپنی قوت مشاہدہ، ذکر خالص پوری قوت ارادی، حسن ادب اور صفاء باطن کے ساتھ، اللہ کے حضور حاضر ہوتا ہے اور اس غیب تک پوری سرعت کے ساتھ پہنچتا ہے جس کے بارے میں قرآن ناطق ہے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ [البقرہ: ۳]

ترجمہ: ”وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔“

ابو سعید ابن اعرابی علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

کہ (اس تیسرے طریق پر عمل صوفیہ) اللہ سے غیب میں غائب ہوتے ہیں۔ اور وہ کامل غیب پر

ایمان رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور باوجودیکہ کہ اللہ کی ذات غیب ہے، ان کا ایمان کامل بالغیب

انہیں کبھی ذات حق تعالیٰ کے بارے میں کسی شک میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هَلْ مِنْ شَرِكَاكُمْ مَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۗ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ

أَحْسَنُ أَمْ يَتَّبِعُ أَهْوَاءَ قَوْمٍ أَلَّا يَهْدِي إِلَّآ أَن يُهْدَىٰ ۗ [یونس: ۳۵]

ترجمہ: ”تم فرماؤ کہ اللہ کی راہ دکھاتا ہے۔ تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے حکم پر چلنا چاہیے یا اس

کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا جائے۔“

فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۗ فَإِنِّي تُصْرَفُونَ ۝ [یونس: ۳۶]

ترجمہ: ”پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔“

ابوسعید خرازی علیہ الرحمہ نے فرمایا: جب بھی کسی بندے نے رب سے کوئی چیز پائی تو گویا اس نے اس غیب کو پایا جو کہ

صفات حقائق میں سے خارج ہے۔ اور یہ غیب وہی ہے جس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ [البقرہ: ۳۰]

ترجمہ: ”وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔“

غیب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلوب کو اپنی مجملہ صفات و اسماء کے اثبات کا مشاہدہ کرایا اور انہیں کچھ معاملات بھی عطا فرمائے، انہی صفات، اسماء اور معلومات کو قلوب نے قبول کر لیا اور ان کا مشاہدہ کیا۔ یہی غیب ہے۔ جن بندوں نے اس مقام کو پایا انہوں نے بھی کاملاً اس غیب کو پانے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس ضمن میں یہ آیت مبارکہ ملاحظہ ہو۔

وَلَوْ أَنكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ

كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ [القلم: ۲۷]

ترجمہ: ”اور اگر زمین میں جتنے بیڑ ہیں سب قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات

سمندر پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔“

جب اللہ کے کلام کی تعریف و توصیف اور اس کا فہم حاصل کرنے تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تو اس کی صفات کی حقیقت اس کی اصلیت ذات تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بصیرت و فہم نے بالاتفاق اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ہر چیز جس کی طرف، محققین، واجدین، عارفین اور موحدین نے اشارہ کیا یا اسے کسی بھی چیز سے تعبیر یا اسے کسی شے سے بھی عبارت نہیں کیا جاسکا یا اس کی طرف دلیل کے ساتھ کوئی اشارہ کنایہ نہ ہو سکا یا صوفیہ کرام نے اپنی دانست کے مطابق اسے جس طرح سے بھی بیان کیا وہ تمام سوائے اس غیب کے کچھ نہیں جس کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا: الَّذِي يَوْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

صوفیہ کرام اور قرآن مہمی

اللہ تعالیٰ نے جملہ صوفیہ کرام، اہل حقیقت، مریدین، عارفین، صاحبانِ ریاضت و مجاہدات کے بارے میں قرآن کریم کے ذریعے بہت کچھ بیان فرمایا ہے۔
ملائکہ کا ذکر اس طرح فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ إِلَيْهِمْ أَوْقَرَبُ [بنی اسرائیل: ۵۷]

ترجمہ: ”وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔“

ذکر مومنین:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ [المائدہ: ۴۰]

ترجمہ: ”ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔“

مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ نے غیب پر ایمان لانے والوں کو اپنی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا پھر ایک اور مقام پر مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے مومنین کو بھلائی کی طرف تیزی سے بڑھنے کا حکم فرمایا:

اَيُّسَبُونَ اَنَّمَا تُبَدِّلُهُمْ بِمَا مِنْ قَالٍ وَبَيْنَهُمْ ۖ سُبْحٰنَ لَہُمْ فِی الْخَیْرِتِ ۗ بَلْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝

[المومنون: ۵۰]

ترجمہ: ”کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے۔ یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں۔“

اہل دانش و بینش نے اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ بھلائی کی طرف بڑھنے کی سب سے پہلی کوشش یہ ہے کہ دنیا کے مال و دولت میں قلت پسندی برتی جائے فقط حصول رزق کے پیچھے پڑ جانے کو ترک کیا جائے، حج و منج سے دوری اختیار کی جائے، کثرت پر قلت اور دنیاوی رغبت پر دنیا سے کم لگاؤ کو ترجیح دی جائے۔
پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جن کو بھلائی کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشِيَةِ رَبِّهِمْ ۖ فَشَفَعْنَاهُمْ ۗ [المومنون: ۵۷]

ترجمہ: ”بے شک وہ جو اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں۔“

آیت گزشتہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کا ذکر خشیت (ڈر) اور اشفاق (سہم جانا) کے ساتھ کیا۔ خشیت اور اشفاق فقط خوف کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ یہ دونوں باطنی اسماء ہیں جن کا تعلق اعمالِ قلب سے ہے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ خشیت، خوف کی وہ صورت ہے جو دل کی گہرائیوں میں ایک سر بستہ راز ہے۔

اس اشفاق خوف کی وہ صورت ہے جو خشیت سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا یہ قلب کے پوشیدہ ترین رازوں میں سے ایک ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

فَأَنذَرْتُكُمْ الْبُرْءَ وَ الْخُفْلَى ﴿٧﴾ [طہ: ۷]

ترجمہ: ”تو وہ بعید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے۔“
خشیت کے بارے میں مزید یہ کہا گیا ہے کہ خشیت انکسار قلب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضوری سے حاصل ہوتا ہے۔ خشیت و اشفاق کے مقام بلند کا ذکر کرنے کے بعد کی آیت ملاحظہ ہو۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ [المومنون: ۵۸]

ترجمہ: ”اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔“

مذکورہ دونوں آیات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو خشیت و اشفاق کا ذکر فرمایا ہے اور دوسری آیت میں ایمان کا ذکر ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خشیت و اشفاق کی کیفیت ایمان سے پہلے تھے بلکہ اس کیفیت سے پہلے وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور ان کے دلوں میں یہ خیال موجود تھا کہ اللہ تعالیٰ خشیت و اشفاق کی کیفیت سے نواز کر انہیں ایمان میں اور پختہ کرنا چاہتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت کے ذکر کے بعد ان کے ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَأَصْمُوا بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ النَّبِيِّ الَّذِي الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ كَلِمَاتِهِ [الاعراف: ۱۵۸]

ترجمہ: ”تو ایمان اللہ کے رسول النبی الامی غیب بتانے والے پر کر (جو) اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔“

اہل دانش (صوفیہ کرام) نے مذکورہ آیت کریمہ سے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ ایمان کے بڑھنے کی کوئی حد نہیں اور اہل حق اپنے آغاز سے انجام تک ایمان کی حقیقتوں کو پاتے رہتے ہیں مگر ان میں سے کوئی اس کی آخری حد تک نہیں پہنچا کیونکہ اس کی کوئی آخری حد ہی نہیں۔

پھر فرمایا:

وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ [المومنون: ۵۹]

ترجمہ: ”اور جو اپنے رب کا کوئی شریک نہیں کرتے۔“

اللہ نے اپنے بندوں کو خشیت، اشفاق اور ایمان سے متصف کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ وہ اپنے رب کے ساتھ کبھی کوئی شریک نہیں ٹھہراتے۔

شرکِ خفی

مذکورہ بالا آیت میں شرک سے مراد شرکِ خفی ہے۔ اور یہ وہ شرک ہے جو بندے کے دل میں اپنی عبادت اور ریاضات کی طرف متوجہ ہو جانے اور ان کا عوض پانے کے خیال کے جگہ پکڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر بندہ ایمان کی

واضح صورت کا حامل ہونے اور یہ جانتے ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی نفع و ضرر پہنچانے والا نہیں، کے بعد بھی خیال مذکورہ کو دل میں جگہ دے تو وہ شرکِ خفی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مختصر آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایسی صورت میں اس کے خاص بندے ہر وقت اپنے رب سے اخلاص کی دولت عطا ہونے کے طلب گار رہتے ہیں۔ کیونکہ اخلاص ہی ایک ایسی دوا ہے جو اس مرضِ خفی کا مداوا ہو سکتی ہے جاننا چاہیے کہ شرکِ خفی، گھٹا ٹوپ تاریک رات میں ایک سیاہ پتھر پر چھوٹے سے ریگنے والے کیڑے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے یعنی اس کا سراغ بہت مشکل سے لگایا جاسکتا ہے۔

جہالتِ علم اور عمل کی اچھوتی تشریح

ہبل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ کہنے والے تو کئی ہیں مگر مخلص مؤحد کم ہوتے ہیں یہ ساری دنیا جہالت کی تاریکی سے مشابہ ہے جس میں کچھ حصہ علم کا بھی ہے۔ اور علم فقط استدلال و دلائل کی صورت باقی رہ جاتا ہے اگر اس پر عمل نہ ہو۔ پھر یہ عمل بھی گردوغبار کے اڑتے ہوئے منتشر ذرات ہیں اگر اس میں اخلاص شامل نہ ہو جب کہ اہل اخلاص ہمہ وقت ایک نازک موڑ پر کھڑے ہوتے ہیں کہ ذرا سی لغزش بھی انہیں دولتِ اخلاص سے محروم کر سکتی ہے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ آلَهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَئِنْ رُجِعُوا إِلَىٰ [المؤمنون: ٦٠]

ترجمہ: ”اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ ان کو اپنے رب کی طرف

پھرنا ہے۔“

اس آیت سے صوفیہ کرام نے یہ مفہوم لیا ہے کہ صاحبِ اخلاص بندوں کے دل خوفزدہ ہوں گے باوجودیکہ وہ ان احوالِ بلند پر فائز ہوں گے جن کا ہم صفحاتِ گزشتہ میں ذکر کر آئے ہیں۔ اور یہ خوف جس کا ذکر آیت مذکورہ میں آیا ہے ایک ایسا خوف ہے کہ جس پر سے پردہ نہیں اٹھایا جاسکتا کیونکہ اس معاملے کا تعلق عاقبت سے ہے جس کا علم سوائے ذاتِ علیم وخبیر کے کسی کو نہیں۔ اور یہ صاحبِ اخلاص نیکوکار خوفزدہ ہیں کہ خدا جانے ان کی عاقبت کیسی ہوگی۔ اور ان کے اعمال قبولیت پائیں یا نہیں۔ اسی کیفیت کو قرآن نے لفظ وجلة یعنی ایک انجانے خوف سے تعبیر کیا ہے۔ اسی وجہ سے ایسے بندے ہر وقت اللہ کے حضور عاقبت بالخیر ہونے کے متعلق ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ آیت کریمہ نیکوکاروں سے متعلق ہے نہ بدکاروں سے۔ اس کے ثبوت میں ہم جناب سید الکونین رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَ الَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان سے مراد وہ اشخاص ہیں جو زنا، چوری اور شراب نوشی کے مرتکب ہوں۔ آپ نے جو بافرمایا: نہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کرنے میں پابندی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ انہیں یہ فکر بھی لاحق ہوتی ہے کہ ان کے اعمال قبولیت پائیں یا نہیں گے۔^۱

پھر رب العزت نے اپنے نیکوکار بندوں کو نیک اعمال کی جانب سبقت کرنے پر انہیں سائقین کے درجے سے نوازتے

ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ”یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہی سب سے پہلے انہیں پہنچے۔“

۱۔ منہاج میں برایت حضرت عائشہ صدیقہ ہے، جبکہ ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

مقامِ سابقین مقررین اور ابرار قرآنی آیات کے آئینے میں

ارشاد باری تعالیٰ:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ﴿١٠﴾ أُولَئِكَ الْمُقَدَّمُونَ ﴿١١﴾ [الواقعة: ۱۰-۱۱]

ترجمہ: ”اور جو سب سے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرب بارگاہ ہیں۔“

ایک اور آیت میں ابرار و سابقین پر مقررین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾ [المطففين: ۱۸-۱۹]

ترجمہ: ”ہاں ہاں بے شک نیکوں کی لکھت سب اونچی محلِ علیین میں ہے۔ اور تو کیا جانے علیین کیسی ہے۔“

اور فرمایا:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَآئِكِ يُنظَرُونَ ﴿٢٣﴾ [المطففين: ۲۲-۲۳]

ترجمہ: ”بے شک نیکوں کا ضرور چین میں ہیں۔ تختوں پر دیکھتے ہیں۔“

ابرار سے متعلق اللہ نے قرآن حکیم میں وہ تمام شرف اور نعمتیں بیان فرمائی ہیں جن کے لیے انہیں مستحق گردانا۔ اس کے

علاوہ مقامِ علیین میں ان کے درجات کا بیان بھی فرمایا۔ انہیں کی پہچان کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ لَضِرْبَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ [المطففين: ۲۴]

ترجمہ: ”تو ان کے چہروں میں چین کی تازگی پہچانے“

یعنی اہل جنت میں سے ابرار اپنی پیشانیوں پر ایک تازگی و شگفتگی لیے ہوئے ہوں گے جس کے ذریعے وہ باقی اہل

جنت سے ممتاز نظر آئیں گے۔ اور فرمایا:

يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْمُومٍ ﴿٢٥﴾ [المطففين: ۲۵]

ترجمہ: ”نصیری شرابِ پلائیں گے جو ہر کی ہوئی رکھی ہے۔“

واضح رہے کہ باقی اہل جنت کو رقیقِ مخموم نوش کرائے جانے کا کہیں ذکر نہیں فرمایا:

پھر فرمایا:

وَمَوَاجِدُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿٢٦﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَدَّمُونَ ﴿٢٧﴾ [المطففين: ۲۶-۲۷]

ترجمہ: ”اور اس کی موائی تسنیم سے ہے وہ چشمہ جس سے مقربان بارگاہ پیتے ہیں۔“

آیاتِ گزشتہ سے واضح ہوا کہ ابرار کو اللہ نے رقیقِ مخموم سے نوازا اور باقی اہل جنت کی شراب پر ان کی شراب کو چشمہ

تسنیم کی شراب ملائے جانے کے ساتھ فضیلت بخشا۔ اور یہ تسنیم ایک چشمہ ہے جنت میں جس سے مقربین پئیں گے۔ الغرض

ابرار کی شراب جس کے ذریعے انہیں باقی اہل جنت کی شراب پر فضیلت دی گئی خود اس لحاظ سے علت سے خالی نہیں کہ اس

میں مقربین کو چشمہ تسنیم کی شراب ملائی گئی ہے جب کہ مقربین کی شراب خالصتاً تسنیم سے آتی ہے جس کی ملاوٹ ہی سے ابرار

کی شراب باقی اہل جنت کی شراب پر فوقیت رکھتی ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ بہت خوبصورت انداز میں فرماتا ہے کہ ابراہار اپنی چمکتی پیشانی اور اپنی شراب میں چشمہ تسنیم جیسے مبارک ترین چشمے کی شراب کی ملاوٹ کے باعث باقی اہل جنت سے تو ممتاز ہیں مگر وہ مقررین کے مقام سے آگے نہیں کیونکہ وہ اسی تسنیم سے سدا پیئے رہیں گے۔

اسی ذکر کو اور آیات میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٥﴾ [الدھر: ٥]

ترجمہ: ”بے شک نیک پیئیں گے اس جام میں سے جس کی طوئی کافور ہے۔“

اور فرمایا:

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿٦﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسْفَى سَاسِيئَاتُهَا ﴿٧﴾ [الدھر: ١٨٧]

ترجمہ: ”اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی طوئی ادرك ہوگی وہ ادرك کیا ہے جنت میں ایک

چشمہ ہے جسے سلسبیل کہتے ہیں۔“

انعامات اہل جنت کے باب میں فرمایا:

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمْرًا رَأَيْتَ رَعِيبًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ [الدھر: ٢٠]

ترجمہ: ”اور جب تو ادھر نظر اٹھائے ایک چین دیکھے اور بڑی سلطنت۔“

آیت مذکورہ میں انعامات جنت کا ذکر فرماتے ہوئے ان کا وصف بیان نہیں کیا گیا وہ ایسی نعمتیں ہیں جن کی کوئی صفت بیان ہی نہیں کی جاسکتی۔ اور مزید فرمایا:

وَسَقْفُهُمْ رُيْهُمُ سُورًا يَظْهَرُونَ ﴿٢١﴾ [الدھر: ٢١]

ترجمہ: ”اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی۔“

یعنی جہاں کہیں بھی ابرار کے پیئے کا ذکر آیا تو ملاوٹ والی شراب پیئے کے ساتھ انہیں مخصوص کیا مگر جب بھی مقررین کے پیئے کا ذکر فرمایا تو اس میں ملاوٹ کا تذکرہ نہیں کیا۔

ادراکِ حقائق اور استطاعتِ مومنین

وَلَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا [المومنون: ٦٢]

ترجمہ: ”اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت بھر۔“

اس آیت سے واضح ہوا کہ مومنین کو ان کی طاقت کے مطابق یہ استطاعت عطا کر دی گئی ہے کہ وہ حقائق، منازل اور احوال تک رسائی حاصل کر سکیں کیونکہ جس قدر حقائق انبیاء علیہم السلام یا ان کے علاوہ مومنین کو عطا کئے گئے ہیں وہ تمام اللہ کے اس قول سے باہر نہیں۔ فرمایا:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [التغابن: ١٦]

ترجمہ: ”تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔“

قرآن اور تاکید اعمال

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ”فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ [التغابن: ۱۶] (تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے) میں یہ بات ظاہر فرمادی ہے کہ اگر کوئی بندہ تمام فرشتوں، انبیاء کرام اور صدیقین کے اعمال کے برابر اعمال لے کر بھی اس کے حضور میں پیش کرے تو بہت ممکن ہے کہ یہ اس مقدار سے کہیں کم ہو جس کے انجام دینے کا حق تھا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ فرشتے جن کی فطرت میں عبادت و دیعت کی گئی ہے وہ بھی اس کی بارگاہ میں یہی عرض کرتے ہیں:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا [البقرہ: ۳۲]

ترجمہ: ”پاک ہے تجھے ہمیں علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔“

گویا ملائکہ نے مشاہدہ حقیقت کے بعد اپنے علم و عبادات سے برأت ظاہر کی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ”اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ“ [آل عمران: ۱۷۰] سے متعلق ہے کیونکہ تقویٰ ہی تمام احوال کے آغاز و

انجام کی اصل ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ گزشتہ سطور میں قرآن کریم کی دونوں آیات میں مفہوم کے اعتبار سے باہمی ربط ہے اور یہی ”فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ میں تاکید اعمال موجود ہے کیونکہ اگر آپ نے ایک ہزار رکعت نفل ادا دیے اور ابھی ایک رکعت اور ادا کرنے کی استطاعت موجود تھی جس کی ادائیگی آپ نے دوسرے وقت پراٹھا رکھی تو اسی طرح آپ نے استطاعت کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح اگر آپ نے ہزار بار اللہ کا ذکر کیا مگر ایک بار اور بھی فکر کرنے کی استطاعت باقی تھی۔ مگر آپ نے اسے دوسرے وقت کے لیے لٹی کر دیا تو آپ نے اپنی استطاعت کو چھوڑ دیا۔

اگر آپ نے کسی سائل کو ایک درہم بطور خیرات دیا اور ایک درہم مزید خیرات کرنے کی گنجائش تھی جو آپ نے خیرات نہ کیا تو اسے استطاعت سے روگردانی کہا جائے گا۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ”فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ میں تاکید عمل موجود ہے۔

تاکید عمل سے متعلق کچھ مزید آیات ہیں:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُ حَتَّىٰ يُحَكِّمَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ [النساء: ۶۵]

ترجمہ: ”تو اسے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے روکاوت نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔“

آیت گزشتہ میں محل تاکید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسمیہ یہ فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنا حکم بنائے بغیر مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اگر ان کے دلوں یا ذہنوں میں کسی طرح کی کوئی کجی ناپسندیدگی یا عدم تسلیم کی کیفیت باقی رہی تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہیں۔ چاہے وہ حکم ان کو نقل کرنے کا ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان سے خارج ہو جانے کی قسم کھائی۔
 الغرض اگر سطور گزشتہ میں مذکور تمام احوال کو پیش نظر رکھ کر ان پر اس حکم کو قیاس کریں جس کے مطابق ہم سب پابند ہیں
 کہ اللہ کے فیصلوں پر صبر کریں اور جو عادات، خصائل، رزق، اجل اور اعمال اس نے ہمارے لیے مقدر فرمائے انہیں بجاں و
 دل تسلیم کریں، تو ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی کجی یا کمی ضرور باقی رہے گی اور اس لحاظ سے ہم اور ہمارے ساتھ بے شمار لوگوں کے
 پاس ایمان کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے اور ایسی صورت میں اگر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا سہارا نہ رہے تو وہ
 سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔

مطالب حروف و اسماء

وہ تمام افکار و نتائج جن تک علوم و اذہان نے رسائی حاصل کی ہے قرآن کریم کے دو جملوں بسم اللہ اور الحمد للہ سے نکلے ہیں۔ اور ان دونوں جملوں کا مفہوم بالترتیب ’اللہ کے ذریعے‘ اور ’اللہ کے لیے‘ ہے اس مفہوم میں یہ اشارہ موجود ہے کہ جو کچھ ذہن انسانی کے دائرے میں ہے وہ خود سے قائم نہیں بلکہ اللہ ہی سے اور اسی کے لیے ہے۔

باء بسم اللہ کی صوفیانہ تشریح

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ بسم اللہ کی بائیں کس طرف اشارہ ہے۔ تو فرمایا: تمام ارواح و اجسام اور حرکات خود اپنی ذات میں قائم نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ قائم ہیں۔

ابو العباس بن عطاء علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ عارفین کے دلوں کو کس چیز سے کون ملتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کی تاب کے پہلے حروف باء بسم اللہ سے کیونکہ اس باء کا معنی ہے کہ اللہ ہی کے ذریعے اشیاء کا ظہور ہوتا ہے اور اسی سے وہ فنا ہوتی ہیں۔ اس کے جلوے سے آراستہ اور اسی کے عدم تجلی سے قبیح ہو جاتی ہیں۔

اس کے نام اللہ میں ہیبت و کبریائی الرحمن میں محبت و مودت اور الرحیم میں اس کی مدد اور فتح ہے بے شک اس کی ذات اعلیٰ صفات پاک ہے جس نے اپنے اسماء میں جدا جدا لطیف نکات پوشیدہ رکھتے ہیں۔

نیکی و بدی کیا ہے؟

ابو العباس ابن عطاء علیہ الرحمہ کے قول ’اسی کے جلوے سے آراستہ‘ کا مطلب یہ ہے کہ کسی عمل کا نیکی میں شمار ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ عمل عند اللہ مقبول ہوا۔ گویا اسی کی قبولیت سے نیکی نیکی کہلاتی ہے۔ اور ابن عطاء کے قول ’اسی کے عدم تجلی سے قبیح‘ کا مفہوم یہ ہے کہ اس عمل کو اللہ نے پسند نہیں فرمایا۔ اور اس سے منہ پھیر لیا۔ اسی بنیاد پر برائی کو برائی کہا جاتا ہے ورنہ برائی بذات خود برائی نہیں صرف قبولیت خدا تعالیٰ سے محرومی ہی اس کو گناہ یا برائی کا نام دیتی ہے۔

ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: اللہ کے تمام اسماء کی خصوصیات سے اپنے کردار کو سنوار جا سکتا ہے۔ مگر دو نام اللہ اور الرحمن ایسے ہیں کہ جو فقط اس لیے ہیں کہ بندہ ان کے فقط تعلق قائم رکھے اور اسی طرح اس کی صفت صمدیت بھی ادراک کی رسائی سے باہر ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ [ظنہ: ۱۱۰]

ترجمہ: ”اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا۔“

اسم ذات اللہ ہر صورت میں با معنی ہے

خالق ارض و سماء کا ذاتی نام ہے۔ جو کہ تمام اسماء الہیہ میں سب سے بڑا ہے۔ اس اسم کی خصوصیت ہے کہ اگر اس سے پہلا حرف الف ہٹا دیا جائے تو اللہ (اللہ کے لیے) باقی رہ جاتا ہے۔ دوسرا حرف لام در کردار یا جائے تو لاہ (اس کے لیے) رہ

جاتا ہے۔ اور اگر تیسرا حرف یعنی دوسرا لام حذف کر دیا جائے تو صرف ”ہاء“ جاتا ہے اور جملہ اسرار و رموز اسی ”ہاء“ میں پوشیدہ ہیں کیونکہ اس ہاء کا معنی ہو یعنی وہ ہے جبکہ باقی اسماء کی صورت یہ ہے کہ اگر ایک حرف طبعی ان سے حذف کر دیا جائے تو وہ بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسم اعظم یعنی اسم اللہ سے کسی اور کو موسوم نہیں کیا جاسکتا۔

کہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: الف تمام حروف میں سے پہلا حرف ہے۔ اور جملہ حروف سے بڑا بھی۔ اس حرف سے اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف جو کہ تمام اشیاء کا جامع ہے اور ان سے جدا بھی۔

ابوسعید خرازی علیہ الرحمہ کا قول ہے: کہ جب بندہ اللہ کے ساتھ کامل تعلق قائم کر لیتا ہے تو تلاوت کلام اللہ کے دوران اسے ان مفاتیح و مطالب سے آگہی حاصل ہوتی رہتی ہے جن سے عام لوگ بے خبر رہتے ہیں۔ یہی وہ بندگان خاص ہیں جنہیں کوئی شے اللہ سے دور نہیں لے جاسکتی۔ اور آپ نے مزید فرمایا: ہر حرف قرآن میں ایک جہان معانی پہاں ہوتا ہے جو بندے کے مقام کے مطابق اس پر آشکار ہوتے رہتے ہیں۔ الم کے پہلے حرف الف میں جو علوم پوشیدہ ہیں وہ دوسرے حرف لام میں پوشیدہ علوم سے بالکل مختلف ہیں۔ اور سمجھنے والے ان سے جو مفہوم اخذ کرتے ہیں وہ ان کے حضور قلب اور سقاء ذکر کے اعتبار سے باہمی طور پر مختلف ہوتے ہیں۔

ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے اکثر ایک ہی آیت پر مسلسل پانچ راتیں صرف کیں مگر کوئی مفہوم اخذ نہ کر سکا اور اگر یہی غور و خوض جاری رکھتا تو شاید ساری زندگی اسی طرح نہ سمجھنے میں کٹ جاتی۔ مگر کئی بار ایسا ہوا کہ ادھر میں نے تلاوت شروع کی اور میرا ذہن نہایت تیزی کے ساتھ مطالب اخذ کرتا رہا اور میرے ذہن کی پرواز بدستور اس قدر تیز ہو گئی کہ اللہ ہی نے اپنے قدرت کاملہ سے اسے لوٹا یا۔

وہب بن ورد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ہم نے بہت باتیں، اقوال اور کتابیں پڑھیں مگر قرآن حکیم کی تلاوت اور اس کے معنی کو سمجھنے سے بڑھ کر دلوں پر رقت طاری کر دینے اور سوز قلب عطا کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی۔

قرآن کریم سے استنباط کرنے اور سمجھنے کے غلط اور صحیح اصول

قرآن کریم سے صحیح استنباط کرنے اور اس کے پوشیدہ لطیف اشارات و رموز سمجھنے کا پہلا صحیح اصول یہ ہے کہ اس چیز کو مقدم نہ کیا جائے جسے اللہ نے مؤخر کیا ہو اور اس چیز کو مؤخر نہ کیا جائے جسے اس نے مقدم کیا ہو۔
دوسرا اصول یہ ہے کہ ان حدود کو پامال کرنے کی کوشش نہ کی جائے جن کی ایک اطاعت گزار بندہ پابندی کرتا ہے تاکہ کہیں اس طرح کا عمل بندے کے لیے دائرہ بندگی سے خارج ہونے کا سبب نہ بن جائے۔
تیسرا اصول یہ ہے کہ شارح، قرآن کریم میں تحریف کا مرتکب نہ ہو۔ جیسا کہ ایک شخص سے کسی نے اس قول کی وضاحت چاہی:

وَ اَيُّوبَ اِذْ نَادَى رَبَّهُ اِنِّىٓ مَسْنِيۃَ الضُّرِّ [الانبیاء: ۸۳]

ترجمہ: ”اور ایوب کو (یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا تو مجھے تکلیف پہنچی۔“
تو اس شخص نے تحریف کرتے ہوئے کہا کہ منی الضر (مجھے تکلیف پہنچی) کا مفہوم ہے ماساءنی الضر (مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی)۔

اسی طرح ایک شخص نے قول باری تعالیٰ:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوَىٰ ۙ [الضحیٰ: 6]

ترجمہ: ”کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا۔ پھر جگہ دی۔“
کی تشریح اس طرح کی کہ یتیم سے مراد در یتیم یعنی بے مثال ہوتی ہے۔
اور کسی نے قول خاندی:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّمِثْلُكُمْ [الکہف: ۱۷۰]

ترجمہ: ”تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔“

کی وضاحت یوں کی کہ ان مثلکم عندکم ہے۔ (یعنی میں تمہارے نزدیک تم جیسا بشر ہوں) الغرض مذکورہ تمام مثالیں اور اس طرح کی دیگر تشریحات بلا شک و شبہ غلط اور اللہ پر بہتان باندھنے کے مترادف ہیں۔
اب ہم قرآنی آیات کی چند ایک ایسی صوفیانہ تشریحات پیش کرتے ہیں جو صحیح ہیں۔
ابوبکر کتانی علیہ الرحمہ نے قول خداوندی:

اِلَّا مَن اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۙ [الشعراء: ۸۹]

ترجمہ: ”مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہو اسلامت دل لے کر۔“

کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا: قلب سلیم تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اس طرح اللہ سے واصل ہو کہ اس میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک موجود نہ ہو۔ دوسرے وہ جس میں اللہ کے ساتھ مشغولیت کا احساس تک بھی نہ ہو اور اس کے سوا کسی

اور کارادہ بھی نہ ہو۔

تیسرے اس شخص کا دل جو اللہ سے واصل ہو مگر اس میں سوائے اللہ کے کوئی اور شے موجود نہ ہو اور اللہ سے اللہ کے ساتھ فناء ہو چکا ہو اور اللہ سے اللہ کے ساتھ فنا ہو جانے سے مراد بندوں کے دل سے اطاعت، ذکر الہی اور ذکر خدا سے محبت تک کا احساس ختم ہو چکا ہو۔ اور اس کے دل میں موجود محبت الہی، اللہ کی جانب سے اس کو یاد کرنے میں فنا ہو جائے اور بندوں سے اللہ کی یہ محبت عالم خلق سے پہلے کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اللہ کا ذکر اس لیے کیا کہ خود اللہ نے انہیں پہلے یاد کیا۔ اور اگر انہوں نے اللہ سے محبت کی تو اس لیے کہ پہلے اللہ نے ان سے محبت کی۔ اور اگر انہوں نے اطاعت کی تو اس لیے کہ پہلے اللہ نے ان پر عنایت کی۔

ارشاد فرمایا:

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يُهْدِينِي ۖ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي ۖ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي ۖ

[الشعراء: ۷۸ تا ۸۰]

ترجمہ: ”وہ جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے راہ دے گا۔ اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے شاہ کرمانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آیت میں یہ فرمایا گیا کہ جس نے مجھے پیدا فرمایا وہی میری اپنی جانب رہنمائی کرتا ہے اور غیر کی طرف نہیں جانے دیتا۔ اور وہی ذات وحدہ لا شریک ہے جو مجھے اپنی رضا سے کھلاتا اور اپنی الفت کا جام پلاتا ہے۔ اور جب میں اپنے مشاہد نفس کے نتیجے میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہ مجھے اپنے مشاہدے کے ذریعے شفا عطا فرماتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے میرے نفس سے مارتا اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ گویا میں اسی کے ساتھ قائم ہوں نہ اپنی ذات کے ساتھ اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اس روز شرمندہ نہیں فرمائے گا جب میں اس کے حضور اس حال میں کھڑا ہوں گا کہ میری نظر اپنے اعمال پر ہوگی اور پوری طرح اسی کا محتاج ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ حقیقت منکشف تھی کہ انہوں نے جو کچھ پایا وہ فقط اپنے رب کے فضل سے پایا۔ اور وہ جو کچھ بھی تمنا کریں گے صرف اسی کی رحمت بے پایاں ہی سے پائیں گے اسی کیفیت میں آپ نے یہ دعا فرمائی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَ الْخَفِيَّ بِالضَّلِيلِينَ ۖ [الشعراء: ۸۳]

ترجمہ: ”یا رب مجھے حکم (حکمت و علم) عطا کر اور مجھے ان سے ملادے جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں۔“

قول باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ [الرعد: ۲۸]

ترجمہ: ”وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔“

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: قلب مومن اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ مگر قلب عارف سوائے اس کے کسی اور شے سے مطمئن نہیں ہوتا۔

قوی باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِنَسُوءِ مَنِينِينَ يَعْضُوا مِن آبْصَارِهِمْ [النور: ۳۰]

ترجمہ: ”مسلمان مردوں کو حکم دواپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں۔“

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ مذکورہ آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں: البصار ہم سے ظاہری و باطنی دونوں آنکھیں مراد ہیں۔ یعنی سر میں لگی ہوئی آنکھیں اللہ کی حرام اور ممنوع کی ہوئی چیزوں کو نہ دیکھیں۔ اور دل کی آنکھوں سے اللہ کے سوا کسی اور شے کو نہ دیکھے۔

ارشاد باری ہے:

إِن فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝ [ق: ۳۷]

ترجمہ: ”بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو کان لگائے اور متوجہ ہو۔“

ابوبکر شبلی آیت مذکورہ کو وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں لمن کان قلب سے مراد وہ بندہ ہے کہ اللہ ہی اس کا قلب ہو پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔
ترجمہ شعر:

ترجمہ: ”میرے جسم میں تیرے لیے کوئی ایک متعین دل نہیں بلکہ میرا ہر عضو دل ہے اور یہ سارے دل فقط تیرے لیے ہیں۔“

مذکورہ بالا تمام تفصیلات کا تعلق قرآن کریم کو براہ راست فہم و ادراک کے حوالے سے سمجھنے سے متعلق تھیں اور اب ہم ان اشارات کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذریعے بالواسطہ آیات قرآنیہ کی تفسیر ہوتی ہے جیسا کہ ابو العباس بن عطاء علیہ الرحمہ نے اپنے اس قول کہ لغرضوں کے ساتھ اللہ کا کوئی تعلق نہیں کے ذریعے اس آیت کی طرف اشارہ کیا اور اس سے استدلال کیا۔

مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ [البقرہ: ۲۰۹]

ترجمہ: ”اور اگر اس کے بعد بھی بچو (پھسلو) کہ تمہارے پاس روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔“

اسی طرح ابن عطاء علیہ الرحمہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ محب سے اس کے صفات بشری سمیت عذاب اور رنج کی کیفیت ساقط کر دی جاتی ہے اور اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے تھے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ إِنَّا بَلَّغْنَاكُمْ رَسُولًا مِّن رَّبِّكُمْ وَإِن كُنْتُمْ مِّن دُونِهِ فَتَنًا حَقًّا ۝ [المائدہ: ۱۸]

ترجمہ: ”اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ تم فرما دو پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے۔ بلکہ تم آدمی ہو اس کی مخلوقات سے۔“

ابویزید بسطامی علیہ الرحمہ سے معرفت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ کیا۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَهْلَهَا آيَةً ۝ وَكَذَلِكَ

يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾ [النمل: ٣٤]

ترجمہ: ”بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل (کر دیتے ہیں) اور ایسا ہی کرتے ہیں۔“

آپ نے آیت مذکورہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والوں کو غلام بنالیں اور انہیں ذلیل و خوار بنا کر رکھیں۔ اور وہ ان کے حکم سے سر موخراں نہ کریں اسی طرح معرفت جب کسی کے دل میں جاگزیں ہوتی ہے تو دیگر تمام چیزوں کو نکال باہر کرتی ہے اور اس میں ہر متحرک شے کو جلا ڈالتی ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے سماع کے دوران اپنے سکون اور قلب اضطراب کے بارے میں پوچھے جانے کے بعد اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا:

وَ تَكْرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَاوِدًا وَ هِيَ تَمُرٌّ مَمَّ السَّحَابِ ۚ صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي لَيْسَ أَتَقَنَّ كَلَّ شَيْءٍ ۙ

[النمل: ٨٨]

ترجمہ: ”اور تو دیکھے گا کہ پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جھے ہوئے ہیں۔ اور وہ چلتے ہوں گے بادلوں کی چال۔ یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔“

ابوعلیٰ رودباری علیہ الرحمہ جب اپنے رفقاء کو اکٹھا دیکھتے تو یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے۔

هُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذْ يَنْشَأُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ [الشوریٰ: ٢٩]

ترجمہ: ”اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔“

زہری علیہ الرحمہ نے اپنے قول کہ ”انسان وہ جو بولے تو ایک لمحے کے لیے اور خاموش رہے تو سارا دن۔“ اس آیت کو دلیل بنایا:

وَ كُوْنُ نَشَأَ كَارِيْنِكُمْ فَلَعَوْ فَنَهُم بِسِيْنِهِمْ ۙ وَ لَعَوْ فَنَهُم فِي لَجْنِ الْقَوْلِ ۙ

[محمد (ﷺ): ٣٠]

ترجمہ: ”اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان کو دکھادیں کہ تم ان کی صورت سے پہچان لو اور ضرور تم انہیں بات کے اسلوب میں پہچان لو گے۔“

مذکورہ اقوال اور ان کی طرح کی دیگر امثال قرآن کریم کی صحیح تشریحات ہیں مزید اللہ ہی بہتر جانتا ہے قارئین اگر قرآن حکیم کی تفسیر سے متعلق کوئی اشارات یا اقوال کہیں بھی مطالعہ کریں تو انہیں چاہیے کہ طور گزشتہ میں بیان کردہ معیارات پر انہیں ضرور پرکھ لیں تاکہ غلط اور صحیح کا اندازہ ہو سکے۔

اتباعِ اسوہ رسالتِ مبارک ﷺ

صوفیہ کی قرآن فہمی اور اتباعِ اسوہ حسنہ

اللہ جل جلالہ نے رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا [العراف: ۱۵۸]

ترجمہ: ”تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔“

آیت مبارکہ میں ہمیں حضور رسالتِ مبارک ﷺ نے یہ سکھایا کہ انہیں تمام مخلوقاتِ عالم کے لیے جامع بنا کر بھیجا گیا۔ اور فرمایا:

إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۗ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَكَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ

[الشوریٰ: ۵۳۵]

ترجمہ: ”اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو اللہ کی راہ کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔“

آیت مبارکہ میں اللہ نے اس بات کی تصدیق فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فقط سیدھے راستے ہی کی جانب رہنمائی فرماتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ [النجم: ۳]

ترجمہ: ”اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔“

یعنی ہم ان کے ہر قول کو خواہشات سے پاک سمجھیں اور مزید رسول اللہ ﷺ کے منصب کی تشریح میں فرمایا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيَّةِ رُسُلًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ [الجمعة: ۲]

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے ان پڑھوں انہی میں ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔“

اس آیت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے یہ قرآن ہم تک پہنچا انہیں سے ہم نے قرآن اور حکمت سیکھی۔ یہاں حکمت سے مراد ان کی سنتِ آداب، اخلاق، افعالِ حقائق اور احوال ہیں۔ آپ نے ہمیں وہ سب کچھ پہنچایا جو آپ پر نازل ہوا اور جس کے پہنچانے پر آپ کو مامور کیا گیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم گویا ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۗ [المائد: ۶۷]

ترجمہ: ”اے رسول! پہنچا دو جو کچھ اتارا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے۔“

اور اللہ نے تمام خلق کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ ۗ [النور: ۵۴]

ترجمہ: ”تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔“

اس ضمن میں ایک اجور مقام پر فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۗ [النسا: ۸۰]

ترجمہ: ”جس نے رسول کا حکم مانا ہے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔“

امت کے ہر فرد کو چاہیے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ عطا فرمائیں وہ بلا چون و چرا قبول کر لیں اور جس سے وہ منع فرمائیں اس سے باز رہیں۔ اس مفہوم کی ایک آیت مبارکہ:

وَمَا أَنْتُمْ بِالرُّسُولِ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَكُمُ عَنْهُ فَأَنْتَهُوا ۗ [الحشر: ۷]

ترجمہ: ”اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔“

قرآن کریم نے آپ کی پیروی کو شرطِ ہدایت ٹھہراتے ہوئے کہا:

وَ اتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ [الاعراف: ۱۵۸]

ترجمہ: ”اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔“

إِنْ تُطِيعُوا لَهْتَدُوا ۗ [النور: ۵۴]

ترجمہ: ”اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے راہ پاؤ گے۔“

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کرنے پر فتنہ و عذاب میں مبتلا ہو جانے سے متعلق فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ [النور: ۶۳]

ترجمہ: ”تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔“

اتباع رسول ﷺ سے متعلق ایک اور جگہ پر اللہ نے فرمایا کہ مومنوں کے لیے اللہ اور اللہ کے لیے مومنوں کی محبت صرف اسی امر میں پوشیدہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو لازمہ حیات بنا لیں۔

فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ۗ [آل عمران: ۳۱]

ترجمہ: ”اے محبوب تم فرما دو لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔“

مومنین کی توجہ کو اسوۂ حسنہ اپنانے کی جانب مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [الاحزاب: ۲۱]

ترجمہ: ”بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔“

ایک بیان ہو چکیں اب اسی ضمن میں وہ احادیث بیان کی جاتی ہیں جو ثقہ راویوں نے ثقہ راویوں سے روایت کیں اور نہایت احتیاط و حفاظت کے ساتھ ہم تک پہنچائیں لہذا ان کو جاننا اور ان پر عمل کرنا ہم سب مومنین کا فرض ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ سے ظاہر ہے:

وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ وَ اطِيعُوا الرَّسُولَ [النور: ۶۶]

ترجمہ: ”اور نماز پراکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔“

اور فرمایا:

إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۳﴾ [الزخرف: ۴۳]

ترجمہ: ”بے شک تم سیدھی راہ پر ہو۔“

الغرض آپ کی ذات گرامی علیہ التحیۃ والسلام ہی جملہ خلق کے لیے نمونہ اور ان کی اطاعت روز قیامت تک لازم ہے۔ البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا شمار مرفوع القلم لوگوں کے زمرے میں ہوتا ہے۔ جس نے قرآن سے موافقت اور سنت رسول کی مخالفت کی وہ بلاشبہ قرآن کا مخالف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے جس قدر اخلاق، افعال، احوال، اوامر، نواہی، مباحات، ترغیبات اور ترہیبات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ ان کو اپنانا اور آپ کو اطاعت کرنا ہی سب سے بہترین اتباع ہے۔ ہاں جس مسئلے کے خلاف باقاعدہ کوئی دلیل موجود ہو اس پر عمل کو روک دینا درست ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خَالِصَةً لِّكَ مِنَ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ [الاحزاب: ۵۰]

ترجمہ: ”یہ خالص تمہارے لیے ہے امت کے لیے نہیں۔“

اور جیسا کہ آپ نے صوم وصال کے بارے میں فرمایا: ”میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔“ (یعنی رسول اللہ ﷺ کا معاملہ بعض افعال و احوال میں ہم سے مختلف ہے لہذا ایسے افعال و احوال کی اتباع ہم پر لازم نہیں۔) اور قرآنی سے متعلق حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ابو بردہ یثار سے فرمایا: قربانی کرو اور تیرے بعد ایسا کرنا کسی کے لیے جائز نہ ہوگا۔ ﴿۱﴾

جہاں تک رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئیں حدود، احکام، عبادات، فرائض سنن، امر و نہی، مباحات، رخصت اور توسیع کا تعلق ہے تو یہ جملہ علماء و فقہاء نے مدون کر چھوڑے ہیں۔ اور ان کے ہاں باقاعدہ مشہور و مروج ہیں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین کہلاتے ہیں۔ یہ اللہ کی حدود کے محافظ، سنت رسول سے تمسک کرنے والے، دین الہی کی تائید کرنے

﴿۱﴾ صحیح بخاری و مسلم، موطا امام مالک اور سنن ترمذی میں بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

﴿۲﴾ صحیحین میں بروایت حضرت براہ بن عازب رضی اللہ عنہ۔

والے، لوگوں کے لیے دین کو محفوظ رکھنے والے اور ان کے لیے حلال و حرام اور حق و باطل کو الگ الگ دکھانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خلق کے لیے اللہ کی حجت ہیں اور حق کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ یہی لوگ خواص ہیں جنہیں عوام میں سے انتخاب کیا گیا۔ پھر ان میں سے بھی خاص افراد چنے جاتے ہیں جو اصول دین کے استحکام حد و اللہ کی حفاظت اور سنت رسول سے تمسک کرنے کے بعد بیٹھے نہیں رہتے بلکہ طاعات، آداب، عبادات، بلند اخلاق اور احوال سعیدہ کی تمام اقسام کے بارے میں احادیث رسول اللہ ﷺ میں مزید غور و خوض کرتے ہیں اور سید الکونین ﷺ کے بلند ترین کردار کے مثالی نمونے کو ہمہ وقت اپنے عمل کا محور سمجھتے ہیں۔ جس چیز کو سید المرسلین ﷺ نے بڑا جانا اُسے بڑا سمجھا اور جسے انہوں نے چھوٹا سمجھا اسے چھوٹا جانا۔ جو شے انہوں نے گھٹائی اسے گھٹا دیا اور جو انہوں نے بڑھائی اسے بڑھا دیا جسے انہوں نے ناپسند فرمایا اسے ناپسند کیا اور جو کچھ انہوں نے اختیار کیا اسے اپنا لیا جو چیز آپ نے ترک فرمائی اسے چھوڑ دیا۔ جن آزمائشوں پر آپ نے صبر فرمایا ان پر صبر اختیار کیا۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے دشمن جانا اسے اپنا دشمن جانا جس سے انہوں نے دوستی کی اسے دوست ٹھہرایا جسے انہوں نے فضیلت بخشی اسے افضل جانا جس چیز سے انہوں نے رغبت ظاہر فرمائی اس کی طرف مائل ہوئے اور جس سے وہ دور رہے اس کے قریب نہ گئے۔

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خلق رسول کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا ان کا خلق قرآن تھا یعنی ان میں قرآن سے پوری طرح موافقت موجود تھی۔ ﴿

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اعلیٰ اخلاق دے کر بھیجا گیا۔ ﴿

۱) مسند احمد صحیح مسلم و سنن ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

۲) مسند احمد میں بروایت حضرت ابوبررہ رضی اللہ عنہ، اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

آنحضور ﷺ کے خداداد بلند اخلاق و عادات

حضور رسالت ماب ﷺ فرماتے ہیں: میری تربیت اللہ نے فرمائی اور کیا خوب تربیت کی۔ ۵

فرمایا: میں تم میں سے سب سے بڑھ کر اللہ کو جاننے والا اور اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ ۵

فرمایا: مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ جنس فرشتہ یا جنس انسان سے نبی بن کر آؤں۔ جبریل نے مجھے اشارہ کیا:

عاجزی اختیار کر لو۔ اس پر میں نے کہا: میں انسانی جنس میں سے نبی بننا چاہتا ہوں کہ مجھے بھوک بھی لگے اور سیری بھی حاصل ہو۔ ۵

فرمایا: میرے سامنے پوری کائنات کو پیش کی گیا مگر میں نے انکار کر دیا۔

فرمایا: اگر میرے پاس کوہِ اُحد کے برابر سونا بھی ہوتا تو سارے کا سارا راہِ خدا میں خرچ کر ڈالتا صرف اس قدر باقی

رکھتا کہ قرضہ چکا لیتا۔ ۵

ایک روایت ہے کہ آپ نے کبھی اگلے روز کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھا۔ صرف ایک بار زندگی میں سارے سال کے لیے

خرچ اکٹھا کر لیا تاکہ عیال اور باہر سے آنے والے و فود کی مہانداری پر خرچ کیا جاسکے۔ ۵

روایت ہے کہ آپ کے پاس کبھی ایک ہی وقت میں دو قمیص نہیں ہوتی تھیں۔ ۵ اور کبھی آپ کے لیے خصوصی طور پر کھانا

نہیں چٹا گیا۔ اور آپ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ کبھی گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی اور آپ نے یہ طرزِ عمل

اختیار کرتے ہوئے اپنا یا کوئی اضطرابی کیفیت نہ تھی کیونکہ اگر وہ اپنے رب جل جلالہ سے پہاڑوں کو سونا بنا دینے کو کہتے اور

بلا شرکت غیر ان کی ملکیت بھی مانگتے تو ان کے لیے یہ سب کچھ کر دیا جاتا اسی طرح کی اور بھی کئی روایات و اخبار موجود ہیں۔

روایت ہے کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بلال! خرچ کر اور عرش والے کے ہوتے ہوئے کسی سے نہ

گہرا۔ ۵

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمتِ اقدس میں کھانا پیش کیا۔ آپ نے کچھ تناول فرمایا اور باقی جو بچ رہا وہ

بریرہ نے رکھ چھوڑا۔ اور دوسری رات آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: کیا تجھے یہ خوف نہ تھا کہ روزِ قیامت

اس کھانے کے بدلے آگ ہوگی۔ کبھی اگلے روز کے لیے کوئی چیز جمع نہ رکھنا کیونکہ اللہ ہر روز کا رزق علیحدہ علیحدہ عطا فرماتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر بھوک ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ

دیتے۔ اور جب بھی دوکام پیش آئے تو آسان کو اختیار کیا۔ ۵

- | | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ | اس کی توجیح نوز رکھی ہے۔ | ۵ | صحیح بخاری روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ |
| ۲ | صحیح ابن ماجہ میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ | ۵ | صحیحین میں بروایت حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ہے۔ |
| ۳ | شیخین میں بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مضمون کی حدیث روایت کی۔ | ۵ | تعمیر میں امام طبرانی نے حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ |
| ۴ | امام بیہقی نے اس حدیث کو سنن الاصابہ میں روایا۔ | | |
| ۵ | تفصیل مابعد حدیث۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ | | |

رسول اللہ ﷺ بل چلانے والے تھے اور نہ ہی تاجر۔ آپ کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ اون کا لباس زیب تن فرماتے۔ اپنا جوتا خود مرمت فرمالتے، گدھے پر سواری کرتے بکری کا دودھ دوہ لیتے کپڑوں میں بیوند لگا لیتے اور سواری کرتے ہوئے اپنے ساتھ کسی کو بٹھالینے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ امیری کو پسند نہیں فرماتے تھے اور افلاس سے ڈرتے نہ تھے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر سالم ایک ایک اور دو دو ماہ اس طرح گزر جاتے کہ گھر میں کھانا پکانے کے لیے آگ تک روشن نہ ہوتی اور ایسے میں دوہی چیزوں کھجور اور پانی پر آپ اور آپ کے اہل و عیال کا گزارہ ہوتا۔

روایت ہے کہ آپ کی زواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو جب یہ اختیار دیا گیا کہ اپنے لیے جو چاہیں چن لیں تو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو چن لیا۔ اور اسی ضمن میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُمْ تُؤَدُّنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَ زِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعَنَّكَ وَ أَسْرَحَنَّكَ سَرَاحًا جَبِيلًا ۝ [الاحزاب: ۲۸]

ترجمہ: ”اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور آزمائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔“

آپ کی ایک دعا یہ تھی:

اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَسْكِينًا وَ أَمِتْنِي مَسْكِينًا وَ أَحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ.

ترجمہ: ”میرے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مجھے مسکینی ہی کی حالت میں موت عطا کر اور قیامت کے

روز مساکین ہی کے زمرے میں اٹھا۔“

اللَّهُمَّ ارْزُقْ آلِي مُحَمَّدٍ قُوَّةَ يَوْمِ بَيْتِؤم

ترجمہ: ”اے میرے رب! آل محمد کو ایک ایک دن کا الگ الگ رزق عطا فرما۔“

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود اونٹ کی ٹانگ کو ران سے باندھتے تھے (اونٹ کو بیٹھا ہوا ہی رکھتا ہوتا ایسا کرتے ہیں) پانی ڈھونڈنے والے اونٹ کو پانی پلا دیتے، گھر کی مرمت کرتے، جوتا مرمت کر لیتے، کپڑوں میں بیوند لگا لیتے، بکریاں دوہ لیتے خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے اور اگر خادمہ آنا پیتے پیتے تھک جاتی تو اس کے ساتھ آنا پیتے۔ آپ بازار سے اپنا سودا اٹھا کر گھر تک لانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ امیر و غریب دونوں سے ایک سامصافہ کرتے، سلام کرنے میں ابتداء کرتے، جو آپ کی دعوت کو قبول کر لیتے اور جس قسم کا طعام بھی دعوت میں پیش کیا جاتا اسے حقیر نہ جانتے چاہے ردی کھجور بھی سامنے رکھ دی جاتی۔ آپ نرم خو، شریف الطبع، حسن معاشرت والے، خشکفتر و متمسک لب، چہرے پر حزن مگر ترش روئی سے پاک، عجز پسند ایسے کہ ذلت قریب نہ پھٹکے، فیاض مگر فضول خرچی سے دور، رقیق القلب، ہمیشہ متوجہ رہنے والے اور ہر مسلمان پر مہربان تھے۔ سیر ہو جانے کے بعد کبھی ڈکار نہیں لیتے تھے اور نہ کبھی لالچ کی طرف

۱) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا۔

۲) شیخین ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اسے روایت کیا۔

ہاتھ بڑھاتے۔ ﴿۱﴾
 ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ چلتی ہو اسے بھی بڑھ کر فیاض تھے۔ آپ نے ایک شخص کو دو پہاڑوں کے مابین ایک پوری وادی بھیڑ بکریوں سے بھری ہوئی عطا کر دی۔ یہ شخص جب اپنے قبیلے میں پہنچا تو کہنے لگا کہ رسول ﷺ اللہ ایک ایسے شخص کی طرح عطا کرتے ہیں جسے کبھی افلاس کا ڈر نہیں ہوتا۔ ﴿۲﴾ آپ میں فحاشی، بدکلامی اور پینگانہ حرکت ہرگز نہ تھیں۔ ﴿۳﴾ آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور زمین پر ہی نشست فرماتے، عباہ پہنتے، مسکینوں کے ساتھ مل کر بیٹھتے، بازار تشریف لے جاتے، اپنے ہاتھ کو تکیہ بنا لیتے اور کسر نفسی سے کام لیتے، آپ کو کبھی کھل کر ہتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ کبھی تنہا کھانا نہیں کھایا کبھی اپنے غلام کو مارا نہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کو مارا۔ مگر صرف اللہ کی راہ میں مارا۔ آپ کبھی چار زانو ہو کر نہیں بیٹھے اور نہ ہی کبھی تکیہ لگا کر کھانا کھایا۔ فرمایا کرتے: میں اللہ کے بندے کی طرح بیٹھتا ہوں اور ایک حقیقی بندے کی طرح کھاتا ہوں۔ ﴿۴﴾

روایت ہے کہ آپ نے بھوک سے اپنے بطن مبارک پر پتھر باندھے حالانکہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے کوہ ابوقیس کو سونے میں تبدیل کر دینے کے لیے بھی کہتے تو وہ آپ کی دعا قبول کر لیتا۔ ﴿۵﴾ آپ ایک بار مع اپنے صحابہ کے ابو الہیثم ابن التبیان کے ہاں بلا دعوت کے تشریف لے گئے۔ ان کے کھانے میں سے تناول فرمایا۔ اور ان کے پانی میں سے نوش فرمایا۔ پھر فرمایا کہ یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔ ﴿۶﴾
 ایک روایت ہے کہ کسی شخص نے آپ کو پانچ اصحاب سمیت مدعو کیا۔ اور چھٹا صحابی اس وقت داخل ہوا جب دعوت دینے والے نے اس کے شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ ﴿۷﴾

ایک حدیث میں روایت کیا گیا کہ آپ ایک رومال اوڑھتے تھے جس پر کچھ نقش و نگار تھے۔ اسے آپ نے یہ کہہ کر پھینک دیا ﴿۸﴾ کہ کہیں اس کے نقش و نگار مجھے اپنی جانب متوجہ نہ کر لیں۔ اور فرمایا: مجھے ابوجہم کا جبہ لا کر دو۔
 آپ سے ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کرنے کے بارے میں عرض کیا گیا تو فرمایا: کیا تم سب کے پاس دو نئے کپڑے ہیں؟ ﴿۹﴾ پھر فرمایا: میں ایک ایسی خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی مجھے تم یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ ﴿۱۰﴾

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: میں اولاد آدم کا سردار ہوں مگر مجھے کوئی فخر نہیں۔ ﴿۱۱﴾ آپ نے فرمایا: میں نے بعض کو عطا

﴿۱﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی اس طویل حدیث مبارک کا ذکر اجمالا اور تفصیلاً دیگر کتب حدیث میں بھی ذکر ملتا ہے۔ آپ علیہ السلام کے جن اوصاف و محاسن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے ان میں سے بعض کا تذکرہ صحیحین میں جبکہ بعض سنن اور بعد ازیں بعض دیگر کتب حدیث میں ہیں۔

﴿۲﴾ مسند احمد اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ﴿۲﴾ امام ترمذی نے نے سنن صحیح کے ساتھ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

﴿۳﴾ مسند احمد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔ ﴿۳﴾ متفق علیہ بروایت حضرت جابر عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

﴿۴﴾ ابوالمواہب ترمذی اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ﴿۴﴾ صحیحین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

﴿۵﴾ متفق علیہ۔ ﴿۵﴾ صحیحین اور ابوالمواہب میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

﴿۶﴾ اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہیں۔

صحیح مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

بخشش سے نواز اور بعض کو محروم رکھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جسے میں نے عطا کیا وہ مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے جسے میں نہیں دیا۔ ﴿۱﴾

فرمایا: سب سے پہلے فقرا انصار جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کی حالت یہ ہوگی کہ سر کے بال گرد آلود کپڑے پہنے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ناز و نعم میں رہنے والی عورتوں سے نکاح نہیں کرتے تھے اور جن پر بند روازوں کو نہیں کھولا جاتا تھا۔ (یعنی وہ مشکلات میں مبتلا رہتے تھے) ﴿۲﴾

فرمایا: میرا اور دنیا کا کیا تعلق۔ ہاتھ میں سے ہر ایک کا گزارے کا سرمایہ اتنا ہونا چاہیے جتنا کہ سوار کا زاد راہ۔ ﴿۳﴾
فرمایا: میری امت کے فقراء امراء سے نصف یوم، جو کہ پانچ سو برس کے برابر ہوگا پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ فرمایا: ہم پیغمبروں کا طائفہ سب سے بڑھ کر آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے بعد جو لوگ افضل ہوں پھر ان سے کم درجے کے افضل اور بندے کو اس کے دین کے معیار پر آزمایا جاتا ہے۔ اگر اس کا دین و ایمان پختہ ہو تو ایسا شخص بہت بڑی آزمائش میں سے گزرنے والا ہوتا ہے۔

آپ سے ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے آپ نے فرمایا پھر آزمائش کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ﴿۴﴾
روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں عزیز ہیں (خوشبو، نماز، خواتین) ﴿۵﴾ آپ نے یہ فرمایا کیا تم اپنی دنیا کو نیا کو بہتر جانتے ہو۔ خود کو اس سے علیحدہ کر کے اسے لوگوں کے لیے چھوڑ دیا۔

آپ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ایک اینٹ پر اینٹ بھی نہیں رکھی تھی۔ آپ نے اس حالت میں دنیا سے سفر فرمایا کہ آپ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس ایک صاع جو کے بدلے رہن پڑی تھی۔ ﴿۶﴾ آپ نے اپنے پیچھے درہم چھوڑے نہ دینا نہ آپ کی میراث تقسیم ہوئی اور نہ ہی آپ کے گھر سے کوئی اثاثہ ملا۔ آپ فرماتے تھے ہم انبیاء کوئی میراث چھوڑ کر نہیں جاتے صرف صدقہ چھوڑ جاتے ہیں۔ (یعنی جو مال و متاع اگر نبی چھوڑ جائے تو وہ مفاد مومنین کے لیے بطور صدقہ کے صرف کر دیا جائے) ﴿۷﴾

آپ ہدیہ و عطیہ قبول فرماتے تھے۔ صدقہ کبھی نہ کھاتے البتہ صدقہ دینے والوں سے لے کر تقسیم فرما دیتے۔ آپ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وحی نہیں بھیجی کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بن جاؤں بلکہ مجھے تو یہ وحی کی گئی:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿۱﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۲﴾ [الحجر]

﴿۱﴾ صحیحین میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص۔

﴿۲﴾ مسند احمد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

﴿۳﴾ مسند احمد صحیح ابن حبان سنن ترمذی میں ہے۔

﴿۴﴾ اسناد جید کے ساتھ طبرانی اور ابویعلیٰ نے حضرت حباب سے روایت کیا۔

﴿۵﴾ طبرانی نے کعب بن عجرہ ہی روایت کیا۔

﴿۶﴾ عقیلی نے اسے ضعیف قرار دیا۔

﴿۷﴾ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیحین اور سنن ترمذی میں ہے۔

﴿۸﴾ صحیحین، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں یہ حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہم سے مروی ہے۔

مومنین کو اللہ کی عطا کردہ سہولتوں اور عنایتوں سے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بنوقریظہ، بنونظیر، فدک اور خیبر کے احوال عطا فرمائے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس لباس تھا جو انہیں تحفہ دیا گیا تھا۔ ڈھال اور تلوار تھی جس کے دستے میں چاندی کا کام کیا گیا تھا۔ پردے تھے جو گھر میں موجود تھے۔ ایک علم تھا، ایک گھوڑا، ایک خنجر، ایک اونٹنی، ایک گدھا، چادر، عمامہ، موزے جو شاہ نجاشی نے آپ کو ہدیہ بھیجے تھے اور دیگر چیزیں۔

مزید یہ کہ آپ ٹھنڈی میٹھی چیز پسند فرماتے تھے ۵ اور خمیص شوق سے تناول فرماتے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا: خوب کھاؤ پیو۔ مذکورہ اور اس طرح کی کئی دوسری روایات صحیحہ ہیں جن کا تعلق امت کو دین میں آسائش، سہولت اور وسعت و رخصت دینے سے ہے۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے لیے خلق کے امام و رہنما ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے ایک سچا اور آسان دین دے کر مبعوث کیا گیا اور آپ نے فرمایا کہ میں بھولتا ہوں تاکہ یہ میری سنت بن جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو مال کمانے، مختلف پیشے اختیار کرنے، چیزیں جمع کرنے کی رعایت، ان کی مجبوریوں کو جاننے کے باوصف، نہ دیتا تو وہ ہلاک ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ اللہ نے تو بندوں کو مال جمع کرنے، مختلف صنعتیں اور تجارتیں اختیار کرنے کی دعوت نہیں دی بلکہ ان کے لیے یہ سب کچھ اس لیے جائز کر دیا کہ اسے بندوں کی کمزوریوں کا علم ہے اور وہ ان کی مجبوریوں سے باخبر ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ اسی کی اطاعت و عبادت کی جائے اور تمام مومنوں کو اپنے ذکر، شکر اور توکل کی راہ بھائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُورُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿١٠١﴾ [الحزاب: ٤١]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو۔“

اور فرمایا:

عَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾ [المائد: ٢٣]

ترجمہ: ”اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔“

وَ أَنَا رَبُّكُمْ فَأَعْبُدُونِ ﴿١٠٣﴾ [الانبیاء: ٩٢]

ترجمہ: ”اور میں تمہارا رب ہوں تو میری عبادت کرو۔“

إِنَّمَا قَارَهُبُونَ ﴿١٠٤﴾ [البقرة: ١٠١]

ترجمہ: ”اور خالص میرا ہی ڈر رکھو۔“

ترجمہ: ”اور تمھی سے ڈرو۔“

مذکورہ مباحات اور کئی امور میں رخصتوں کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام عام لوگوں سے مختلف ہیں کیونکہ اگر لوگوں کو ان کی اجازت دی گئی ہے تو اس لیے کہ وہ ضعیف اور مجبور ہیں۔ وہ صبر و قناعت کی تعلیموں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے نفوس حظ دنیوی کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اور یہی وہ میلانِ نفس ہے جو بعض اوقات انہیں گمراہی کی جانب لے جاتا ہے۔ مگر انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل ہٹ کر ہے وہ تائید نبوت، قوتِ رسالت اور انوارِ وحی سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ دنیوی حظ میں شرکت کرتے ہیں یا دیگر امور دنیوی میں حصہ لیتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ وہ خودلطیف اٹھائیں بلکہ اس لیے کہ لوگوں کے لیے قائم کردہ حدود کی نشاندہی وہ اپنے عمل سے پختہ کر دیں وہ حظ اٹھانے کے لیے ان میں حصہ نہیں لیتے بلکہ اپنے فرائض پورے کرتے ہیں۔ کیا آپ کی نظر سے یہ آیت مبارکہ نہیں گزری۔

مَا أَقَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ قَدِيدٌ ۖ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ﴿٧﴾ [الحشر: ٧]

ترجمہ: ”جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کی ہے۔ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔“

آیت مذکورہ میں یہ خبر دی گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو جو مالِ غنیمت عطا فرمایا وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے کہ وہ اسے مناسب طریق پر تقسیم کریں۔ اور خمسِ خمس جنہیں رسول اللہ ﷺ چاہیں عطا فرمائیں:
قرآن پر عمل پیرا ہونے والوں اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والوں کے تین بٹھے ہیں۔
ایک وہ جن کا تعلق دین میں دی گئی سہولتوں، رخصتوں اور مباحات و تاویلات سے ہے۔ دوسرے وہ جن کا تعلق دینی قوانین کے علم سے ہے۔

تیسرے وہ جن کا تعلق جہاں دینی قوانین کے علم سے ہے وہاں وہ اس سے آگے بھی نظر رکھتے ہیں وہ ایسے احوال، اعمال، اخلاق اور حقائق تک خود کو پہنچاتے ہیں جن سے بندے کے ایمان میں انتہائی پختگی اور کمال پیدا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے حارث نے عرض کیا: میں نے نفس کو دنیا سے کنارہ کش کر لیا، اور راتوں کو جاگا اور دن کو روزہ سے رہا آپ نے فرمایا تو نے حقیقت کو پالیا۔ اور اب اس پر ثابت قدم رہ یا آپ نے یہ فرمایا کہ ایک بندہ جس کا قلب اللہ نے منور فرمادیا۔ ﴿٥﴾

کہا جاتا ہے کہ تصوف سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس کی بنیاد چار حدیثیں ہیں ایک حدیث جبریل علیہ السلام جب انہوں نے آپ سے ایمان و احسان کے بارے میں سوال کیا اور آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ﴿٥﴾

دوسری حدیث عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر فرمایا: اے لڑکے تو حقوق اللہ کی حفاظت کروہ تیری حفاظت کرے گا۔ ۱

تیسری حدیث حضرت وایصہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے ۲ اور نیکی وہ ہے جس سے تیرا دل مطمئن ہو جائے۔ چوتھی حدیث بشر بن نعمان سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اب حرام و حلال وہ دونوں الگ الگ واضح ہیں۔ ۳

ایک اور روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اسلام میں ضرر ہے اور نہ ضرر پہنچانے کی کوئی صورت۔‘‘ ۴

۱ سنن ترمذی میں بروایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

۲ تخریج گزر چکی۔

۳ امام بخاری و مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

۴ امام مالک نے مسلمان یحییٰ المازنی سے اس حدیث کو روایت کیا جبکہ مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ ہے۔

صوفیہ اور اتباعِ رسول ﷺ

میں نے ابو عمرو عبد الواحد بن علوان علیہ الرحمہ سے اور انہوں نے حضرت جنید علیہ الرحمہ کو یہ کہتے سنا کہ علم تصوف کا احادیثِ رسول سے گہرا ربط ہے۔

میں نے ابو عمرو واسماعیل بن نجید علیہ الرحمہ سے اور انہوں نے ابو عثمان سعید بن عثمان الحیرمی کو یہ کہتے سنا کہ جس نے سنتِ رسول کو اپنے اوپر قولاً وفعلاً جاری کر لیا اور اس کی زبان سے حکمت ہی کی بات نکلی۔ اور جس نے اپنے اوپر خواہشاتِ نفس کو قولاً وفعلاً حاکم بنا لیا اس کی زبان سے بدعت کی بات نکلی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿إِنَّ مِثْقَالَ حَبِّ خَيْرٍ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ نَسْفَةٍ سِوَاهُ﴾ [النور: ۱۰]

ترجمہ: ”اور اگر رسول کی فرماں برداری کرو گے راہ پاؤ گے۔“

میں نے ظیفور بسلطامی سے انہوں نے موسیٰ بن عیسیٰ المعروف بہ عمی سے انہوں نے اپنے والد سے اور ان سے ابو یزید بسلطامی نے یہ کہا کہ ہمارے ساتھ چلو کہ اس زاہد سے ملاقات کریں جو خود کو ولی اللہ کہلواتا ہے۔ یہ زاہد اپنے زہد و عبادت کے لیے مشہور تھا اور مجھ سے ظیفور نے اس کا نام و نسب بھی بیان کیا تھا (موسیٰ بن عیسیٰ کے والد کہتے ہیں) کہ ہم اس سے ملنے گئے تو وہ زاہد گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جا رہا تھا اور جب مسجد میں داخل ہوا تو قبلہ کی جانب تھوک دیا یہ دیکھ کر ابو یزید بسلطامی علیہ الرحمہ نے کہا اُوّ واپس چلیں کیونکہ جس شخص کا آدابِ رسول پر عمل نہیں وہ ولی کیسے ہو سکتا ہے۔

ابو یزید بسلطامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”میں نے ارادہ کیا کہ اللہ سے کھانے کی طرف رغبت اور عورتوں کی جانب خواہش کو ختم کرنے کا سوال کروں۔ مگر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہ کیا تو میں کیوں خلاف سنت کروں۔ لیکن اللہ نے میرے دل کی بات پوری کر دی اور اب یہ حالت ہے کہ عورت سامنے آئے تو اتنی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ یہ دیوار ہے یا عورت۔“

میں نے ابو طیب احمد بن مقاتل کبی بغدادی علیہ الرحمہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ حضرت شبلی کی وفات کے روز میں جعفر خلدی کے ہاں بیٹھا تھا کہ بندار دینوری آ گئے جو کہ شبلی علیہ الرحمہ کے خادم تھے۔ اور ان کی وفات کے وقت پاس موجود تھے۔ ان سے جعفر خلدی علیہ الرحمہ نے پوچھا: آپ نے شبلی کی موت کے وقت کیا دیکھا۔ بندار نے کہا: جب ان کی زبان بند ہو گئی اور ماتھے پر پسینہ آ گیا تو اشارے سے مجھے وضو کرانے کو کہا۔ میں نے وضو کر دیا۔ مگر ڈاڑھی کا خلال بھول گیا۔ اس پر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر میری انگلیاں اپنی ڈاڑھی میں داخل کر کے خلال کیا۔ یہ سن کر جعفر رو پڑا اور کہنے لگے ایسے شخص کا کیا کہنا کہ جس سے عالم نزع میں جب کہ زبان بند تھی اور جبین عرق آلود، وضو میں خلال تک نہ چھوٹا۔

میں نے احمد بن علی وجیبی سے اور انہوں نے ابو علی رود باری کو یہ کہتے سنا کہ تصوف میں میرے استاذ حضرت جنید، فقہ

میں ابو العباس بن سرج، بخولفت میں ثعلب اور حدیث میں ابراہیم حربی استاذ تھے۔
 ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا: آپ نے اللہ کو کیسے پہچانا؟ جواب ملا میں نے اللہ کو اللہ ہی کے ذریعے پہچانا۔
 اور اللہ کے سوا باقی تمام چیزوں کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے پہچانا۔
 سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: ہر ایسا وجود باطل ہے جس کی سند قرآن و سنت سے نہ ملتی ہو۔
 ابوسلیمان دارانی کہتے ہیں: اکثر یوں ہوتا ہے کہ کوئی حقیقت میرے دل کو چالیس روز مسلسل کریدتی رہتی ہے مگر میں
 اسے اس وقت تک قلب میں جگہ نہیں دیتا جب تک وہ حقیقت اپنے ہمراہ قرآن و سنت سے دو گواہ لے کر نہ آئے۔
 اتباع رسول ﷺ سے متعلق میرے حافظے میں سردست اسی قدر معلومات تھیں جو میں نے سپرد قلم کر دیں اور یہی کافی بھی ہے
 کہ زیادہ سے قاری کر کے لیے تحریر کے بوجھل ہونے کا اندیشہ ہے۔
 بے شک اللہ ہی تو فیض بخشنے والا ہے۔

صوفیانہ تشریحات

صوفیاء کے نزدیک مفہومات قرآن وحدیث

مستنبطات کسے کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں صوفیہ بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ مفہوم اہل فہم اور محققین قرآن کوسنت سے اخذ کرتے ہیں اسے مستنبطات کہتے ہیں۔ یہ اہل فہم و محققین امت سے بالغ نظر افراد ہوتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے ظاہری و باطنی طور پر موافقت رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کو کسی وقت بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ قرآن وسنت کے ظاہری و باطنی احکامات پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اور جب انہیں قرآن وسنت کی اتباع کا یہ کمال حاصل ہوتا ہے تو اللہ کی جانب سے انہیں ایسا علم عطا کیا جاتا ہے جو وہ پہلے نہیں جانتے۔ یہ علم اشارہ کہلاتا ہے۔ پھر مزید یہ کہ انہیں ان کے درجات عبودیت کے مطابق سربتہ حقائق و اسرار سے باخبر کیا جاتا ہے۔

الغرض مذکورہ تمام درجات و احوال سے گزرنے کے بعد یہ اہل دانش و بینش قرآن وسنت سے جو کچھ اخذ کرتے ہیں اسے مستنبطات کہتے ہیں۔

قول خداوندی ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٨٧﴾ [محمد: ٨٧]

ترجمہ: ”تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعض دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جس نے جو کچھ جانا اس پر عمل کیا اس کے بدلے اللہ کی طرف سے اسے ایک ایسا علم عطا ہوتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہیں ہوتا ۱۰ اور یہ علم دوسرے اہل علم کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور افعال القلوب (دل کے تالے) سے دلوں پر، خواہشات نفس کی اتباع کثرت نگاہ، حب دنیا، طویل غفلت، حرص، آرام طلبی، خیانت اور خودنمائی کی وجہ سے زنگ لگ جانا مراد ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سچی توبہ کے ذریعے اس زنگ کو دور کر دیتا ہے۔ تو یہ تالے کھل جاتے ہیں، اور قلوب، پردہ غیب سے پانے والے اسرار و حقائق اور جملہ فوائد سے معمور ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ پانی زبان جو ان حقائق کی ترجمانی ہوتی ہے کے ذریعے انہیں سالکین و طالبین کے گوش گزار کرتے ہیں تو انہیں خاطر خواہ فائدہ پہنچتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۗ وَ لَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

کِثِيرًا ﴿٨٠﴾ [النساء: ٨٠]

ترجمہ: ”تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں۔ اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت

اختلاف پاتے۔“

مذکورہ آیت مبارکہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غور فکر کرنے کی تلقین فرمائی ہے، اور یہ کہا ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی جانب سے ہوتا ہے تو اس میں لوگوں کو بہت اختلاف ملتا۔

اور فرمایا: **وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَدْعَاؤُهُمْ ۖ وَكَوَرَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ**

أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ ۚ لَعَلَّهُمَ الْيَاقِينُ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ [النساء: ۸۳]

ترجمہ: ”اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے تو اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ بعد میں کاوش کرتے ہیں۔“

آیت کریمہ میں منہم کی ضمیر کا مفہوم اہل علم ہے اور صوفیہ کہتے ہیں کہ اولوالامر سے مراد اہل علم ہیں۔ گویا اہل علم اور ان میں سے اہل استنباط کی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا: یا رسول اللہ! مجھے علم غرائب سکھائیں۔ آپ نے فرمایا: پہلے علم پر کہاں تک عمل کیا ہے۔ اولاً اسے محکم کر پھر آنا اور علم غرائب بھی سیکھ لینا۔ ۵
ہر دور میں مختلف علاقوں کے علماء و فقہاء کے قرآن و سنت سے متعلق ان کے مشہور و معروف مستنبطات ہوتے ہیں۔ اور ان میں ان کے ہاں باہمی اختلاف اور دلائل بھی جاری رہتے ہیں۔ جیسا کہ ان میں سے کسی نے کہا کہ حدیث انما الاعمال بالنیات اور و لكل امرئ ما نوى فمن كان هجرته الى الله ورسوله الخ۔ ۵

اور یہ بات انہوں نے صرف طریق استنباط سے اخذ کی۔
مزید برآں اہل کلام اور علماء کے تمام عقلی استدلال، مستنبطات ہی ہیں۔ اور یہ بہترین ہیں بشرطیکہ ان سے باطل کی تردید اور حق کی تائید مقصود ہو۔
اور بہترین مستنبطات وہ ہیں جو صوفیہ کرام اخذ کرتے ہیں۔

۱ یہ روایت شدید ضعیف ہے، ابویوم اور ابن عبدالبر نے اسے روایت کیا۔

۲ شیخین نے حضرت فاروق اعظم سے اسے روایت کیا، امام بخاری نے صحیح بخاری کی ابتداء انسا الاعمال بالنیات سے کی ہے۔

علوم و احوال تصوف سے متعلق صوفیہ کی تشریحات کا باہمی اختلاف

تجھے خدا ہم سے نوازے اور وہ ہم کو تجھ سے دور فرمائے یہ ذہن نشین کر لے کہ صاحبانِ احوال و اربابِ قلوب (صوفیہ) کے احوال، علوم اور حقائق کے مفاہیم سے متعلق، اپنے اپنے مستنبطات ہیں۔ انہوں نے قرآن کے ظاہری متن سے بھی لطیف و پراسرار نکات نکالے ہیں۔ جن کا ذکر ہم عنقریب کریں گے۔ ان کے ہاں بھی مستنبطات میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ اہل ظاہر کے ہاں موجود ہوتا ہے۔ لیکن اہل ظاہر کا اختلاف غلطی و سہو کی جانب رہنمائی کر سکتا ہے جب کہ اہل باطن (صوفیہ کرام) کا اختلاف ایسے نتیجے سے دور رہی رہتا ہے کیونکہ یہ اختلاف فضائل، محاسن، مکارم، احوال، اخلاق، مقامات و درجات پر مبنی ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ علماء کا اختلاف رحمت ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ علماء ظاہر کے ہاں اختلاف من جانب اللہ رحمت ہوتا ہے۔ کیونکہ جو درست بات پر ہوتا ہے وہ غلطی کرنے والے کی تردید کرتا ہے۔ اور لوگوں کے لیے خطا کرنے والے کی خطا کو واضح کرتا ہے۔ تاکہ وہ دین میں غلطی کرنے سے بچے رہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اندیشہ ہے کہ لوگ ہلاکت کا شکار ہو کر دین سے جاتے رہیں۔

اہلِ حقائق کا اختلاف بھی اللہ کی طرف سے رحمت ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کے مطابق گفتگو کرتا ہے، اپنے حال کے مطابق جواب دیتا ہے۔ اپنے وجد کے مطابق اشارہ کرتا ہے۔ گویا ان کے اختلاف میں اہل طاعت، اربابِ قلوب اور مریدین اور محققین کے لیے استفادے کا پہلو موجود ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے درجات کے مطابق فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

ہم نے صوفیہ کے اختلاف کے بارے میں جو کچھ کہا اس کی مزید وضاحت ذوالنون رحمہ اللہ کی اس حکایت سے ہوتی ہے کہ ان سے فقیر صادق کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو کہنے لگے: فقیر صادق وہ ہوتا ہے جو خود کسی چیز سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ سب چیزیں اس سے اطمینان پاتی ہیں۔

ابو عبد اللہ سے فقیر صادق کی تعریف پوچھی گئی تو کہا: فقیر وہ ہے کہ ہر چیز اس کی ملکیت میں ہو مگر وہ کسی چیز کی ملکیت نہ ہو سکے۔

ابوالحارث اؤ لاسی نے فقیر صادق کے بارے میں کہا: فقیر صادق خود کسی شے سے انس نہیں رکھتا مگر جملہ اشیاء اس سے انس رکھتی ہیں۔

یوسف بن الحسین کہتے ہیں: فقیر صادق اپنے وقت کا احترام کرے اور اس کو ترجیح دے جس نے اپنے وقت سے دوسرے وقت کی طرف توجہ کی اس پر فقیر صادق کا نام صادق نہیں آتا۔

حسین بن منصور نے کہا: فقیر صادق کے سامنے اگر اسباب پیش ہوں تو کامل رضا سے انہیں اختیار نہیں کرتا۔ شیخ نورنی کہتے ہیں: کہ اسباب کے ذریعے اگر کوئی مصیبت وغیرہ فقیر صادق پر آن پڑے تو اس کے لیے وہ خدا سے کوئی شکوہ نہیں کرتا بلکہ ہر حالت میں اس کی جانب سے مطمئن رہتا ہے۔

سمنون علیہ الرحمہ کہتے ہیں: فقیر صادق مفقود سے انس کرتا ہے جب کہ جاہل موجود سے شغف رکھتا ہے۔ اور وہ موجود سے نفرت کرتا ہے جب کہ جاہل مفقود نفرت کرتا ہے۔

ابو حفص نیشاپوری نے کہا: فقیر صادق ہر وقت اپنی کیفیات کی دنیا میں مگن ہوتا ہے۔ اور جو اس کی دنیا میں خلل انداز ہو وہ اسے اپنی دنیا سے نکال کر اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

چنید بغدادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ فقیر صادق کسی شے سے غناء طلب نہیں کرتا بلکہ ہر شے اس سے غناء طلب کرتی ہے۔ مرتضیٰ نیشاپوری علیہ الرحمہ کہتے ہیں: فقیر صادق کو مصائب و آلام روزگار ستاتے ہیں مگر اسے ان کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔

الغرض صوفیہ کرام کے مفہومات میں ان کے احوال و مراتب کے لحاظ سے فرق بھی پایا جاتا ہے اور سائلین اپنے اپنے مقام و مرتبے کے مطابق ان سے مستفید ہوتے ہیں۔

خصائص رسول اللہ ﷺ قرآن کی روشنی میں

جہاں تک قرآن کریم سے صوفیہ کے اخذ کردہ مفہومات یا مستنبطات کا تعلق ہے تو ان میں سے کچھ تو ہم صوفیہ کے اتباع قرآن سے متعلق باب میں بیان کر آئے ہیں۔ یہاں اس باب میں ہم نے ان مفہومات کا ذکر کرنا ہے جن کا تعلق آپ کے شرف اور دیگر انبیاء پر آپ کی فضیلت سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ [يوسف: ١٠٨]

ترجمہ: ”تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی پاکی ہے اور میں شریک کرنے والا نہیں۔“

ابو بکر واسطی کہتے ہیں کہ ادعوا الی اللہ علی بصیرت کا معنی یہ ہے کہ میں اپنی ذات کو درمیان میں نہیں لاتا بلکہ انہیں اپنے دلائل کی طرف بلاتا ہوں۔ اور ایک دوسرا معنی علی بصیرت کا یہ ہے کہ مجھے یقین کہ یہ بصیرت میرے لیے ہدایت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ فقط مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک اور مفہوم علی بصیرت کا یہ ہے کہ نفع و نقصان میرے ہاتھ میں نہیں بلکہ ان دونوں کا تعلق اللہ سے ہے، وہ چاہے تو ان میں سے کوئی بھی بندے کو پہنچا سکتا ہے۔ اور اللہ کے ارشاد انا و من اتبعنی کا معنی یہ ہے کہ جس نے اس بصیرت پر میرا اتباع کیا اور سبحان اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ جس چیز کو بھی اہم جانیں یا جو بھی ارادہ کریں اس کا تعلق اللہ کی ذات پاک سے ہو۔ اور وما انا من المشركين کی تفسیر یہ ہے یعنی میں مشرکوں میں سے نہیں کہ لوگوں کے لیے ہدایت کو اپنی طرف سے خیال کروں یا فقط اپنی طرف سے اس کی جانب دعوت دینے کے ذریعے اس کی جانب سے ہدایت ملنے کا خیال بھی کروں۔

اور فرمایا:

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢١﴾ [الاعراف: ٢١]

ترجمہ: ”تم فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت اور اس کی عبادت کرو رزے اس کے بندے ہو کر جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے۔“

صوفیہ کے نزدیک اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اے نبی! کہہ وہ کہ میرے رب نے میرے اور خلق کے معاملے میں اور اللہ اور میرے معاملے میں انصاف کے ساتھ حکم دیا۔

اور واقیموا وجوہکم عند کل مسجد کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے منہ کو سیدھا کرو ہر سیدھے راستے کا ارادہ کرتے وقت۔ وادعوه مخلصین لہ الدین یعنی اسے ریا کاری وغرور کے بغیر پکارو۔ اور اپنے اس عمل پر نازاں بھی نہ ہو جانا۔ کما بءکم تعودون یعنی جس

طرح پہلے اس نے تمہیں پیدا کیا تو اسی طرح تم نتائج تک بھی پہنچ جاؤ گے۔ اور فرمایا:
 سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَكْتَبُوْنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

[حم السجده: ۵۳]

ترجمہ: ”ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے اپنے وجود میں میں یہاں

تک کہ ان پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے۔“

مذکورہ آیت کی تشریح میں صوفیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عنقریب ہم عالم ملکوت میں انہیں اپنی صفات دکھائیں گے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں پر جن کے لیے ہم وضاحت کرتے ہیں یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ وہ حق ہے اور اس کے سوا سب باطل۔ اس ضمن میں سید المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ عربوں نے سب سے بڑھ کر جو سچ بات کہی ہے وہ لبید کا یہ مصرع ہے ع

ترجمہ شعر:

ترجمہ: ”جان لو کہ اللہ کے سوا سب کچھ باطل ہے۔“

خصوصیاتِ رسول ﷺ

محمد عربی علی التحیۃ والسلام کی ذاتِ اقدس سے متعلق چند خصوصیات جو صوفیہ بیان کرتے چلے آئے ہیں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ والصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور شرح صدر کی درخواست کرتے ہوئے فرمایا تھا:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۗ وَ يَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ ﴿٦٢٥٢﴾ [طہ: ۶۲۵۲]

ترجمہ: ”اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔“

جب کہ آنحضرت ﷺ کو بغیر درخواست کے اشراخ صدر کی نوید سنائی گئی قرآن گویا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ [انشراح: ۱]

ترجمہ: ”کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔“

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں التجاء کی:

وَ لَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ [الشعراء: ۸۷]

ترجمہ: ”اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔“

مگر اللہ نے حبیب کو ظلیل پر فضیلت عطا کی اور ان کے سوال کے بغیر ہی فرمایا:

لَا يُخْزِيْ اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ ﴿٤﴾ [التحریم: ۴]

ترجمہ: ”جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو۔“

اور آپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَ وَضَعْنَا عَنَّا وَرَدَكَ ﴿٢﴾ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾ وَ رَفَعْنَا

لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ [الانشراح: ۱ تا ۵]

ترجمہ: ”کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔“

اندارِ خطاب

اسی ضمن میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوق کو اپنی جانب راہ دکھاتے ہوئے عالم ملکوت اور دیگر چیزوں کے ساتھ خطاب کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَكَذَلِكَ نُوحِي إِلَيْكَ أَيْدِيَنَا وَمَا نَرَىٰ وَكَذَلِكَ نُنزِّلُ الْوَحْيَ وَالْأَرْضِ

[الانعام: ۷۰]

ترجمہ: ”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی زمینوں اور آسمانوں کی۔“

اور فرمایا:

أَوْ كَمْ يَنْظُرُونَ فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۗ [الاعراف: ۱۸۰]

ترجمہ: ”کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو چیز اللہ نے بنائی۔“

اور فرمایا:

أَوْ كَمْ يَتَفَكَّرُونَ فِي آفْسِهِمْ ۗ [الروم: ۸]

ترجمہ: ”کیا انہوں نے اپنے جی میں نہ سوچا۔“

اور فرمایا:

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۗ [الغاشية: ۱۷]

ترجمہ: ”تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنا یا گیا۔“

لیکن جہاں بھی رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا تو براہ راست انہی کے ذکر سے خطاب کو شروع کیا۔

جیسا کہ فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۗ [الفرقان: ۴۰]

ترجمہ: ”اے محبوب کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ کیسا پھیلا یا سایہ۔“

حبیب و خلیل

قول باری تعالیٰ ہے:

اتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۗ [النساء: ۱۲۵]

ترجمہ: ”اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنا لیا۔“

اس آیت کی تفسیر میں صوفیہ کہتے ہیں کہ خلیل، خلقت سے ماخوذ ہے اور خلقت کا معنی ہے وہ چیز جو دل کو چھیڑے اور اس میں سوراخ کرے جب کہ محبت کا مطلب ہے ایسی شے جو دل کے وسط میں جگہ کرے اور دل کے سوا دل میں جو کچھ ہو اُسے مٹا دے یہی ہے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حبیب و خلیل پر کس قدر فضیلت حاصل ہے۔

خلیل سے یوں خطاب فرمایا:

افْعَلْ مَا تُوْمَرُ [الصفّت: ۱۰۴]

ترجمہ: ”کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔“

اور حبیب سے خطاب ہوا تو یوں:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ﴿٥﴾ [الضحیٰ: ۵]

ترجمہ: ”اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔“

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر فرمایا تو اس طرح:

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ﴿١٢١﴾ [طہ: ۱۲۱]

ترجمہ: ”اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔“

گویا ان کی خطا کا ذکر ان کی توبہ سے پہلے کیا اور پھر فرمایا:

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ﴿١٢٢﴾ [طہ: ۱۲۲]

ترجمہ: ”پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔“

حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

فَخَفَرْنَا لَهُ [ص: ۲۵]

ترجمہ: ”تو ہم نے اسے معاف کر دیا۔“

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿٢٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي

[ص: ۲۴-۲۵]

ترجمہ: ”اور بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تحت پر ایک بے جان بدل ڈال دیا۔ پھر رجوع

لایا غرض کی اے میرے رب مجھے بخش دے۔“

لیکن آنحضرت ﷺ سے فرمایا:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ ۗ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ [التوٰہ: ۴۳]

ترجمہ: ”اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔“

اور معاف کرنے کا ذکر عتاب سے پہلے کیا تاکہ کہیں ذکر عتاب آپ پر ناگوار نہ گزرے اور ایک جگہ آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ [الفتح: ۲]

ترجمہ: ”تا کہ اللہ تمہارے سب سے گناہ بخشے۔ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔“

مذکورہ آیت میں بخش دینے کا ذکر گناہ سے پہلے کیا۔ اور گناہ کو گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی معاف فرمادیا، مزید فضیلت

یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دیگر انبیاء کرام کی طرح تمام معجزات عطا کرنے کے بعد کئی اور معجزے بھی عطا فرمائے مثلاً شق القمر، انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونا اور معجزہ معراج۔ پھر مزید یہ کہ دیگر انبیاء کرام کو جو کچھ عطا ہوا اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خلت یعنی دوستی، موسیٰ علیہ السلام کو کلام اور سلیمان علیہ السلام کو حکومت اور ایوب علیہ السلام کو صبر سے محض فرمایا مگر آنحضرت ﷺ کو جو کچھ مجرد شرف عطا فرمایا اسے ان کی طرف منسوب کہیں بھی نہیں فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی زندگی کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْبَهُونَ ﴿۷۲﴾ [الحجر: ۷۲]

ترجمہ: ”اے محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں جھک رہے ہیں۔“

اور فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ [النساء: ۶۵]

ترجمہ: ”تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔“

اور فرمایا:

إِنَّ الَّذِي يَنْبِئُ بِمَا يَعُونَكَ إِنَّهَا بَيِّنَاتٌ لِّلَّهِ [الفتح: ۱۰]

ترجمہ: ”وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔“

اور فرمایا:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ

[الأنفال: ۱۷۱]

ترجمہ: ”تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور اے محبوب وہ خاک آپ نے پھینکی۔ آپ نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس انداز سے تربیت فرمائی تھی کہ آپ پکاراٹھے: اے اللہ! میں حملہ نہیں کرتا بلکہ تو کرتا ہے۔ میں میدان جنگ میں حرکت کرتا نہیں بلکہ تو کرتا ہے۔ اور میں ارادہ نہیں کرتا بلکہ تو کرتا ہے۔ فرمایا:

اَطْلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوْلَيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَكَلْبًا وَمِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۷۸﴾ [کہف: ۷۸]

ترجمہ: ”اے سنے والے اگر تو انہیں جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان سے ہیبت میں

بھرجائے۔“

اس آیت کی تفسیر میں ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے: آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اے محمد ﷺ اگر تو ہمارے سوا کسی بھی چیز کو اوپر سے جھانک کر دیکھے تو اسے چھوڑ کر تمہاری طرف دوڑ کر لوٹ آؤ گے۔

معراج جسمانی

فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖۙ کَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ

بُرُکْنَا حَوْلَہٗ﴾ [بنی اسرائیل: ۱۰]

ترجمہ: ”پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد

اگر وہم نے برکت رکھی۔“

اس آیت کی تفسیر میں صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ اگر مذکورہ آیت میں معراج سے معراج روحانی مراد ہوتی جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں تو یہاں کبھی عبد کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔ کیونکہ عبد کا اطلاق روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿النساء: ۱۱۳﴾

ترجمہ: ”اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔“

اس آیت کی تشریح میں صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتا ہے کہ میں نے تجھ پر اس لحاظ سے بہت بڑا فضل کیا ہے کہ تجھے جن لیا کیونکہ نبوت و رسالت عبادات و ریاضات کی بنیاد پر بطور استحقاق کے نہیں ملتی اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت عطا نہ فرماتا کیونکہ اس طرح تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی عمریں آپ کی عمر سے طویل تھیں اور اس لحاظ سے ان کی عبادات بھی آپ سے بڑھ کر تھیں لہذا فضیلت بھی ان کو ملنی اللہ نے آپ کو مکمل اور مخصوص اندازِ مخاطب سے یوں خطاب فرمایا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ﴿الطور: ۴۸﴾

ترجمہ: ”اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔“

اور آپ کے علاوہ دوسروں سے یوں خطاب فرمایا:

اصْبِرْ وَاَوْصَابِرْ وَاَلْآلِ عَمْرٰن: ۲۰﴾

ترجمہ: ”صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو۔“

اور فرمایا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿الزمر: ۱۰﴾

ترجمہ: ”صابروں ہی کو ان کا ثواب بھر پور دیا جائے بے گنتی۔“

آنحضرت ﷺ کے لیے صبر بالمرأۃ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴿النحل: ۱۲۷﴾

ترجمہ: ”اور اے محبوب! تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔“

یہاں آپ کے لیے صبر کی جزا کا ذکر تک نہیں کیا کیونکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس قدر خاص ہے کہ آپ کے ساتھ معاوضہ وغیرہ کی بات ہی نہیں فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کے خصائص

احادیث کی روشنی میں

اس باب میں صوفیہ کے ان مستہطلات و مفہومات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق آنحضور ﷺ کے خصائص سے ہے۔ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے سجدے کی حالت میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

”تیری ناراضگی سے تیری رضا میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اور تیری سزا سے تیری صفتِ عفو میں پناہ تلاش کرتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ طلب کرتا ہوں۔ میں ویسی شاہرگزن نہیں کر سکتا جیسا کہ تو خود اپنی شاکا حق ادا کر سکتا ہے۔“^۱

اہل معرفت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کا یہ سجدہ اس آیت کا مصداق ہے۔

وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ [العلق]

ترجمہ: ”سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔“

چونکہ وہ قرب حاصل کر چکے اس لیے انہوں نے اللہ کی صفات سے اس کی دیگر صفات کی پناہ مانگی پھر ان پر قرب کا ایک اور معنی کھلا تو فرمایا: اللّٰهُمَّ اعُوْذُ بِكَ مِنْكَ (اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں) اور قرب کی ایک اور منزل پالی تو پناہ مانگنے کی کیفیت بھی ختم ہو گئی اور فرمایا: ”لا احصي ثناء عليك“ (میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا) پس وہ محل قرب میں پناہ مانگنے سے مرعوب ہو گئے تو ثنا کی طرف پناہ لی اور جو بندہ پناہ بھی نہ مانگ سکے جو کہ عبودیت کی حد ہے۔ وہ ثناء الہی کیے ادا کر سکتا ہے جو کہ اللہ کی صفت ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: ”لا احصي ثناء عليك“ پھر جب انتہائی قرب کے عالم میں ثناء سے بھی گھبرا اٹھے تو یہ جان کر خود کو ثنا کے دائرے سے بھی خارج کر لیا کہ خلق سے پہلے اللہ نے خود اپنی ثناء کی تھی اور خلق کی حمد بیان کرنے سے پہلے خود اپنی حمد بیان کی تھی۔ اور اپنی وحدانیت پر خلق کی گواہی سے پہلے خود ہی شاہد بنا تھا۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انت کما انخبت علی نفسك“ اور یہ آپ کا وہ مقام ہے جہاں نہایت تجرید و تقریب کی حقیقت سامنے آ جاتی ہے اور بندہ ہر شے کی ایسی نفی کرتا ہے کہ خود جیسے تھا ہی نہیں اور اللہ ہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث میں جس حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے اگر تمام واجدین، عارفین اور توحید کے متحققین کے جملہ اشارات کو جمع کر لیا جائے تو بھی اس حقیقت کا عشر عشر سا نہیں آ سکتا جسے آپ نے ایک اشارے سے واضح فرمادیا۔

رسول اللہ ﷺ کے قول: ”اگر تمہیں وہ کچھ معلوم ہو جائے جس کا مجھے علم ہے تو روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔“^۲ بلکہ تم

۱ صحیح مسلم، الموطا، ابن تریز، سنن ابی داؤد، میں ہے۔ ۲ اس کی تخریج زکریا کی۔

پہاڑیوں کی جانب نکل جاؤ اور بچھوٹوں پر آرام نہ کر سکو۔
 کہتے ہیں کہ اگر وہ علم جو آپ جانتے تھے اور بتاتے نہ تھے، آپ پر نازل کئے گئے علوم میں سے ہوتا اور اس کے پہنچانے کا حکم آپ کو ہوتا تو آپ ضرور اسے لوگوں تک پہنچاتے۔ اور آپ نے تو تعلمون اس لیے فرمایا کہ لوگ اسے نہیں جانتے تھے۔ اور چونکہ اس علم کا تعلق عام رائج علوم سے نہیں تھا۔ اس لیے امت میں سے کسی نے آپ سے سکھانے کا مطالبہ نہیں کیا۔

آنحضرت ﷺ کو جس قدر حقائق علوم اللہ نے ودیعت کئے اگر پہاڑوں پر رکھے جاتے تو وہ پگھل جاتے۔ مگر آپ ان علوم میں سے اسی قدر لوگوں کو سکھاتے تھے جس قدر انہیں ان کی ضرورت ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعْلَمُ أَنكَلَّمَ إِلَهًا (الْاَللَّهُ) [محمد: ۱۹]

ترجمہ: ”تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔“

اور فرمایا:

قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۷۴﴾ [طلہ: ۱۷۴]

ترجمہ: ”اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ولو تعلمون ما اعلم سے یہ بات واضح کی کہ میں تم میں سے اللہ کو بہت زیادہ جانتا ہوں۔ آپ کا ایک قول ہے: ”میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں، میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔“

اس حدیث میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اس کو سمجھنے کی کسی کی عقل و فہم کو طاقت نہیں۔ اور یہ کسی کے بس میں نہیں کہ وہ بتا سکے کہ اللہ نے آپ کو کیا کھلایا اور پلایا اور یہ سب معاملہ کیا ہے۔ کیونکہ آپ نے اس سلسلے میں کچھ وضاحت نہیں فرمائی۔ آپ کی ایک دعا ہے: اے میرے رب! بچے کی طرح میری کفالت کر۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے سے جدا نہ کر۔ اور تیرے سوا میرا کوئی ٹھکانہ اور کوئی نجات کی جگہ نہیں۔

مذکورہ دعائیں آپ نے سچے دل سے پناہ چاہی ہے۔ اور اللہ کے حضور عاجزی کا اظہار کیا ہے اور اپنی ذات اور اس کے متعلقات کو یکسر ایک جانب چھوڑ دیا۔

ابوبکر واسلمی کا قول ہے: صدق دل سے اللہ کی پناہ مانگئے، اظہار فقر، اور پورے خلوص و توجہ سے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے باطن آراستہ ہوتا ہے۔

دنیا سے آنحضرت ﷺ کے سفر اختیار کرنے کے وقت آپ کے قول (ہائے میرے دکھ) کی وضاحت میں صوفیہ نے کہا: کہ آپ نے غم و دکھ کی صدا اس لیے بلند کی کہ موت کے وقت آپ جو مقامات و مراتب بلند دکھائے گئے اور جن تک آپ پہنچنے ہی والے تھے۔ تو ایسے میں آپ کو اس سے تھوڑی دیر کی جدائی میں بھی دکھ محسوس ہو رہا تھا اور ایسا دکھ لازماً شوقِ لقاء میں پیش آیا کرتا ہے۔

میں نے محمد بن داؤد دیوری سے اور انہوں نے جریری کو یہ کہتے سنا کہ حضرت جنید علیہ الرحمہ سے رسول اللہ ﷺ کے اس قول: ”میں اولاد آدم کا سردار ہوں مگر مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔“ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا: کہو تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے جواباً کہا: رسول اللہ ﷺ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا کہ یہ فضیلت تو میرے رب کی عطا ہے اور مجھے عطا پر کوئی فخر نہیں کیونکہ مجھے اپنے عطا کرنے والے پر فخر ہے۔ یہ سن کر جنید علیہ الرحمہ نے کہا:

اے ابامحمد! تو نے بہترین تشریح بیان کی۔

جنید علیہ الرحمہ سے آنحضرت ﷺ کے زوجہ زیدہ (جو آپ کا متبھی تھا) یعنی زینب سے نکاح کرنے کی وضاحت اور اس میں پوشیدہ حکمت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: حضرت زید کو ابن نبی ﷺ پکارا جاتا تھا جب کہ وہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے، حقیقی بیٹے نہ تھے اسی لیے اللہ نے چاہا کہ آپ زید کی منکوہ سے نکاح کر لیں تاکہ متبھی اور حقیقی بیٹے میں فرق واضح ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اللہ سے بخشش طلب کرو اور اس کے حضور توبہ کرو کیونکہ میں ہر روز سو مرتبہ اس کی بخشش طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔“ اس قول کا مفہوم واضح کرتے ہوئے صوفیہ کہتے ہیں کہ آپ اس لیے توبہ و بخشش کی طرف مائل رہتے تھے کہ آپ ہر سانس کے ساتھ ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتے تھے۔ اس لیے جب ان کی اگلی سانس کی کیفیت گزشتہ سانس سے برتر ہوتی تھی اور قرب کی ایک اور سیزمی طے کر لیتے تھے تو وہ پچھلی سانس کی حالت سے اللہ کی بخشش طلب کرتے اور توبہ کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے بھائی عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ رحمت فرمائے اگر ان کا یقین بڑھ جاتا تو وہ ہوا پراتے۔“

جنید علیہ الرحمہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کی خبر دی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنے یقین کے بل بوتے پر پانی پر چلتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یقین چونکہ ان کے یقین سے بڑھ کر تھا اسی لیے وہ معراج کی رات ہوا پر چلے۔ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا یقین بھی میرے یقین کی طرح زیادہ ہوتا تو انہیں بھی ہوا پر چلنے کی قوت عطا کی جاتی۔

میں (شیخ ابونصر) نے حصری علیہ الرحمہ کو رسول اللہ ﷺ کے قول: ”مجھے اللہ کے ہاں ایک ایسا وقت بھی حاصل ہے جس میں میرے ساتھ سوائے اس کے کوئی شریک نہیں ہوتا۔“ کی یہ وضاحت کرتے ہوئے سنا کہ چاہے یہ صحیح ہو یا غلط کہ آپ نے ہی یہ بات کی۔ پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے جملہ اوقات میں کیفیت ایسی ہی رہتی تھی کہ ان کے ساتھ سوائے اللہ کے کوئی اور شریک نہ ہوتا۔ ہاں جس وقت انہیں خلق کو سکھانے اور تربیت دینے کا امر کیا جاتا تو وہ ایسی حالت میں لوٹ آتے کہ ان کی صفات پر احکام کی عملی کیفیت جاری کر دی جاتی تاکہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔ پھر جب ان کی صفات پر انوار

۱ اس کی تخریج گزریگی۔

۲ امام ماکم نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس کے بارے کہا: صحیح علی شرط الشبخین ”یقین کی شرط پر یہ روایت صحیح ہے۔“

۳ اس کی تخریج گزری ہے۔

باطن کی تجلی ہوتی تو وہ خلق سے جدا ہو کر خالق سے جا ملتے۔ جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک رات کو اچانک بیدار ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بستر اطہر میں موجود نہیں۔ میں انہیں ڈھونڈنے اٹھ کھڑی ہوئی تو میرے ہاتھ ان کے پاؤں پر جا پڑے، جب کہ وہ سجدے میں مچو تھے۔ میں نے اس وقت آپ کو یہ دعا پڑھتے سنا: "اللهم اعوذ بربضاک من سخطک" یہی وہ وقت ہوتا تھا جب کہ آپ خلق سے کٹ کر اپنے رب کے قریب ہوتے اور ایسے میں آپ کے رب کے سوا کوئی اور نہ ہوتا تھا۔

احادیث نبوی اور صوفیہ کے اخذ کردہ مفہومات

ابوالحسن احمد بن محمد بن سالم سے بصرہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس اشارے کے بارے میں سوال کیا گیا: "سب سے پاکیزہ اور اچھی خوراک وہ ہے جو بندہ اپنے ہاتھوں سے کلائے"۔ ۵۔ مسائل نے پوچھا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم کمانے کے غلام بن کر رہ جائیں گے: آپ نے جواب دیا: "کمانا سنت رسول ہے۔ اور توکل رسول اللہ کا حال ہے۔ آپ نے امت کے لیے کسب کو اس لیے سنت ٹھہرایا کہ وہ ان کی کمزوری سے واقف تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ توکل جو کہ آپ کا حال ہے اگر اس سے لوگ عاجز ہوں اور وہ اس مقام و مرتبے سے گر جائیں جو آپ کو توکل میں حاصل تھا تو انہیں کسب تھا م لے جو کہ آپ کی سنت ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتی تو وہ ہلاکت کا شکار ہو جاتے۔

مذکورہ بالا حدیث کی ایک شرح یہ بھی کی گئی کہ اگر بندہ اپنے رب کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور وہ اس کی دعا کو قبول فرمائے تو یہی اس کے لیے ہاتھ کی کمانی (کسب) ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: میرا رزق میری تلوار کے سائے تلے مقرر ہے۔ ۵۔ اس قول کی تشریح میں شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ آپ کی تلوار سے مراد آپ کا اللہ پر توکل ہے۔ اور جو ذوالفقار ہے وہ لوہے کا وہ ٹکڑا ہے جسے تلوار کہتے ہیں۔ اسی ضمن میں دیگر کئی مستطبات صوفیہ بھی ہیں۔ مگر طوالت کے پیش نظر انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

ارشاد رسالت ماب ہے: "اگر تم اللہ کا کامل توکل رکھو تو وہ تمہیں ایسے غذا پہنچائے جس طرح پرندے کو عطا فرماتا ہے کہ صبح خالی پیٹ اڑ جاتا ہے اور شام ڈھلے سیر ہو کر واپس آ جاتا ہے۔" ۵۔ اس قول پر کسی نے جناب جنید بغدادی سے سوال کیا کہ: پرندہ بھی تو اڑتا، حرکت کرتا اور طلب رزق میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے اس میں بغیر کوشش کے بیٹھے بٹھائے رزق ملنے کی تو کوئی صورت نہیں۔ جواباً حضرت جنید نے فرمایا: اللہ کا ارشاد ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً [الکہف: ۷]

ترجمہ: "بے شک ہم نے زمین کا سنگار کیا جو کچھ اس پر ہے۔"

لہذا پرندوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر جانا اور نقل مکانی کرنا فقط اس زینت دنیا کی خاطر ہے جس کا ذکر اللہ نے گذشتہ آیت میں فرمایا ہے۔ گویا ان کا اڑنا اور حرکت کرنا، اس زمین کی زینت و آرائگی کے لیے ہے نہ کہ طلب رزق کے لیے۔

۱ امام زادہ طبرانی اور حاکم نے حضرت رافع بن جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

۲ حضرت عبد اللہ بن عمر اس حدیث مبارکہ کے راوی ہیں، یہ روایت مسند احمد میں ہے اور یہ صحیح السناد ہے۔

۳ یہ حدیث صحیح ہے، مسند احمد ترمذی اور مستدرک للحاکم وغیرہ میں ہے۔

عمر بن عثمان کی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے دو اقوال نقل کر کے ان کی تفسیر بیان کی ہے۔
 رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے فرمایا: اللہ کی اس طرح عبادت کرو گو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تو اسے نہ دیکھے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ۵

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے سوال: احسان کیا ہے؟ کہ جواب میں بھی وہی قول دہرایا جو آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا تھا۔

عمر بن عثمان کی کہتے ہیں: کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے کا مفہوم یہ ہے کہ تو اسے اس طرح دیکھتا ہے جیسے رویت اور یقین کے درمیان کوئی چیز۔ آپ نے اس دیکھنے کی کیفیت کو نہ تو عیاں کیا ہے اور نہ ہی خالصتاً یقین ٹھہرایا ہے۔ بلکہ ایک مثال دے کر آپ نے ایسی وضاحت فرمائی جو حقائق ایمان کی آخری حد کی نشاندہی کرتی ہے۔ اور یہی وہ مقام و کیفیت ہے جس کا مطالبہ آپ نے حارشے سے کیا تھا بشرطیکہ حارشہ والی خبر صحیح ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی اللہ کی فطرت میں سخاوت اور حسن اخلاق کی خوبی و ودیعت ہوتی ہے۔ ۵
 اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ابوبکر واسطی کہتے ہیں: ولی اللہ کی سخاوت یہ ہے کہ اپنا قلب و نفس اللہ کو بہہ کر دے اور حسن خلق یہ ہے کہ ولی اللہ کی مختلف تدبیروں پر اپنی طبیعت کو خرم کر دے۔

شبلی علیہ الرحمہ سے حدیث: جب نفس اپنے لیے روزینہ اکٹھا کر لے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔ کی تشریح پوچھی گئی تو فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب نفس کو روزینہ دینے والے کا علم ہو جائے تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔
 جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْبِلًا ﴿۸۰﴾ [النساء: ۸۰]

ترجمہ: ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

قول نبوی ہے: کسی شے سے تیری محبت تجھے اندھا بہرا کر دے گی۔ اس کی تشریح میں جنید بغدادی کہتے ہیں کہ دنیا سے تیری محبت آخرت کے بارے میں اندھا بہرا کر دے گی۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ”جب تم اہل غم کو دیکھو تو اللہ سے عافیت کی دعا کرو۔“

شبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: اہل غم سے مراد اہل غفلت ہیں۔

ایک اور قول رسول اللہ ﷺ ہے: ”جس قلب پر دنیا کی حکمرانی ہو۔ وہ حلاوتِ آخرت سے محروم رہے گا۔“ شبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بجا فرمایا۔ اور اس کی تشریح میں اس طرح کرتا ہوں کہ جس قلب پر آخرت کی حکمرانی ہو وہ حلاوتِ توحید سے محروم رہتا ہے۔

محمد بن فرغانی علیہ الرحمہ ابو جحیفہ سے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد ”اے اباجحیفہ! سوال علماء سے کرو، دوستی و دانش مندوں کی اپناؤ اور محفل بزرگوں کی اختیار کرو۔“ ۵ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: علماء سے حلال و حرام کے

۵ اس کی ترویج گزری ہے۔ ۵ امام ذہبی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا۔

۵ امام طبرانی نے حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

بارے میں پوچھو، دانشمندیوں سے دوستی اختیار کرو جو اپنی دانش و بینش کی روشنی میں صدق و صفا اور اخلاص کے راستے پر چلتے ہیں اور بزرگانِ دین کے ساتھ بیٹھو جو ہمہ وقت اللہ ہی کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اسی کی ربوبیت کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور اللہ کی قربت کے نور سے دیکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مومن وہ ہے جو اپنی نیکی سے خوش ہو اور اپنی بدی سے رنجیدہ۔ اس کی تشریح میں سہل بن عبد اللہ نے فرمایا: مومن کی نیکی سے مراد اللہ کی نعمتیں اور اس کا فضل و کرم ہے۔ جب کہ بدی سے مراد اس کا اپنا نفس ہے جو برائی میں پڑ جائے۔

رسالت ماب ﷺ کا فرمان ہے: ”دنیا ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ سوائے اللہ کے ذکر کے۔“^۱ اس کی تشریح سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں ذکر اللہ سے مراد حرام سے کنارہ کرنا ہے یعنی جب بھی حرام بندے کے سامنے ہو وہ ذکر اللہ میں مصروف ہو جائے اور یہ بات ذہن میں رکھے کہ اللہ اس سے باخبر ہے۔ اس طرح وہ ارتکاب حرام سے بچ جاتا ہے۔

یہ تھیں وہ تشریحات جن کا تعلق براہ راست صوفیہ کے قرآن و حدیث سے مستنبط نکات سے ہے اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا قرآن و حدیث سے صوفیانہ استنباط کی کوئی اصل ملتی ہے یا انہیں؟ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہاں! جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کہ وہ اپنے اصحاب میں پہنچے ہوئے تھے اور عبد اللہ بن عمر جو سب سے کم عمر تھے بھی موجود تھے، ”کہ کون سا درخت انسان سے مشابہ ہے۔“ ابن عمر فرماتے ہیں کہ لوگ جنگل کے درختوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے مگر میرے دل میں یہ بات آئی کہ بے شک وہ درخت کھجور ہی کا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جواب دیتے ہوئے شرم دامن گیر ہوئی اور خاموش رہا یہاں تک کہ آپ نے خود ہی فرما دیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں میں نے اپنے والد عمرؓ سے کہا کہ میں حضور ﷺ کے سوال کے جواب میں ”کھجور“ کہنے والا ہی تھا اس پر حضرت عمر نے فرمایا: ”اگر تم یہ بات اس وقت کہہ دیتے تو میرے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔ اس ساری بات سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے کم سن ابن عمر کے علاوہ کسی کا ذہن اس بات کی طرف نہیں گیا، اسی طرح ان معانی سے استنباط و استدلال قلوب پر فیضانِ الہی کے اپنے اصول کے مطابق ہوتا ہے۔

۱ بقول ترمذی یہ حدیث ”حسن“ ہے۔

۲ صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

صحابہ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین

ذکر و محاسن صحابہ

ارشاد خداوندی ہے:

وَالشُّقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُ [الواقعة: ۱۰۰]

ترجمہ: ”اور سب میں اگلے پہلے مہاجر و انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے
راضی اور وہ اللہ سے راضی۔“

آیت کے ظاہر سے تو سابقوں کا اطلاق تمام صحابہ کرام پر ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا
اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہیں مگر ایک اور آیت سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہی سابقین
در اصل مقررین ہیں جیسا کہ فرمایا:

وَالشُّقُونَ الشُّقُونَ ۗ أُولَئِكَ الْمَقَرُّونَ ۗ [الواقعة: ۱۰۰]

ترجمہ: ”اور جو سبقت لے گئے وہ سبقت ہی لے گئے کہ یہی بارگاہ میں مقرب ہیں۔“
مقررین کی خصوصیات اور وجہ تفضیل ہم صفحات گزشتہ میں بیان کر آئے ہیں۔
اور فرمایا:

وَرَضَوْنَ مِنَ اللَّهِ الْكِبْرُ ۗ [التوبة: ۷۲]

ترجمہ: ”اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔“

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اکبر سے مراد اقدم یعنی بہت قدیم ہے گویا اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم اپنے قدیم
علی کی بناء پر کہا۔ اس طرح مفہوم یہ ہوا کہ اللہ نے چاہا کہ وہ اس سے رضا طلب کریں اور پھر انہیں راضی کر دیا حتیٰ کہ وہ راضی
ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے صحابی ستارے ہیں ان میں سے تم نے جس کی پیروی کی تم نے ہدایت پالی۔“
اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں نجوم (بڑے ستاروں) کی قسم کھائی ہے جن سے ان کی زیادہ روشنی کی وجہ سے بحر و بر میں
رہنمائی حاصل کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نجوم سے تشبیہ دی ہے نہ کہ کو اکبر سے
کیونکہ کو اکبر چھوٹے ستارے ہوتے ہیں جن سے رہنمائی حاصل نہیں کی جاسکتی اور ہدایت کو پیروی صحابہ سے جملہ ظاہر و
باطن معانی میں مشروط فرمایا ہے۔ جہاں تک ظاہر معانی کا تعلق ہے۔ تو وہ، حدود، احکام اور حلال و حرام میں علماء و فقہاء کے
ہاں راجح ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا جبکہ امام دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے: میری امت پر سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ابو بکر صدیقؓ، سب سے زیادہ قوی عمرؓ، سب سے زیادہ باحیا عثمانؓ، سب سے بڑھ کر علم فرائض کا جاننے والا زیدؓ، سب سے بڑھ کر حلال و حرام کا علم فرائض کا جاننے والا زیدؓ، سب سے بڑھ کر حلال و حرام کا علم جاننے والا معاذؓ بن جبل، سب سے بڑا قاری ابی بن کعبؓ اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا علیؓ ہے جب کہ اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر غفاریؓ سے بڑھ کر کوئی سچائیں۔ ۵

ہدایت کے پیروی صحابہ کے ساتھ مشروط ہونے کے باطنی مفاہم کا آغاز ہم رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے کرتے ہیں جب انہوں نے فرمایا: ”میرے بعد ابو بکر عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرنا“ ۵ لہذا ہم بھی پہلے ابو بکر اور پھر عمر کے تذکرے سے ابتدا کرتے ہیں۔

ابو عتبہ حلوانی کہتے ہیں: کیا میں تمہیں ان احوال سے مطلع نہ کروں جن پر صحابہؓ رسول اللہ ﷺ قائم تھے۔
 پہلا حال یہ تھا کہ وہ اللہ کے دیدار کو زندگی سے بڑھ کر عزیز جانتے تھے۔
 دوسرا حال:

کانوا لا یخافون عدوا قلوبا او کثروا.

ترجمہ: ”دشمنوں کی کثرت و قلت سے خائف نہ ہوتے تھے۔“

تیسرا حال: دنیا میں تنگی و عسرت سے کسی طرح خوف نہیں کھاتے تھے۔ اللہ کی جانب سے رزق ملنے پر بھروسہ رکھتے تھے۔

چوتھا حال: اگر ان میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑتی تو نقل مکانی نہ کرتے تا آنکہ اللہ ان کے لیے کوئی فیصلہ صادر نہ

فرماتا۔

محمد بن علی کتانی کہتے ہیں: ابتداء اسلام کے زمانے میں لوگ آپس میں دین کے مطابق معاملات طے کرتے تھے یہاں تک کہ یہ حالت بھی نہ رہی۔ پھر دوسرے قرب کے لوگوں نے ایک دوسرے سے وفاداری برتی، تا آنکہ یہ بھی نہ رہی پھر تیسرا زمانہ آیا: اور لوگ ایک دوسرے سے مردت کے ساتھ پیش آتے تھے پھر مردت بھی ختم ہو گئی پھر چوتھے قرن میں حیاء موجود رہی۔ کچھ عرصہ بعد حیاء بھی نہ رہی اور اس کے بعد لوگ صرف رہبت و رغبت ہی ایک دوسرے سے برتنے لگے۔

۱ امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک کے طریق سے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا۔

۲ امام ترمذی نے سنہ حسن کے ساتھ حضرت حذیفہ سے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا۔

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

ذکر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ کرام پر ان کی ان احوال کے لحاظ سے فضیلت جو صوفیہ کے لیے رہنما اصول

ہیں۔

مطرف بن عبد اللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر پکارنے والا یہ پکارے کہ جنت میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا۔ تو مجھے یہ امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ اور اگر کوئی یہ صدا بلند کرے کہ دوزخ میں ایک ہی شخص جائے گا تو مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں شخص میں نہ ہوں۔“ مطرف بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ یہی رجا اور خوف کی سب سے بڑی کیفیت ہے جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔

ابو العباس ابن عطاء سے قول خداوندی ”کونورا یائین“ کی تشریح کے لیے کہا گیا تو فرمایا: کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم ابو بکر صدیق کی طرح ہو جاؤ۔ کیونکہ جب سید المرسلینؐ کا انتقال ہوا تو تمام مسلمانوں کے دل پریشان ہو گئے مگر ایک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل حوصلے میں رہا۔ اور آپ نے باہر کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”اے لوگو! جو محمدؐ کی پرستش کرتا تھا تو بلاشبہ محمدؐ کا انتقال ہو گیا اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ تو بے شک وہ زندہ ہے کبھی اس کو موت نہیں آئے گی۔“

الغرض یہ کہ ربانی کی تعریف یہ ہے کہ حوادث اس کے قلب پر بالکل اثر انداز نہیں ہوتے چاہے انقلاب شرق و غرب بھی کیونکہ نہ برپا ہو جائے۔

ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ تصوف پر مبنی پہلا بیان امت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے ادا ہوا جس سے صوفیہ نے وہ لطیف مطالب اخذ کئے جس میں عقلاء الجھے رہے۔ اور یہ بیان وہ تھا جو اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا فرمایا جب رسول اللہؐ نے ان سے پوچھا۔ اے ابو بکر تو نے اپنے اہل و عیال کے لیے کیا باقی چھوڑا؟ تو ابو بکر صدیق نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول۔

مجھے اپنی زندگی کی قسم کہ حقائق تفرید میں اہل توحید کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بلند اشارہ نہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کے کئی اقوال ہیں جو صوفیہ کے لیے معانی و لطائف کا منبع ہیں جیسا کہ آپ کا وہ قول جو آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا جب رسول اللہؐ انتقال فرما چکے تھے اور صحابہ اس صدمے سے بری طرح متاثر تھے۔ آپ نے فرمایا تھا: جو محمدؐ کی پرستش کرتا تھا سو وہ تو اس جہان سے رخصت ہو گئے، اور جو اللہ کی پرستش کرتا ہے سو وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔“ اس قول سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ثبات توحید کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہی وہ قول ہے جس سے آپ نے دیگر صحابہ کے قلوب میں بھی ثبات توحید کو جاگزیں فرمایا۔

اور غزوہ بدر کے موقع پر جب آنحضورؐ نے یہ دعا فرمائی:

سنداح لاداور سند عبد الرزاق میں یہ روایت موجود ہے۔

ترجمہ: ”اے میرے رب! اگر تو نے اس گروہ (مومنین) کو آج ہلاک کر دیا تو اس کے بعد روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔“
 تو اس موقع پر حضرت ابوبکر کا یہ ارشاد بہت اہمیت رکھتا ہے:
 یا رسول اللہ! آپ نگر نہ کریں خدا کی قسم کہ وہ آپ سے اپنا کیا ہو اور وعدہ پورا کرنے والا ہے اور اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْي مَعَكُمْ فَثَابِتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُنْفِقُ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا

الرُّعْبَ فَاضْبُوبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْبُوبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ [الأنفال: ١٢]

ترجمہ: ”جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔ غمگین میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا۔“

اس آیت کے ذریعے اس وعدے کی تصدیق کی گئی جس میں اللہ کی جانب سے مدد بخینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت تمام صحابہ کے قلوب اس سلسلے میں مضطرب تھے۔ اور اسی آیت سے حضرت ابوبکر صدیق کی خصوصیت اور ان کے ایمان کی حقیقت کو بھی واضح کیا گیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا وجہ ہے باوجود احوال میں مکمل ہونے کے رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے روز متغیر ہو گئے تھے جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطمئن رہے۔ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ چونکہ نبی کریم ﷺ ابوبکر کی نسبت اللہ کو بہت بڑھ کر جانتے تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باقی صحابہ کے مقابلے میں بہت قوی ایمان کے حامل تھے۔ اس لحاظ سے یہ واضح ہو گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طمانیت کا باعث وعدہ حق تعالیٰ پر مضبوط ایقان و ایمان تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا متغیر ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ اللہ کو بہت زیادہ جانتے تھے۔ اور وہ اللہ کی جانب سے وہ علوم و معارف رکھتے تھے جو نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانتے تھے اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی اور ان سے بہرہ ور تھا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھے کہ جب بھی تیبہ ہوا میں چلے لگتیں تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا جب کہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کا رنگ بھی متغیر نہ ہوتا۔ اور آپ کا قول ہے: اگر تم وہ کچھ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم روتے زیادہ اور ہنستے کم۔ اور تم پہاڑیوں کی جانب نکل جاتے۔ اور تم بستر و پر آرام سے نہ سو سکتے، ﴿مذکورہ حدیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کا متغیر ہونا یا پریشان ہونا اللہ سے بہت زیادہ قریب ہونے اور علوم و اسرار سے انتہائی واقفیت کی بنا پر تھا﴾

حضرت ابوبکر صدیق کو بصیرت اور الہام دونوں عطا کئے گئے تھے۔ جن کا استعمال آپ نے تین بار کیا۔ پہلی بار اس وقت جب تمام صحابہ کرام نے زکوٰۃ کا انکار کرنے والے مرتدین کے خلاف جہاد نہ کرنے پر اتفاق کر لیا تھا مگر حضرت ابوبکر صدیق ان کے خلاف جہاد کرنے پر ڈٹے رہے۔ اور کہا کہ اگر انہوں نے رسی کا ایک ٹکڑا بھی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ میں ادا کرتے تھے، ادا نہ کیا تو میں ان سے مقابلہ کروں گا۔ نتیجہ یہ نکال کہ بالآخر آپ ہی کی رائے درست ثابت ہوئی

۱ صحیح مسلم، سنن ترمذی برادیت حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔

۲ اس کی تخریج کزرجی۔

اور باوجود اختلاف کرنے کے آخر کار تمام نے آپ ہی کے فیصلے پر صاف کیا۔ ﴿

دوسری بار آپ نے اپنی راست والہامی بصیرت سے اس وقت کام لیا جب تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حبشہ اسامہ رضی اللہ عنہ کو واپس بلانے کا فیصلہ کیا مگر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم۔ میں اس گروہ کو کبھی نہیں کھولوں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہو۔ ﴿

اور تیسری مرتبہ اس وقت جب آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! میں نے تجھے ایک تحفہ دیا اور وہ ہے تیرے دو دو بھائی اور دو بہنیں۔ جب کہ عائشہ صدیقہ کو صرف یہی معلوم تھا کہ ان کے دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی امید سے تھیں جب آپ نے فرمایا: کہ میرے وجدان میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ وہ بیٹی کو جنم دے گی اور اس نے بیٹی ہی جنی۔ اور یہ آپ کے فراموشی والہام جیسی خوبیوں سے مزین ہونے کی ایک بہت بڑی مثال تھی۔ ﴿

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“ ﴿

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عظمت کردار اور شخصیت کی بزرگی سے متعلق اور بھی بے شمار واقعات و روایات صحیحہ موجود ہیں مگر طوالت سے بچنے کی خاطر اختصار ہی کو کافی سمجھا گیا۔

بکر بن عبد اللہ الحزنی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق فرمایا کرتے: ”اے آدم علیہ السلام کی اولاد! اٹھو اور اس آگ کو بجھاؤ ورنہ تم نے جلا رکھا ہے۔“

ایک روایت ہے کہ اگر کبھی آپ نے کوئی چیز کھائی اور بعد میں شبہ پڑ گیا تو اسی وقت اُسے قے کر کے اگل دیتے۔ اور فرماتے: ”خدا کی قسم! اگر اس مشتبہ کھائی ہوئی چیز کے ساتھ میری روح بھی نکل جائے تو میں اسے خارج کرنے میں تامل نہ کروں گا۔ کیونکہ میں نے آن حضرت ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے یہ سنا ہے کہ جس جسم کو حرام کی غذا ملی ہو وہ آگ کی بہت زیادہ مستحق ہوگی۔“ اور آپ فرمایا کرتے: چاہتا ہوں کہ میں سبزہ ہوتا اور مجھے چرندے کھاتے اور خوف عذاب و دہشت یوم الحساب کا سوچ کر خیال کرتا ہوں کہ مجھے تو پیدا ہی نہ کیا جاتا۔“

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: قرآن کریم کی تین آیات ایسی ہیں جن نے مجھے باقی ہر چیز سے بے نیاز کر دیا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا الرَّسُوْلَ﴾

چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں۔“

اس آیت سے میں نے یہ جان لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھلائی عطا کرنا چاہے تو سوائے اس کے اسے کوئی ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا۔ اور دوسری آیت یہ ہے:

﴿فَاِذَا لَقِيتُمْ اُتْرُقَٰلَہُمْ﴾ [البقرہ: ۱۷۲]

﴿شکین اور اسباب سنسن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا۔

﴿امام ترمذی اور ابن مساک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا۔

﴿امام مالک و طبرانی بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: ”تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔“
اسی لیے میں نے اللہ کے سوا سب کچھ بھلا کر صرف اسی کے ذکر ہی کو حرزِ جان بنا لیا۔ اور تیسری آیت یہ ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا [ہود: ۶]

ترجمہ: ”اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔“
خدا کی قسم میں نے اس آیت کی تلاوت کے بعد پھر کبھی اپنے لیے رزق کا غم ہی نہیں کیا۔

مدح صدیقؑ میں ابوالعتاہرہ کے چند اشعار

ترجمہ اشعار:

- (۱) اے وہ شخص! کہ تو دنیا و آزماتش دنیا پر نازاں ہے یہ غرور دنیا کچھ بھی نہیں صرف مٹی پر مٹی رکھنے کے مترادف ہے۔
- (۲) جب تو تم لوگوں میں سے شریف ترین شخص کو دیکھنا چاہے تو اس بادشاہ پر نظر کر جو درویشوں کے لباس میں ملبوس ہے۔
- (۳) یہی وہ شخص ہے کہ جس کی مہربانی کا لوگوں پر سکد جما ہوا ہے اور یہی وہ شخص ہے جو دین و دنیا دونوں میں ٹھیک ٹھیک چلتا ہے۔

جینید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: توحید کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول سے برہ کوئی بہتر قول نہیں کہا گیا۔ آپ نے فرمایا: پاک ہے وہ اللہ کہ جس نے خلق کے لیے اپنی معرفت سے خلق کے عاجز ہونے کے سوا کوئی راستہ نہیں بنایا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

سید الرسل ﷺ نے فرمایا: امتوں میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ بذریعہ الہام کلام فرماتا ہے۔ اور اگر اس امت میں ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہے۔

کسی شیخ سے حضرت عمر کے اللہ سے بذریعہ الہام ہم کلام ہونے یعنی ان کے محدث ہونے کے بارے میں وضاحت کے لیے کہا گیا تو فرمانے لگے۔ درجہ صدیقین میں سے اعلیٰ درجہ پر فائز بندے کو محدث کہتے ہیں۔ اور اس کے آثار حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نمایاں تھے جیسا کہ بیان کیا گیا کہ جب وہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو عین خطبے کے درمیان انہوں نے باوا ز بلند پکارا: ”یا سارہ الجبل“ (اے ساریہ پہاڑ کی جانب ہو جاؤ۔) حالانکہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ قلعہ نہاوند کے دروازے پر کھڑے تھے انہوں نے اتنی دور سے آپ کی آواز سن لی اور پہاڑ کی جانب ہو گئے جس کے نتیجے میں انہیں دشمن پر فتح نصیب ہوئی۔ بعد میں جب ساریہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو کیسے علم ہو گیا تھا تو کہنے لگے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدا خود سنی کہ وہ فرما رہے تھے: اے ساریہ پہاڑ کی جانب ہو جاؤ۔

ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو خطبہ دیتے ہوئے ایک ایسی قمیص پہنے دیکھا جس میں بارہ بیوند لگے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو مجھے میرے عیبوں سے باخبر کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان عمر کے سائے سے ڈرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو اللہ سے ڈرا اس نے اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا نہیں کیا اور نہ ہی اس نے وہ کچھ کیا جو اللہ چاہتا تھا۔ اور اگر قیامت نہ ہوتی تو تم وہ کچھ دیکھے جو تمہارے گمان سے بالکل مختلف ہوتا۔ اس کے بعد آپ نے ایک کچی اینٹ اٹھا کر فرمایا کاش کہ میں یہی اینٹ ہوتا کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ کاش کہ میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ آپ نے ایک اور روایت کے مطابق فرمایا: مجھے فقط اسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا جو اللہ کے لیے اور اسی کی جانب سے تھی۔ اور اس طرح کی آزمائش میں میرے لیے چار نعمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی آزمائش میری قدرت سے باہر ہوتی ہے۔ اور دوسری یہ کہ مجھے اس سے وحشت نہیں ہوتی۔ تیسری یہ کہ اس میں رضا سے مجھے محروم نہیں کیا جاتا۔ اور چوتھی یہ کہ میں اس پر اللہ سے ثواب پانے کی امید کرتا ہوں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے تو مجھے اس بات کی پرواہ نہ ہوتی کہ ان میں سے کس پر سوار ہو جاؤں۔

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اپنے افلاس کی شکایت کی آپ نے فرمایا: کیا تیرے ہاں آج رات کا کھانا موجود ہے

۱ امام بیہقی نے دلائل النبوة میں اس کا ذکر کیا۔
۲ شیخین نے بطریق حضرت سعد بن ابی وقاص، ترمذی نے بطریق حضرت عائشہ صدیقہ، اور امام احمد نے بطریق حضرت بریدہ ان الفاظ سے ملتی طبعی احادیث ذکر کی ہیں۔

اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا پھر تو مفلس نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے روئے زمین پر کوئی شخص بھی اس قدر عزیز نہیں کہ اس کے چہرے جیسا چہرہ لے کر اللہ کی بارگاہ میں شرف باریابی پاؤں سوائے ایک شخص کے اور وہ ہے یہ چادر اوڑھے ہوئے عمر (رضی اللہ عنہ) ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو دو پہر کے وقت کسی کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے دیکھا تو ان سے دشمن کے بارے میں پوچھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: صدقہ کے اونٹ لوٹ لیے گئے ہیں ان کی بازیافت کے لیے دوڑا جا رہا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا: یا امیر المؤمنین آپ نے اپنے بعد خلفاء کو آزمانش میں ڈال دیا ہے۔

صوفی حضرت عمرؓ کی خصوصیات کو اپنے لیے نمونہ اور نشانِ راہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ وہ بیوند لگے گھر درے کپڑے پہنتے، ترک شہوات فرماتے، مشکوک چیزوں سے اجتناب فرماتے اور ہر معاملے میں وقار و شرافت کا اظہار فرماتے حق کے واضح وثابت ہونے کے بعد لوگوں کی ملامت کی پروا نہ کرتے۔ باطل کو مٹانے والے تھے، حقوق کے اعتبار سے اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے طاعات کو اختیار کرنے میں شدت برتتے۔ اور ممنوعہ چیزوں سے اجتناب میں سختی سے کار بند تھے۔ آپ کی اس قسم کی باتیں بہت طویل ہیں جن سے چند ہم نے بیان کی ہیں۔

یہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد میں بیٹھا دیکھا تو انہیں کام کر کے کمانے کا حکم دیا۔ اور جس کے بارے میں انہوں نے حضرت سلمان کو بھی لکھا، تو یہ اس لیے کہ آپ کو اس جماعت کے مسجد میں بیٹھنے میں کوئی کمزوری یا لوگوں سے طبع رکھے جیسی برائی نظر آئی ہوگی یا کوئی اور کمزوری۔ اسی بنا پر آپ نے انہیں ہاتھ سے کمانے کا حکم دیا (ورنہ مسجد میں صرف اللہ بنی اللہ بیٹھا جائے اور کوئی کمزوری قلب و نظر میں نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات عمر و ابو بکر رضی اللہ عنہما، نے اصحاب صفہ کو دیکھا ہی تھا جب کہ ان کی تعداد تین سو دس یا اس سے زیادہ تھی۔ مگر رسول اللہ، حضرت عمر اور حضرت ابو بکر نے اسے برا نہیں منایا اور نہ ہی اصحاب صفہ کو مسجد سے نکل کر کسب معاش کا حکم دیا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غزوہ اُحد کے روز اپنے بھائی زید الخطاب سے فرمایا: اگر تو پسند کرے تو میں اپنی ذرہ اتار کر تجھے دے دیتا ہوں۔ جو با زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسے آپ شہید ہونا چاہتے ہیں ویسے ہی مجھے بھی شہادتِ عزیز ہے۔ مذکورہ روایت میں حضرت عمر کا بغیر زرہ کے میدانِ جہاد میں جانے کی خواہش سے ہمیں حقیقتِ توکل کے بارے میں ایک بہت بڑا اشارہ ملتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر نے فرمایا: میں نے چار چیزوں میں عبادت کو موجود پایا ہے:

پہلی: اللہ کے فرائض کی ادائیگی۔

دوسری: اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے اجتناب۔

تیسری: فقط اللہ سے ثواب پانے کی خاطر امر بالمعروف کرنا۔

چوتھی: اللہ کے غضب سے بچنے کے لیے برائیوں سے لوگوں کو روکنا۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکمین سے نوازا گیا تھا کہ جو کہ متحقیق (صوفیہ) کے اعلیٰ مراتب میں سے ایک ہے اور حضرت عثمان کی جن خصوصیات سے صوفیہ کا تعلق ہے۔ وہ متقدمین کی زبانی ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ان سے تو نگری اپنانے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ مقام صرف انبیاء و صدیقین ہی کے لیے درست ہوتا ہے۔ اور تو نگری جو صدیقین کے احوال میں سے ہے اختیار کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اشیاء کو استعمال میں لا کر ان سے دور رہے اور دوسری صورت یہ کہ اشیاء کے ساتھ برائے نام رہتے ہوئے ان سے کاملاً جدا ہو، جیسا کہ بیخیل بن معاذ رضی اللہ عنہ سے عارف کی تعریف پوچھی گئی تو فرمایا: ایک ایسا شخص کہ اشیاء کے ساتھ رہنے والا بھی اور ان سے جدا بھی ہو۔

ابن الجلاء فقیر صادق کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کا اشیاء میں دخول غیر کے لیے ہوتا ہے، اپنے لیے نہیں۔ اور حضرت عثمان کا معاملہ بالکل ایسا ہی ہے کہ انہوں نے دنیا کے مال و متاع کو اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے خرچ کیا۔ جیسا کہ ایک روایت کے مطابق وہ خود فرماتے ہیں: اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اسلام میں شگاف ایسا ہے جسے میں نے اپنے مال سے بھرنا ہے تو میں نے یہ مال کبھی جمع نہ کیا ہوتا۔ جس شخص کی یہ حالت ہو اس کی علامت یہ ہے کہ ہمیشہ مال کو جمع رکھنے سے خرچ میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے حبش العسرة کی تیاری اور بئر رومہ (کنواں) کی خرید میں کیا۔ جسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے (یعنی خرید بئر رومہ اور تجیز حبش عسرت) کے بعد حضرت عثمانؓ کچھ بنا کریں انہیں اس کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔“

روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے غلام کو ایک ہزار درہم کی تحویل دے کر روانہ کیا۔ اور غلام سے یہ کہا اگر انہوں نے یہ رقم قبول کر لی تو اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔ مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کے اموال اس طرح کی مدت میں صرف کرنے کے لیے بروقت تیار رکھے جاتے تھے۔ اور ایسی سخاوت صرف کامل معرفت والے ہی کو حاصل ہوتی ہے۔

میں نے ابن سالم سے اور انہوں نے سہل بن عبد اللہ کو یہ کہتے سنا: سعید (تو نگری) کا مقام صرف اس شخص کو مل سکتا ہے۔ جو اذن (اجازت من جانب اللہ) سے نوازا گیا ہو۔ ایسے بندے کو جس قدر اس کا رب تعالیٰ اجازت دیتا ہے اسی قدر اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اور اسی قدر مال روک رکھتا ہے جتنے کی اللہ اسے اجازت دے۔ اور ایسا بندہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ اموال کو اس لحاظ سے اپنے پاس رکھے ہوئے ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق اس کے ذریعے پورے کرتا ہے نہ کہ اپنی آسائش کے لیے اسے جمع رکھتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس دیکھ کی سی ہے جو اپنے مالک کے مال میں اس کی اجازت سے مالکانہ تصرف کرتا ہے۔ بلاشبہ ایسا مقام ایک مشکل مقام ہے جس میں کئی لوگوں نے غلطی کینا پر خود کو اس پر فائز سمجھا ہوا ہے حالانکہ وہ دنیا کے غلام ہیں۔ چہ جائیکہ ایسے مقام پر فائز ہوں۔

سہل بن عبد اللہ نے فرمایا: بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص دنیوی مال و متاع کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ

اپنے وقت کا سب سے بڑا تارک الدنیا بھی ہوتا ہے۔ سہل بن عبداللہ سے کہا گیا کہ کس طرح؟ فرمایا: عمرو بن عبدالعزیز کی طرح کہ وہ اپنے وہ رخصت میں اپنے لیے جلانے جانے والے تیل اور قوم کے لیے جلانے جانے والے تیل میں بھی فرق قائم رکھتے رہے۔ وہ اپنا چراغ تین سرکنڈوں پر رکھتے تھے۔ اور زمین کے خزانوں کے مالک تھے۔

یہاں تک کہ لوگ غلط فہمی کی بنیاد پر غناء کو فقیر پر ترجیح دے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ یکسر غلطی پر ہوتے ہیں اور ایسے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیوی مال و اسباب کی کثرت کی بنا پر مذکورہ لوگ غنی نہ تھے اور نہ ہی کوئی دنیوی مال و متاع نہ رکھنے کے باعث فقیر کہلایا جاسکتا ہے بلکہ ان کا غنی ہونا اس لیے ہے کہ وہ اللہ کو پانچے تھے اور فقیر اس لیے کہ وہ اللہ ہی کے حاجت مند اور اسی کی حاجت کے پیاسے تھے۔

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے باغ کا گٹھا اٹھا کر لارہے تھے جب کہ ان کے کئی غلام تھے۔ کسی نے عرض کیا: آپ نے یہ گٹھا کسی غلام سے کیوں نہ اٹھوایا؟ آپ نے فرمایا: میں یہ اپنے کسی غلام سے اٹھوا سکتا تھا میری مرضی یہ تھی کہ اپنے نفس کو آزار ماؤں کہ وہ اس سے عاجز آتا ہے اور اسے ناپسند کرتا ہے کہ نہیں۔ یہاں یہ بات واضح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نفس کو نہیں بلکہ ریاضت نفس کو تلاش کر رہے تھے تاکہ مبادا وہ اپنے مال و منال سے مطمئن ہو جائیں کیونکہ آپ کا معاملہ اس طرح کے حالات میں دوسرے لوگوں سے مختلف تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر رکعت میں قیام کے بعد صبح طوال پڑھتے تھے اور رات کو بیدار رہتے۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کسی کی بدگوئی نہیں کی اور نہ کبھی اپنی شرمگاہ کو دکھایا۔ ۱

آپ کی حکمت اور ثبات و استقامت کی دلیل وہ واقعہ ہے جب آپ کو شہید کر دیا گیا مگر آپ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ ۲ کسی کو جنگ و جدل کی اجازت دی اور نہ ہی گود سے قرآن مجید کو ہٹایا اور اسی حالت میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ خون مصحف پر بہہ نکلا آپ خون میں لٹھڑ گئے اور خون اس آیت پر گرا۔

فَسَيَلْفِيكُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾ [البقرة: ۱۳۷]

ترجمہ: ”تو اے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا۔“

میں نے ابو عمرو بن علوان سے اور انہوں نے حضرت جنید کو ایک شب یہ مناجات کرتے ہوئے سنا میرے اللہ! کیا تو مجھے اپنے قریب کے قریب میں رکھے گا یا مجھے اپنے وصل کے ذریعے خود سے جدا کر دے گا۔ بیہات ہے، میں نے ابو عمرو سے پوچھا بیہات سے کیا مراد ہے تو کہا: حکمتیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بھلائی کو چار چیزوں میں جمع پایا۔

- ۱- نوافل کے ذریعے اللہ سے محبت کے اظہار میں۔
- ۲- احکام خداوندی پر صبر میں۔
- ۳- اللہ کی مقرر کردہ تقدیر پر راضی رہنے میں۔
- ۴- اللہ کی نگاہ سے حیا کرنے میں۔

۱ ابن ماجہ بروایت حضرت عثمان۔ ۲ سنن ابویعلیٰ بروایت مسلم بن سعید، اس کے رجال ثقات ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

احمد بن علی وجمہی نے ابوعلی روز باری سے اور انہوں نے جنید بغدادی کو یہ کہتے سنا: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگوں میں شریک نہ ہوتے تو ہمیں اپنے علم سے بہت مستفیض فرماتے آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا تھا۔ اور یہ علم لدنی ایسا علم ہے جس سے حضرت خضر علیہ السلام کو بھی نوازا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلِيمًا ﴿۶۵﴾ [الکہف: ۶۵]

ترجمہ: ”اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔“

آپ نے موکی و خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے قصہ ضرور سنا ہوگا کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے موکی علیہ السلام سے کہا:

إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا [الکہف: ۶۷]

ترجمہ: ”آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے۔“

یہاں پر بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ ولایت کو نبوت پر فضیلت دی گئی۔ ان شای اللہ آئندہ صفحات میں ہم اس طرح کا خیال رکھنے والوں کی تردید کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ کو اللہ نے گہرے مطالب و معانی لطیف اشارات، علم ایمان اور معرفت توحید سے متعلق خوبصورت و دلنشین عبارات و اقوال سے نوازا۔ اس کے ساتھ آپ کے اخلاق اور عادات بھی ارفع تھیں۔ جملہ صوفیہ کرام آپ کی مذکورہ خصوصیات کو اپنے لیے ایک نمونہ سمجھتے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق روایات و اخبار کا بی بی بی۔ مگر طوالت سے پرہیز کرتے ہوئے ہم کچھ مختصر پیش کرتے ہیں۔

حضرت علی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے رب کو کس طرح جانا؟ آپ نے فرمایا: جس طرح اللہ نے مجھے اپنی ذات کا علم عطا کیا ہے اس کے مطابق وہ اس طرح ہے کہ اس سے کوئی صورت مشابہ ہے۔ نہ ہی حواس کے ذریعے اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی لوگ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ وہ دوری میں قریب اور قرب میں بعید ہے۔ وہ ہر چیز کے اوپر ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی شے اس کے نیچے ہے۔ ہر شے کے تحت موجود ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی شے اس سے اوپر ہے۔ ہر شے کے سامنے ہے مگر کوئی شے اس کے سامنے نہیں۔ وہ ہر شے میں اس طرح موجود ہے کہ کسی شے کی طرح کسی شے سے اور کسی شے میں نہیں۔ پاک ہے اس کی ذات والا صفات جو مذکورہ تعریف کے مطابق ہے اور اس کے علاوہ کسی اور طرح سے نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو پہلے سے موجود کسی شے سے نہیں بنایا اور نہ کسی پہلے سے موجود شے سے اپنی صفت میں مشابہت پیدا کی جب کہ دیگر سارے صنائع کسی شے سے ہی ایک اور شے بناتے ہیں۔ اور اس جہان میں جس قدر عالم لوگ ہیں وہ پہلے جاہل تھے اور جہالت سے علم کی جانب آئے جب کہ اللہ تعالیٰ ایسا عالم ہے کہ اس

پر کبھی عرصہ جہالت نہیں گزرا بلکہ وہ ہمیشہ سے عالم ہی ہے۔
 عمرو بن ہند ایمان کے بارے میں حضرت علی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایمان قلب میں ایک سفید نقطہ
 کی مانند ہے جو ہی ایمان میں اضافہ ہوتا ہے قلب بھی مزید سفید ہوتا جاتا ہے اور جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو قلب بھی
 پوری طرح سفید ہو جاتا ہے اور منافقت جب دل میں سیاہ نقطے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور جوں جوں دل میں گھر کرتی
 جاتی ہے یہ سیاہی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے جب منافقت مکمل طور سے دل پر چھا جاتی ہے تو سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

اولیں شارح احوال و مقامات

ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایمان کے بارے میں استفسار کیا تو فرمایا: ایمان کے چار ستون ہیں۔ صبر،
 یقین، عدل اور جہاد۔ پھر آپ نے ان چاروں احوال کے دس دس درجے بیان فرمائے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت علی
 رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہوں گے جنہوں نے احوال و مقامات پر گفتگو کی۔
 کسی نے آپ سے سوال کیا کہ سب سے برہ کر بے عیب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے عقل کو اپنا امیر بنایا اور
 اسے کسی وزیر سے بچائے رکھا۔ جس نے مواعظ کو اپنی زمام، صبر کو اپنا تاقہ تقویٰ کو اپنا نگہبان خوف خدا کو اپنا چلیس اور موت
 و مصیبت کو اپنا دوست بنایا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اس میں ایک علم ہے کاش
 کہ کوئی اس امانت کو اٹھانے والا مل جاتا۔

آپ باقی صحابہ کرام سے بایں لحاظ ممتاز تھے کہ آپ کو توحید و معرفت کو بیان کرنے پر کامل عبور تھا۔
 بیان ایک ایسا ملکہ ہے کہ جس کا شمار اعلیٰ احوال و معانی میں ہوتا ہے۔
 قول باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ [آل عمران: ۱۸۷]

ترجمہ: ”اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان
 کرو دینا۔“

اور فرمایا:

هَذَا بَيِّنَاتٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ [آل عمران]

ترجمہ: ”یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے۔“

کوئی بندہ اس وقت تک کمال کو نہیں پہنچتا جب تک اسے ملکہ بیان حاصل نہ ہو۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جو عقل رکھتا ہو وہ
 علم سے بھی بہرہ ور ہو اور نہ ہر علم رکھنے والا حسین بیان کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے، ہاں جب کسی کو بیک وقت عقل، علم اور
 بیان کی صلاحیتیں عطا کی گئی ہوں تو وہ منصب کمال کو پہنچا۔

ایک مشہور روایت ہے کہ جب صحابہ کرام دین کے بارے میں کسی مشکل مسئلے سے دوچار ہوتے تو وہ حضرت علی رضی اللہ
 عنہ سے پوچھتے اور وہ ان کی مشکل کو فوراً حل کر دیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اپنے دوست سے محبت میں میانہ روی رہو کہ کل کہیں وہی تیرا دشمن نہ ہو جائے۔ اور اپنے دشمن سے بعد اعتدال دشمنی کر دو کہ کل وہی تیرا دوست نہ بن جائے۔ ۱

آپ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے خزانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے سونا چاندی! جا میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایک قمیص پہنی تھی جو آپ نے تین درہم میں خریدی تھی اور جسے بعد میں آپ نے ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کے برابر پھاڑ دیا (یعنی لمبی آستینوں کو انگلیوں کے برابر کاٹ دیا۔

ایک روز آپ نے دن بھر مزدوری کی۔ شام کو ایک مد (دور طل کے برابر ایک پیاناہ) کھجور معاوضہ ملا جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ اور انہوں نے تناول فرما کر تقویت پائی۔

آپ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تو چاہے کہ اپنے دوست سے ملاقات کرے تو قمیص اور جوتے کو بیوند لگا، اپنی خواہشات کم کر، اور سیر ہو کر مت کھا۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ ۲

کہا جاتا ہے کہ جب آپ کو شہید کیا گیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اے کوفہ کے لوگو! تمہاری آنکھوں کے سامنے امیر المومنین شہید کر دیئے گئے۔ انہوں نے دنیا میں اپنے پیچھے صرف چار سو درہم چھوڑے جو انہوں نے اس لیے الگ رکھ چھوڑے تھے کہ اس سے ایک خادم خریدیں گے جو ان کی خدمت کرے گا۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رنگ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی متغیر ہو جاتا اور کانٹے لگے اور ایسی حالت میں جب آپ سے اس کا سبب پوچھا جاتا تو فرماتے اس امانت کو لوٹانے کا وقت آن پہنچا ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۗ [الاحزاب: ۷۲]

ترجمہ: ”بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے

ٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی۔“

اسی لیے مجھے خدشہ ہے کہ اس امانت کو بہتر طور پر ادا کر سکوں گا یا نہیں۔

آپ نے ایک موقع پر فرمایا: ”میرے اور میرے نفس کی مثال چرواہے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی سی ہے کہ چرواہا جب اپنے ریوڑ کو ایک جانب سے اکٹھا کرتا ہے تو دوسری طرف سے بکھر جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احوال، اخلاق اور افعال سے متعلق بہت سے اقوال اور روایات ہیں جو صوفیہ کرام میں سے اربابِ قلوب اور اہل اشارات کے لیے ہمیشہ رہنما اصول کا کام دیتی چلی آئی ہیں۔

الغرض دنیا کو ترک کرنے والوں، اپنی تمام تر ملکیتوں کو خیر باد کہنے والوں اور فقر و تجرید کی بساط پر بیٹھنے والوں کے امام

۱۔ یہ روایت منقوہ ہے، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ سے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

۲۔ ابن سعد نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جنہوں نے دنیوی مال و متاع میں سے کچھ تو راہ خدا میں قربان کر دیا اور کچھ حصہ اپنے اہل و عیال، صلہ رحمی اور دیگر حقوق کی ادائیگی کے لیے باقی چھوڑا ان کے امام سیدنا عمر الخطاب رضی اللہ عنہ اور جنہوں نے اپنے تمام اموال اللہ کے لیے جمع کئے، اسی کے لیے روکے رکھے، لوگوں کو اس میں سے عطا کیا اور خرچ کیا، ان کے امام سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور دنیا کا طواف نہ کرنے والوں چاہے وہ انہیں بغیر مانگے بھی کیوں نہ ملے اور اسی طرح دنیوی مال و متاع سے دور رہنے والوں کے امام سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ بھلائی چار چیز میں ہے، خاموشی، قوت گویائی، بینائی اور حرکت۔ ہر ایسی گفتگو جو ذکر خدا سے خالی ہو لغو ہے، ہر وہ خاموشی جو فکر کے لیے اختیار نہ کی گئی ہو، سہو ہے، ہر وہ نگاہ جس میں عبرت نہ ہو وہ غفلت ہے اور ہر وہ حرکت جو اللہ کی عبادت کے لیے نہ ہو سستی و کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنی قوت گویائی کو ذکر خداوندی، خاموشی کو فکر، نظر کو عبرت اور حرکت اور کو اللہ کی بندگی کے لیے وقف کر دیا ہو۔ اور لوگ اس کی زبان اور ہاتھوں سے محفوظ ہوں۔

اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

احادیث کے مطابق اصحابِ صفہ کی تعداد کم وبیش تین سو دس تھی یہ حضرات نہ کاشتکاری کرتے تھے۔ نہ گھوڑوں کو سدھاتے تھے اور نہ ہی تجارت کرتے تھے۔ مسجد میں سوتے اور مسجد ہی میں کھانا کھاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان سے انس رکھتے ان کی مجلس میں بیٹھا کرتے ان کے ساتھ کھاتے پیتے اور لوگوں کو ان کی عزت کرنے اور ان کی فضیلت جاننے کی تلقین فرماتے تھے۔ ۱

اللہ تعالیٰ نے اصحابِ صفہ کا ذکر ذیل کی آیات مبارکہ میں فرمایا ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ [البقرہ: ۲۷۳]

ترجمہ: ”ان فقریوں کے لیے جو راہِ خدا میں روکے گئے۔“

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ [الانعام: ۵۴]

ترجمہ: ”اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔“

اور فرمایا:

وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ [اکہف: ۲۸]

ترجمہ: ”اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔“

ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ سے ان کا ذکر اس طرح فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۖ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ [عبس: ۲۹]

ترجمہ: ”تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔“

آخر الذکر آیت کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ ابن ام کلثوم کے بارے میں نازل کی گئی جن کا تعلق اصحابِ صفہ سے تھا۔ یہ وہ شخص تھے جنہیں دیکھ کر آپ فرماتے: اے وہ شخص کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے عتاب کیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب تک اصحابِ صفہ آنحضرت ﷺ کے گرد بیٹھے رہتے آپ کبھی ان کی مجلس سے از خود نہ اٹھتے اور ان سے مصافحہ کرتے وقت جب تک وہ ہاتھ نہ کھینچ لیتے آپ اپنا ہاتھ کھینچنے میں پہل نہ فرماتے۔

اکثروں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ اصحابِ صفہ کو صاحبِ استطاعت صحابہ میں تقسیم فرمادیتے کسی کے ساتھ تین تو کسی کے ساتھ چار پانچ بھیج دیتے تاکہ وہ ان کے خورد و نوش کا بندوبست کرے۔ بعض اوقات اکیلے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ۸۰ اصحابِ صفہ کو ساتھ لے جاتے۔ ۵

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا جو ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے تھے جو ان

۱ صحیح بخاری میں بروایت حضرت ابو ہریرہ۔

۵ تدریس مختلف الفاظ کے ساتھ، محمد بن سیرین سے حلیہ الاولیاء میں مروی ہے۔

کے گھنٹوں تک نہیں پہنچتے تھے اور جب ان میں سے کوئی رکوع میں جاتا تو کپڑے کو کھینچ کر رکھتا کہ مبادا ستر پوشی نہ رہے۔ ۵
ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اُون کی عبا میں بہن کر ہمارے جسموں سے بھیڑ بکریوں کی بو آنے لگی۔

عبداللہ بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم نے اصحاب صفہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خشک کھجوریں کھا کھا کر ہمارے پیٹ جل گئے آپ نے ہم پر مردار کا کھانا بھی حرام کر دیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ صبح صبح آ کر یہ کہتے ہیں کہ خشک کھجور نے ہمارے پیٹ جلادئے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہی خشک کھجور اہل مدینہ کی خوراک ہے۔ اور جو چیز انہوں نے ہمیں مہیا کی وہی ہم نے آپ کو بھی فراہم کی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ اللہ کے رسول کے گھر سے تو ایک یا دو دو ماہ تک گندم کی روٹی پکنے کے لیے دھواں تک نہیں اٹھتا اور اس کا گزارہ سوائے کھجور اور پانی کے کسی اور چیز پر نہیں۔ ۵
مذکورہ حدیث میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں اصحاب صفہ سے معذرت کرتے ہوئے ان کی شکایت کو رد نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی انہیں کوئی پیشہ اختیار کر کے کمانے کا حکم دیا۔

ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب صفہ کی ایک جماعت کو اس حال میں دیکھا کہ وہ (مختصر اور نامکمل کپڑوں کے باعث) برہنگی سے پہنچنے کے لیے ایک دوسرے میں خود کو چھپا رہے تھے۔ ایک قاری انہیں قرآن کریم کی آیات سنار ہاتھ اور وہ رورہے تھے۔ ۵

اصحاب صفہ کے علاوہ دیگر صحابہ بھی بلند احوال، پاکیزہ اعمال اور اخلاقی فاضلہ سے آراستہ تھے اور ان کی یہ خصوصیات بلاشبہ صوفیہ کے لیے نور ہدایت کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح بخاری میں ہے۔

۲ امام حاکم نے طلحہ انصاری سے روایت کیا اور یہ صحیح الاسناد ہے۔

۳ اس حدیث کو امام ابو داؤد، ترمذی اور بزار نے حضرت ابومعینہ ثوری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کو ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں اپنی چادر کا کنارہ خود سینے ہوئے دیکھا۔

حارث بن عمیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نزع کے وقت یہ کہتے سنا: ”اپنے چاہنے والے کی جس طرح چاہے جان لے لے مگر مجھے تیری عزت و جلال کی قسم میں پھر بھی تجھ سے محبت کئے جاؤں گا۔“
عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے عذاب الہی کے خوف سے کہا: کاش میں خاک ہوتا اور ہوا میں مجھے اڑاتی پھرتیں۔
کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تینیس برس تک پیٹ کی بیماری میں مبتلا رہے ایک روز دوست ان کی عیادت کرنے کو گئے تو ان سے کہا: آپ کی بیماری کی طوالت ہمارے آپ کے پاس آنے سے مانع رہتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا: آپ ایسا نہ کریں۔ میرے رب کو اگر میری یہ تکلیف پسند ہے تو مجھے بھی یہی پسند ہے۔
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَإِنْ جَهَنَّمَ لَمَوْجِدُهُمْ أَجْعَلِينَ ﴿٤٣﴾ [الحجر: ٤٣]

ترجمہ: ”اور بے شک جہنم ان سب کا وعدہ ہے۔“

تو صحیح ماری اور ماتھے کو پیٹ کر رہ گئے پھر وہ باہر کی جانب نکل کھڑے ہوئے اور تین روز باہر ہی رہے۔
روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ عراق سے شام کی طرف پیدل جا رہے تھے انہوں نے مونے کپڑے کا جب پہنا ہوا تھا اور چہرے کا رنگ متغیر تھا ان کی یہ حالت دیکھ کر کسی نے کہا کہ آپ نے خود کو ذلیل کر دیا ہے۔ حضرت سلمان نے فرمایا: آخرت کا سنور جانانی اصل بھلائی ہے اب تو میں غلام ہوں اور اسی لیے غلاموں جیسا لباس پہنتا ہوں جب مجھے آزاد کر دیا جائے گا تو پھر خوبصورت لباس پہنوں گا۔
حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دور جاہلیت میں تاجر تھا اسلام قبول کیا تو چاہا کہ تجارت اور عبادت کو یکجا کر لوں مگر ایسا نہ ہو سکا اور بالاخر میں نے عبادت کو تجارت پر ترجیح دی۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ سے ان کی افضل عبادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ننگر اور توکل۔
حضرت ابو ذہب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا حق پر قائم رہنا فقط اللہ کے لیے ہے۔ اور اللہ سے میرے اسی تعلق نے میرے لیے کوئی دوست نہ چھوڑا۔ روز حساب کے خوف سے میرے جسم پر گوشت باقی نہ رہا۔ اور اللہ کی جانب سے ملنے والے ثواب پر پختہ یقین نے میرے گھر میں کچھ نہ رہنے دیا۔ مجھے اس ایک دن کا نعم کھائے جا رہا ہے جو ابھی آیا بھی نہیں۔ کسی

① شیخ حافظ الحراقی کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت کو بت ۱۳ اش کیا مگر مجھے اس کی صحت کی طریق سے معلوم نہ ہو سکی۔

② بقول حافظ ثنی، اس روایت کے رجال صحیح ہیں اور براتی اسے روایت کیا۔

نے سب پوچھا تو فرمایا: میری امید میری اجل سے بھی آگے نکل گئی میں چاہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے درخت پیدا کیا ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کسی دعوت و لبہ میں تشریف لے گئے مگر وہاں آپ نے کوئی ایسی بات سنی کہ یہ کہتے ہوئے، وہاں سے لوٹ آئے کہ جس نے لوگوں کے گناہوں میں اضافہ کیا وہ بھی انہی میں سے ہے اور جو ان کے اچھے عمل سے خوش ہوا وہ ان کے نیک کاموں میں شریک ہے۔

حبيب بن مسلمہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کے پاس ایک ہزار درہم لے کر گئے مگر انہوں نے یہ کہہ کر وہ درہم لوٹا دیئے کہ ہماری بکری ہے جس سے ہمیں دودھ مل جاتا ہے۔ اور سوری بھی ہے۔ جس کی پیٹھ پر سوار ہو کر سفر کر لیتے ہیں اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی تو نبیؐ دنوں حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی ہتھیلی پر طاعون کا پھوڑا نکل آیا اور صحابہ کرام بھی اس وباء سے گھبرا گئے۔ اس پر ابو عبیدہ نے فرمایا: مجھے اللہ کی قسم! کہ اگر اس طاعون کے پھوڑے کے ذریعے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں انہیں قبول نہ کروں۔

ایک شخص نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگنے کے لیے سوال کیا مگر آپ نے اپنے کچھ نہ دیا وہ دوسری مرتبہ آیا تو آپ نے اس کو کچھ عطا کیا اور ساتھ یہ بھی کہا جس نے تجھے خالی ہاتھ لوٹا یا اور جس نے تجھے عطا کیا وہ میں نہیں اللہ تعالیٰ ہے۔ آپ نے ایک اور موقعہ پر فرمایا: بہتر تھا کہ مینڈھا پیدا کیا گیا ہوتا اور اللہ کے نام پر قربان کر دیا جاتا، میری ہڈیوں سے سارا گوشت کھالیا جاتا یا کاش کہ مجھے پیدا ہی نہ کیا گیا ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: خوش آمدید! اے ناپسندیدہ چیز! یعنی موت اور تنگ دستی، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی مجھ پر آجائے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں ابابیل کے گھونسلے تھے، اور انہوں نے بچے دے رکھے تھے کسی نے کہا کہ آپ ان ابابیل کے گھونسلوں کو گرا کیوں نہیں دیتے۔ اس پر آپ نے فرمایا: میں یہ زیادہ پسند کروں گا کہ میرے ہاتھ میری اولاد کی قبریں کھودتے ہوئے ٹوٹ جائیں بجائے اس کے کہ میں اپنے ہاتھوں سے ان پرندوں کے گھونسلوں میں سے ایک انڈہ بھی لے کر توڑوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو دیوار پر بیٹھے پاؤں لٹکائے اشعار گنگناتا ہے تھے میں نے کہا اے میرے بھائی! کیا اسلام اور قرآن سے بہرہ ور ہونے کے بعد یہ حالت ہے تو انہوں نے جواب دیا: میرے بھائی شعر تو عرب کا دیوان ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے تمہارا رسول اللہ ﷺ کے سامنے ننانوے کافر مبارز (جنگ کے آغاز میں مقابلے کے لیے لکھارنے والے) جہنم رسید کیے اور اب یہ حالت ہے کہ بستر پر مروں گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر کے شاہ شہرک سے ایک جنگ کے موقع پر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ کتنے ہی ایسے مفلس و نادار لوگ ہیں کہ جن کے کسی سوال کو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا: اور اگر یہ لوگ اللہ پر کوئی قسم

کھائیں تو وہ ان کی قسم کو پورا فرمادیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک براء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔
 براء بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرتے تھے کہ اے میرے رب! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ
 میرے ساتھیوں کو فتح نصیب کر اور مجھے شہادت عطا فرما۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول کی انہیں شہادت
 اور ان کے ساتھیوں کو فتح عطا کی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ بیٹھنے کی جگہ تمہارے اپنے گھر ہیں کہ جہاں بیٹھ کر نہ تم کسی کو
 دیکھتے ہو اور نہ کوئی تمہیں دیکھتا ہے۔

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو فقر و فاقہ کی آزمائش میں اس لیے ڈالتا ہے کہ بندہ محتاج ہو کر اس کے پاس آئے اور اسی
 کو پکارے۔

کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے رخسار کثرتِ گریہ سے جوتے کے تسمے کی مانند ہو گئے تھے۔ آپ نے
 مزید فرمایا کہ میں کپڑے کو پیوند لگا کر پہنتا ہوں تو ایسا لباس میرے اللہ کی نظروں میں بلند ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اور ایسا
 پیوند لگا لباس مجھے اس لباس سے زیادہ عزیز ہے۔ جو مجھے خالق اور مخلوق دونوں کی نظروں میں گرا دے۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرمایا: لوگ آخرت کو عزت نہیں پاسکتے اگر وہ اپنی تعریف و ثناء کو ترک نہ کر دیں۔
 اور اللہ کی محبت میں ان کو ملامت نہ کیا جائے۔

اور فرمایا کہ بندے کو کوچ اور جہاد کا اجر پوری طرح نہیں مل سکتا جب تک کہ وہ مصیبت و اذیت پر صبر کرنا نہ سیکھے۔
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی ایسے شخص سے ملنا چاہے جس کے دل کو اللہ نے نور ایمان سے منور فرمایا ہو تو وہ
 حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔

حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کپڑوں کا گٹھا اٹھائے آ رہے
 تھے اور اس روز وہ مروان بن الحکم کے نائب بھی تھے۔ اس موقع پر انہوں نے مجھ سے کہا اے ابن مالک! امیر کے لیے راستہ
 کشادہ کرو میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے اتنا ہی راستہ آپ کے لیے کافی ہے۔ اتنے میں انہوں نے پھر کہا کہ امیر
 کے لیے راستہ کشادہ کرو۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو رونے لگے کسی نے رونے کا سبب
 پوچھا تو فرمایا: اے اللہ! اس لیے روتا ہوں کہ منزلِ نجات دور ہے اور زوارِ اہلِ یقین کمزور ہے اور ایک گہرا گڑھا سامنے ہے خدا
 جانے اس گڑھے سے جنت کی جانب جانا ہو گا یا دوزخ کی جانب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رات کو تین حصوں میں منقسم کر رکھا ہے۔ پہلا حصہ نماز کے لیے
 دوسرا حصہ سونے کے لیے اور تیسرا حصہ احادیثِ رسول ﷺ یاد کرنے کے لیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز سب سے پہلے جو لوگ حوضِ کوثر کے پاس پہنچیں گے
 وہ لاغر و دبلے لوگ ہوں گے کہ اگر ان کو رات آ لے تو تم کے ساتھ اس کا استقبال کریں۔ ۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم میں سے کچھ لوگ غیر شادی شدہ تھے اور ہم مسجد میں سو رہتے تھے کیونکہ ہمارا اور کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسی کو عزیز جانو جس کے دین کا تمہیں اعتبار ہو۔ اور فرمایا: متقی اور صاف باطن شخص کو کھانا کھلایا کرو اور ایسے شخص ہی سے کھایا کرو۔ اور فرمایا: ابن آدم پر وہی کچھ مسلط کیا جاتا ہے جس سے ڈرتا ہو اگر وہ صرف اللہ سے ڈرتا رہے تو وہ اس پر کوئی چیز مسلط نہیں فرماتا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کتنی ہی ایسی لہجائی لذتیں ہیں جو انسان کا طویل غموں میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ وہ دن میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کا باعث بنتا ہے جب میرے گھر والے مجھ سے کسی چیز کے نہ ہونے کا شکوہ کریں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کہیں دعوت پر مدعو کیا گیا وہاں آپ نے کچھ لوگوں کو اہل عجم جیسا لباس پہنے دیکھا۔ تو یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے کہ جس نے کسی قوم سے مشابہت پیدا کی وہ انہی میں سے ہو گیا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد کے روز فرمایا: اے اللہ میں تجھ پر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں دشمن کے مقابل اتروں وہ مجھے قتل کر دیں پھر میرا پیٹ چاک کر دیں پھر مجھے مسخ کر دیں اور اس حالت میں تجھ سے ملوں تو تو مجھ سے سوال کرے کہ کس کے لیے قتل ہوئے ہو؟ اور میں جواب دوں تیرے لیے! سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش کی یہ دعا قبول ہوئی اور ویسا ہی ہوا جیسے انہوں نے چاہا تھا۔^۱

صفوان بن بجز مازنی فرمایا کرتے تھے جتنی دیر میں گھر آ کر بیوی کے پاس بیٹھو اور ایک چپاتی لے کر کھا لوں بس اتنی ہی مدت کے لیے اس دنیا میں کسی بندے کے برائی کا موقع ملتا ہے اور اس سے مدت بڑھنے نہیں پاتی کہ وہ یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ تھے اور بنی سلیم کے غلام تھے۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اللہ کا ذکر کئے بغیر ایک میل چلے تو پھر سے واپس ہو کر آغاز سفر کیا اور ذکر الہی بھی کرتے گئے۔ جب منزل پر پہنچے تو اللہ کے حضور عرض کی۔ یا اللہ! ابوہریرہ کو نہ بھلانا کہ اس نے تجھے نہیں بھلا یا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک قبر کے پاس بے ہوشی طاری ہو گئی لوگ ان پر رونے دھونے لگے جب ہوش میں آئے تو کہا ہر نکلنے والی جان اور ہر بیگنے والے جانور کی جان مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہے۔ کسی نے پوچھا ایسا کیوں ہے تو جواب دیا: اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی ایسا لمحہ نہ آ جائے کہ جس میں مجھ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ ہو سکے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اچانک رو پڑے۔ انہیں دیکھ کر ان کی اہلیہ بھی رو پڑیں آپ نے پوچھا رونے کا سبب کیا ہے اہلیہ نے کہا اس لیے کہ آپ رو رہے ہیں۔ اس پر آپ نے کہا میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ دوزخ میں داخل کیا جاؤں گا اور نکالے جانے کی خبر نہیں دی گئی۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ساری رات اس طرح گزاری کہ کھڑے رہے اور آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے روتے رہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا الشَّيْءَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

[الحجرات: ۲۱]

ترجمہ: ”کیا جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے؟“

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چبوتیوں کو کھلاتے تھے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: پاکیزہ دل اور راست گو پاکیزہ دل شخص کی وضاحت کے لیے عرض کیا گیا تو مزید فرمایا: پاکیزہ دل سے مراد ایسا متقی اور صاف باطن بندہ جس کے دل میں کدورت و حسد نہ ہو، اور جو دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت کرتا ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے اندر ایسا بندہ سوائے ابورافع کے اور کوئی نظر نہیں آیا۔^۵

محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بھلائی عطا کرنا چاہتا ہے تو اس کی طبیعت میں تین خوبیاں پیدا فرمادیتا ہے۔ پہلی یہ کہ اسے دین نبی عطا کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ اسے دنیا سے کنارہ کش فرمادیتا ہے۔ اور تیسری یہ کہ اسے عیوب نفس دیکھنے کی صلاحیت سے نواز دیتا ہے۔

حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ بوقشیر کی مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے آپ نے جب یہ آیت تلاوت کی تو گر کر جان بحق ہو گئے۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿١﴾ قَدْ لَكَ يَوْمَئِذٍ نِيَوْمٌ عَسِيبٌ ﴿٢﴾ [المدثر: ۹۸]

ترجمہ: ”پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن کڑا دن ہے۔“

حضرت حنظلہ کا تب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے آپ نے ہمیں جنت اور دوزخ یاد دلائی اور اس طرح سے یاد دلائی کہ گویا جنت و دوزخ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ آپ کی مجلس سے اٹھ کر گھر آیا تو ہنسا اور لوگوں سے ملا اس پر میں نے یہ کہا کہ حنظلہ نے منافقت کی۔

اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حنظلہ! تجھے کیا ہو گیا؟ میں نے انہیں سارا قصہ سنایا تو فرمایا: بلاشبہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ پھر حنظلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اپنی حالت سے باخبر کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے حنظلہ! اگر تم گھروں میں بھی ویسے ہی رہو جیسا کہ میرے سامنے ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے پچھونوں پر آ کر تم سے مصافحہ کریں۔ (راوی کہتے ہیں) یا آپ نے یہ فرمایا: اے حنظلہ! قیامت، قیامت (یعنی قیامت کو یاد رکھو)

حضرت لجاج رضی اللہ عنہ جن کی کنیت جیسا کہ ابوداؤد و حجتانی نے اپنی کتاب میں درج کی ہے، ابو کثیر ہے۔ یہ صحابی رسول تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر تقریباً پچاس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔

انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً ایک سو بیس برس تھی۔ حضرت لجاج کہتے ہیں کہ میں جب سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہوں، کبھی پیٹ کو طعام سے نہیں بھرا۔ اور اسی قدر طعام میرے لیے کافی رہتا ہے۔ (زیادہ کی ضرورت سے بے نیاز ہوں) روایت ہے کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے تیس درہم چھپا کر گھر میں رکھے ہوئے تھے جنہیں وہ بھول گئی۔ ایک سال گزارا تو اُسے یاد آئے۔ اور ابو جحیفہ نے اس سے کہا: اے ہذیل کی بہن! تو گھر کے لیے برا اثاثہ تیار کرتی رہ اور جب میں مروں گا تو میرا شمار ذخیرہ اندوزوں کی صف میں کیا جائے گا۔ حضور ﷺ تو اس دنیائے فانی سے رخصت فرما گئے مگر ان کا عہد ابھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ انہوں نے دینار، درہم، گندم کا آٹا یا جو کچھ بھی اپنے پیچھے نہیں چھوڑا۔ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی صبح ایسی مجھ پر طلوع نہیں ہوئی جس میں میرے پاس کوئی حاجت مند یا کسی مسئلے میں مدد طلب کرنے والا نہ آیا ہو۔ مگر میرے اس طرح کے معاملات کو ایسے مصائب سمجھا کہ جن پر میں اپنے رب سے اجر کی درخواست کرتا ہوں۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے ایک گھوڑا خریدا صرف دو ماہ کی مدت کے لیے۔ جب ان کے اس فعل کی خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: اسامہ! یہی امید باندھنے والا ہے۔ حضرت بلال وصہیب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ دونوں عرب کے ایک قبیلے میں گئے اور ان سے رشتہ مانگا۔ قبیلہ والوں نے پوچھا: آپ دونوں کون ہیں؟ کہا: بلال وصہیب۔ ہم گمراہ تھے، اللہ نے ہمیں ہدایت فرمائی، ہم غلام تھے اللہ نے ہمیں آزاد فرمایا۔ ہم مفلس تھے ہمیں اللہ نے خوش حالی عطا کی۔ اگر آپ لوگ ہماری شادیاں کر دیں تو ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اگر ہماری اس اپیل کو مسترد کرتے ہیں تو بھی اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اہل قبیلہ نے کہا کہ تمہاری شادیاں ہو جائیں گی۔ اس کے بعد خلوت میں حضرت صہیب نے حضرت بلال سے کہا آپ نے قبیلہ والوں سے رسول اللہ ﷺ سے ہمارے تعلقات کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ خاموش رہیں، آپ نے سچ بولا اور سچ ہی نے آپ کے نکاح کا بندوبست کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن ربیعہ اور حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں رشتہ مواخاۃ (بھائی چارہ) میں بندھے ہوئے تھے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے حالانکہ یہی مصعب تھے کہ جنہیں مکہ میں میں نے خوشحالی زندگی بسر کرتے اور قیمتی ادنیٰ شال اوڑھے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مواخاۃ کے بعد میں مدینہ کی ایک دوکان پر ہٹ سے پانی ڈھونے کا کام کرتا تھا۔ ایک مذکور بطور اجرت ملتے تو سیدھا مصعب رضی اللہ عنہ کے پاس سے لے جاتا۔ اور ایک روز حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو ان کے پاس سوائے حیس کے ایک ٹکڑے کے اور کچھ نہ تھا۔ آدھا ٹکڑا حجرت مصعب بن عمر نے خود تناول فرمایا اور آدھا حضرت عبد اللہ بن ربیعہ کے لیے لے گئے۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبد الرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی

۱ یہ روایت موسوع ابن ابی الدنیا علیہ الاولیاء، شعب الایمان اور سنن الشامین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۲ صحیح بخاری میں روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔

چارہ قائم کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ کی دو بیویاں تھیں انہوں نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا میں اپنا نصف تمہیں دیتا ہوں اور میں ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں تاکہ تو اس سے نکاح کرے۔ مگر حضرت عبدالرحمن نے ایسا نہ کیا اور کہا: سعد مجھے بازار کا راستہ بتا دو۔ وہ آپکو بازار لے گئے اور چند ہی دنوں میں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کھجور گھی اور پنیر کی اچھی خاصی مقدار کمائی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں ایک مہمان آیا۔ آپ گھر تشریف لے گئے مگر وہاں کھانے کی کوئی چیز نہ ملی۔ اسی وقت انصار کا ایک شخص آ یا جو مہمان کو اپنے گھر لے گیا۔ اس مہمان کے سامنے کھانا رکھ دیا اور بیوی سے کہہ دیا کہ چراغ بجھا دے۔ اندھیرے میں وہ بھی مہمان کے ساتھ اس طرح ہاتھ چاٹتا رہا کہ جیسے کھانا کھا رہا ہو۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے انصار کے اس شخص سے کہا: اللہ کو تمہاری مہمان نوازی کا یہ عجیب انداز پسند آیا اور اسی بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ﴾ [الحشر: ۹]

ترجمہ: ”اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔“

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صحابی کو کسی شخص نے بکری کا سر تحفہ دیا جسے انہوں نے یہ کہہ کر دوسرے صحابی کو بھجوا دیا کہ میرے بھائی کو اس کی مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔ اسی طرح یہ صحابہ کرام کے ساتھ مختلف گھروں میں گھومتا رہا اور آخری شخص کے پاس پہنچا جس نے اسے تحفہ پہلے صحابی کو پیش کیا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ انہی صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

مختصر یہ کہ سطور مذکورہ میں تمام وہ احوال و اخبار جو ہم نے صحابہ کرام سے متعلق ہدیہ قارئین کیے اور اپنی جگہ مختلف لطیف اشارات و نکات کے حامل ہونے کے باعث ہر دور میں صوفیہ اکرم اور سالکین و طالبین کے لیے مشعل راہ کا کام دیتے رہے۔

آدابِ صوفیہ

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا [التحریم: 6]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔۔۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے نفسوں کو ادب سکھاؤ اور انہیں علم سے آراستہ کرو کہ اس طرح تم انہیں جہنم کی آگ سے محفوظ کر لو گے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: کسی والد نے کوئی ایسا بچہ نہیں جنا جو اچھے آداب سے بہتر ہو۔

آپ (ﷺ) ہی کا ایک اور فرمان ہے: اللہ نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔
رسول اللہ ﷺ بہترین ادب سکھائے جانے میں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اس طرح ممتاز ہیں کہ انہیں ادب سکھایا گیا (یعنی بہترین ادب کا امتیاز آپ ہی کی ذات گرامی کو حاصل ہے)۔

محمد بن سیرین سے دریافت کیا گیا کہ کون سے آداب اللہ سے قریب تر اور اس کے حضور بندے کی قربت کا باعث بنتے ہیں۔ آپ نے کہا: اس کی روایت کی معرفت، اطاعت شعاری، خوشحالی پر شکر اور مصیبت پر صبر کرنا ایسے آداب ہیں جو اللہ سے قریب تر اور بندے کے لیے اس کی قربت پانے کا باعث ہیں۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سے آداب ہیں جن کے ذریعے بندہ اس دنیا میں فائدہ اٹھا سکے اور آخرت کے روز اللہ سے قریب تر ہو سکے؟ آپ نے کہا: دین کی سمجھ حاصل کرنا کیونکہ یہ سیکھنے والوں کو اللہ کے طرف لے جاتا ہے۔ اور دنیا سے کنارہ کشی کرنا کہ یہ بندے کو اپنے رب سے قریب کر دیتی ہے اور ایمان کامل سے اللہ کی معرفت حاصل کرتا۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ کے اس پر کیا حقوق ہیں اور نہ ہی اس نے اوامر و نواہی کی پابندی کی ہو تو بلاشبہ ایسا شخص ادب سے خالی ہے۔

کلیثم غسانی کہتے ہیں: آداب دو طرح کے ہیں ایک تو فی دوسرے فعلی، جس نے ادب کو صرف قول تک محدود رکھا وہ عملی ادب کے ثواب سے محروم رہا اور جس نے عملی، ادب کو ذریعہ قرب خدا بنایا اسے اللہ دلوں کی محبت عطا فرماتا ہے، اس کے عیوب دور فرمادیتا ہے اور اسے معلومین کے لیے مخصوص کئے گئے ثواب میں شامل کر دیتا ہے۔

ابن مبارک نے کہا: ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے سے بڑھ کر تھوڑے سے آداب سیکھنے کی بہت ضرورت ہے۔

آپ ہی کا ایک اور قول ہے: ادب سیکھنا ایک عارف کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو ایک مبتدی کے لیے تو ہے۔

ترمذی اور حاکم حضرت عمرو بن سعید بن العاص سے روایت کیا اور بقول ترمذی یہ روایت حسن غریب اور مرسل ہے۔ جبکہ طبرانی نے سند ضیف کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ اس کی تخریج مز رہی ہے۔

ادب فقراء کے لیے سند اور اغنیاء کے لیے زینت ہے۔ اور لوگ ادب رکھنے کے لحاظ سے مختلف ہیں اور انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اہل دنیا، اہل دین اور اہل دین میں سے بھی خصوصی لوگ۔ اہل دنیا کے آداب تو زیادہ تر فصاحت، بلاغت، علوم بادشاہوں کے قصوں۔ اشعار عرب اور مختلف صنعتوں سے باخبر ہونے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اہل دین کے آداب، ریاضت نفس، تادیب اعضاء، صاف باطنی، پابندی حدود، ترک خواہشات، مشکوک چیزوں سے پرہیز، اور نیک کاموں کی طرف سبقت کرنے پر مشتمل ہوتے ہیں۔

حضرت بہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے اپنے نفس کو ادب کے ذریعے مغلوب کیا وہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرتا۔ اور آپ ہی کا قول ہے کہ یہ اہل دین اللہ کی طرف سے واقع ہر امر پر اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ کی طرف سے ان پر واقع ہو اسی پر صابر رہتے ہیں۔

آداب میں سے عمدہ ترین ادب تو بے ادب نفس کو خواہشات سے باز رکھنا ہے۔

ایک صوفی سے پوچھا گیا نفس کا ادب کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: نفس کا ادب یہ ہے کہ تو اسے بھلائی سے آگاہ کرے اور بھلائی کے کاموں پر ہی اسے ابھارتا رہے۔ اسی طرح اسے برائی سے بھی مطلع کرے اور اسے شر سے دور رکھے۔ ادب ہی سے اشیاء کا کمال ہے۔ اور انبیاء و صدیقین کی خصوصیات میں سے ہے۔

تیسرا طبقہ اہل ادب میں سے خواص اہل ادب ہیں۔ ان کے آداب میں خلوص قلب، حفاظت اسرار، ایقائے عہد، حفظ وقت، خیالات و اسباب کی جانب بے توجہی، ظاہر و باطن میں ہم آہنگی اور اوقات و مقامات قرب و حضور اور وصل میں حسن ادب کو پیش نظر رکھنا شامل ہے۔

میں نے احمد بن محمد بصری سے اور انہوں نے جلا جلی بصری کو یہ کہتے ہوئے سنا: توحید ایمان کا موجب ہے۔ لہذا جس کے پاس ایمان نہیں وہ توحید سے بھی محروم ہے۔ پھر ایمان موجب شریعت باعث ادب ہے۔ گویا جس کا دامن جوہر ادب سے خالی ہے اس کے پاس شریعت، ایمان اور توحید تینوں نہ رہے۔

ابد العباس ابن عطا سے پوچھا گیا کہ ادب کی ماہیت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: پسندیدہ امور پر قائم رہنا، پوچھا گیا پسندیدہ امور پر قائم رہنا کیا ہے؟ جواب دیا: تو ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے اسے ادب کے ساتھ انجام دے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ادب کہلاو گے چاہے تم عجیب بھی کیوں نہ ہو۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔
ترجمہ شعر: ”جب محبوبہ گویا ہو تو حسن بکھیرتی ہے اور خاموش ہو تو پیکر جمال بن جاتی ہے۔“

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیہ کے سفر، حضر، اور اوقات، عادات، اخلاق اور سکون و حرکت کے اپنے مخصوص آداب ہیں جن کی بنا پر وہ دیگر لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

صوفیہ کے آدابِ طہارت و وضو

سب سے پہلا قرینہ جو وضو کے باب میں درکار ہے وہ علم کا حاصل کرنا یعنی وضو کے فرائض سنن، مستحبات، مکروہات اور ان تمام باتوں کا جاننا نہایت ضروری ہے جن کا حکم دیا گیا ہو۔ اور جن میں فضیلت حاصل کرنے کی طرف رغبت دلائی گئی ہو۔ مذکورہ تمام امور کی تفصیل سے باخبر ہونے کے لیے انہیں سیکھنا، ان کے بارے میں سوال کرنا، ان پر بحث کرنا اور ان کے انجام دینے کے لیے اہتمام کرنا بے حد ضروری ہے۔ تاکہ اس طرح قرآن و سنت میں موافقت پیدا کی جاسکے، بہترین اتباع کا فریضہ انجام دیا جاسکے۔ اور ان لوگوں پر الزام رکھنے یا انہیں ملامت کرنے سے احتراز کیا جاسکے جو اس سلسلے میں انتہائی حزم و احتیاط اختیار نہ کر سکے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح یہ بات پسند ہے کہ اس کے لازم کردہ امور کو انجام دیا جائے اسی طرح وہ یہ بھی پسند فرماتا ہے کہ اس کی دی ہوئی آسانیوں سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔

عامۃ المسلمین کے لیے یوں تو ضروری ہے کہ وہ اللہ کے عائد کردہ اشغال و افعال پوری تندہی سے پوری کریں تاہم انہیں جہاں اللہ کی طرف سے سہولت و رخصت دی گئی ہو وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ اور اس میں ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

مگر صوفیہ کرام کہ جنہوں نے اسباب کو ترک کیا، دنیوی مصروفیات سے کنارہ کش ہوئے خود کو صرف عبادت کے لیے فارغ کیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ پرہیزگاری، پاکیزگی، وضو کے لیے اہتمام اور نظامت و طہارت کے معاملے میں احتیاط کو کسی طرح بھی ہاتھ سے جانے دیں۔ الغرض وہ لوگ جن کو مذکورہ اشغال کے سوا کوئی اور مصروفیت نہ ہو ان کو چاہیے کہ ان اشغال میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [التغابن: ۱۶]

ترجمہ: ”تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔“

میں نے ایک جماعت کو دیکھا جس کے افراد ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے اور نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے وضو کرنا شروع کر دیتے اور جو ہی وضو سے فارغ ہوتے متصل نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور ہر وقت سفر ہو کہ حضر ہر جگہ با وضو رہتے کیونکہ وہ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ نہ جانے کب موت آ جائے۔

جیسا کہ فرمان رب العزت ہے:

فَلَمَّا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْفِنُ مَوْنٌ ۝ [الاعراف: ۳۳]

ترجمہ: ”کہ جب وقت اجل آئے گا نہ تو لمحہ بھر کی تاخیر ہوگی اور نہ ہی تعجیل۔“

اسی لیے وہ ہمہ وقت با وضو رہتے تاکہ اگر اچانک موت آ بھی جائے تو وہ اس دنیا سے پاکیزہ حالت میں رخصت ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حصری علیہ الرحمہ با وضو سوتے، اور وہ اسی وقت ہاتھ نہ داری کہ اے فلاں! عفو علم میں پوشیدہ

ہے یعنی علم پر عمل کرنے میں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بزرگ ابورود باری تھے۔

شیطان انسان کے ہر عمل میں سے اپنا حصہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اللہ کی جانب سے دیئے گئے احکامات پر زیادہ عمل کرتے ہیں یا کم۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے استاد ابن الکرینی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شب وہ ایک موٹی بھاری بھر کم چادر اوڑھ کر سو رہے تھے کہ انہیں جنابت لاحق ہو گئی اٹھ کر دجلہ کے کنارے آئے۔ رات کا وقت تھا، سردی زدروں پر تھی، سردی کی وجہ سے ان کے نفس نے پانی میں بھیجنے سے انکار کر دیا۔ ایسے میں انہوں نے اس بھاری چادر سمیت دریا میں چھلانگ لگادی اور خوب غوطے کھائے۔ پھر پانی سے نکلے تو فرمایا: میں نے یہ عزم کیا ہے کہ اس وقت تک اس چادر کو نہیں اتاروں گا جب تک یہ میرے بدن پر ہی خشک نہ ہو جائے کہتے ہیں کہ اس کے سوکنے میں پورا ایک ماہ گزارا انہوں نے سردی میں اپنے نفس کے ساتھ یہ عمل کرنے میں ہچکچاہٹ کی تھی۔

حضرت بہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو زیادہ پانی پینے پر ابھارتے رہتے تھے۔ اور زمین پر پانی کم پھینکنے کے لیے کہا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ پانی زندہ ہوتا ہے اور اس کی موت اس کو زمین پر گرادینے میں ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ بکثرت پانی پینے سے نفس کمزور پڑ جاتا ہے اور شہوات مر جاتے ہیں۔

حضرت ابو عمر زجانی کئی برس تک مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے مجاور رہے آپ قضائے حاجت کے لیے حرم سے ایک فرسنگ باہر نکل جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ پورے تیس برس میں ایک بار بھی آپ نے حد و حرم میں قضائے حاجت نہیں کی۔ ابراہیم خواص علیہ الرحمہ جب بھی جنگل یا صحرا کی طرف جاتے تو اپنے ساتھ پانی کی ایک چھاگل ضرور رکھتے، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ پانی تھوڑا سا پی لیتے اور زیادہ پانی وضو کے لیے بچا رکھتے۔ اور اکثر و بیشتر انہوں نے شدید پیاس پر وضو کو ترجیح دی۔

میں نے ایک جماعت کو دیکھا جو ہمیشہ نہروں اور دریاؤں کے کنارے کنارے سفر کرتی رہتی۔ اور ان کے پاس ہر وقت ان کے کوزے یا چھاگل میں پانی موجود رہتا۔ وہ دریاؤں کے کنارے بھی ہر وقت کوزے میں پانی اسی لیے موجود رکھتے تھے کہ بعض اوقات رفع حاجت کی شدید ضرورت پڑتی تو وہ دریا کے کنارے لوگوں کے سامنے بے پردہ ہونے سے گھبراتے تھے۔ ایسے میں وہ اپنا کوزہ لے کر ایک طرف چلے جاتے اور استنجاء وغیرہ کر لیتے۔ اور وہ رفع حاجت کے بعد شرمگاہ کو دھوتے وقت زیادہ ملنے سے اجتناب کرتے اور اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ایسا کرنے سے رگسں کمزور پڑ جاتی ہیں اور پیشاب کے قطرے کو نہیں روکا جاسکتا۔ اور پیشاب کو روکنے میں شدت کرنے سے صوفیہ اجتناب کرتے ہیں ہاں اس صورت میں اجازت ہے کہ حالت اضطراری ہو یا پانی کی تنگی ہو۔

میرے نزدیک چادر کے مقابلے میں طہارت کے بعد شلوار کا پہننا زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔ اور رفع حاجت کے وقت چادر اتارنے میں آسانی رہتی ہے۔

ہر اس چیز کے استعمال سے پرہیز کیا جائے جس میں خشک یا گیلے اور زیادہ یا کم، بخزیر کے بالوں کو استعمال کیا گیا ہو یہی وجہ ہے کہ صوفیہ چیز کے جوئے استعمال کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب تو کسی صوفی کو بغیر کوزے یا چھانگل کے دیکھے تو جان لے کہ اس صوفی نے بے پردگی شرمگاہ اور نماز نہ پڑھنے کا ارادہ کیا ہے۔

میں نے ایک مقام پر جمع زیادہ کی جماعت میں ایک شخص کو دیکھا کہ جسے کسی نے بیت الخلاء کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور نہ وہاں سے نکلے ہوئے دیکھا۔ اس کی وجہ تھی کہ اس نے کوزہ کو ایک مقررہ وقت تک کے لیے اٹھا رکھنے کی عادت ڈالی ہوئی تھی جب بیت الخلاء خالی ہوتا تو وہ دن میں ایک ہی بار اپنے مقررہ وقت پر جاتا اور رفع حاجت کے بعد وہاں سے نکلتا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے کبھی ویرانے میں کسی تنہا جگہ کے علاوہ کہیں رفع حاجت کے بغیر رخ خارج نہیں کی۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم خواص علیہ الرحمہ مکہ سے تنہا کوفہ کی طرف نکلتے اور انہیں تمام راستے میں تیمم کی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ ان کے پاس وہ پانی وضو کے لیے محفوظ پڑا ہوتا تھا جسے وہ پینے کے لیے ساتھ لے کر چلتے تھے۔

کہتے ہیں کہ شیوخ کی ایک جماعت حماموں میں جانے سے نفرت کرتی تھی، صرف اس وقت حمام میں جاتے جب جانا ضروری ہوتا اور اضطراری کیفیت ہوتی تھی۔ وہ کبھی بھرے حمام میں داخل نہ ہوتے۔ اگر داخل ہوتے تو اس وقت تک کپڑے نہ اتارتے جب تک حمام کے تمام لوگ باہر نہ نکل جاتے۔ وہ ملازمین حمام کو کبھی اپنا جسم چھونے نہ دیتے تھے۔ اور قبل اس کے کہ وہ ان پر پانی ڈالنے کے لیے آگے بڑھتے وہ انہیں ان کے معاوضے ادا کر کے رخصت کر دیتے۔ اور اگر صوفیہ جماعت کی صورت میں ہوتے تو وہ خود ایک دوسرے کا جسم مل کر صاف کر دیتے۔ اور اگر حمام میں کبھی کوئی ان کے علاوہ بھی موجود ہوتا تو وہ دیواری طرف منہ کر کے غسل کرتے تاکہ مہادان کی نظریں لوگوں کے ننگے جسموں پر پڑ جائیں۔

اسی طرح صوفیہ کی ایک اور جماعت تھی جو حمام میں داخل ہوتے تو کسی کو بغیر چادر باندھے نہانے کی اجازت نہ دیتے۔ بغلیں صاف کرنا اور زیر ناف بالوں کا مونڈنا مستحب ہے۔ اور جو اچھی طرح نہ مونڈ سکے وہ خلوت میں بال صاف کرنے والا سفوف استعمال کر کے بالوں کو اچھی طرح صاف کرے۔

کہتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ کے ساتھی آپس میں ایک دوسرے کے سر کے بال مونڈ لیتے تھے۔ میں نے عیسیٰ قصار دیوری سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے جنہوں نے میری مونچھوں کے لٹکے ہوئے بالوں کو تراشا وہ حضرت شبلی علیہ الرحمہ تھے جب کہ ان دنوں میں ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔

سر میں مانگ نکالنے کے کو جماعت شیوخ نے سنت قرار دیا ہے۔ مگر اسے نوجوانوں کے لیے مکروہ اور بوزھوں کے لیے مستحسن ٹھہرایا ہے۔ بشرطیکہ بوزھ لوگ اسے سنت جان کر اختیار کریں۔

ایک شیخ کا قول ہے: مان لیا کہ نعر اللہ کی جانب سے ہے مگر اس میلے کپیلے رہنے کا کیا مطلب؟ صوفیہ کے ہاں عزیز ترین چیز، صفائی، پاکیزگی، کپڑوں کا دھونا، پابندی مسواک، بہتے پانی کے کنارے فروکش ہونا۔ کھلی فضا، ایک طرف کی الگ تھلگ مساجد، اگر میوں سردیوں ہر جمعہ کے روز غسل، اور خوشبو ہے بلاشبہ صاف ترین پانی، جاری پانی ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ غسل کرنے میں پابندی تجدید وضو اور وضو کرتے ہوئے پانی کا اعضاء کو پوری طرح دھوئے، ناک کی جڑ تک پانی پہنچائے اور تمام اعضاء پر سے پانی گزراے تو یہ کوئی وہم یا وسوسہ نہیں۔ بلاشبہ پرہیزگاری اور صفائی پسندی اس وسوسے میں شامل نہیں

جسے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَضَعْتُمْ [التغابن: ۱۶]

ترجمہ: ”تو اللہ سے ڈور جہاں تک ہو سکے۔“

منوعہ دوسرہ ہے جو علم شریعت کی حد سے باہر لے جائے یا فضائل کی تلاش میں تمہیں وہ فرائض کی انہدام وہی سے نافل کر دے یا تو ایسے لوگوں کی نماز باطل قرار دے دے جو ایک صاع یا ایک مد پانی سے وضو کر کے نماز ادا کریں۔ صحیح یہ ہے کہ بندہ وہ کچھ کرے جو موقع و وقت کے لحاظ سے اولیٰ ہو۔ اگر پانی دستیاب ہو تو احتیاط کے ساتھ وضو پر اس قدر پانی صرف کرے کہ دل مطمئن ہو جائے۔ اگر زیادہ پانی نمل سکے تو بہتر یہی ہے کہ جس قدر میسر ہو اسی سے وضو کو تازہ کر کے نماز ادا کر لی جائے جیسا کہ حدیث نبوی میں بیان کیا گیا کہ صحابہ رسول ﷺ جب وضو کرتے تو اس سے مٹی بھی اچھی طرح گیلی نہ ہو پانی تھی۔ ۵

میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے چہرے پر زخم تھا جو عرصہ بارہ برس گزرنے کے بعد بھی ہرا تھا اس کی وجہ یہ تھی وہ شخص ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتا اور اپنی مسلسل زخم کو پہنچتا رہا۔

میں نے ابو عبد اللہ رازی مہرقی کو دیکھا جن کی آنکھوں میں پانی اتر گیا تھا۔ لوگوں نے بہت سے دینار خرچ کر کے ان کے لیے ایک طبیب کا بند و بست کیا۔ طبیب آیا تو یہ ہدایات دیں کہ مریض کو کچھ دنوں تک پانی چھونے نہ دیا جائے اور وہ پیٹ کے بل اوندھا لینا رہے مگر انہوں نے ان ہدایات پر عمل نہ کیا اور ترک وضو پر بیٹائی کھودینے کو ترجیح دی۔

ابراہیم بن ادہم نے ایک رات اس طرح حالت قیام میں گزار دی کہ ستر بار وضو تازہ کیا اور ہر بار دو رکعت نفل بھی ادا کرتے رہے۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ کا جامع مسجد ”رے“ میں پانی کے اندر غسل کرتے ہوئے انتقال ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ انہیں پیٹ کی بیماری لاحق تھی مگر وہ اس کے باوجود جب بھی موقع پاتے غسل کرنے کے لیے پانی میں داخل ہو جاتے ایک مرتبہ وہ حسب معمول پانی میں داخل ہوئے تو وہیں ان کی روح پرواز کر گئی۔

صوفیہ اور آداب نماز

صوفیہ کرام کے آداب نماز میں سے پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ نماز سے متعلق جملہ مسائل مثلاً فرائض سنن آداب، فضائل نماز، نوافل کا علم رکھتے ہوں۔ اس کے علاوہ انہیں علماء کے مابین اختلافی مباحث سے متعلق معلومات بھی ہونی چاہئیں۔ کیونکہ نماز دین کا ستون، عارفین کی آنکھوں کی ٹھنڈک، صدیقین کے لیے زینت، اور مقررین کے سر کا تاج ہے۔ وقت نماز ہی وہ مبارک گھڑی ہوتی ہے جب کہ قرب، وصل، ہیبت، خشوع، خشوع، خشیت، تعظیم، وقار، مشاہدہ، مراقبہ قلوب کا اللہ سے سرگوشیاں کرنا، بارگاہ ایزدی میں حضوری اور ترک ماسوا اللہ جیسی اعلیٰ کیفیات طاری ہوتی ہیں۔

عامۃ الناس کو چاہیے کہ وہ اپنے علماء کی تقلید کریں، فقہاء سے مسائل پوچھیں اور اللہ کی جانب سے امور دین میں جس قدر خصوصیات عطا کی گئی ہوں ان کے بارے میں اپنے علماء و فقہاء کے اقوال پر اعتماد کریں۔

جہاں تک اہل تصوف کا تعلق ہے تو انہیں نماز کے آداب، تکلفات، اہتمام فرائض، سنن، نوافل اور دیگر تمام قرینوں کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ انہیں ان آداب کی بجا آوری کے سوا اور کوئی مصروفیت نہیں ہوتی اور وہ باقی سب کچھ ترک کر چکے ہوتے ہیں۔ لہذا انہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں کسی اور کام کی اہمیت نماز کی اہمیت سے زیادہ معلوم ہونے لگے۔

صوفیہ کے لیے آداب نماز یہ ہیں کہ وہ سب سے پہلے نماز کا وقت شروع ہونے سے قبل اٹھ کھڑے ہوں اور تیاری میں مصروف ہو جائیں تاکہ نماز کا اولین وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ جو کہ پسندیدہ وقت نماز ہوتا ہے۔ مقررہ وقت کا تعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صوفی کو کسی قدر سائے کے گھٹنے بڑھنے کے علم سے واقفیت ہوتا کہ وہ ہر موسم کے لحاظ سے وقت کا تعین صحیح طور پر کر سکے اس کے ساتھ اسے علم فلکیات سے واقفیت رکھنے کی بھی ضرورت ہے تاکہ وہ جان سکے کہ نجوم منازل قمر اور طلوع و غروب کیا ہیں۔

اسی طرح اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ منازل قمر میں سے ہر ستارے کے طلوع کا کیا وقت ہوتا ہے؟ تاکہ وہ رات کو ستاروں کی جانب دیکھے تو اسے معلوم ہو سکے کہ کتنی رات گزر چکی اور کس قدر وقت صبح میں باقی ہے۔

اس کے علاوہ صوفی کو علم القطب والکواکب سے بھی واقفیت ہونی چاہیے۔ جس کے ذریعے قبلہ کا تعین کیا جاسکے اور اسے قبلہ کے صحیح رخ کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ کعبہ سے ہر شہر کی سمت وقوع کو نہ جانتا ہو اور کعبہ سے کسی شہر کی سمت وقوع کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی تلاش کعبہ سے لے کر اس شہر تک کر لے اور پھر یہ بھی معلوم کرے کہ کعبہ سے اس شہر کے وقوع سمت کے ساتھ وہ ایک معینہ وقت میں قطب، جدی فرقدین کے مقابل ہوتا ہے۔

سیار ستاروں کے ذریعے بھی رات کے وقت رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور سمندر میں کشتیوں پر سواری کے دوران بھی ان سیار ستاروں کا علم ہونا چاہیے۔

سبل بن عبد اللہ کا کہتے تھے کہ ایک سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ اس کے تابع ایک جن ہوتا ہے جو نماز کے وقت اسے بیدار کرتا ہے۔

صوفیہ میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رات دن اوراد، عبادت، ذکر اور تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ عبادت کرنا ان کی عادت بن جاتی ہے۔ اور ہر عبادت کو مقررہ وقت پر ادا کرنے میں بالکل غلطی نہیں کرتے۔

نماز شروع کرنے کے آداب میں سے ہے کہ تکبیر تحریر اور نیت دونوں کو اس طرح ایک ساتھ ادا کیا جائے کہ نیت تکبیر سے پہلے نہ ہو بلکہ بیک وقت نیت اور تکبیر واقع ہوں۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز میں ایک مستحب حصہ ہوتا ہے۔ نماز میں سے جو چیز سرفہرست ہے وہ تکبیر اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ تکبیر اولیٰ نیت سے طی ہوئی ہوتی ہے۔ اور نیت اس قدر اہم ہے جس کے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی۔ نیت ایک طرح کا عہد ہوتا ہے کہ بندے کی نماز صرف اللہ کے لیے ہے۔ جب یہ عہد طبع ہو اور اس کے بعد نماز میں اگر آفات و وساوس داخل ہوں تو اگرچہ ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر فضائل میں کمی ہو جاتی ہے اور نمازی کے لیے صرف نیت اور عہد ہی باقی رہ جاتا ہے۔

میں نے ابن سائلم سے سنا انہوں نے فرمایا کہ نیت اللہ کے لیے اسی کے ذریعے اور اسی سے ہوتی ہے اور آفات و وساوس جو نیت کے بعد بندے کی نماز میں دشمن کی جانب سے داخل ہوتے ہیں اس کا وبال دشمن ہی کے سر ہوتا ہے۔ اور اگر دشمن کی جانب سے یہ وسوسے زیادہ بھی ہوں تو اس نیت کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ کے ساتھ کے لیے اور اللہ کی جانب سے ہو چاہے یہ نیت ان وساوس سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے پوچھا گیا کہ نماز کو کس طرح ادا کیا جائے؟ انہوں نے فرمایا: نماز کو اس طرح شروع کرو گویا تم اللہ کے سامنے روز قیامت کی حاضری کی طرح حاضر ہو۔ اور تم اس طرح اللہ کی بارگاہ میں گھرے ہو کہ تمہارے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں وہ تمہاری بات کو مستنار اور قبول کرتا ہے۔ اور تمہیں یہ بھی علم ہو کہ کس عظیم حاکم کے حضور میں تم حاضر ہو۔

کسی عارف سے تکبیر اولیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جب تو اللہ اکبر کہے تو چاہے کہ اللہ کے الف کے ساتھ تعظیم، لام کے ساتھ ہیبت اور ہاکے ساتھ مراقبہ و قرب کی کیفیات کا تعلق قائم ہو۔

ایک اور بزرگ نے فرمایا: جب تکبیر اولیٰ کہے تو یہ سمجھ کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے، تیرے ضمیر سے واقف ہے اور اپنے دائیں طرف یہ تصور کر کہ جنت ہے اور بائیں طرف یہ خیال کر کہ دوزخ ہے

آداب نماز میں سے ایک یہ ہے کہ نماز ادا کرتے وقت بندے کے دل میں ماسوا اللہ نہ ہو۔ اور گویا اور اس کے سامنے ہے اس کی جملہ گفتگو کو سن رہا ہے۔ اور ہر آیت کے ہر ہر لفظ سے ذوق معنی و فہم پاتا ہے۔

ابوسعید خدریؓ نے اپنی کتاب ”ادب الصلوٰۃ“ میں لکھا ہے کہ جب تو تکبیر کے لیے اپنے ہاتھ بلند کرے تو اس وقت تیرے دل میں بجز اللہ کی کبریائی کے اور کچھ نہ ہو۔ اور اس کی عظمت تیرے اوپر اس قدر چھائی ہو کہ تجھے دنیا و مافیہا بھول جائے۔

میرے نزدیک شیخ مذکور کے قول میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اگر بندے کے دل میں اس وقت جب کہ وہ اللہ کی عظمت بیان کر رہا ہو، کچھ موجود ہو گا تو وہ یہ کہنے میں سچا نہیں کہ اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ پھر اس کے بعد جب آیات الہی کو تلاوت کرے تو اس طرح کہ گویا اللہ کے سامنے تلاوت کر رہا ہے یا اللہ سے وہ خود سن رہا ہے۔

ابوسعید خدریؓ کا قول ہے: کہ رکوع کے آداب میں سے ہے کہ بندہ اس طرح جھکا ہو کہ گویا وہ عرش کی جانب رکوع کی حالت میں اللہ کی عظمت بیان (سبحان ربی العظیم) کر رہا ہے۔ اور ایسے میں اس کے دل کی ہر چیز اللہ کی عظمت کے سامنے چھوٹی ہوتی جائے تا آنکہ اس کا اپنا نفس بھی محض ایک غبار یا اس سے بھی کمتر ہو جائے۔ پھر رکوع سے اٹھ کر اللہ کی حمد (سمع اللہ لمن حمدہ) بیان کرے تو اس طرح کہ اللہ سن رہا ہے۔ اور سجدے میں اس کے دل میں سوائے اللہ کے کوئی شے اس سے قریب تر نہ ہو۔ کیونکہ بندہ اپنے رب سے انتہائی قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اسے اپنی زبان اور دل دونوں سے اضداد کو دور کر دینا چاہیے۔ پھر اپنی نماز کو اس طرح ختم کرے کہ اس پر خشیت اور اس قدر ہیبت طاری ہو کہ گویا اسے پگھلا دے گی۔ اور نماز کے دوران نماز سے بڑھ کر اس کی کوئی مصروفیت نہ ہو چاہے کوئی چیز اس کے سامنے ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح جب تشہد پڑھ لے، دعا سے فارغ ہو جائے اور سلام پھیرے تو اس طرح کہ یہ جانتا ہو کہ کس سے مخاطب ہے۔ حتیٰ کہ وہ نماز کو اسی نیت و دلجمعی کے ساتھ ختم کرے جس کے ساتھ شروع کی ہو۔

میں نے صوفیہ کی ایک جماعت دیکھی جو نماز میں جلدی کرتی تھی تاکہ وسوسوں سے ان کی نماز پاک رہے اور وہ جلدی سے اسی نیت و ارادے کے ساتھ نماز ختم کر سکیں۔ جس کے ساتھ آغاز کیا تھا۔

نماز کے کچھ اور آداب

جب کوئی بندہ نماز کے وقت سے پہلے جملہ آداب نماز کو اپنے اوپر طاری کیے ہوئے ہو تو اس کی کیفیت بھی نماز ہی شمار کی جائے گی گویا اس کے لیے قیام صلوٰۃ کی حالت نماز سے پہلے کی حالت سے مختلف نہیں۔

صوفیہ کو چاہیے کہ نماز سے پہلے مراقبہ، حضور قلب اور قلب کو عوارض و خواطر سے بچائے رکھنے کی کیفیت میں ہیں تاکہ نماز میں جب نیت کر کے داخل ہوں اور پھر خارج ہوں تو یوں معلوم ہو کہ ایک نماز سے دوسری نماز کی جانب لوٹے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ جتنی دیر نماز کے انتظار کرتا ہے وہ بھی نماز میں شامل ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز کے لیے کھڑا ہوتا اور تکبیر اولیٰ کہتا تو ہیبت الہی سے اس کا چہرہ کبھی سرخ اور کبھی زرد پڑ جاتا۔ ایک اور شخص کی یہ کیفیت دیکھی کہ نماز کے دوران نیت کو دل سے خارج نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی حفاظت میں اس قدر کج ہو جاتا کہ رکعتوں کی گنتی بھول جاتا اس غرض کے لیے وہ ایک اور شخص کو اپنے پاس بٹھالیتا جو اس کی رکعتوں کو گنتا رہتا۔

سہل بن عبد اللہ کا واقعہ ہے کہ وہ اس قدر کمزور تھے کہ اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکتے تھے مگر جو نبی نماز کا وقت ہو جاتا تو ان کی طاقت جتنی ہو جاتی اور وہ میخ کی طرح محراب میں سیدھے کھڑے ہو کر نہایت جستی کے ساتھ نماز ادا کرتے اور فارغ ہو جاتے تو پھر وہی کمزوری عود کر آتی۔

میں ایک شخص ایسا دیکھا جو جنگل اور بیابانوں میں بھی اپنے جملہ اور ادو وظائف اور عبادات اسی طرح ادا کرتا رہتا تھا جیسے وہ اپنے گھر پر ادا کیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ صوفیہ کی جماعت کو چاہیے کہ سفر و حضر میں اپنے معمولات یکساں طور پر انجام دے۔

صوفیہ سے میرا ایک بھائی خلوت نشین تھا۔ اس کی عادت تھی کہ کوئی چیز کھانے پینے پینے، مسجد میں داخل ہونے، مسجد سے باہر نکلنے، خوش ہونے، مغموم ہونے اور غصے ہونے کے بعد دو رکعت نفل ادا کرتا۔

ہمارے دوستوں کی ایک جماعت نے، جو ابو عبد اللہ بن جابان کے ہمراہ سفر کر رہی تھی، مجھے بتایا کہ ہر ایک میل کے فاصلے پر ابو عبد اللہ پڑاؤ کرتے اور دو رکعت پڑھ کر پھر سے سفر شروع کر دیتے۔

صوفیہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ امامت کریں، مکہ مکرمہ میں اگلی صف میں کھڑے ہوں اور نماز کو طویل کریں۔

امامت سے ناگواری کا اظہار اس لیے کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”امام (مقتدیوں) کا ضامن ہوتا ہے“ اسی ذمہ داری کے خوف سے کہ امام مقتدیوں کی جملہ غلطیوں کی تصحیح کے لیے ذمہ دار ہوگا۔ لہذا ان میں سے وہ شخص بھی جو حافظ قرآن ہوتا کسی ایسے کو امامت کے لیے کھڑا کر دینا جو صرف سورۃ فاتحہ اور ایک اور سورت پڑھنا جانتا۔

اور صوفیہ اگلی صف میں نماز اس لیے ترک کرتے ہیں کہ لوگوں کے لیے رکاوٹ یا تنگی کا باعث نہ بن جائیں۔ چونکہ لوگ حدیث میں اگلی صف میں نماز پڑھنے کی فضیلت کے پیش نظر کوشش کرتے ہیں اور اگلی صف کی طرف بھیز کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ لہذا صوفیہ ان کے لیے قربانی دیتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ہاں اگر اگر لوگوں کے جگہ لے لینے کے بعد بھی اگلی صف میں کوئی جگہ خالی ہو تو وہ اس فضیلت کو حاصل کرنا غنیمت سمجھتے ہیں۔

صوفیہ نماز کو طویل نہیں کرتے کیونکہ جب نماز لمبی ہو تو شیطانی وسوسے اور بڑے خیالات انسانی ذہن میں در آتے ہیں۔ اسی لیے صوفیہ کا قول ہے: کہ صحت اعمال، طولت و کثرت اعمال سے کہیں بہتر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر جلد نماز مکمل کرنے والے تھے۔

میں نے ابن طولان کو یہ کہتے سنا کہ جنید علیہ الرحمہ باوجود ضعف اور کبر سن کے اپنے اور اودو وظائف کو ترک نہیں کرتے تھے۔ ان سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: جس طرح میں نے آغاز عمر میں اللہ کی عبادت کی اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اواخر عمر میں وہی حالت قائم نہ رکھوں۔

صوفیہ کے ہاں نماز کی چار خصوصیات ہیں:

۱: حضور قلب بحراب میں۔

۲: شہو و عقل و ہاب کے پاس۔

۳: خشوع قلبی جو خشک دریب سے مبرا ہو۔

۴: اور ارکان میں متواتر خشوع و خضوع۔

کیونکہ حضور قلب ہو تو تجاہات اٹھ جاتے ہیں، شہو و عقل میسر ہو تو عتاب سے نجات مل جاتی ہے۔ خشوع قلب حاصل ہو تو دروازے مکمل جاتے ہیں۔ اور ارکان نماز کی ادائیگی میں خضوع ہو تو حقیقہً اجر عطا ہوتا ہے۔ گویا جس نے حضور قلب کے بغیر نماز ادا کی اس کی نماز رائیگاں گئی، جس نے بلا شہو و عقل نماز پڑھی اس نے نماز میں غلطی کی، جس نے خشوع کے بغیر فریضہ صلوٰۃ کا ارادہ کیا وہ خطا کا تھا، جس نے دوران نماز ادائیگی ارکان میں خضوع نہ کیا اس کی نماز کھوکھی رہی۔ اور جس نے ان چاروں کو نماز میں یکجا کر دیا وہ ایک مکمل ترین نمازی ہے۔

۱ صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ سے مروی ہے جبکہ سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

۲ یرادیت موطا امام مالک، صحیحین، سنن ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ہے۔

صوفیہ اور آداب زکوٰۃ و صدقات

زکوٰۃ و صدقات کے سلسلے میں یہ بات آداب صوفیہ میں سے ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ لاگو نہیں کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت دنیوی مال و متاع پر ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صوفیہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیوی اموال کو بالکل دور فرما دیا ہے۔ لہذا ان کے لیے زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی کا حکم نہیں۔

مطرف بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میرے لیے دنیوی ساز و سامان سے محرومی ہی مجھے کچھ عطا کرنے سے بڑی نعمت

ہے۔

و جب زکوٰۃ سے متعلق کسی دنیا دار کا شعر ہے۔

ترجمہ شعر:

”مجھ پر مال کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔ اور کیا کسی سخی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟“

اور یہ دنیا دار شخص اس بات پر فخر کرتا تھا کہ اس پر زکوٰۃ بالکل فرض نہیں۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس نے اپنے پاس اتنا مال کبھی جمع نہیں رکھا کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔

مجھے ابراہیم بن شیبان نے بتایا کہ ابو بکر شیبلی سے حالانکہ وہ خود شیبلی سے لوگوں کو نہیں نکلے دیتے تھے اور نہ ہی ان کی بات کسی کو سننے دیتے۔ ایک روز ابراہیم بن شیبان نے بطور امتحان کے شیبلی سے سوال کیا کہ پانچ اونٹوں پر کس قدر زکوٰۃ دینی واجب ہے۔ شیبلی نے جواب دیا: ہمارے دین کے اصولوں کے مطابق تو پانچ اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ مگر ہمارے لیے پانچ کے پانچ اونٹ ہی ادا کرنا لازم ہے۔ اس پر ابراہیم بن شیبان نے کہا آپ کے سامنے اس کی کوئی مثال بھی ہے۔ شیبلی نے کہا: ہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال میرے سامنے ہے جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اپنا سب کچھ پیش کر دیا تھا۔ اس کے بعد ابراہیم بن شیبان نے کبھی ابو بکر شیبلی علیہ الرحمہ کے ہاں لوگوں کو جانے سے نہیں روکا۔ صوفیہ کا زکوٰۃ کے بارے میں ایک موقف یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سے طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زکوٰۃ میں سے کھانا حلال قرار دیا ہے۔ مگر وہ خود ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے زکوٰۃ وصول کرنے سے کہیں غریبوں اور مستحقوں کا حق نہ مارا جائے یا ضعیفوں کو کوئی تکلیف لاحق نہ ہو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ ایوبؑ کے ساتھی محمد بن منصورؒ کے پاس جب بھی مال زکوٰۃ یا صدقہ و خیرات لے جایا جاتا اور انہیں علم ہو جاتا تو اُسے قبول کرتے اور نہ ہی اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرتے۔ کہا کرتے کہ جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے اپنے ساتھیوں کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔ اس پر ان کے دیگر ساتھی بھی خاموش رہتے اور کبھی مال زکوٰۃ میں سے بغیر مانگے ملتا تو بھی قبول نہ کرتے۔

میں نے ایک صوفی کو پچھتم خود دیکھا کہ وہ ہر سال ایک ہزار دینار اپنے باقی ساتھیوں پر خرچ کرتے تھے اور وہ خلیفہ کہتے تھے کہ کبھی انہوں نے اپنی زکوٰۃ میں سے اپنے ساتھیوں پر خرچ نہیں کیا۔

ابوعلیٰ المثنوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ صوفیہ پر اس قدر صرف کرتے تھے جس سے مصر کے تاجر بھی حیران تھے۔ اور کہا کرتے تھے جو کچھ وہ ایک بار خرچ کرتا ہے وہ ہمارے مال سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس صوفی پر زکوٰۃ واجب نہ تھی۔

ایک جلیل القدر صوفی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: کہ میرے اور ایک امیر آدمی کے درمیان بڑی دوستی تھی، میرے دل میں بھی اس کے لیے محبت و عزت تھی۔ مگر جب وہ زکوٰۃ یا صدقہ تقسیم کرتے وقت مجھے یاد کرتا تو میرے دل میں اس کے لیے محبت اور احترام باقی نہ رہتا۔

میں نے ایک معروف امام کا خط پڑھا جو اس نے ایک مفلس صوفی کے نام لکھا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا: اے میرے بھائی! میں کچھ مال آپ کی نذر کر رہا ہوں جو زکوٰۃ ہے اور نہ صدقہ و خیرات۔ اور نہ ہی یہ اللہ کے سوا کسی اور کا مال ہے کہ آپ اس کے ممنون احساس رہیں گے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اسے قبول فرما کہ مجھے مسروذ فرمائیں۔

اگر صوفیہ کو ایسے لوگوں کی طرف سے، جنہیں وہ نہ جانتے ہوں اور ان سے کوئی میل ملاقات بھی نہ ہو بغیر مانگے کچھ ملے تو قبول کر لیتا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو کچھ اللہ تعالیٰ تجھے مال میں سے بغیر مانگے اور کسی کا حق تلف عطا کیے فرمائے اسے قبول کر لے۔ کیونکہ رو کرے گا تو یہ اللہ کی عطاء کو ٹھکرانے کے مترادف ہوگا۔ جب کوئی ایسی چیز قبول کرے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے سے زیادہ مستحق کے حوالے کر دے اور وہ خود دکھالے تو بھی اسے لیے حلال ہے۔

میں نے ابو بکر محمد بن داؤد دیلمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو بکر فرغانی کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہوتا تھا۔ جس میں رمضان المبارک کے دوران وظيفہ پانے والے مساکین کے نام درج ہوتے تھے۔ وہ ہر رات کو ماہ رمضان میں اپنا روزینہ وصول کرتے اور سیدھے اپنے پڑوس میں ایک بڑھیا کو دے آتے جس کا نام اس فہرست میں شامل نہ تھا۔ جس میں وظيفہ پانے والوں کے نام لکھے جاتے تھے۔

صوفیہ کا خیال ہے کہ جس نے اللہ سے کچھ لیا، عزت کے ساتھ لیا اور جس نے لوگوں سے کچھ وصول کیا زلت کے ساتھ وصول کیا۔ جس نے اللہ کے لیے چھوڑ دیا اس نے عزت سے چھوڑ دیا اور جس نے غیر اللہ کے لیے ترک کیا اس نے زلت کے ساتھ ترک کیا۔ جس نے اپنے لیے اور دینے کے معاملے کو لٹانی اللہ قائم نہ رکھا اس نے غلطی کا ارتکاب کیا اور اللہ ہر خطا کار کو جاننے والا ہے۔ اور اس بات کی تصدیق کہ کوئی شخص اللہ کے لیے اسی کی خاطر دے اور اسی کے لیے چھوڑ دے، یہ ہے کہ اس کے نزدیک منع و عطاء اور تنگی و کشادگی یکساں ہوتی ہے۔

صوفیہ کا ایک اور طبقہ ہے جو زکوٰۃ، صدقات، تحائف، بخشیش، اور لوگوں کے ایثار و مواساة کو قبول کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اغنیاء کے اموال میں سے فقراء کے لیے حق مقرر کیا ہے۔ اگر ہم ان سے کچھ وصول کرتے ہیں تو اپنا حق ہی لیتے ہیں جسے ترک کر دینے کا کیا معنی؟ اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے لیے منتخب کیا وہ ہم کچھ چھوڑ سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید فرمایا: کہ صدقہ زکوٰۃ لینے سے انکار اپنے نفس کو زیادہ وقعت دینے اور افلاس و فقر سے نفرت کے مترادف

شوقِ فقیری

اس ضمن میں ابو محمد مرتضیٰ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ اپنے تاجر اور امیر ترین دوستوں کی ایک محفل میں تشریف فرما تھے کہ دفعۃً ان کی نظر محفل سے باہر ایک شخص پر پڑی جو روٹیوں کی خیرات تقسیم کر رہا تھا۔ اٹھے اور فوراً مانگنے والوں میں داخل ہو گئے پھر فرمایا: ”خیرات نہ حاصل کرتا تو مجھے خدشہ تھا کہ مبادا میرا نام فقراء کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امراء اور تند رست افراد پر صدقہ و خیرات نہیں ہوتا۔^۱
جو لوگ صوفیہ کے لیے صدقہ و خیرات کو ناجائز بتاتے ہیں۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امیری کثرت مال و متاع کا نام نہیں بلکہ دل کی امیری ہی اصل امارت ہے۔^۲
سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ اسی ضمن میں کہتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے ساتھیوں یعنی صوفیہ کو کچھ دیتے ہیں ان کے لیے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ صوفی تو اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر امیر ہیں۔

قول رسول اللہ ﷺ کہ امراء اور تند رست افراد کو صدقہ دینا جائز نہیں، کا مفہوم یہ ہے کہ بنیادی طور پر صدقہ، اپانچ، بیمار اور آفت رسیدہ لوگوں کے لیے۔ اور اس کی تائید اس قول خداوندی سے بھی ہوتی ہے جس میں فقیر ہونے کو صدقہ زکوٰۃ کے مستحق ہونے کی مشروط ٹھہرایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ [التوبہ: ۶۰]

ترجمہ: ”زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لیے، جو محتاج اور بے نادار ہوں“

جہاں تک لفظ فقیر کی لغوی تحقیق کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم ہے ایسا شخص جو محروم اور حاجت مند ہو۔ اس کے علاوہ بھی اس لفظ کی تشریح کی گئی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ لفظ فقیر فقار الظہر (پیٹھ کی ہڈی) سے ہے۔ فقار ریزہ کی ہڈی کو کہتے ہیں اس پر پیٹھ کی ساری قوت کا مدار مدار ہوتا ہے۔ اگر یہ ٹوٹ جائے تو ضعف و حاجت مندی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور سہارے کے لیے دوسروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقیر بھی اس شخص کو کہتے ہیں جس کی حالت پیچھے بیان کی گئی حالت سے مشابہ ہو۔

بعض لوگ صدقہ و خیرات سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ قول ہوتا ہے کہ صدقہ لوگوں کا میل ہے۔ حالانکہ اس کا معنی یہ ہے کہ صدقہ سے لوگوں کے گناہوں کے بوجھ کو ان مستحق لوگوں کی خاطر دور کر دیا جاتا ہے جنہیں وہ عطا کیا جائے۔ اگر صدقہ فقراء کے لیے نقصان کا باعث ہوتا یا لوگوں کا میل ہوتا یا بے عزتی کا باعث ہوتا تو یہ نیکو کاروں، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے بھی جنگ عزت کا موجب ہوتا۔

جس کے پاس دنیوی مال و متاع نہ ہو اور وہ صدقہ و زکوٰۃ کے اجر سے محروم رہ جائے تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے اقوال و افعال کا صدقہ برقرار رکھا ہے اور اس کا اجر کسی طرح بھی مال و متاع صدقہ کرنے کے اجر سے کم نہیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے لیے آپس میں حسن سلوک اور مدارات کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور اپنے

۱ ترمذی نے جبر بن جہارہ سے روایت کیا۔

۲ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں اور امام احمد نے مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

مسلمان بھائی کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ اسی طرح اگر تو اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے تو یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ اور اگر تو اپنے مسلمان بھائی کے برتن میں اپنے برتن سے کچھ ڈال دے تو یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ ﴿

احادیث کی زکوٰۃ

بشر بن حارث کہتے ہیں: ﴿اے احادیث رسول اللہ ﷺ جمع کرنے والو! تم بھی احادیث کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ کسی نے پوچھا کہ حدیثوں کی زکوٰۃ سے آپ کی مراد کیا ہے۔ آپ نے کہا: احادیث کی زکوٰۃ اس طرح ادا کی جاسکتی ہے کہ احادیث جمع کرنے والے ہر سو احادیث کے مجموعے میں سے پانچ احادیث نبوی پر عمل کر لیا کریں۔ جس پر زکوٰۃ واجب ہو اسے چار باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ تاکہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والا بن سکے۔

- ۱۔ مال زکوٰۃ حلال کی کمائی میں سے ادا کرے۔
- ۲۔ فخر غرور یا کسی کو نیچا دکھانے کے لیے مال جمع نہ کیا ہو۔
- ۳۔ اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرے۔
- ۴۔ جسے زکوٰۃ دے اس پر احسان نہ جتلائے۔

حقیقتِ غمنا

الغرض زکوٰۃ، اللہ کی جانب سے امراء کے اموال میں غریبوں کا وہ مقررہ حق ہے جسے ادا کر کے گویا امراء غریبوں کو ان کی اپنی ہی دولت لوٹا رہے ہوتے ہیں۔ ادا نیگی زکوٰۃ سے رضاء الہی عطا ہوتی اور حساب اعمال سے نجات مل جاتی ہے۔

آدابِ صوم اور صوفیہ کرام

سید المرسل علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا: ارشادِ خداوندی ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔^۵ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تمام اعمال نیک اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں پھر روزہ کو یہ خصوصیت کیوں دی کہ اس کے بارے میں فرمایا: ”روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ روزہ سے متعلق مذکورہ قول خداوندی کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا تعلق ظاہری اعضاء کی حرکت سے نہیں جب کہ دیگر فرض عبادات کی ادائیگی کا تعلق اعضاء کی حرکت سے ہے اور اس کا لوگوں کو علم بھی ہو جاتا ہے۔ جب کہ روزہ کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے بندوں کو نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا کہ ”روزہ میرے لیے ہے۔“ دوسرا معنی اس قول کا یہ ہے کہ ”روزہ میرے لیے ہے۔“ سے مراد ہے صمدیت یعنی بے بنیازی میرے لیے ہے۔ (گو یا صوم بمعنی صمدیت یعنی بے نیازی ہے) کیونکہ صمد اسے کہتے ہیں جو کھانے پینے سے بے نیاز ہو یعنی اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جو شخص میری صفات کو اپنالے اسے میں خود ہی اجر عطا کروں گا۔

قول خداوندی کہ ”میں ہی اس کا اجر دوں گا“ کا ایک اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعمالِ حسنہ پر ثواب کی شرح کا ذکر فرمایا ہے مثلاً ایک کے بدلے دس اور دس کے بدلے سات سو تکیوں کا اجر مگر روزہ داروں کے بارے میں کسی ایسی شرح کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ روزہ دار اصل صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور صبر کرنے والوں کے اجر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں کیا ہے۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿[الزمر: ۱۰]﴾

ترجمہ: ”صابروں ہی کو ان کا ثواب بھر پور دیا جائے گا۔ بے گنتی۔“

مذکورہ آیت مبارکہ کے مطابق روزہ ایسے اعمال سے آگے ہے جن کے عوض محدود گئے چنے ثواب ملتے ہیں۔ روزہ، نفس کا اپنی تمام مرغوبات اور تمام اعضاء جو ارجح کا تمام شہوات و لذات سے رک جانے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ داروں کو صبر کرنے والوں کا نام دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تو روزہ رکھے تو چاہیے کہ تیری سماعت، تیری بصارت، تیری زبان اور تیرے ہاتھ بھی روزہ رکھیں۔^۵

اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو نہ عورتوں سے رفٹ کرے اور نہ فقیر اگر کوئی اسے گالی دے تو جواباً کہے کہ میں روزے سے ہوں۔^۵

^۵ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

^۵ امام بخاری اور اصحابِ سنن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

^۵ شیعین اور اصحابِ سنن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

روزہ کی صحت اور روزے دار کے حسن ادب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزہ دار کے مقاصد درست رہتے ہیں، شہوات سے جدا رہتا ہے، جو ارج محفوظ رہتے ہیں، کھانا پینا صاف تھرا رہتا ہے، اللہ کا ذکر ہر وقت زبان پر جاری رہتا ہے، رزق کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ اپنے روزہ پر اس کی نظر نہیں ہوتی، اپنی تقصیر پر شرمندگی محسوس کرتا ہے اور ادائیگی صوم میں اللہ سے اعانت طلب کرتا ہے۔

ہبل بن عبد اللہ تدریجی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہر پندرہ روز میں ایک بار کھانا تناول کرتے تھے۔ اور جب ماہ رمضان المبارک کا آغاز ہوا جاتا تو صرف ایک لقمہ کھاتے، میں نے ان کے طعام کے بارے میں ایک شیخ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کہ ہبل بن عبد اللہ صرف پانی سے روزہ افطار کرتے تھے۔

ابو عبید لہری، ماہ رمضان کے شروع ہوتے ہی ایک کمرے میں خود کو بند کر دیتے اور اپنی بیوی سے کہہ دیتے کہ ہر رات روشتان سے ایک روٹی اندر ڈال دیا کرے۔ اور اس وقت تک کمرے سے باہر نہ نکلتے جب تک کہ رمضان نہ ختم ہو جاتا۔ ماہ صیام کے ختم ہونے پر آپ کی بیوی اندر کمرے میں جاتی تو تیس کی تیس روٹیاں کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہوتیں۔ جہاں تک نفلی روزہ رکھنے کا تعلق ہے تو صوفیہ کرام کا معمول یہ ہے کہ سفر ہو یا گھر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ وہ روزے کے بارے میں اس حدیث کہ ”روزہ ڈھال ہے“ کی توضیح کرتے ہوئے روزہ سے متعلق بہت کچھ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ الصوم جنت میں نہیں کہا گیا کہ روزہ کس چیز سے بچنے کے لیے ڈھال ثابت ہوتا ہے، وہ اس چیز کا تعین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روزہ آخرت میں آتش دوزخ سے بچنے کے لیے ڈھال کا کام دے گا کیونکہ روزہ اس دنیا میں اس دشمن کے تیروں سے بچنے کے لیے ڈھال ہے جو لوگوں کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور انسان کے یہ دشمن اس کانفس اس کی خواہشات، دنیا اور شہوات و لذات ہیں۔

جس نے روزہ رکھنے پر بیعتگی اختیار کر لی اس نے گویا خود کو اپنے دشمنوں کے مکر و فریب سے روزے کی ڈھال کے ساتھ بچا لیا اور دوزخ میں پھینکے جانے سے محفوظ رہا۔

میں نے احمد بن محمد سنید قاضی دینور سے اور انہوں نے رویم علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک تبتی ہوئی دو پہر کو میں بغداد کی ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ مجھے سخت پیاس نے ستایا۔ ایک مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک لڑکی باہر نکلی میں نے پانی مانگا اور وہ آب سرد کو بکھرا ہوا ایک نیا کوزہ اٹھالائی جب میں نے کوزہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھا یا تو وہ لڑکی بولی: تجھ پر انوس ہے کہ صوفی ہو کر دن کے وقت پانی پیتے ہو یہ کہہ کر اس نے کوزہ پھینک دیا اور اندر چلی گئی۔ رویم کہتے ہیں کہ اس لڑکی نے مجھے اس قدر شرمندہ کیا کہ اس روز سے میں نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی قسم کھالی۔

صوم داؤدی

صوفیہ کی ایک جماعت نے صوم داؤدی اختیار کیا ہوا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والے روزے میرے بھائی داؤد علیہ السلام کے روزے تھے۔ وہ ایک روز چھوڑ کر دوسرے روز روزہ رکھتے تھے۔

سنن نسائی میں بطریق حضرت معاذ، سنن بیہقی میں بروایت حضرت جابر صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

شیخین اور اصحاب سنن نے اس حدیث کو روایت کیا۔

شیوخ کہتے ہیں کہ قول رسول میں صوم داؤد علیہ السلام کو اس لیے سب سے زیادہ فضیلت کا حامل بتایا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے شدید ترین روزے تھے اور اس میں کوئی خشک نہیں کہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا مسلسل روزہ سے کہیں مشکل ہے کیونکہ جب کوئی شخص مسلسل روزہ رکھنے سے مانوس ہو جائے تو اسے روزہ رکھنے کی بجائے روزہ نہ رکھنے میں زیادہ دشواری پیش آتی ہے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا اس کی عادت کے خلاف واقع ہوتا ہے اور جو شخص ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتا ہے اس کو روزہ رکھنے کی عادت نہیں ہو پاتی اس لحاظ سے اس پر ایک دن بغیر روزہ کے گزار کر دوسرے دن روزہ رکھنا سخت دشوار گزارتا ہے۔

سہل بن عبد اللہ کہتے ہیں: جب تم سیر ہو جاؤ تو سیری بخشنے والے سے بھوک طلب کرو اور بھوک لگے تو اس کے حضور سیری کی درخواست کرو اگر ایسا نہ کیا تو اس قدر سستی چھا جائے گی کہ سرکش ہو جاؤ گے۔

ابو عبد اللہ احمد بن جابان علیہ الرحمۃ نے پچاس برس تک روزے رکھے، سفر ہو کہ حضر وہ ہمیشہ روزے سے رہتے۔ ایک مرتبہ ان کے ساتھیوں نے انہیں روزہ نہ رکھنے پر مجبور کر لیا مگر اس کے نتیجے میں وہ کئی روز تک اس قدر بیمار رہے کہ فرائض کے چھوٹ جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔

روح عبادت

جو صوفیہ مسلسل روزے رکھنے کو پسند نہیں کرتے اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب نفس ایک عمل کا عادی ہو جائے تو پھر وہ حصول ثواب کی خاطر نہیں بلکہ اپنی لذت کے حصول کے لیے وہ عمل انجام دیتا ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے عبادات و طاعات میں کبھی نفس اور اس کی مرغوب لذات کو یکجا نہ ہونے دیا جائے۔ کیونکہ نفس کی تو خصوصیت و جبلت ہی نیکی سے فرار اور برائی کی طرف میلان ہے۔ اور جب نفس کسی ایک عبادت سے مانوس ہو جائے تو اہل معرفت و بصیرت اس کو بھی فریب نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔

ابراہیم بن ادھم کہتے ہیں کہ میرے ہاں ایک شخص رہتا تھا جو نماز روزہ کی بہت پابندی کیا کرتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ ایک ایسی جگہ سے کھانا کھاتا جہاں حلال کا کھانا ہوتا ہی نہیں تھا۔ ایک دفعہ میں اسے اپنے ساتھ سفر پر لے گیا اور اسے پاک صاف حلال غذا دینے لگا اس طرح وہ ایک ماہ تک میرے پاس رہا اور اس دوران مجھے ضرورت پڑتی تھی کہ اسے کوڑے مار کر ادائیگی فرض کے لیے اٹھاؤں۔

وہ صوفیہ اور درویش جو جبردانہ اور دنیا سے لاتعلقی اور تجرد کی زندگی گزارتے ہیں۔ جو کچھ اللہ کی جانب سے ملے اسی پر قانع رہتے ہیں۔ انہیں یہ تک خبر نہ ہوتی کہ کس وقت، کس کے ذریعے اور کس طرح رزق ان کو ملے گا۔ ایسے درویشوں کے احوال ان روزہ داروں سے کہیں بہتر ہیں جو افطار کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ تیار کھانا ملے گا۔ اسی طرح ایسے درویشوں کے روزے بھی ان روزے داروں سے افضل ہیں جو یہ جانتے ہوتے ہیں کہ افطار پر تیار کھانا ملے گا۔

درویش صوفیہ کے بھی اپنے آداب روزہ ہیں۔ جیسے یہ کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر روزہ نہیں رکھتا کیونکہ اگر اس نے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر روزہ رکھ لیا تو ان کے دلوں کو وہ اسی طرح مشغول کرے گا کہ گویا وہ روزہ سے نہیں اور اس طرح وہ اس کے روزہ سے بے خبر رہیں گے۔

اگر ان میں سے ایک اپنے ساتھیوں کی اجازت سے روزہ رکھ لے اور دوسروں کے سامنے کوئی کھانے کی چیز موجود ہو تو انہیں اس وقت افطار کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جماعت میں سے کوئی اس وقت کھانے کی ضرورت محسوس کرتا ہو یا ممکن ہے کہ افطار کے وقت تک انتظار کرنے سے اس کے ساتھیوں سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے کہ اس سے روزہ رکھنا چھوٹ جائے ہاں اس صورت میں اس کے ساتھیوں کو انتظار کرنا ہوگا کہ روزہ رکھنے والا ان کا شیخ ہو یا جسمانی طور پر ضعیف ہو۔ اس طرح اس کو چاہیے کہ روزے کی حالت میں اپنا حصہ لے کر افطار کے لیے جمع نہ رکھے کیونکہ ایسا کرنا اس کے حال کی کمزوری کی علامت ہوتی ہے اگر جسمانی ضعف ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔

اگر صوفیہ کی جماعت میں کچھ روزہ رکھنے کے عادی ہوں اور کچھ نہ رکھنے کے تو ایسی صورت میں روزہ رکھنے والوں کو اپنے دوسرے ساتھیوں کو اپنی ہی حالت اپنانے کی دعوت نہیں دینی چاہیے الا یہ کہ وہ خود روزہ رکھنے پر آمادہ ہوں۔

روزہ دار کا غیر روزہ دار کا ساتھ دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ غیر روزہ دار، روزہ دار کا ساتھ دینے کے لیے روزہ رکھ لے۔ اگر دونوں روزہ رکھنے پر از خود مائل ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ دائم الصوم تھے، جب ان کے پاس ان کے ساتھی آئے تو وہ ان کے ہمراہ روزہ توڑ دیتے۔ اور یہ فرماتے کہ ساتھیوں کا ساتھ دینا ایک نقلی روزہ رکھنے سے کہیں افضل ہے کہتے ہیں کہ اگر کسی صوفی کو نقلی روزے سے پاؤ تو یہی سمجھو کہ ضرور کوئی دنیوی شے اس کی لاحق ہو گئی ہے۔

اگر صوفیہ کی کوئی صائمہ حجامت ایسی ہو جس کے جملہ افراد آپس میں ہم مزاج و ہم خیال ہوں اور ان میں ایک مبتدی بھی ہو تو وہ اسے روزہ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اگر وہ ترک صوم میں ان کا ساتھ نہ دے سکے تو پھر اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کے دوران کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں اور اس کی حالت کو اپنی حالت پر محمول نہیں کرتے۔ اور اگر صوفیہ کی جماعت میں ان کا شیخ بھی ہو تو وہ اس کے روزہ رکھنے کی بیروی میں روزہ رکھتے ہیں اور اگر وہ روزے سے نہ ہوں تو ان کی بھی وہی کیفیت ہوتی ہے جو ان کے شیخ کی ہوتی ہے۔ صرف ایسی صورت میں وہ موافقت شیخ کو ترک کرتے ہیں جب شیخ اس کے چھوڑنے کا حکم دے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ شیخ ان کی بہتری کو جانتا ہے۔

ایک جلیل القدر شیخ نے کہا میں نے فلاں فلاں برس غیر اللہ کے لیے روزے رکھے اور وہ اس طرح کہ ایک میدان کی صحبت میں تربیت حاصل کرتا تھا۔ اور شیخ نے صرف اس لیے روزے رکھے کہ میدان کو بھی صائم دیکھ کر روزے رکھتا ہے۔ میں نے ابوالحسن کی کو بصرہ میں دیکھا کہ وہ ساری عمر روزے رکھتے تھے اور صرف جمعہ کی رات کو روٹی کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ایک ماہ کا خرچ صرف دائق تھا۔

وہ اپنے ہاتھ سے سمجھور کے پتوں کی رسیاں بنتے اور انہیں بیچتے۔ ابن سالم نے ان سے ترک ملاقات کر رکھی تھی اور کہتے تھے میں ان کو اس وقت سلام کرنے آؤں گا جب یہ روزہ سے نہیں ہوں گے اور روٹی کھا رہے ہوں گے۔ اسی زمانہ میں ابوالحسن کئی ترک طعام کے لیے مشہور تھے۔

واسطے کہ ایک صوفی کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ برس ہا برس تک روزے سے رہے کہتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک کے علاوہ ہر روز وقتِ مغرب سے پہلے افطار کر لیتے تھے۔ کچھ لوگ ان کے اس عمل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے

تھے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ ان کا عمل علم دین کی مخالفت پر مبنی تھا اگر وہ چاہتے تو مغرب کے وقت افطار کر کے نغلی روزے کا ثواب حاصل کر سکتے تھے اور ایک گروہ وہ تھا جو ان کے اس عمل کو پسند کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ وہ صوفی روزہ رکھ کر صرف نفس کو بھوک برداشت کرنے کی تربیت دے رہے تھے۔ اور روزے کے ثواب و اجر میں مشغول ہونے سے بچنے کے لیے انہوں نے اسے بظاہر روزہ کی شکل نہ دی۔

میرا یہ خیال ہے کہ جنہوں نے اس کے اس عمل کو پسند نہیں کیا وہ حق پر ہیں کیونکہ جب اس نے روزے کی نیت کی تو پھر لازم تھا کہ اسے مکمل کرتا اور اگر روزہ کی نیت نہ تھی تو پھر اس کا طریق فاقہ کرنے والوں کا ہے اسے روزہ دار نہیں کہا جاسکتا۔

یک روزہ زندگی

ابو بکر شبلی نے ایک شخص سے کہا: اچھا کہ تو ہمیشہ روزہ سے رہے اس شخص نے پوچھا: ہمیشہ کے لیے کیسے؟ آپ نے کہا: جس قدر زندگی تیری باقی ہے اسے ایک دن سمجھ کر اس کا روزہ رکھ لے۔

صوفیہ کے آدابِ حج

صوفیہ کے آدابِ حج کی پہلی کڑی یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے یہ کوشش کریں کہ حج کا فریضہ انجام دے سکیں اور اس سلسلے میں وہ کسی طرح گنجائش یا رخصت کے بارے میں نہ سوچیں اور نہ ہی زاو راہ اور سواری کے عدم حصول کی صورت میں وہ حج کرنے سے رکے رہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی فرض لازم درمیان میں آن پڑے۔

حج کے بارے میں قولِ خداوندی ہے:

وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مِنَ اسْتِطَاعٍ إِلَيْهِ سَبِيلًا [آل عمران: ۹۷]

ترجمہ: ”اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔“

اور فرمایا:

وَإِذْ قَالَ لِلنَّاسِ بِالْحَجِّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي آتِيكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَإِنِّي آتِيكُمْ بِالْحَقِّ وَإِنِّي آتِيكُمْ بِالْحَقِّ وَإِنِّي آتِيكُمْ بِالْحَقِّ

عَبَسَ [الحج: ۲۷]

ترجمہ: ”اور لوگوں میں حج کی پیام ندا کر دے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر ذمہ داری پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔“

مذکورہ آیت کریمہ میں پیدل چلنے والے حجاج سے آغاز کلام کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو حج کے بغیر اس جہاں سے رخصت ہو گیا اس کی مرضی ہے کہ یہودی ہو کر مرے چاہے

نصرانی ہو کر۔“

مذکورہ حدیث کے مطابق، صوفیہ کا یہ شعار ہے کہ وہ زاو راہ اور سواری کا بندوبست نہ ہوتے ہوئے بھی فریضہ حج کو ساقط نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کا طریق ہے کہ وہ احکام شریعت اور فرائض پر عمل کرنے کے سلسلے میں کسی انداز سے رخصت کے قائل نہیں ہوتے بلکہ وہ ہاتھ ہر حکم اور ہر فرض پر عمل کرتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ امور دین میں رخصت یا چھوٹ کو رد اور کھٹنا عوام الناس کا دھیرہ ہے اور ان میں تاویلات اور گنجائش پیدا کرنے کی کوشش، کمزور لوگوں کا شعار ہے، جبکہ صوفیہ ہر حکم اور فرائض کی بجا آوری کو اپنے لیے رحمتِ خداوندی گردانتے ہیں، جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو وہ حج کا ارادہ کرنے ہیں ان معلومات کے مطابق جو فقہاء کے ہاں حج کی بابت موجود ہوتی ہیں، اور اس میں علماء عوام اور خواص سبھی برابر ہیں، کہ ان سب کو حج کے سلسلے میں مناسک حج، فرائض حج، سنن حج اور حکام و حدود حج کے جاننے کی ضرورت بہر حال پڑتی ہے، مگر یہاں آدابِ حج کے بیان سے ہماری مراد ان خواص صوفیہ کے آدابِ حج ہیں جن کے تین طبقے ہیں پہلا طبقہ ان صوفیاء پر مشتمل ہے جو ایک ہی حج کرتے ہیں اور اس کے بعد حفظِ اوقات و احوال میں ہمہ تن لگ جاتے ہیں۔ ادنیٰ حج میں جس قسم کی مصیبتیں اور مشقتیں ان کے راستے میں پیش آئیں ہوں ان کی پرداہ نہیں کرتے اور مطمئن رہتے ہیں۔

یقیناً نے ابنِ امامہ سے اور زہری نے حارث بن علی رضی اللہ عنہما کے طریق سے اس کو روایت کیا۔

میں نے ابن سالم سے سنا کہ سہل بن عبد اللہ نے سولہ برس کی عمر میں پہلا حج کیا، ان کا زاویراہ صرف بھیٹی ہوئی کلبی تھی، بھوک لگی تو اسے سوگھ لیتے۔

ابویزید بسطامی اور جنید بغدادی نے ایک ایک حج کیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی حج کیا۔ دوسرا طبقہ مشائخ صوفیہ کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول کا ارادہ کیا تو پہلے جملہ دنیاوی تعلقات، وطن اور بھائیوں عزیزوں کو خیر باد کہہ کر وادیوں، جنگلوں اور لہق و دق صحراؤں میں زاویراہ اٹھائے بغیر انجانے راستوں پر راستہ دکھانے والوں کی مدد لیے بغیر چل پڑے۔ انہوں نے میل گئے اور نہ راستے میں واقع خاک خانوں کو شمار کیا، انہوں نے منازل کی جستجو کی اور نہ پانی کے گھاٹ تلاش کیے، کسی سبب کا سہارا ڈھونڈا اور نہ ہی راہ کی دشواریوں سے ان کے عزم میں کوئی کمی پیدا ہوئی اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَرِذُّوْا جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ وَاَمَّا اَنْتَ [البقرہ: ۱۲۵]

ترجمہ: ”اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا۔“

حج صوفیہ سے متعلق چند واقعات

صوفیہ کرام کے آداب حج اور احوال و صفات کی بلندی کا اندازہ ان واقعات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے جن کا تعلق ان کی ادا ہوئی حج سے ہے۔

احمد بن علی و جیمی نے مجھے بتایا کہ حسن القزازی دینوری نے بارہ مرتبہ برہنہ پاؤں پر ہنہ سر فریفتہ حج ادا کیا، اگر پاؤں میں کانٹا لگ جاتا تو پاؤں کو زمین پر رگڑ رگڑ کر آگے چل دیتے۔ توکل اس قدر چبھتا تھا کہ راستے پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔ ابوتراب نخعی حج کو راندہ ہوتے تو ایک لقمہ بصرہ دوسرا بناج اور تیسرا لقمہ مدینہ منورہ میں تناول فرماتے۔ اور جب مکہ میں داخل ہوتے تو فریبی سے ان کے پیٹ پر بل پڑے ہوتے۔

ابراہیم بن شیبان کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ المغربی ویرانے میں داخل ہوتے تو ایک سفید چادر اور تہ بند پہنتے اور پاؤں میں ایک جوتا ہوتا اور یوں لگتا جیسے بازار سے گزر رہے ہوں اور جب مکہ میں داخل ہو کر حج سے فارغ ہو جاتے تو میزاب رحمت کے نیچے پھر احرام باندھ لیتے اور اس وقت تک احرام باندھ رہتے جب تک پھر مکہ میں اگلے سال حج کے لیے داخل نہ ہو جاتے۔ جعفر خلدی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ حج کو جاتے ہوئے ایک صحرا سے گزر رہا تھا میں نے سفید قمیص پہنی تھی اور میرے ہاتھ میں پانی کا کوزہ تھا کہ اس دوران میں نے نیلوں کے درمیان وہ کانیں اور تاجر دیکھے جن کے پاس بصرہ کے قافلے آ کر پڑاؤ کرتے تھے۔

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ مجھے صحرا میں انیس راستوں کا علم ہے۔ اور یہ راستے ان راستوں کے علاوہ ہیں جن پر لوگوں کے قافلے چلتے ہیں۔ اور ان میں سے دو راستے ایسے ہیں جن میں سونا اور چاندی پایا جاتا ہے۔

جعفر نے ابراہیم خواص کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے کہا: میں صحرا میں ایک جگہ مغموم بیٹھا تھا، اور کئی وقتوں کا کھانا نہیں کھایا تھا، اس حالت میں مجھے فضا میں حضرت خضر علیہ السلام گزرتے دکھائی دیئے، میں نے فوراً سر جھکا لیا اور آنکھیں دوسری جانب کر لیں مگر وہ آئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے، تب میں نے ان کی طرف دیکھا تو فرمانے لگے: اے ابراہیم

اگر تو نے مجھے دیکھا نہ ہوتا تو میں تیرے پاس نہ آتا۔

ابراہیم خواصؑ ہی کا ایک اور واقعہ ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں: میں ایک سال مکہ مکرمہ سے نکلا تو یہ عہد کر لیا کہ قادیسیہ پہنچنے سے پہلے کوئی شے نہیں کھاؤں گا۔ جب میں نے صحرا عبور کر لیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اعرابی پیچھے سے مجھے پکار رہا ہے، میں نے اس کی طرف توجہ نہ دی حتیٰ کہ وہ مجھے آن ملا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں دودھ کا پیالہ تھا، اس نے کہا: یہ دودھ پی لے ورنہ تیری گردن اڑا دوں گا، میں ششدر رہ گیا اور اس کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ لے کر دودھ پی لیا۔ وہ واپس چلا گیا اور اس کے بعد قادیسیہ پہنچنے تک میرے ساتھ کوئی اور واقعہ پیش نہیں آیا۔

الغرض حج کی ادائیگی کے سلسلے میں صوفیہ کے دوسرے طبقے سے متعلق مختصر آہم نے چند باتیں عرض کی ہیں جو ہر ذی عقل کے لیے کافی ہیں۔

تیسرا طبقہ ان مشائخ صوفیہ کا ہے جنہوں نے مکہ مکرمہ ہی کو اپنا مقام ٹھہرایا اور اس کی مجاورت اختیار کر لی۔ ان کے اس نقطہ مقدس میں قیام کی وجہ اس جگہ کا تقدس، فضیلت اور شرف ہوتا ہے یا اس مقام کی بنجر زمین سے ان کا نفس چونکہ متنفر تھا لہذا انہوں نے تادمب نفس کی خاطر یہاں قیام کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وادی حجاز ایک ایسی وادی ہے جو شہوات و لذات سے روکتی ہے۔ اور خصوصاً ایسا شخص جسے رزق غیب سے ملتا ہو اس کی روزی مقرر کی جا چکی ہو۔ اور وہ کسی مدد یا رفاقت سے محروم ہو، اس کے لیے وادی حجاز میں قیام سودمند رہتا ہے۔ اور جب نفس اپنی فطرت کے موجب اپنی خواہشات کی عدم تکمیل پر مضطرب ہو اور بندہ احکام الہی کی پابندی میں سکون تلاش کرنے کی آرزو کرتا ہو تو یہی وہ حالت ہے جس میں بندوں کے مقامات کا پتہ چلتا ہے۔

وادی حجاز میں رہنے کے آداب

وادی حجاز کے جواریں رہنے سے متعلق صوفیہ کے آداب پر مبنی چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

ابوبکر محمد بن داؤد دینوری دق نے کہا کہ ابوعبداللہ بن جلاء۔ اٹھارہ برس تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے مگر اس تمام عرصے میں کبھی شہر سے مکہ لایا جانے والا طعام نہیں کھا یا کیونکہ شہر حکومت وقت کی زمینوں میں سے ہوتا ہے۔ اور متفقہ میں ایسی زمینوں کا طعام یا دواہاں لائی جانے والی کسی بھی شے سے احتراز کرتے تھے۔ وہ صرف آب زم زم پیتے اور چاہ زم زم سے اپنی رسی اور ڈول ڈال کر پانی نکالتے کیونکہ چاؤ زم زم پر موجود ڈول اور رسی مال سلاطین میں سے ہوتا ہے۔

ابوبکر کتانی علیہ الرحمہ نے طواف کعبہ کے دوران اپنی زندگی میں بارہ ہزار بار قرآن کریم ختم کیا۔

ابوعروڑ جاہلی نے مکہ میں تیس برس قیام کیا جب قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تو حدودِ حرم سے باہر چلے جاتے۔ ایک دن میں تین بار زیارت کعبہ کرتے اور تین روز میں ایک لقمہ طعام کا کھاتے۔ ستر برس سے زائد عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

دقی علیہ الرحمہ نے کہا میں نو برس مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہا۔ حالانکہ میں ایک جگہ پر دو نمازیں بھی ادا نہ کرتا تھا۔ اور اس دوران میں مجھ پر فاقے سے یہ حالت بھی آ جاتی کہ جنازہ دیکھتا تو حسرت سے کہتا کہ کاش! مرنے والا میں ہی ہوتا مگر اس کے ساتھ ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ کیا ایسا نہیں کہ تیرے فاقے کو سوائے تیرے رب کے کوئی اور نہیں جانتا اور میں اسی خیال میں اس قدر محو ہوجاتا کہ فاقے کا احساس ہی مٹ جاتا۔

کہتے ہیں جو شخص مکہ مکرمہ میں رہ کر ایک دن اور رات بھوک برداشت کر کے وہ مکہ سے باہر تین روز کچھ کھائے بغیر گزار سکتا ہے۔

صوفیہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قیام سے اخلاق و عادات بدل جاتے ہیں اور وہاں پر تمام آداب کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ سکتے ہیں جو خاصانِ خدا کی صف میں سے ہوں۔

ابراہیم خواص کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ میں فقراء کے طبقے میں سے ایک نوجوان کئی برس مقیم رہا جس کے حسنِ نشست، کثرتِ طواف اور حفاظتِ فقر کو دیکھ کر ہم حیران ہوتے تھے۔ ایک روز میں نے سوچا کہ کیوں نہ کچھ درہم اس کے پاس لے جا کر اسے آنا یا جائے۔ یہ سوچ کر میں اس کے پاس بہت سے درہم لے کر پہنچا اور وہ درہم اس کے خرقدہ کے طور پر رکھ دیئے۔ اس نے میری طرف دیکھا، خرقدہ کا پلو اٹھا کر درہم زمین پر پھینک دیئے اور مسجد سے باہر نکل گیا۔ اس وقت میں نے اس نوجوان سے بڑھ کر کوئی باعزت شخص نہیں دیکھا جب کہ اس نے درہم زمین پر پھینک دیئے تھے اور مجھ سے بڑھ کر ذلیل کوئی نہ تھا کہ زمین پر بیٹھ کر کنکریوں میں سے چن چن کر درہم اکٹھے کر رہا تھا۔

صوفیہ کرام مکہ مکرمہ کی جانب سفر کے دوران میں جو تکالیف اٹھاتے ہیں انہیں بخوشی برداشت کرنے کی ان کے ہاں دو وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”صرف تین مساجد کی طرف سفر اختیار کیا جائے ایک مسجد حرام دوسری یہ میری مسجد (مسجد نبوی) اور تیسری مسجد اقصیٰ۔“

دوسری وجہ یہ ہے کہ وطن میں نفس مختلف احوال کا دعویٰ کرتا ہے مگر وطن سے دور ہو تو احوال میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح نفس کا وہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے جس پر اُسے فخر ہو۔

صوفیہ سفر کو سفر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سالکین و طالبین کے احوال ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف سفر کرتے ہیں۔

صوفیہ کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ جب انہیں یہ احساس ہونے لگے کہ ان کے نفسوں میں کجی، ضعف یا گمراہی کے پیدا ہونے کے آثار ہیں تو وہ بیت اللہ کی جانب سفر اختیار کرتے ہیں تاکہ نفس کے احوال میں تغیر پیدا ہو، نفس کے دعاوی کو چھٹایا جائے اور اس کے کسی کمر یا فریب کا یقین نہ ہونے پائے۔

صوفیہ کی ایک جماعت مکہ مکرمہ میں مقیم تھی، جب ان میں کوئی ایک دن کے وقت طوائف کرنے کے لیے اٹھتا تو وہ سب اسے برا جانتے کیونکہ ان کا یہ خیال ہوتا تھا کہ ان کا سماجی طواف کے دوران میں دن کے وقت خیرات بانٹنے والے سے خیرات وصول کرتا ہے۔ الغرض اسی طرح یہ سب ایک دوسرے کے احوال پر تنقید کیا کرتے تھے۔

صوفیہ کے آداب حج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جب وہ ایک بار حج کا ارادہ کر لیں تو وہ اُسے پورا کر کے دم لیتے ہیں چاہیں اس میں ان کی جان بھی کیوں نہ چلی جائے۔

وہ جب ایک بار کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہو پڑیں تو پھر کسی طرح بھی نہیں رکتے سردی ہو کہ گرمی اور زورِ راہ کم بھی ہو تو وہ اپنے ارادے سے نہیں پھرتے۔

احمد بن دلوٰیہ کہتے ہیں کہ میں نے شام سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا۔ ان دنوں شدید سردی تھی میرا ارادہ کچھ ڈانواؤں دل ہو گیا تو میں نے ابو عمران طبرستانی سے اس معاملے میں کوئی علمی صورت یا گنجائش دریافت کی انہوں نے کہا: جب تو اس پر اتنا ڈرتا ہے تو اسے دریا میں پھینک دے میں ان کے اشارے کو سمجھ گیا اور اسی وقت عازم مکہ مکرمہ ہوا۔ تمام رستے میں مجھے کسی طرح کی تکلیف پیش نہیں آئی اور اس طرح میں نے حج کا فریضہ ادا کر لیا۔

صوفیہ کرام کا شعار ہے کہ جب وہ صحراؤں اور ویرانوں میں سفر کرتے ہیں تو فرائض کو پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ سفر کے لیے دی گئی رعایتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے نہ ہی وہ قصر کرتے ہیں اور نہ تیمم پر اکتفا کرتے ہیں چاہے ان کے لیے یہ روا بھی کیوں نہ ہو۔ وہ سفر میں بھی اپنے ان معمولات کو پوری طرح بجالاتے ہیں جن پر وہ گھر میں رہتے ہوئے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے سفر ہو کہ حضر دونوں برابر ہیں۔ ان کے سفر کا کوئی معین وقت نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ نشانات میل، چکیوں اور منازل سے ہو کر جاتے ہیں۔ جب انہیں ان کا رب ٹھہرا دے تو ٹھہر جاتے ہیں، جب وہ چلانا چاہے تو پھل پڑتے ہیں اور جب پڑاؤ کا حکم دیتا ہے تو فردکش ہو جاتے ہیں۔ میقات پر پہنچتے ہیں تو جسم پانی اور دل تو بے سے دھو لیتے ہیں۔ جو نبی پڑے اتار کر احرام باندھتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ان کے باطن سے حسد، دھوکہ، فریب، خواہشات اور جب دنیا بھی دور ہو جاتی ہے۔ جب وہ لبیک اللهم لبیک لا شریک لک پکارتے ہیں تو اس کے بعد کبھی شیطان، نفس امارہ اور خواہشات کی صدا پر کان نہیں دھرتے کیونکہ وہ تلبیہ میں اقرار کر چکے ہوتے ہیں کہ تیرے لیے کوئی شریک نہیں۔ ان کی ظاہری آنکھیں اللہ کے گھر پر جمی ہوتی ہیں اور دل کی آنکھوں سے گھر بلانے والے کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ طواف کرتے ہیں تو اس آیت کا ورد کرتے جاتے ہیں:

وَتَوَكَّرَى الْمَلٰٓئِكَةُ حَاقِبٰٓتِيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ [الزمر: ۷۰]

ترجمہ: ”اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کیے۔“

مذکورہ آیت مبارکہ کے ورد کرنے سے یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے طواف میں مشغول فرشتوں کو بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اور جب وہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کیے نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں تو انہیں علم ہوتا ہے کہ یہ اس بندے کا مقام ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو اس کے نقش قدم پر چلنے اور اس کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے مقام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

صوفیہ جب حجر اسود کو ہاتھ سے چھوتے اور بوسہ دیتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ گویا اللہ تعالیٰ کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اب تقاضائے ادب یہی ہے کہ اس کے بعد خواہشات و شہوات دنیوی کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ صفائی کی طرف جاتے ہیں تو یہ نیت ہوتی ہے کہ اب دل کو ہر طرح کی کدورتوں سے صاف رکھنا ہے اور صفادمرہ کے درمیان سعی کرتے ہیں اور تیز تیز دوڑتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ شیطان اور مکر نفس سے فرار ہو رہے ہیں۔ مٹی پہنچتے ہیں تو ان کے آداب میں سے ہے کہ وصل محبوب کی تیاریاں شروع کر دی جائیں ممکن ہے کہ آرزو بر آئے۔

میدان عرفات میں پہنچتے ہیں تو اپنی نیکیوں کو جانچتے ہیں۔ حشر و نشر اور قبروں سے اٹھانے جانے کو یاد کرتے ہیں۔ جب ذرف کرتے ہیں تو یوں جانتے ہیں کہ اپنے مالک کے حضور میں کھڑے ہیں اور اب اس سے منہ نہ پھیریں گے۔

امام کے ساتھ مزلفہ لوٹتے ہیں تو اللہ جل ذکرہ کی عظمت و کبریائی سے دلوں کو معمور رکھتے ہیں۔ اور دنیا و آخرت کو پیچھے چھوڑ آتے ہیں۔ رمی کے لیے پتھر توڑتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی جملہ خواہشات شہوات اور نفس کے ارادوں کو بھی پارہ پارہ کر ڈالتے ہیں۔
 مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر تعظیم ہوتی ہے اور کنکریاں مارتے ہیں تو اپنے اعمال پر

نظر رکھتے ہیں۔

سردوں کو منڈواتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ان کے باطنوں سے خود ستائی کی خواہش مٹ جاتی ہے۔ قربانی کے جانوروں کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی نفس امارہ کو بھی ذبح کر ڈالتے ہیں پھر طواف کی طرف لوٹتے ہیں تو کعبہ کے پردوں کو اس نیت کے ساتھ تھامتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور سہارا نہیں وہ اللہ کے بعد خلق کے دامن میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کرتے۔ منیٰ واپس آتے ہیں اور ایام تشریق کے دوران میں وہاں قیام کے وقت جب کہ ہر چیز ان پر حلال ہوتی ہے اس کے باوجود وہ یہ بات خلاف ادب سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کو جنہیں وہ اپنے نفسوں پر حرام کر چکے ہیں انہیں وہ اپنی لذتوں کو پورا کرنے کی خاطر اور مالکِ حقیقی کے ایک بار حرام کئے ہوئے کو پھر سے حلال سمجھیں۔

مناسک حج مکمل کرنے کے بعد صوفیہ کرام اپنے احوال کو پاکیزہ کرنے کے بعد انہیں مکدر کرنے سے احتراز کرتے ہیں وہ فقط اللہ کی وسعت رحمت پر بھروسہ رکھتے ہیں کیونکہ انہیں قبولیت حج کے بارے میں خدشہ رہتا ہے۔ وہ ظاہر اباطن اللہ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور اس کی بارگاہ میں گز گز کر اپنی نجات کی دعائیں مانگتے ہیں۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں میں نے ایک ویرانے میں کسی شیخ کو دیکھا جو لوگوں کو توکل کا درس دے رہا تھا مگر اس کے سترہ دن بعد خود اسباب پر بھروسہ کرنے لگا۔ ایک اور شیخ نے اسے روکا مگر وہ نہ رکا۔ اس پر صوفیہ نے اسے اپنی صف سے خارج کر دیا۔

ذوقی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میں مصر میں داخل تو زقاق علیہ الرحمہ سے ملنے چلا گیا میں نے سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ حجاز سے۔ کہنے لگے: میں بنی اسرائیل کے ریگستان میں سترہ دن تک کچھ کھائے پئے بغیر بھٹکتا رہا کہ اتنے میں دور سے کچھ دھندلی دھندلی انسانی شکلیں دکھائی دیں، میرے نفس نے لالچ کی کہ (اب کچھ مل جائے گا) جب میں ان کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک فوج ہے اور ساتھ میں اس کا امیر بھی۔ یہ فوج بحیرہ قلزم کی طرف جا رہی تھی، جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ فوجی ہیں تو میرا نفس ان سے مایوس ہو گیا مگر انہوں نے مجھے کھانا پیش کیا جو میں نے نہیں کھایا پھر پانی دیا جو میں نے نہ پیا۔

امیر فوج نے کہا: جس حالت میں تم ہو اس میں تو مردار کا کھانا بھی جائز ہوتا ہے۔ پھر تم ہمارا کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے جواب دیا: جب ہم لوگوں میں رہتے ہوئے آپ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تو اس وقت آپ لوگوں کے سامنے کیونکر ہاتھ پھیلاؤں جبکہ سارا وقت کہتے ہیں کہ ذقاق علیہ الرحمہ کی ایک آنکھ بینائی سے محروم تھی۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں ایک روز صحرا میں بھٹک رہا تھا اور میں نے بالوں سے بنا ہوا کبیل اوڑھا ہوا تھا کہ اچانک میری آنکھ میں کھلی ہونے لگی۔ میں نے اس کبیل سے آنکھ کو ملتا تو وہ بہ گئی اور بینائی ضائع ہو گئی۔

سفر و حضر میں صوفیا کے آداب اور باہمی روابط

جنید علیہ الرحمہ کہتے ہیں: فقیر آزمائشوں کا ایسا سمندر ہے جس کی ہر آزمائش کڑی ہے اور صاحب فقر کی علامت یہ ہے کہ جب وہ خود قوی ہوتا ہے اس کی محبت کمزور ہوتی ہے اور جب خود کمزور ہوتا ہے تو اس کی محبت قوی ہوتی ہے۔ فقیر کو چاہیے کہ اپنی محبت پر قائم رہے۔

میں نے دق سے مصر میں انہوں نے ابو بکر زقاق کو مصر میں یہ کہتے سنا کہ چالیس برس سے فقراء کی صحبت میں رہ رہا ہوں مگر میں نے کبھی ان کو کسی سے کوئی مدد طلب کرتے ہوئے نہیں دیکھا اگر وہ ایسا کرتے بھی تھے تو صرف آپس میں ایک دوسرے سے یا پھر اس سے یا پھر اس سے جو ان کا محب اور دوست ہوتا جس نے فقر میں تقویٰ و پرہیزگاری کو چھوڑا اس نے حرام محض کھایا۔

ابو عبد اللہ ابن الجلاء کہتے ہیں کہ جس نے فقر کو پرہیزگاری کے ساتھ حاصل نہ کیا اس نے گویا انجانے میں حرام محض کھایا۔

فقیر صادق

ہبل بن عبد اللہ کا قول ہے: فقیر صادق تین باتوں پر کاربند رہتا ہے ایک یہ کہ ضرورت مند ہو تو مانگتا نہیں دوسرے یہ کہ کچھ مل جائے تو رو نہیں کرتا اور تیسرے یہ کہ جب کوئی چیز مل جائے تو دوسرے وقت کے لیے بچا نہیں رکھتا۔

ایک صوفی نے کہا کہ فقیر صادق کی تین نشانیاں ہیں:

۱۔ کسی سے کچھ مانگتا نہیں

۲۔ کسی سے تعرض نہیں کرتا۔

۳۔ اگر کوئی اس سے اٹھے تو خاموش رہتا ہے۔

ہبل بن عبد اللہ کہتے ہیں: تین خوبیاں فقیر کا لازمہ ہیں:

۱۔ اپنے راز کی حفاظت

۲۔ فرائض کی ادائیگی

۳۔ فقر کا تحفظ

انتظار و وصل

جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: صاحب فقر ہر معاملے میں صبر کر سکتا ہے مگر وصل کی منزل تک پہنچنے کے لیے جو عرصہ حاصل ہوتا ہے اس کے ختم ہونے تک صبر نہیں کر سکتا۔

مخصوص خصائل فقراء

ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ فقراء کی بارہ خوبیاں ہیں جو سفر و حضر میں ان میں موجود رہتی ہیں:

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر وعدے پر مطمئن رہتے ہیں۔

- ۲۔ خلق سے مایوس رہتے ہیں۔
- ۳۔ شیاطین سے دشمنی کو برقرار رکھتے ہیں۔
- ۴۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف کان لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔
- ۵۔ جملہ مخلوقات پر شفقت کرتے ہیں۔
- ۶۔ خلق کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کو برداشت کرتے ہیں۔
- ۷۔ جملہ مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں۔
- ۸۔ صرف اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتے ہیں۔
- ۹۔ معرفت خدا میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں۔
- ۱۰۔ ہمیشہ پاکیزہ رہتے ہیں۔
- ۱۱۔ ان کا سرمایہ فقر ہوتا ہے۔
- ۱۲۔ کمی بیشی، پسند ناپسند غرض اللہ کی جانب سے انہیں جو کچھ بھی پیش آئے اس پر شکر بجالاتے ہیں اور پسندیدگی مظاہرہ کرتے ہیں۔

کسی شیخ کا کہنا ہے جس نے ثواب فقر کے بدلے اللہ تعالیٰ سے فقر مانگا وہ فقیر ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا اور جس فقیر پر اس کی عقل چھا گئی اس کی خوشیاں لٹ گئیں۔

صوفیا کا نظریہ ملکیت

فقراء کو اللہ کی جانب سے جو کچھ بغیر مانگے اور بلا طمع عطا ہو وہ اس کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہتے کہ یہ میرا یہ تیرا۔ اور نہ ہی کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ میں تو تیرا ہو گیا مگر تو میرا نہ ہوا یا میں اس طرح کرتا ہوں کہ کہیں اس طرح نہ ہو جائے یا میں یوں نہیں کرتا کہ کہیں یہ کام اس طرح نہ ہو جائے۔

ابراہیم بن شیبان کہتے ہیں ہم ایسے شخص کی صحبت میں نہیں بیٹھتے تھے جو یہ کہتا کہ میرا جو اتا اور میری چھا گل۔ جنید کے اساتذ ابو عبد اللہ احمد قلانی نے کہا: میں بصرہ میں فقراء کی ایک جماعت سے ملا، وہ میرے ساتھ بڑی اچھی طرح پیش آئے ان کے ساتھ رہتے ہوئے ایک بار میرے منہ سے اتنا نکلا کہ میرا تہ بند کہاں ہے؟ اور میں ان کی نظروں سے گر گیا۔ ابراہیم بن ملاد الرقی نے کہا میں طرطوس کے علاقہ میں داخل ہوا تو مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک مکان میں تمہارے بھائیوں کی ایک جماعت رہتی ہے۔ میں ان کے پاس گیا تو وہاں میں نے سترہ فقراء دیکھے اور میں نے انہیں اس حالت میں پایا کہ گویا ان کے سینوں میں بیک وقت ایک ہی دل دھڑک رہا تھا۔ ابو عبد اللہ احمد قلانی نے کہا گیا کہ آپ نے اپنے مسلک کی بنیاد کن چیزوں پر رکھی ہے؟ انہوں نے کہا: تین باتوں پر۔ ایک یہ کہ ہم کسی سے اپنا جائز حق بھی طلب نہیں کرتے، دوسری یہ کہ ہمیں زندگی بھر جو کچھ نکالیف اٹھانی پڑتی ہیں، انہیں ہم اپنے اوپر ہی اٹھاتے ہیں۔

کسی صوفی نے کہا ہمارے مسلک کی بنیاد تین چیزوں پر ہے:

- ۱۔ متابعت امر و نہی
- ۲۔ فقرا اختیار کرنا
- ۳۔ خلق کے ساتھ شفقت سے پیش آنا

کسی شیخ کا قول ہے جب تم یہ دیکھو کہ فقیر حقیقت سے محض علم کی جانب آ جائے تو سمجھ لو کہ اس نے اپنا عزم توڑ دیا اور اس کی نیت فاسد ہو گئی۔

ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں: صوفیہ کے آداب میں یہ بات شامل نہیں کہ ان کا کوئی وسیلہ یا سبب ہو جس کی طرف وہ بوقت حاجت مندی رجوع کرتے ہوں یا وہ اپنے ہاتھوں یا زبان کو لوگوں سے مدد مطلب کرنے کے لیے استعمال کریں۔ جنید علیہ الرحمہ نے کہا: فقراء سے ملنے وقت نرمی سے پیش آؤ نہ کہ علم کے ساتھ کیونکہ وہ نرمی سے مانوس اور علم سے تامانوس ہوتے ہیں (یعنی صوفیہ کے ساتھ بحث مباحثہ سے احتراز کرنا چاہیے)۔

صوفیہ کے آدابِ صحبت

ابراہیم بن شیبان علیہ الرحمہ کہا کرتے تھے: ہم اس شخص کی صحبت اختیار نہیں کرتے جو یہ کہتے کہ یہ میرا جوتا اور یہ میری چھال ہے۔

سہل بن عبد اللہ سے کسی نے کہا میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں آپ نے کہا: جب ہم دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے گا تو دوسرا اس کی صحبت اختیار کرے گا۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ابھی سے اللہ کی صحبت اختیار کر لیں۔

ذوالنون مصریٰ سے کسی نے پوچھا کہ کس کی صحبت اختیار کروں۔ انہوں نے کہا: اس کی صحبت اختیار کرو جو بیماری میں تیری عیادت کرے اور اگر تجھ سے گناہ سرزد ہو تو وہ تجھے معاف کر دے۔

معیارِ دوستی

ایک صوفی کا قول ہے کہ وہ شخص ہرگز تیرا دوست نہیں جسے تو کہے کہ چل۔ اور وہ کہے: کہاں؟

ذوالنون مصریٰ کہتے ہیں کہ اللہ کی صحبت موافقت کے ساتھ، خلق کی صحبت باہمی خیر خواہی کے ساتھ، نفس کی صحبت مخالفت کے ساتھ اور شیطان کی صحبت عداوت و محاربت کے ساتھ اختیار کرو۔

احمد بن یوسف زجاجی کہتے ہیں کہ دو ساتھیوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے دونوں، جو یکجا ہوئے تو انہیں وہ کچھ نظر آنے لگا جو پہلے الگ الگ ہونے میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بلاشبہ مخالفت ہر بے اتفاقی کی جڑ ہے۔ شیطان کے پاس باہمی مخالفت پیدا کرنا ایک ایسا حربہ ہے جس کے ذریعے وہ اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت و انس رکھنے والوں میں پھوٹ ڈالتا ہے۔

ابوسعید خدریٰ نے کہا: میں پچاس برس صوفیہ کی صحبت میں رہا مگر ان کے اور میرے مابین کبھی مخالفت نہیں ہوئی۔ پوچھا گیا کہ وہ کس طرح؟ فرمایا: اس طرح کہ میں ہمیشہ اپنے نفس کی مخالفت کر کے ان کی حمایت کرتا رہا۔

جنید علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بد اخلاق نیکو کار شخص کے مقابلہ میں مجھے ایک خوش خلق فاسق زیادہ عزیز ہے۔ اور آپ نے مزید کہا: میں نے ابو حفص نیشاپوریؒ کے ساتھ ایک شخص دیکھا جو اس قدر خاموش طبع تھا کہ بولتا نہ تھا۔ میں نے اس کے ساتھیوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا: یہ شخص ابو حفص کی صحبت میں رہتا ہے اور ہماری خدمت کرتا ہے۔ اس نے ابو حفص پر ایک لاکھ درہم خرچ کئے ہیں اور ایک لاکھ درہم مزید قرض لے کر ان پر خرچ کر چکا ہے، صرف اس لیے کہ وہ اسے ایک لفظ بولنے کی اجازت دیں۔

ابویزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: میں ابویعلیٰ سندھیؒ کی صحبت میں رہا۔ وہ مجھے توحید اور علم الحقائق سکھاتے تھے اور میں انہیں ان کے نفس یا دلدلاتا تھا۔

ابوعثمانؒ کہتے ہیں کہ میں نو عمر لڑکا تھا کہ میں نے ابو حفصؒ کی صحبت میں بیٹھنا چاہا مگر انہوں نے مجھے دھتکار کر کہا کہ میرے پاس مت بیٹھو۔ مجھے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور ان کی طرف منہ کر کے پشت کی جانب چل پڑا حتیٰ کہ میں باہر آ گیا۔ اس روز کے بعد میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ ان کے دروازے پر ایک کنواں کھود کر اس میں بیٹھ جاؤں اور ان کی اجازت کے بغیر اس سے نہ

نکلوں، جب انہیں اس کا علم ہوا تو قریب بیٹھا کر پیار کیا اور اس روز سے مجھے اپنا مرید خاص بنا لیا۔ ان کی یہ شفقت مجھ پر ان کے انتقال تک برقرار رہی۔ میں نے ابن سالم کو یہ کہتے سنا کہ میں ساٹھ برس تک اہل بن عبداللہ کی صحبت میں رہا۔ ایک روز میں نے عرض کیا: میں نے آپ کی خدمت میں ساٹھ برس گزار دیے مگر آپ نے آج تک مجھے وہ اولیاء و ابدال نہیں دکھائے جو آپ کے پاس آتے رہتے ہیں، انہوں نے فرمایا: تم ہی تو ہر روز انہیں میرے پاس اندر لاتے رہتے ہو۔ کیا تو نے وہ شخص میرے پاس نہیں دیکھا جس کی بیٹی بندوق تھی اور مسواک بھی اس کے پاس تھی، اور وہ تم سے باتیں کر رہا تھا، وہ انہیں ابدالوں میں سے تھا۔

ابراہیم بن شیبان نے کہا کہ ہم ابو عبداللہ مغربی کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، اس وقت ہم جواں سال تھے، وہ ہمیں اپنے ساتھ دشوار گزار صحراؤں کے سفر پر لے جایا کرتے تھے، ان کے پاس ایک شیخ حسن نامی بھی رہا کرتے تھے۔ اس شیخ نے ستر برس تک ان کی خدمت کی تھی ہم میں سے جس سے بھی کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو اسی شیخ نامی شیخ کی سفارش سے وہ ہمیں معاف کر دیا کرتے تھے۔

اہل بن عبداللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے ایک بار اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے کہا: اگر تم درندوں سے ڈرنے والے ہو تو میری صحبت اختیار مت کرو۔

یوسف بن حسین رازیؒ کا کہنا ہے کہ میں نے ذوالنونؒ سے کہا: میں کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا: اس کی جس سے تم وہ تمام باتیں پوشیدہ نہ رکھو جنہیں اللہ جانتا ہے۔

کوئی شخص ابراہیم بن ادھمؒ کی صحبت اختیار کرتا تو وہ ان سے تین شرائط پوری کرنے کو کہتے۔ ایک یہ کہ خدمت وہ خود کریں گے، دوسری یہ کہ اذان بھی وہی دیں گے اور تیسری یہ کہ جو کچھ اللہ ان کو عطا کرے گا اس میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ ایک روز ان کے ایک ساتھی نے کہا: میں آپ کی ان شرائط کو مکمل نہیں کر سکتا۔ آپ نے کہا: مجھے تیرا چاہنا پسند آیا۔

ابراہیم بن ادھمؒ ہانگوں کی رکھوالی اور فصل کی کٹائی کر کے کھاتے اور اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتے۔ ابو بکر کتائی کہتے ہیں کہ ایک شخص میری صحبت میں بیٹھا۔ مگر وہ مجھے ناگوار گزارا، میں نے اسے کپڑے وغیرہ تحفہ دیئے تاکہ میرے دل میں جو کچھ ہے وہ زائل ہو جائے، مگر ایسا نہ ہوسکا پھر میں ایک روز اسے اپنے گھر لے گیا اور اس سے کہا: اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے، اس نے انکار کیا مگر میں نے کہا کہ ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ اس پر اس نے اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دیا۔ اس سے میرے دل میں اس لیے جو ناگواری تھی زائل ہو گئی۔

مذکورہ بالا حکایت مجھ سے دقیق نے بیان کی۔ اور انہوں نے کہا میں نے یہ حکایت جاننے کے لیے شام سے حجاز کا سفر کیا تاکہ وہاں ابو بکر کتائی سے اسے سن لوں۔

ابوعلی رباطیؒ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ مروزیؒ کی صحبت اس وقت اختیار کی جب کہ وہ صحرا میں زاہراہ کے بغیر سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: کیا تم امیر بنتا پسند کرو گے؟ یا میں امیر بنوں؟ میں نے کہا: آپ امیر ہوں گے۔ انہوں نے کہا: اگر ایسا ہے تو تمہیں میرا حکم ماننا ہوگا۔ میں نے جواب دیا: مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تھیلا لیا اور اس میں زاہراہ بھر کر اسے اپنی بیٹھ پراٹھا لیا۔ میں نے کہا: مجھے دیجئے! میں اٹھا لیتا ہوں۔ اس پر انہوں نے مجھے یاد دلا یا کہ کیا میں

امیر نہیں اور تم پر میرا حکم ماننا لازم نہیں؟ سفر کرتے کرتے رات پڑ گئی اور ہمیں بارش نے آ لیا تو وہ ساری رات میرے سر پر چادر تان کر بارش روکے کھڑے رہے اور میں بیٹھا رہا۔ اس وقت میری حالت یہ تھی کہ کاش! میں یہ کہتا ہی نہ کہ وہ میرے امیر نہیں۔ آپ نے مجھ سے اس سفر کے دوران یہ بھی کہا: جب کوئی تیری صحبت اختیار کرے تو اس سے ویسا ہی سلوک کرنا جو میں تمہارے ساتھ کیا۔

سہل بن عبداللہؓ کہا کرتے تھے: تین طرح کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔ ایک غافل ظالم دوسرے خوشامدی اور تیسرے

جاہل صوفیہ۔

علمی مذاکرات اور آدابِ صوفیہ

میں نے احمد بن علی وجیہیؒ سے اور انہوں نے اپنے والد ابو محمد جریرؒ سے سنا کہ صرف بحث برائے بحث سے استفادے کے دروازے بند اور باہمی خیر خواہی ہی غرض سے بحث کرنے سے استفادے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ابو یزید کا قول ہے: جس نے بولنے والے کی خاموشی سے فائدہ حاصل نہ کیا وہ اس کی گفتگو سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ جنید بغدادیؒ کہتے ہیں کہ صوفیہ دل کی بات سے زبان کی تجاویز کو ناپسند کرتے ہیں۔

ابو محمد جریرؒ کہتے ہیں: ادب و انصاف کا تقاضا ہے کہ تصوف سے متعلق کوئی صوفی اس وقت تک کوئی گفتگو نہ کرے جب تک اس سے اس کے بارے میں پوچھا نہ جائے۔

ابو تراب شیبیؒ کے مرید ابو جعفر بن مزاجیؒ نے کہا: میں نے بیس برس تک کبھی کوئی مسئلہ اس وقت تک نہیں پوچھا جب تک کہ پہلے میں عملاً اس کو پوچھنے کے قابل نہ ہوتا۔ ابو حفصؒ کا قول ہے: تصوف پر گفتگو اسی شخص کو کرنی چاہیے جو اپنی خاموشی پر عذاب سے ڈرتا ہو۔ (یعنی جب اس کے لیے گفتگو کرنی ضروری ہو جائے)۔

ایک شخص ابو عبد اللہ احمد بن یحییٰ الجلاؒ کے پاس آیا اور ان سے توکل کے بارے میں پوچھا۔ اس وقت ابن الجلاؒ کے ہاں اور صوفیہ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے مسائل کو جواب نہ دیا اور گھر چلے گئے اور وہاں چار دائق (چھوٹے سکے) جو ان کے پاس تھے لا کر ان حاضرین میں تقسیم کر دیئے، اس کے بعد انہوں نے مسائل کو جواب دیا۔ ان سے جب ان کے اس عمل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ سے شرم آتی تھی کہ گھر میں چار دائق رکھ کر توکل پر گفتگو کروں۔

ابو عبد اللہ مصریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن یزید انیازؒ سے مسائل تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے کہا: مجھے تمام لوگوں کے ہاں فقط غیب کے بارے میں کچھ باتیں ہی سننے کو ملیں ممکن ہے کہ وہ غیب آپ ہوں۔ انہوں نے مجھے کہا: جو کچھ تم نے کہا ایک بار پھر کہو، میں نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا۔

ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ علم تصوف کے مسائل پر بحث کرنے کا حق صرف اُسے حاصل ہے جو اس کی تعبیر پر قادر ہو اور تصوف سے متعلق نظریے کو بیان کرے پہلے وہ خود اس کے عملی پہلو سے گزر چکا ہو۔

ابو جعفر صید لانیؒ کہتے ہیں: ایک شخص نے ابو سعید خرازیؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا اور وہ گفتگو کے دوران میں اللہ کا حوالہ دیتا تو اشارے کرتا۔ اس پر ابو سعید نے اس سے کہا: ہم تمہاری بات کو بلا اشارہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اکثر لوگ اللہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور اللہ سے کتنے ہی دور ہوتے ہیں۔

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اگر اس آسمان کے نیچے کوئی علم، علم تصوف سے بڑھ کر ہوتا تو میں اس کی اور اس کے جاننے والوں کی طرف دوڑا ہوا جاتا اور سیکھ لیتا، اور اگر یہاں کوئی وقت صوفیہ کے اوقات سے بہتر ہوتا تو میں اس کو حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔

آپ نے مزید فرمایا: میں نے کوئی گروہ علماء کا ایسا نہیں دیکھا جو گروہ صوفیہ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو میں ہرگز صوفی علماء کی صحبت اختیار نہ کرتا۔

ابوعلیٰ رودباریؒ نے کہا: ہمارا یہ علم اشاراتی ہے جب بھی یہ عباراتی ہوا تو بے معنی ہو گیا۔
ابوسعید خدریؒ کہتے ہیں کہ ابو حاتم عطا بصرہ میں تھے تو مجھ تک ان کی فضیلت کا چرچا پہنچا اور میں مصر سے انہیں ملنے کے لیے بصرہ روانہ ہوا۔

بصرہ پہنچ کر جامع مسجد میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ابو حاتم عطاؒ لوگوں کے درمیان بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں مجھ دیکھنے کے بعد پہلی بات جو ان کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ میں ایک شخص کے لیے بیٹھا ہوں وہ کہاں ہے؟ اور میرا اس شخص سے کیا تعلق ہے؟ پھر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: کیا وہ شخص تم ہو؟ پھر فرمایا: اللہ نے صوفیہ کو جس (راز کے) قابل سمجھا تھا اس سے مطلع کر دیا، جو کچھ ان پر لازم کیا اس کی انجام دہی میں ان کی مدد فرمائی اور جو کچھ ان کے لیے پیش کیا انہیں اس سے بے خبر رکھا، الغرض وہ اسی کے ساتھ اور اسی کے لیے عبادت کرتے ہیں اور اس سے اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
جنیڈ نے کہا: اگر ہمارا یہ علم (علم تصوف) گندگی کے ڈھیر پر پڑی ہوئی کوئی چیز ہوتی تو صوفیہ اپنی معینہ مقدار کے مطابق اس میں سے اپنا حصہ نہ لیتے (یعنی علم تصوف کوئی ایسی عام شے نہیں کہ ہر کوئی بے تحاشا اس سے جھولی بھرتا پھرے)۔
شبلیؒ نے ایک روز اہل مجلس سے کہا: تم منتخب لوگ ہونہارے لیے جنت میں نور کے منبر بنائے جائیں گے، حتیٰ کہ فرشتے بھی تم پر رشک کریں گے۔ کسی نے پوچھا: کسی عمل کے بدلے یہ مقام ملے گا۔ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ یہ علم تصوف پر آپس میں تبادلہ خیالات کیا کرتے ہیں۔

میں نے جعفر خلدیؒ سے انہوں نے جنیڈ سے سنا اور انہوں نے کہا کہ سری سقطیؒ نے مجھ سے کہا: مجھے معلوم ہوا کہ جامع مسجد میں تیرے پاس ایک جماعت بیٹھتی ہے۔ میں نے کہا: جی ہاں، وہ میرے بھائی ہیں، ہم سب مل کر تصوف سے متعلق باتیں کرتے ہیں اور اس طرح سے ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اے ابو القاسم! افسوس ہے کہ تو بے کار لوگوں کا مرکز بن گیا ہے۔

جنیڈ کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا: جب کبھی سری سقطیؒ مجھے فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو وہ مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھتے ہیں۔ ایک روز انہوں نے مجھ سے پوچھا: اے لڑکے! شکر کسے کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: شکر یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے بدلے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ ان کو میری یہ بات بہت پسند آئی اور کہا: شکر کی تعریف کس طرح کی ذرا پھر سے کہو۔

مذکورہ بالا حکایت ہم نے ابوعلیٰ رودباریؒ کے قلم سے جنیڈ کے متعلق لکھی ہوئی پائی ہے۔

سہل بن عبد اللہ کے بارے میں مذکور ہے کہ ان سے مسائل تصوف پوچھے جاتے تو کچھ نہ بولتے، ایک عرصے کے بعد انہوں نے اس سلسلے میں گفتگو شروع کی تو پوچھا گیا کہ پہلی خاموشی کا کیا سبب تھا۔ فرمایا: اس وقت ذوالنونؒ زندہ تھے ان کے ہوتے ہوئے میں احتراماً اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابوسلمانی دارانیؒ نے کہا: اگر مجھے یہ علم ہو جاتا کہ میں کوئی شخص ایسا ہے جو مجھے علم تصوف میں ایک لفظ کا فائدہ پہنچائے

تو مجھ پر یہ لازم ہوتا کہ چاہے ہزار فرسنگ پیدل چل کر جانا ہوتا تب بھی میں جاتا اور اس سے وہ ایک لفظ بھی سن کر آتا۔

کلمہ فناء کا شمار

ابوبکر زقاقؓ نے کہا کہ میں نے جنیدؒ سے فناء کے متعلق صرف ایک لفظ سنا جس کا شمار چالیس برس کے بعد بھی نہیں اترتا۔ میں نے دتی کو یہ کہتے سنا کہ مذکورہ بالا حکایت زقاقؓ بیان کیا کرتے تھے۔

میں نے دتی سے سنا انہوں نے کہا: ابو عبد اللہ ابن الجلاؒ سے کہا گیا کہ آپ کے والد کا نام ’جلا‘ کیوں رکھا گیا؟ تو فرمایا: وہ لوہے کی صیقل کرنے والے جلاء (لوہے کو صیقل کرنے والا) نہیں تھے، بلکہ وہ ایسے جلاء تھے جو دلوں سے گناہوں کا رنگ اتار کر انہیں صیقل کر دیتے تھے۔ حارث مجاہدؒ بھی کہا کرتے تھے کہ اس دنیا میں معزز ترین وہ عالم ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ اور وہ صوفی عارف باللہ ہے جو اپنی حقیقت بیان کرتا ہے۔

میں نے ابن علوانؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص جنیدؒ سے کوئی ایسا سوال کرتا جو پوچھنے والے کے فہم سے بالا ہوتا تو جو بافرماتے: لا حول والا قوۃ الا باللہ۔ اور اگر وہ مسائل پھر سوال کرتا تو فرماتے: حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

ابو عمرو زجاجیؒ بیان کرتے ہیں کہ جب تو کسی شیخ کی مجلس میں بیٹھے اور وہ مسائل تصوف پر گفتگو کر رہے ہوں اور اس دوران میں تجھے قضائے حاجت کی شدید ضرورت پڑے تو بہتر سے کہہ دو وہیں بیٹھے ہوئے ہی فارغ ہو لے کیونکہ گندگی کو تو پانی سے دھویا جاسکتا ہے مگر اٹھ کر جانے سے جو علمی منفعت کا نقصان ہوگا اس کی تلافی زندگی بھر نہیں ہو سکتی۔

جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن کریمؒ سے کہا کہ ایک شخص جو علم تصوف سے متعلق ایک موضوع پر گفتگو کر رہا ہو مگر عملاً اس سے دور ہو تو کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ ایسا شخص خاموش رہے یا چاہیں گے کہ وہ گفتگو کر لے؟ ابن کریمؒ نے کچھ دیر سوچا اور کہا اگر وہ شخص آپ ہیں تو آغا ز کلام کیجئے۔

علم علماء

ابوبکر شبلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا اس علم کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے سامنے علماء کا علم فقط تہمت ہے۔

سری سقطیؒ کہتے ہیں: جس شخص نے صرف علم سے اپنی شخصیت کو سجائے رکھا اس نے اپنی نیکیوں کو بدیوں سے بدل لیا۔

صوفیہ کے معمولات مجالس ضیافت اور طعام کے بارے میں

ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: صوفیہ پر اللہ کی جانب سے تین مواقع پر رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ایک کھانے کے وقت کیونکہ صوفیہ فاتحے کے بعد کھاتے ہیں۔ دوسرے علم تصوف پر گفتگو کرتے وقت کیونکہ ان کی گفتگو کا موضوع اولیاء و صدیقین کے احوال ہوتے ہیں۔ اور تیسرے سماع کے دوران اس لیے کہ وہ جائز طریق سے سماع کرتے ہیں اور وجد ہوتے اٹھتے ہیں۔

محمد بن منصور طوسیؒ نے اپنے ایک مہمان سے کہا: آپ ہمارے ہاں تین دن تو قیام کریں اور اگر اس سے زیادہ قیام کریں تو یہ آپ کی طرف سے ہمارے لیے صدقہ ہوگا۔
سری سقطیؒ کہا کرتے تھے: افسوس! اس لقمہ طعام پر جس کے کھانے میں مجھ سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہو اور جس میں مجھ پر مخلوق کا احسان نہ ہو۔

ابوعلی نور باطنیؒ نے کہا: جب تمہارے پاس کوئی مسکین آئے تو اسے کھانے کے لیے کچھ پیش کرو۔ جب فقہاء آئیں تو ان سے مسائل پوچھو اور جب تمہارے پاس عبادت گزار لوگ آئیں تو انہیں جائے نماز کی طرف لے جاؤ۔
ابوبکر کتاتیؒ کہتے ہیں کہ ابو حمزہؒ نے کہا: میں سری سقطیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ میرے لیے ستولے آئے اور آدھے ستو میرے لیے پیالے میں ڈالنے لگے میں نے پوچھا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں تو یہ سب کے سب ایک بار پی سکتا ہوں وہ کہنے لگے کہ اگر ایسا کرو تو یہ تیرے لیے حج سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ ابوعلی رودباریؒ جب صوفیہ کو کسی ایک جگہ جمع دیکھتے تو اس آیت سے استشہاد کیا کرتے تھے:

هُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ [الشوری: ۲۹]

ترجمہ: ”اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔“

ابوعلی رودباریؒ کہا کرتے تھے کہ جب صوفیہ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر بڑا مہربان اور ان کے بارے میں سچا فیصلہ فرماتا ہے۔ پھر آپ یہ آیت اس کی دلیل میں پیش کرتے:

قُلْ يَصْحَحُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ + [السبا: ۲۶]

ترجمہ: ”تم فرماؤ! ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہم میں سچا فیصلہ فرمائے گا۔“

جعفر خلدی کہتے ہیں یہ جو تم دیکھتے ہو کہ بعض لوگ کھانے کے بعد بھی کھاتے رہتے ہیں یہ عدم سیری کی کیفیت ہوتی ہے، آپ نے کہا کہ دیکھو! کوئی صوفی زیادہ مقدار میں کھانا کھاتا ہے تو یہی سمجھو کہ وہ گزرے ہوئے وقت کا کھانا بھی کھا رہا ہوگا یا آنے والے وقت کے لیے کھا رہا ہوگا اور یا موجودہ وقت کا کھانا کھا رہا ہوگا۔

ابوبکر شیلیؒ فرماتے ہیں: اگر دنیا کسی بچے کے منہ میں ایک لقمہ کی مانند ہوتی تو پھر بھی میں اس بچے پر رحم کھاتا۔ آپ نے مزید فرمایا: کہ اگر یہ دنیا ایک لقمہ ہوتی تو میں اسے نگل لیتا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان حامل اس بڑی رکاوٹ کو

ہیشہ کے لیے ختم کر دیتا۔

کہتے ہیں کہ دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ کھانے بیٹھو تو اظہار مسرت کرو، دنیا پرستوں کے ساتھ شریک طعام ہو تو ادب سے کام لو اور فقراء کے ساتھ کھانا کھاؤ تو ایثار کا مظاہرہ کرو۔

مذکورہ آداب صوفیہ کے آداب میں سے نہیں بلکہ صوفیہ کے آداب یہ ہیں کہ وہ کھانے کے دوران مغموں نفرت کا اظہار کرنے والے اور تکلف سے کام لینے والے نہیں ہوتے، وہ زیادہ مقدار میں گھٹیا کھانے پر کم مقدار میں عمدہ کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے کھانے کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہوتا، کھانا کھانے کے دوران میں وہ ایک دوسرے کو لقمہ لقمہ کر کے نہیں کھلاتے اور اگر کوئی انہیں اس طرح سے کھلانے تو رو بھی نہیں کرتے، کثرت طعام کو پسند نہیں کرتے اور شدید بھوک ہو تو نہایت سلیقے کے ساتھ کھاتے ہیں۔

میں نے ایک جلیل القدر شیخ سے سنا وہ فرماتے تھے: میں دس روز فاقے سے رہا، اور دس روز کے بعد میرے سامنے کھانا لایا گیا تو میں دو انگلیوں سے کھانے لگا میزبان نے کہا: سنت پر عمل کیجئے اور تین انگلیوں سے کھائیے۔

ابراہیم بن شیبان نے کہا: اسی برس سے میں نے کوئی چیز شوق و اشتہاء کے ساتھ نہیں کھائی۔
ابو بکر کتانی دینوری بغداد میں رہتے تھے اور کبھی کوئی چیز ایسی نہ کھاتے جس کے حصول کے لیے انہیں مانگنے یا کسی سے بات کرنے کی نوبت آتی۔

جنید بغدادی کا قول ہے: یہ بڑی خست و کمینگی ہے کہ کوئی شخص دین کو حصول طعام کا ذریعہ بنائے۔
ابو تراب کہتے ہیں: مجھے کھانا پیش کیا گیا مگر میں نے نہیں کھایا۔ نتیجتاً مجھے چودہ دن کچھ بھی کھانے کو نہ ملا، تو مجھ پر عیاں ہو گیا کہ اللہ نے مجھے اپنے کیے کی سزا دی ہے اور میں اسی وقت اپنے کیے پر تائب ہوا۔

جنید بغدادی فرمایا کرتے تھے: لباس، طعام اور گھر صاف ستھرا ہو تو سب معاملات درست رہتے ہیں۔
سری سقطی کہا کرتے تھے: صوفیہ کا کھانا مریضوں کے کھانے کی طرح اور ان کی نیند اس شخص کی نیند کی مانند ہوتی ہے جسے ڈوبنے کا اندیشہ ہو۔

ابو عبد اللہ حصری کہتے ہیں: برس ہا برس گزر گئے مگر مجھے کبھی بھوک لگنے کی شکایت نہیں ہوئی مگر اس کے ساتھ کبھی یہ نوبت بھی نہیں آئی جو یہ کہوں کہ میں کھانا کھاؤں گا۔

فتح موصلی موصول سے روانہ ہوئے کہ بشر حافی سے ملاقات کریں جب ان کے ہاں پہنچے تو بشر حافی نے ایک درہم نکال کر احمد جلاکو دیا اور کہا: جا کر بازار سے عمدہ قسم کا کھانا لے آؤ۔ احمد جلا کہتے ہیں کہ میں نکلا اور بازار سے صاف ستھری روٹیاں خریدیں۔ اسی وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آیا کہ انہوں نے فقط دودھ ہی کے بارے میں یہ دعا فرمائی تھی کہ اسے اللہ ہمارے لیے دودھ میں برکت عطا کر اور اسے ہمارے لیے زیادہ فرما۔ اسی فرمان رسول کے پیش نظر میں نے دودھ خرید اس کے ساتھ کچھ بھجوریں خریدیں اور یہ سب کچھ لے کر مہمان کو پیش کر دیا۔ انہوں نے کچھ کھا لیا اور باقی ساتھ لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد بشر حافی نے اہل مجلس سے کہا: یہ فتح الموصلی تھے جو مجھے ملنے آئے تھے، کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے کھانا شروع کرتے وقت مجھے کھانے کو کیوں نہ کہا؟ اس لیے کہ آداب کے مطابق مہمان کھانے کو نہیں کہتا۔ اور کیا

آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کیوں کہا کہ صاف ستھرا طعام خرید لاؤ۔ اس لیے کہ پاکیزہ طعام کے کھانے سے خالص شکر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور جانتے ہو کہ انہوں نے جاتے ہوئے باقی طعام ساتھ کیوں لے لیا۔ اس لیے کہ جب توکل صحیح ہو تو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

معروف کرشنی سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ ہر شخص کی دعوت قبول کر لیتے ہیں؟ آپ نے کہا: میں تو اس دنیا میں مہمان ہوں جہاں کوئی لے جائے مہمان بن کر چلا جاتا ہوں، اپنا کوئی گھر نہیں رکھتا۔

ابوبکر کثافتی نے کہا: ایک سال ایسا بھی آیا کہ یہاں مکہ مکرمہ میں تین سو فقراء و مشائخ ایک ہی جگہ پر جمع تھے، اور ان کے درمیان علمی مذاکرات کے بجائے ایک دوسرے سے مہربانی اخلاق اور ایثار کا سلوک جاری رہتا۔

ابو سلیمان دارانی فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہیں کوئی دینی یا دنیوی حاجت درپیش ہو تو کھانے سے پہلے اسے پورا کرو کیونکہ کھانا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔

رویح نے کہا: میں نے بیس برس سے کھانے کے متعلق کبھی سوچا تک نہیں یہاں تک کہ یہ میرے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ میں نے احمد بن عطاء ابو عبداللہ رودباری سے سنا وہ کہتے ہیں کہ ابو علی رودباری نے سفید شکر کے لدے ہوئے کچھ اونٹ خریدے، پھر حلوانیوں کی ایک جماعت کو بلا کر انہیں کہا: اس شکر سے دیواریں، ان میں کھڑکیاں، محرابیں اور منقش ستون بنا سکیں۔ جب یہ سب کچھ بن کر تیار ہو گیا تو انہوں نے صوفیہ کو دعوت دی کہ وہ سفید شکر سے بنی ہوئی اس عمارت کو منہدم کر دیں اور لوٹ لیں۔

ابو عبداللہ رودباری فرمایا کرتے تھے: ایک شخص نے ضیافت کا اہتمام کیا اور ایک ہزار قندیلیں روشن کیں، کسی نے اعتراض کیا کہ یہ فضول خرچی ہے۔ یہ سن کر صاحب ضیافت نے کہا: آپ گھر میں داخل ہوں اور جو قندیل بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے روشن دکھائی دے اسے بھجا دو۔ وہ شخص اندر گیا تاکہ قندیلوں کو بھجا دے مگر بعد بسا کر کوشش کے وہ ایک قندیل بھی نہ بھجا سکا۔ اور بے نیل، مرام لوٹ گیا۔

ابو عبداللہ حصری نے احمد بن محمد سلمیٰ کو یہ کہتے سنا کہ میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا اور تین روز سے فاقے سے تھا میرے ذہن میں ایک تجویز آئی اور میں نے حرم کے علاوہ زیاد اور فقراء کو جمع کر کے ان کے لیے گیارہ خیمے کرایہ پر لیے اور انہیں ان میں ٹھہرا دیا۔ فوراً ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں اور تحائف آنے لگے الغرض گیارہ روز تک اشیاء و تحائف کی یہی ریل پیل رہی مگر اس تمام عرصہ کے دوران خود احمد بن محمد سلمیٰ نے کچھ بھی نہ کھایا۔

صوفیہ اور آداب وجد و سماع

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: سماع کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:

- ۱- اخوان
 - ۲- زمان
 - ۳- مکان
- حارث محاسبیؒ نے کہا: تین چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو کس قدر فائدہ حاصل ہو مگر انسوس! ہم نے انہیں کھو دیا ہے۔ ایک خوش آواز دی کہ جس میں دیانت ہو، دوسری خوبصورتی جو حسن کردار کی حامل ہو۔ اور تیسری دوستی کہ جس میں وفا ہو۔ احمد بن مقاتل مکیؒ کہتے ہیں کہ جب ذوالنون بغدادی داخل ہوئے تو صوفیہ کی ایک جماعت ان سے ملنے آئی جن کے ہمراہ ایک قوال بھی تھا۔ انہوں نے ذوالنون سے درخواست کی کہ قوال کو کچھ کہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ انہوں نے اجازت دے دی اور قوال نے یہ اشعار گائے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) ابھی تو تیری محبت کا آغاز ہے اور میں عذاب میں ہوں جب یہ محبت عنفوان شباب کو پہنچے گی تو میرا کیا عالم ہوگا۔
 - (۲) میرے محبوب تو نے میرے دل سے وہ ساری محبت جمع کر لی ہے جو سب کے لیے مشترک تھی۔
 - (۳) کیا تجھے اس غم کے مارے پر ترس نہیں آئے گا کہ محبت سے خالی لوگ تو ہنسی کھیل رہے ہیں اور وہ رو رہا ہے۔
- یہ اشعار سنتے ہی ذوالنون اٹھے اور منہ کے بل گر گئے، پیشانی سے خون جاری ہو گیا مگر یہ خون زمین پر نہیں گرتا تھا۔ اسی دوران محفل میں سے ایک شخص بھٹکنا شروع کیا اور جلد طاری کر کے کھڑا ہو گیا۔ ذوالنون علیہ الرحمہ نے اس سے کہا:

الَّذِي يَزِمُكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ [القرآن: ۲۱۸]

ترجمہ: ”یاد رکھ اس رب کو کہ جب تو کھڑا ہوتا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔“
یہ سنتے ہی وہ شخص بیٹھ گیا۔

چاک گر یہاں نہیں چاک دل چاہتے

ابراہیم بارتسائی سے کسی نے سماع کے دوران حرکت کرنے اور کپڑے پھاڑنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے نبی اسرائیل میں ایک قصہ بیان کیا۔ تو ایک شخص نے اپنی ٹیٹھ پھاڑ ڈالی۔ اسی وقت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اس شخص کو کہہ دیں کہ میرے لیے ٹیٹھ نہ پھاڑے اپنے دل کو چاک کرے۔ جنید علیہ الرحمہ کہا کرتے تھے: اگر علم دین سے کامل آگاہی ہو تو وجد کی کوئی نقصان نہیں پہنچاتی مگر علم دین سے واقفیت میں کمی کی صورت میں وجد میں زیادتی موجب نقصان ہو سکتی ہے۔

مذکورہ قول میں نکتہ یہ ہے کہ علم کی زیادتی سماع کے دوران سننے والے کی طاقت کے مطابق جو ارجح کو قابو میں رکھتی ہے۔ اور آداب سماع میں سے یہ ہے کہ بناوٹی قیام اور مصنوعی حال نہیں طاری کرنا چاہیے۔

جد غیر ارادی

دنیا وہ ما فیہا سے قطع تعلق کرنے والے درویشوں کے لیے وجد جائز ہے بشرطیکہ یہ غیر ارادی ہو۔ ویسے ان کے لیے اس

کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ وجد کرنے والوں میں شامل ہونے کے لیے اپنے اوپر وجد طاری کرنے کی کوشش کرے بلکہ مصنوعی وجد سے بہتر یہ ہے کہ حضور قلب اور مکمل سکون کے ساتھ سنے اور اگر مصنوعی وجد طاری کرنا عادت بن جائے تو یہ روحانی مدارج کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔

جب تک دل جب دنیا میں ملوث ہے سماع و وجد بالکل فضول ہے چاہے اس میں جسم ختم ہو جائے اور روح بھی پرواز کر

جائے۔

صوفیہ کے آدابِ لباس

لباسِ فقر

ایک مرتبہ ابو سلیمان دارانی نے سفید دھلی ہوئی قمیص پہنی تو احمد نے ان سے کہا: آپ نے کیا خوب اہلی قمیص پہنی ہوئی ہے۔ ابو سلیمان نے فرمایا: کاش! میرا دل بھی دوسرے دلوں میں اسی طرح اجلا ہوتا جیسے کپڑوں میں میری قمیص۔ اور آپ نے ہی فرمایا: تم میں سے کچھ لوگ تین درہم کی قیمت کی عبا زیب تن کرتے ہیں مگر ان کی دلی خواہش پانچ درہم کی عبا پہننے کی ہوتی ہے۔ اور ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو شرم بھی نہیں آتی کہ ان کی خواہش لباس سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ اور مزید کہا کہ کپڑوں کا چھوٹا ہونا تین خوبیوں کا حامل ہے:

۱- سنت پر عمل ۲- نظافت ۳- کثرت استعمال

بشر بن حارثؓ کے پاس ایک جماعت آئی جس نے پیوند لگے جے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے کہا: اے جماعت والو! اللہ سے ڈرو! اور یہ لباس مت ظاہر کرو کیونکہ اس کی وجہ سے تم بچان لیے جاتے ہو اور معزز سمجھے جاتے ہو۔ یہ سن کر وہ تمام خاموش رہے مگر ان میں سے ایک نوجوان نے اٹھ کر کہا: خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اس طرح کا بتایا ہے کہ اسی کے لیے اور اسی کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم یہی لباس پہنتے رہیں گے تا آنکہ سارا دین ہی اللہ کے لیے ہو جائے۔ بشر بن حارثؓ نے اس نوجوان کی اس بات کی تحسین کی اور کہا: بیٹے تو نے خوب بات کی مگر کون تیری طرح کے جذبے کے ساتھ یہ پیوند لگا جب پہنتا ہے۔

میں نے وجیہی سے اور انہوں نے جبرئیلؑ کو یہ کہتے سنا: جامع مسجد بغداد میں ایک فقیر رہتا تھا جو سردی گرمی میں ایک ہی کپڑا پہنتا رکھتا، اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا: میں زیادہ کپڑے پہننے کا شوق نہیں تھا مگر ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں اور وہاں ایک دسترخوان پر ہمارے ساتھی فقراء کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے بھی ان کے ساتھ بیٹھنا چاہا کہ فرشتوں نے یہ کہتے ہوئے مجھے وہاں سے اٹھا دیا کہ تو ان لوگوں میں نہیں بیٹھ سکتا، کیونکہ یہ لوگ دنیا میں صرف ایک کپڑا رکھتے تھے اور تیرے پاس دو قمیصیں ہیں۔ جب بیدار ہوا تو میں نے یہ قسم کھانی کہ اس وقت تک ایک کپڑے سے زندہ نہیں ہوں گا جب تک کہ میں اپنے رب سے نہ جا ملوں۔

ابو حفص حداد کا قول ہے: جب تو کسی فقیر کو زرق برق کپڑے پہنے دیکھے تو اس کی بھلائی نہ چاہ۔

یحییٰ بن معاذ رازیؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آغا میں وہ بوسیدہ ادنیٰ کپڑے پہنتا کرتے تھے مگر آخر عمر میں نرم ریشم زیب تن کرنے لگے۔ یہ بات ابو یزید سے کہی گئی تو کہا: بے چارہ بچیل گھٹیا چیز پر صبر نہ کرنا تو بڑھیا چیز پر کیا صبر کرے گا۔ میں نے طیفیور سے سنا انہوں نے کہا: جب ابو یزید اس دنیا سے رخصت ہوئے تو انہوں نے ایک قمیص پہنی ہوئی تھی جو کسی سے عاریتاً تھی، جسے پسماندگان نے اس کے مالک کو لوٹا دیا۔

جنید بغدادی کے استاد ابن الکرینی کا انتقال ہوا تو انہوں نے پیوند لگا جب پہنا ہوا تھا اور ان کی ایک آستین اور کپڑے

کے چند کڑے جو لباس کشادہ کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جعفر خلدی کے ہاں پڑے ہوئے تھے اور اس آستین میں تیرہ رطل بھی بندھے ہوئے تھے۔

ابوحنفہؒ نیشاپوری ریشمی قمیص اور دیگر فاخرہ لباس پہنتے تھے ان کے گھر میں ریت کے فرش بچھے ہوئے تھے۔
صوفیہ کے آداب لباس یہ ہیں کہ وہ وقت کے ساتھ چلتے ہیں اور انہیں ادنیٰ لذت کا لباس یا چوہند لگا کوئی جبہ وغیرہ جو بھی

مل جائے پہن لیتے ہیں۔

فقیر صادق جو بھی پہن لے اسے سجتا ہے اور ہر طرح کے کپڑوں میں اس کی شخصیت سے رعب و دبدبہ ٹپکتا ہے۔ وہ لباس کے معاملے میں تکلف برتا ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں اس کی اپنی کوئی پسند ہوتی ہے۔

جب اس کا ہاتھ کشادہ ہو تو وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرتا ہے اور اپنے اوپر دوسرے ساتھیوں کو ترجیح دیتا ہے اس جذبہ کے ساتھ کہ اظہار ایثار نہیں کرتا۔ نئے کپڑوں کے مقابلے میں بوسیدہ اور پرانی اشیاء کو عزیز سمجھتا ہے بہت سارے نئے کپڑوں سے تنگ ہوتا ہے جبکہ کم مگر بوسیدہ پھٹے پرانے کپڑوں کو ترک نہیں کرتا اور وہ صفائی و پاکیزگی کا باقاعدہ اہتمام کرتا ہے۔

صوفیہ کے آداب لباس تو خاصے طویل ہیں مگر یہاں اس کتاب میں گنجائش نہ ہونے کے سبب ہم نے اختصار برتا ہے اللہ تعالیٰ اسی اختصار کو لوگوں کے لیے کافی فرمائے۔

صوفیہ کے آداب سفر

کہتے کہ ابوعلیٰ روبری کے پاس ایک شخص جو کہ سفر کا ارادہ رکھتا تھا کچھ نصیحت کی باتیں سننے آیا اور عرض کیا: اے ابوعلیٰ! کچھ فرمائیے! آپ نے اس سے کہا: اے نوجوان! صوفیہ وعدے سے پھرتے نہیں اور مشورہ کے وقت منتشر نہیں ہوتے۔
 روہم سے آداب مسافر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اس کے قدم اس کے ارادے سے آگے نہ بڑھیں اور جہاں اس کا دل ٹھہر جائے وہیں قیام کرے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں نے عیسیٰ القصار سے سنا اور انہوں نے کہا کہ میں نے اسے روہم سے پوچھا تھا۔
 محمد بن اسماعیل کہتے ہیں: میں ابو بکر زقاق اور ابو بکر الکتانی بیس برس سے مجھ سے ہجرت تھے۔ اس عرصے میں ہمارا معمول یہ تھا کہ کبھی لوگوں سے نہیں ملے اور نہ ہی کسی کے ساتھ وقت گزارا۔ اگر کسی شہر میں کوئی شیخ ہوتا تو اس کی خدمت میں جاتے سلام عرض کرتے، سارا دن بیٹھے رہتے اور رات پڑتی تو جس مسجد میں ہمارا قیام ہوتا اس کی طرف لوٹ جاتے، پھر کئی ساری رات نوافل میں قرآن ختم کر لیتے۔ اسی طرح زقاق قبلہ رو ہو کر شب بھر بیٹھے رہتے اور میں غور و فکر میں ڈبا رہتا حتیٰ کہ سپیدہ سحر نمودار ہوتا اور ہم تینوں عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ اور اگر کبھی وہاں ہمارے ساتھ کوئی اور شخص ہوتا اور رات کو سو رہا ہوتا تو ہم اسے اپنے سے افضل سمجھتے۔

ابوالحسن مزین نے فرمایا: فقیر کا شعار یہ ہے کہ ہر روز ایک نئی جگہ پر ہوتا ہے۔ اور مرتا ہے تو دو منزلوں کے درمیان مرتا

ہے۔

مزین کبیر کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں ابراہیم خواص کے ہمراہ تھا کہ ان کی ران پر ایک بچھو دوڑتا دکھائی دیا۔ میں اسے مارنے کے لیے اٹھا مگر انہوں نے مجھے یہ کہہ کر روکا کہ اسے چھوڑ دو ہر چیز ہماری محتاج ہے اور ہم کسی چیز کے محتاج نہیں۔
 شبلی علیہ الرحمہ جب اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو سفر کا سلسلہ منقطع کرتے دیکھتے تو فرماتے: تم پر افسوس ہے! کیا اس سے چھٹکارا ہو سکتا ہے جس سے کوئی چھٹکارا نہیں۔ ابو عبد اللہ نصیبی نے کہا: میں نے بیس برس کے سفر میں کبھی اپنی پیوندگی گڈری پر کوئی جپ نہیں پہنا، نہ کسی ایسی جگہ کا رخ کیا جہاں سہولت ہوتی، اور نہ کوئی شخص سامان اٹھانے کے لیے ساتھ لیا۔
 الغرض صوفیہ کرام کے سفر کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ محض گھومتے پھریں۔ شہر دیکھیں، رزق تلاش کرتے پھریں، بلکہ ان کا سفر تو صرف حج، جہاد، ملاقات شیوخ، صلہ رحمی، مظالم کا خاتمہ کرنے، طلب علم، احوال و علوم کے بارے میں استفادہ کرنے اور کسی مبارک جگہ جانے کے لیے سفر اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ سفر کے دوران اپنے وہ اتراد و وظائف اور معمولات جو وہ گھر پر کرتے ہیں، انہیں ترک نہیں کرتے، وہ نماز قصر کو غنیمت نہیں سمجھتے اور نہ ہی رمضان المبارک کے دوران سفر کرتے ہوئے وہ روزے کی چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جماعت کی صورت میں سفر کرتے ہوں تو پیدل چلتے ہیں اور اگر ایک ضعیف ترین پیدل چل رہا ہو تو باقی اس کی بھرپور خدمت کرتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ایک قضائے حاجت کے لیے بیٹھتا ہے تو سب اس کے لیے ٹھہر جاتے ہیں اگر کوئی پیچھے رہ جائے تو اس کا انتظار کرتے ہیں اگر کوئی ان میں سے بیمار پڑ جاتا ہے یا کمزوری کی

وجہ سے چل نہیں سکتا تو اس کے لیے ٹھہر جاتے ہیں اور اس کی ہر طرح سے اعانت کرتے ہیں۔ نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو جب تک نماز ادا نہ کر لیں اپنی جگہ سے نہیں ہلتے بشرطیکہ ان کے پاس یا کہیں قریب پانی موجود ہو۔ یہ تو تھا کمزور صوفیہ کا حال، اور جو کیفیت سفر میں قوی صوفیہ کی ہوتی ہے وہ یوں ہے۔

ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ (سفر کے دوران) مجھ پر جس طرح کی پتتا بھی پڑی میں نے اس پر غلبہ حاصل کیا۔ ابو عمرانؒ سے سفر میں پیش آنے والے عجز اور غم و اندوہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جب بھی کوئی غم لاحق ہو تو اسے گرداب کی نذر کر دو۔ یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہو جانے کے بعد کسی غم کے لاحق ہونے کی پرواہ ہی نہ کرو۔ ابو یعقوب سوئیؒ نے کہا: مسافر کو سفر میں چار چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو وہ سفر نہیں کر سکتا، علم جو اس کی رہنمائی کرتا ہے، پرہیزگاری جو اس کی حفاظت کرتی ہے، شوق جو اسے اٹھائے پھرتا ہے اور اخلاق جو اس کے کردار کو پاک رکھتا ہے۔

ابو بکر کتائیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی صوفی ایک بار یمن سے ہو آتا اور دوبارہ وہاں جاتا تو صوفیہ اس سے ترک تعلق کر لیتے۔

کہا جاتا ہے کہ سفر کو سفر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انسانوں کے اخلاق کو ناپا کر دیتا ہے۔

صوفیہ کا اپنے ساتھیوں کے لیے کامل ایثار

میں نے شیخ ابو عبد اللہ صہمیؒ کے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا: فقیر کا فقر اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ دنیوی ملکیتوں کو ترک نہ کر دے اور جب ایسا کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں اسے عزت و منزلت حاصل ہوتی ہے۔ پھر وہ منزلت کو چھوڑ دیتا ہے تو قوتِ نفس باقی رہ جاتی ہے، اسے بھی اس کو دوستوں کے کاموں میں لگ کر ختم کر دینا چاہیے۔ تب جا کر صحیح معنوں میں اسے دولتِ فقر حاصل ہوتی ہے۔

میں نے ابو عبد اللہ رود باریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا: مظفر قمر مینسیؒ کو ایک ریتلے قطعہ زمین پر قدم رکھتے دیکھا ان کے ساتھ ایک شیخ بھی تھے۔ ان دونوں کی امراء شہر کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی، یہ اپنے اثر و نفوذ کو بھر پور طور پر فقراء کے لیے استعمال کرتے تھے، حتیٰ کہ ان کی وہ قدر و منزلت بھی نہ رہی اور پورے شہر میں کوئی شخص ان کو بطور قرض یا خیرات یا رہن پر بھی کچھ دینے کو تیار نہ تھا، یہی وہ مطلوبہ حالت تھی جسے پاکران کو تسلیم ہوئی اور وہ خوش ہوئے۔

ابراہیم شیبانےؒ سے کہا گیا: مظفر قمر مینسیؒ کے بارے میں بتائیے کہ وہ کس حالت پر تھے۔ کیا انہوں نے دوزخ تے پہنچے ہوئے تھے یا اپنے دوستوں کی خاطر لوگوں سے مانگتے تھے یا ساتھیوں کی خدمت کرتے تھے؟ ابراہیم نے جواب دیا: انہوں نے جب کوئی قدم مروت میں خالصتاً اللہ کے لے اٹھا یا اس سے پیچھے نہیں ہٹے۔

ایک صوفی بغداد میں یہ وطیرہ اختیار کیے ہوئے تھے کہ ذلت کے ساتھ لوگوں سے مانگتے اور کھاتے، کسی نے اس کی وجہ دریافت کی فرمایا: میں نے یہ ذلیل کام اس لیے شروع کیا ہے کہ میرے نفس کو اس سے شدید نفرت تھی۔

ایک جلیل القدر شیخ کسی شہر میں وارد ہوئے، وہاں انہوں نے ایک سالک کو دیکھا، جو جملہ معمولات سلوک پر عمل پیرا تھا اور اس لحاظ سے شہر میں اس کے زہد و تقویٰ کی بڑی دھوم تھی اور ہر شخص اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا، شیخ نے اس سے فرمایا: یہ جو مقام زہد و ورع میں تجھے حاصل ہے تیرے لیے درست ثابت نہیں ہوگا، جب تک کہ تو ایک ایک دروازے پر جا کر نکلے مانگ کر نہ کھائے، مرید کے لیے یہ کام و شواہد ثابت ہوا اور وہ ایسا کرنے سے عاجز رہا۔ مگر جب وہ بڑھاپے کو پہنچا تو لوگوں سے مانگنے کے لیے مجبور ہو گیا، تب جا کر اسے معلوم ہوا کہ یہ سب اسی نافرمانی کی سزا تھی جو اس نے اپنے قیام ارادت میں اس شیخ کا کہنا نہ مان کر کی تھی۔

واقعہ مذکورہ بالا میں شیخ ابو عبد اللہ بن المقرئؒ تھے اور سالک ابو عبد اللہ سحرئیؒ ائمہ تصوف میں سے ایک شیخ کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ روزہ رکھتے تھے اور انظار کی لیے نکلے مانگ کر لاتے اور کھاتے، ایک شخص ان کو جان گیا اور ان کے سامنے کھانا رکھ دیا مگر انہوں نے نہ کھایا اور وہ جگہ چھوڑ کر چلے گئے کیونکہ وہ پہچان لیے گئے تھے کہ وہ صوفی ہیں۔

مفسد و نیورٹی کے بارے میں مذکور ہے کہ جب بھی ان کے ہاں صوفیہ کی کوئی جماعت آتی تو وہ بازار جا کر جھولی میں روٹی کے ٹکڑے مانگ لاتے اور ان کو صوفیہ کے پاس لے جاتے۔

بنان حمالؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے کبھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ میں طفلی ہوں مگر ایک بار جب کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا

کہ دن کو روزہ رکھتا اور مغرب کے بعد بازار جا کر ہر دوکان سے ایک لقمہ مانگتا تا آنکہ اس کا گزارہ ہو جاتا تو واپس اپنی رہائش گاہ آ جاتا۔ میں نے ایک رات اسے اپنے ساتھ لیا، اور دوکانوں سے اسے بہت سا راحلوہ، پھل اور دیگر کھانے پینے کی چیزیں لے دیں، یہاں تک کہ ان کے پاس بہت کچھ اکٹھا ہو گیا۔ جب وہ واپس اپنی جگہ کی طرف جانے لگا تو مجھ سے کہنے لگا: اسے شیخ! آپ کہیں کو تو ال کے آدمی تو نہیں؟ میں نے کہا: نہیں، میں تو بنان الحمال ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے وہ سب طعام و فواکہ میرے منہ پر دے مارے اور کہا: اے طفلی! یہ کام جو تو کرتا ہے ہمارے ہاں تو کو تو ال کے آدمی کرتے ہیں نہ کہ صوفیہ کرام۔ تو لوگوں سے کہتا ہے کہ لے آؤ اور وہ سب کچھ لے آتے ہیں۔

ایک سالک نے اپنے دیگر ساتھیوں کے لیے روٹی کے ٹکڑے مانگے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگا، شیوخ کی ایک جماعت نے اس کے اس عمل کو ناپسند کیا اور کہا کہ تجھے نفس نے فریب دیا۔ اور یہ روٹی تو نے اپنے لیے مانگی اگر اپنے ساتھیوں کے لیے مانگی ہوتی تو خود ان کے ساتھ کھانے کو نہ بیٹھتا۔

صوفیہ کے لیے لوگوں سے اپنی ضرورت کے وقت مانگنے کے بھی کچھ اصول ہیں، جو صوفی بھی ایسا کرے اسے چاہیے کہ مانگنے کو اپنی عادت نہ بنائے بلکہ اس سے پہلے کہ مانگنا اس کی عادت بن جائے وہ اسے ترک کر دے، اور ایسا صوفی کہ جو صرف اپنی ضرورت کے مطابق کوئی چیز لیتا ہے اسے اگر زیادہ پیش کیا جائے تو چاہیے کہ وہ صرف اپنی ضرورت پوری کرے اور باقی کو مستحقین میں تقسیم کر دے۔

تقویٰ و پرہیزگاری کے ذریعے قبول عام حاصل کر کے لوگوں سے کچھ وصول کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ صوفی بھیک مانگ کر کھائے۔

اور صوفی جب مانگنے پر مجبور ہو جائے تو اس کا کفارہ اس کا صدق ہے۔

ایک شیخ پر پردیس میں کئی دن بغیر کھائے پئے گزر گئے حتیٰ کہ جان نکلنے کی نوبت آ پہنچی مگر انہوں نے کسی سے کچھ مانگا ان سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی گئی، تو فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ کے اس قول نے روک لیا: ”جس نے حقیقی سائل کو خالی لوٹا دیا اس نے بھلائی نہ پائی۔“ اس وجہ سے میں نہیں جانتا کہ میرا کوئی مسلمان بھائی مجھے خالی لوٹا دے اور قول نبوی کے مطابق وہ بھلائی پانے سے محروم ہو جائے۔

دنیوی تحائف اور صوفیہ کرام

ابو یعقوب نہر جوڑی کہتے ہیں کہ میں نے ابو یعقوبؒ سوئی کو یہ کہتے ہیں سنا کہ ہم ار جان میں تھے تو ہمارے پاس ایک فقیر آیا۔ سہل بن عبداللہؒ بھی وہیں موجود تھے، فقہر نے کہا: آپ لوگ اہل کرم ہیں اور میں مصیبت و آزمائش میں گرفتار ہوں، سہل بن عبداللہؒ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جس نے تمہیں اس طرح مصیبت میں گرفتار کر دیا ہے۔ فقیر نے کہا: مجھے دنیوی مال میں سے ایک تحفہ پیش کیا گیا اور میں نے اسے اپنے لیے پسند کر لیا۔ جس کے نتیجے میں میں اپنے ایمان اور حال سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ سن کر سہل بن عبداللہؒ نے ابو یعقوبؒ سے کہا اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ ابو یعقوبؒ نے کہا: حال کھودینے کی مصیبت ایمان کھودینے سے بڑی ہے۔ سہلؒ نے کہا: میری بھی یہی رائے ہے۔

خیر النساءؒ کہتے ہیں: میں ایک مسجد میں داخل ہوا وہاں ایک جانے والے فقیر کو دیکھا وہ دیکھتے ہی مجھ سے پلٹ کر رونے لگا۔ اور کہنے لگا، اے شیخ! مجھ پر کرم کیجئے کہ میری مصیبت بہت بڑی ہے۔ میں نے کہا: کیسی مصیبت؟ کہنے لگا: مجھے رنج و الم کی زندگی سے نکال کر عافیت کی زندگی سے ہمکنار کر دیا گیا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ خیر النساءؒ کہتے ہیں کہ اس کی مصیبت یہ تھی کہ اسے کوئی دنیوی تحفہ دیا گیا تھا۔

ابو تراب نخعیؒ نے کہا: جب تم میں سے کسی پر نعمتیں زیادہ ہو جائیں تو اسے اپنے اوپر رونا چاہیے کیونکہ اس طرح وہ صالحین کے راستے سے ہٹ سکتا ہے۔

مجھے وجہیؒ نے بتایا کہ بنان الحمال کی خدمت میں ایک ہزار دینار پیش کیے گئے اور انہیں ان کے سامنے ڈھیر کر دیا گیا تو انہوں نے لانے والے سے کہا: انہیں اٹھا لو اور یہاں سے چلے جاؤ، خدا کی قسم! اگر ان سکوں پر خدا کا نام کندہ نہ ہوتا تو میں ان پر پیشاب کرتا۔

کہتے ہیں کہ بنان الحمال کا بیٹا سویا ہوا تھا کہ اس کے سر ہانے چار سو درہم رکھے گئے، اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے جس نے اپنی ضرورت سے زیادہ دولت دنیاوی، اس کا دل اندھا ہو گیا، جب وہ بیدار ہوا تو اس رقم میں سے دو دانگ (درہم کا ۱/۴ حصہ) لے لیے اور باقی لوٹا دیئے۔

ابن علوانؒ کو میں نے یہ کہتے سنا کہ ابو الحسن نورؒ کی خدمت میں تین سو درہم پیش کیے گئے جو انہوں نے ایک جوڑے کے پل پر بیٹھ کر ایک ایک کر کے پانی میں پھینک دیئے اور کہنے لگے: میرے مالک! کیا تو مجھ کو ان سکوں سے بہلا نا چاہتا ہے۔ جعفر خلدیؒ نے فرمایا: ابن زیریؒ جنید علیہ الرحمہ کے مریدوں میں سے تھے انہیں ایک مرتبہ کوئی دنیوی چیز بطور تحفہ دی گئی تو وہ فقراء (صوفیہ) سے الگ ہو گئے، اس کے بعد وہ ایک روز ہمیں راستے میں آتے دکھائی دیئے، ان کی آستین میں ایک رومال تھا جس میں بہت سے درہم بندھے ہوئے تھے، جب انہوں نے ہمیں دور سے دیکھ لیا تو کہا: اے دوستو! جب تم دولت فقر سے مالا مال ہو اور میں دولت دنیا سے تو پھر ملاقات کیسی اور سب درہم ہماری طرف پھینک دیئے۔

ابوسعید ابن الاعرابیؒ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان ابو احمد قلابیؒ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ پھر وہ اچانک غائب ہو گیا، اور بعد

مدت کے لوٹا تو بے شمار تحائف اور مال لے کر آیا، ہم نے ابو احمد سے کہا کہ ہمیں اس سے ملنے کی اجازت دیں تو انہوں نے فرمایا: نہیں، اس کی اور ہماری دوستی فقر کی وجہ سے تھی اگر وہ فقیری پر قائم رہتا تب تو ہم اس سے ملنے جاتے مگر اب جب کہ وہ اس حالت میں نہیں لوٹا تو آسے چاہیے کہ ہم سے ملنے آئے۔

ابو عبد اللہ حصریؒ نے کہا: ابو حفص حداد رملہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے پاس دو خرتے تھے اور ان کی کمر بند میں ایک ہزار درہم بندھے ہوئے تھے، وہ دو دن وہاں ٹھہرے، اور اپنی اس رقم میں سے کچھ بھی اپنے اوپر خرچ نہ کیا بلکہ ساری رقم فقراء پر صرف کر دی۔

حصریؒ کہتے ہیں کہ میں اور شبلیؒ قطیف کے دنوں میں ان کے بچوں کے لیے کچھ حاصل کرنے کے لیے باہر نکلے، شبلیؒ ایک شخص کے پاس گئے جس نے انہیں بہت سے درہم دیئے ہم اس شخص کے گھر سے نکلے تو ہماری جیبیں بھری ہوئی تھیں، راستے میں جو کوئی بھی حاجت مند ملتا شبلیؒ ان درہم میں سے اسے دیتے، حتیٰ کہ ہمارے پاس بہت کم درہم رہ گئے، تو میں نے ان سے کہا: (میرے آقا! گھر میں بچے بھوکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تو میں کیا کروں؟ الغرض بڑی کوشش کے بعد میں نے بقیہ درہموں کی کچھ گا جریں وغیرہ لیں اور ان کے بچوں کے لیے لے گیا۔

عجیب و غریب امانت

ابو جعفر در راج کہتے ہیں کہ میرے استاد ایک دن طہارت کے لیے باہر نکلے تو میں نے ان کے صندوق میں چار درہم کی مالیت کی چاندی پائی، مجھے بڑی حیرانگی ہوئی کیونکہ اس وقت حالت یہ تھی کہ ہم دونوں کے پاس کچھ کھانے کو نہ تھا۔ جب وہ واپس آئے تو میں نے عرض کیا: آپ کے صندوق میں چاندی پڑی ہوئی ہے اور ہم بھوکے ہیں۔ انہوں نے کہا: چاندی لے لو اور اس کے بدلے کوئی چیز خرید لو۔ میں نے کہا: آپ کو اپنے معبود کی قسم! یہ چاندی کا کیا معاملہ تھا؟ مجھے اللہ نے دنیوی اشیاء میں سے کچھ نہیں عطا کیا، نہ چاندی نہ سونا، اس لیے میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ وصیت کر کے مروں کہ یہ چاندی میرے ساتھ دفن کر دی جائے تاکہ روز قیامت میں اللہ کے حضور عرض کروں کہ دنیا میں سے آپ نے مجھے یہ کچھ عطا فرمایا تھا۔

خليفة معتضد بالله نے ابو الحسن نورانیؒ کو کچھ مال دیا تاکہ وہ اسے صوفیہ میں تقسیم کر دیں، انہوں نے وہ سارا مال اپنے گھر میں ڈال دیا اور بغداد کے صوفیہ کو جمع کر کے ان سے کہا: آپ میں سے جسے بھی جس قدر ضرورت ہو وہ اندر جائے اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق مال لیتا جائے، اس طرح کوئی سو کوئی اس سے زیادہ کوئی کم اور کوئی کچھ نہ لیتا۔ جب سارے درہم ختم ہو گئے تو انہوں نے تمام صوفیاء کو مخاطب کر کے کہا: تم میں سے جس نے جس قدر درہم لیے اسی قدر وہ اللہ سے دور ہے جس نے درہم ترک کر دیئے وہ اتنا ہی اللہ سے قریب ہے۔

صوفیہ کے آدابِ کسبِ معاش

سہل بن عبداللہ نے کہا: جس نے کسبِ رزق پر طعن کیا اس نے سنت پر طعن کیا اور جس نے توکل پر طعن کیا اس نے ایمان پر طعن کیا۔

جنید بغدادیؒ کسبِ معاش کے بارے میں کہتے ہیں: صوفی پانی ڈھوتا اور گٹھلیاں اٹھاتا ہے۔

ایک مکتوب

شیخ اسحاق مغازلیؒ، بشر بن حارثؒ جو کھڈی پر کام کرتے تھے کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کھڈی پر کام شروع کر کے روزی کے معاملے میں بے فکر ہو گئے ہو لیکن یہ بتاؤ اگر اللہ تیری بیٹائی اور سماعت تجھ سے لے لے تو تو کس کی پناہ ڈھونڈے گا۔

کہتے ہیں کہ اس مکتوب کو پڑھنے کے بعد بشر بن حارثؒ نے کھڈی پر کام کرنا چھوڑ دیا، اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔

میری موجودگی میں ابنِ سالمؒ سے اس وقت جب کہ وہ کسبِ معاش کے فضائل بیان کر رہے تھے کسی نے پوچھا:

ہم پر کسبِ معاش فرض ہے یا توکل؟ ابنِ سالمؒ نے فرمایا: توکل، حال رسول ﷺ ہے اور کسب، سنت رسول ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کے لیے کسب کو اس لیے سنت ٹھہرایا کہ وہ ان کی کمزوری کو جانتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اگر مسلمان درجہ توکل (جو کہ حال رسول ہے) سے گر جائیں تو کسبِ معاش کے درجہ سے بھی گر جائیں جو کہ سنت رسول ہے۔ اور اگر وہ اس طرح کا طریق ان کے لیے وضع نہ فرماتے تو وہ ہلاک ہو گئے ہوتے۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے: جس نے طلبِ معاش کی ذلتیں نہیں اٹھائیں اس میں خیر نہیں، اور تیرا کسب تجھے تقویٰ و توکل سے نہیں روک سکتا بشرطیکہ تو ان دونوں کو کسب میں پیش نظر رکھے، اور ضائع نہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ ابو سعید خرازؒ ایک سال کسی قافلے کے ساتھ شام سے مکہ مکرمہ جانب روانہ ہوئے، دورانِ سفر وہ ایک رات صبح تک اپنے درویش ساتھیوں کے جوتے گاٹھتے رہے۔

ابو حفص نے کہا: میں نے کسبِ معاش کو ایک بار چھوڑا اور پھر اسے اختیار کیا۔ اس کے بعد طلبِ معاش مجھ سے خود بخود چھوٹ گیا اور میں نے پھر اسے اختیار نہ کیا۔

ایک درویش کا بیان ہے کہ دمشق میں ایک سیاہ فام شخص تھا جو صوفیہ کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا، سارا دن تین درہم کے عوض چونا کو فتا اور تین روز تک ان تین درہم سے گزارہ کرتا۔ اجرت ملتی تو کوئی طعام خرید کر اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا، ان کے ساتھ مل کر کھاتا اور اس کے بعد کام پر لوٹ جاتا۔

ابو القاسم منادئیؒ گھر سے کمانے نکلے اور جہاں کہیں بھی دوداق مزدوری مل جاتی وہیں سے گھر لوٹ آتے۔

ابراہیم خواصؒ فرمایا کرتے تھے: جب مرید تین دن کے بعد اسباب پر بھروسہ کرنا شروع کر دے تو اس کے لیے بازار میں جا کر روزی کمانا زیادہ بہتر ہے۔

ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں: تمہارا فرض ہے کہ بہادر و دلیر انسانوں کا طریق اپناؤ کسب حلال کرو اور اپنے اہل و عیال

پر خرچ کرو۔

صوفیہ کے آداب کسب معاش میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ کسب رزق میں مشغول ہوں تو یہ خیال رکھتے ہیں کہ مہادا اپنے فرائض کی بروقت ادائیگی سے غافل ہو جائیں، اور وہ اپنے کام سے حصول رزق ہی کی نیت نہیں رکھتے، بلکہ اپنے کسب سے مسلمانوں کی اعانت کا ارادہ بھی رکھتے ہیں ان کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، اور اگر ان کے رزق میں سے کوئی چیز بیچ جائے تو وہ جمع نہیں کرتے بلکہ اپنے ان ساتھیوں پر خرچ کر ڈالتے ہیں جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے کچھ مانگتے ہیں، اور اگر اسے اس سلسلے میں اس کے ساتھی آزمائیں تو وہ پورے اترتے ہیں۔

اور اسی طرح وہ لوگ جن کے گزر بسر کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اگر انہیں کوئی چیز تحفہ پیش کیا جائے تو اسے قبول کر لیتے ہیں اور

وہ اس چیز کے اسباب پر اپنے نفسوں سے بڑھ کر توجہ دیتے ہیں۔

ابو حفص حداؤ کے بارے میں کہتے ہیں کہ بیس برس روزانہ ایک دینار کے بدلے سارا دن مزدوری کرتے اور صوفیہ پر خرچ کرتے، کسی سے کبھی اپنی حاجت پوری کرنے کا سوال نہ کرتے، روزہ رکھتے اور مغرب و عشاء کے درمیان مختلف دروازوں سے خیرات کرتے تھے۔

شبلی نے ایک شخص سے سوال کیا: تمہارا کیا پیشہ ہے؟ اس نے جواب دیا: جو تے مرمت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: تو

نے اللہ کو جو تے مرمت کرنے کے شغل میں بھلا دیا۔

ذوالنون کا قول ہے: عارف جب طلب معاش میں لگ گیا تو اسے نے کچھ نہ پایا۔

حصول و عطا اور فقراء پر مہربانی کرنے سے متعلق صوفیہ کا طریق

سری سقٹیؒ فرماتے ہیں مجھے جنت کی طرف جانے کا ایک مختصر ترین رستہ معلوم ہے اور وہ یہ ہے کہ نہ کسی سے کوئی چیز مانگو اور کسی سے کوئی چیز لو۔ اس طرح تمہارے پاس کچھ بھی نہ ہوگا کہ کسی کو دو۔
جنید بغدادیؒ کہتے ہیں کہ کسی کو اس وقت تک کوئی شے لینا جائز نہیں جب تک اس شے کا خود سے جدا کرنا اس کے نزدیک عزیز تر نہ ہو۔

صحابیؓ کے مرید ابو بکر احمد بن حمویہؒ نے کہا: جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز لی اس نے عزت کے ساتھ لی اور جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز ترک کی تو عزت کے ساتھ کی اسی طرح جس نے غیر اللہ کے لیے کوئی چیز لی تو ذلت سے لی اور جس نے غیر اللہ کے لیے کوئی چیز چھوڑی دی تو ذلت کے ساتھ چھوڑی۔

میں نے احمد الوجبیؒ سے اور انہوں نے زقاق کو یہ کہتے سنا کہ مصر میں میری ملاقات یوسف صالح سے ہوئی، ان کے پاس کچھ درہم تھے، جو انہوں نے مجھے دینے چاہے مگر میں نے انکار دیا، انہوں نے کہا: لے لو ورنہ کرو، اگر مجھے یہ احساس ہوتا کہ میری ملکیت میں کچھ درہم ہیں میں آپ کو کچھ دوں گا، تو میں یہ درہم کبھی آپ کو پیش نہ کرتا۔

ابو علی رودباریؒ نے کہا: میں نے ابن رجب دمشقی سے بڑھ کر فقراء کے ساتھ نرمی و اخلاق سے پیش آنے والا کوئی نہیں دیکھا، میں نے ایک رات ان کے پاس گزارا اور ان کو نیک بن عبد اللہ کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے کہا: فقیر صادق کی یہ نشانی ہے کہ وہ نہ کوئی چیز مانگتا ہے نہ رد کرتا ہے اور نہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ میں (ابو علی رودباریؒ) نے جب ان سے رخصت چاہی تو وہ گئے اور کچھ درہم لے کر میری اس جانب کھڑے ہو گئے جس طرف میں نے لوٹا ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا، اور مجھ سے فرمایا: تو نے نیک بن عبد اللہ کی کیا بات سنا لی تھی پھر سے کہو میں نے انہیں پھر سے سناتے ہوئے جب یہ کہا کہ نہ تو کوئی چیز کسی سے مانگ اور نہ کوئی چیز رد کر یہ کہنا تھا کہ انہوں نے وہ درہم میرے لوٹے میں ڈال دیئے اور چلے گئے۔

ابو بکر زقاقؒ نے فرمایا: سخاوت یہ ہے کہ کھونے والا پانے والے کو عطا کرے نہ کہ عطا کرنے والا۔

ابو محمد مرتضیٰ نے کہا: میرے نزدیک کسی سے کچھ لینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک باقاعدہ ارادہ نہ ہو کہ فلاں آدمی سے کچھ لینا ہے۔ اس طرح اس سے کچھ لینا اس کے لیے ہوگا نہ کہ خود اپنے لیے۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں کہ جنیدؒ نے کہا: ایک روز میں نے کچھ درہم لیے اور ابن الکرینی کے پاس چلا گیا کہ ان کو دوں گا، اور وہ مجھے جانتے بھی نہ تھے، میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ درہم قبول کر لیں، تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار دیا: میں تو ان سے مستغنی ہوں، جو اب میں نے عرض کیا: اگر آپ ان سے مستغنی ہیں تو پھر میں ایک مسلمان ہوں میری خوشی اسی میں ہے کہ آپ انہیں قبول فرمائیں لہذا میری خوشی کی خاطر ہی آپ لے لیں۔ یہ سن کر انہوں نے مجھ سے وہ درہم لے لیے۔

کہتے ہیں کہ ابو القاسم مناویؒ جب اپنے پڑوس میں کسی گھر سے دھواں اٹھتا دیکھتے تو اپنے پاس موجود کسی شخص سے کہتے: ان کے گھر جاؤ اور کہو آپ نے جو کچھ پکا یا ہے ہمیں بھی اس میں سے دیں۔ کسی نے ان سے کہا: ممکن ہے کہ وہ پانی ہی گرم کر

رہے ہوں اور انہوں نے پھر سے کہا: جاؤ، ان کے پاس آخر یہ امیر لوگ کس لیے کوئی چیز تیار کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ ہمیں دیں اور وہ قیامت کے روز ہماری سفارش کریں۔

چنید بغدادی کہتے ہیں: میں حسین بن حصریؓ کے پاس کچھ درہم لے کر گیا کیونکہ ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا اور وہ ایک بھراء میں متم تھے جہاں کوئی ان کے ارد گرد نہ تھا مگر انہوں نے درہم لینے سے انکار کر دیا میں نے درہم لے جا کر ان کے حجرے میں پھینک دیئے، جہاں ان کی اہلیہ موجود تھیں۔ اور یہ کہا کہ اے خاتون! یہ درہم آپ کے لیے ہیں۔ اس کے بعد حسین بن حصریؓ کے پاس درہم رد کرنے کا کوئی حیلہ نہ تھا۔

یوسف بن الحسینؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ اگر میں فقط اللہ کے لیے کسی شخص کو اپنا سارا مال دے دوں تو کیا اس طرح میری ملکیت میں سے اس کا حق پورا ہو جائے گا یوسف بن الحسینؓ نے جواب دیا: تیرے نزدیک یہ کیسا ہے کہ تو کسی شخص کو لینے کی ذلت سے دوچار کر دے اور خود عطا کرنے کی عزت پالے جب کہ تمہیں تو یہ معلوم ہے کہ دینا عزت اور لیتا ذلت ہے۔

ترہیت اولاد اور تزویج کے آداب

ابوسعید اعرابیؓ کہتے ہیں کہ ابو احمد مصعب بن احمد قنائنیؓ کی شادی کا سبب یہ تھا کہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک نوجوان نے ابو احمد قنائنیؓ کے دوست کی لڑکی سے شادی کے لیے پیغام نکاح بھیجا۔ جب نکاح کا وقت آیا تو اس نوجوان نے نکاح سے انکار کر دیا اس پر لڑکی کا والد بہت شرمندہ ہوا۔ یہ صورت حال ابو احمد قنائنیؓ نے دیکھی تو کہنے لگے: سبحان اللہ! ایک شخص اپنی نیک نحصال بیٹی کی شادی تجھ سے کر رہا ہے اور تو انکار کر رہا ہے۔ الغرض یہ نکاح ابو احمد قنائنیؓ سے طے پایا۔ لڑکی کے والد نے ابو احمد کا سرچوم کر کہا: میں نہیں جانتا تھا کہ اللہ کے ہاں میری اتنی وقعت ہے کہ مجھے آپ ساداماد عطا کیا اور میری لڑکی کے یہ نصیب کہ اسے آپ سا شوہر نصیب ہوا۔ ابوسعید اعرابیؓ کہتے ہیں کہ وہ لڑکی تیس برس تک ان کے ہاں رہی مگر اس تمام عرصہ میں وہ کنواری ہی رہی۔

کہتے ہیں کہ محمد بن علی قصاص صاحب اہل و عیال بزرگ تھے ایک روز وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی چھوٹی بیٹی آئی اور چیخ کر کہا، اے رب آسمان! ہمیں انگور چاہئیں۔ محمد بن علی مسکرائے اور کہنے لگے کہ میں نے اپنے بچوں کو یہ ترہیت دی ہے کہ جب بھی انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ مجھ سے طلب نہ کریں بلکہ اپنے رب سے مانگیں اب وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

وجہی بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ بنان حمالہ کے پاس ان کا بیٹا آتا اور کہتا، ابا جان! مجھے روٹی چاہیے تو وہ انہیں تھپڑ مار کر کہتے جاؤ اپنے باپ کی طرح محنت کر کے حاصل کرو۔ وجہیؓ کہتے ہیں کہ ایک روز ان کا بیٹا آ کر کہنے لگا: ابا جان! مجھے کشمش لے دیں۔

بنان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کشمش بیچنے والے کی دوکان پر لے جا کر اس سے کہا: تم میرے بچے کو ایک قیراط کی کشمش دے دو اور تیرے لیے آواز لگاتا ہوں تاکہ تیرا مال بک جائے، دوکاندار نے ان کے بچے کو کشمش دے دی اور بنان الحمالہ لوگوں کو پکارنے لگے: اے لوگو! اس بے چارے سے وہ غذا خرید جو ختم ہو جائے گی باقی نہیں رہے گی: اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دوکاندار کی ساری کشمش بک گئی۔

ابراہیم بن ادھم نے فرمایا: جب کوئی فقیر (صوفی) شادی کر لے تو گویا وہ کشتی میں سوار ہو گیا، اور جب اس کے اولاد ہوئی تو جان لو کہ غرق ہو گیا۔

مذکورہ حکایات سفیان ثورؓ کے بارے میں بھی مشہور ہے۔

بشر بن حارثؓ نے کہا: اگر میں دنیوی ضروریات و حاجات کی جانب بہت زیادہ توجہ دوں تو مجھ میں اور ایک کو تو ال میں کیا فرق رہ جائے گا۔

عبادت گزار میاں بیوی

ابوشعب براثیؓ کی ایک جھونپڑی تھی۔ اس میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی دنیا دار خاتون وہاں سے گزری تو اس نے

آپ سے شادی کی خواہش ظاہر کی، اور کہا میں آپ کی خدمت کروں گی، اس خاتون نے اپنا تمام دنیوی مال و متاع ترک کر دیا، شادی ہو گئی اور جب خاتون جھوپڑی میں داخل ہونے لگی تو اس کی نظر ایک چٹائی پر پڑی فوراً کہہ اٹھی کہ اس چٹائی کو یہاں سے نکال دیں کیونکہ میں نے آپ ہی سے سنا ہے کہ زمین انسان سے یہ کہتی ہے کہ آج تو میرے اور اپنے درمیان چیزیں حائل کرتا ہے جب کل تو نے میرے پیٹ میں داخل ہونا ہے اور میں نے درمیان میں کچھ حائل نہیں کرنا۔ ابوشعیب نے چٹائی باہر نکال پھینکی اور کہا: اب اندر آئیے اور وہ داخل ہوئی۔ کہتے ہیں کہ وہ دونوں اسی حالت میں برسوں اس جھوپڑی میں مشغول عبادت رہے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

صاحب اولاد صوفیہ کے آداب یہ نہیں کہ اہل و عیال کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں بلکہ انہیں فرائض کی تکمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں ایسی صورت میں وہ اپنے توکل کو یہاں بھی بروئے کار لانے کے مجاز ہوں گے اگر ان کے اہل و عیال بھی اسی حال کے حامل ہوں جو وہ رکھتے ہیں۔

صوفیہ کا یہ طریق بھی نہیں کہ وہ امیر خواتین سے بیاہ رہ چا کر ان سے فائدہ حاصل کریں بلکہ صوفیہ کا طریق یہ ہے کہ وہ غریب خواتین سے نکاح کریں اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آئیں۔ اگر کوئی امیر خاتون ان سے نکاح کی خواہش مند ہو تو اس سے حصول منفعت نہ کریں۔

فتح موصلیٰ نے ایک بار اپنے بچے کو اٹھا کر چوم لیا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ اسی وقت میں نے غیب سے یہ آواز سنی کہ اسے فتح موصلیٰ اٹھے شرم نہیں آتی کہ ہمارے ہوتے ہوئے دوسروں سے بھی محبت کرتے ہو۔

فتح موصلیٰ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی اپنے بچے کو نہیں چوما۔

ایک سوال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا واقعہ کے ضمن میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کی اولاد تھی وہ انہیں چومتے اور گلے لگاتے تھے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے دس بچے ہیں جنہیں میں نے کبھی نہیں چوما۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: جس نے رحم نہ کیا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ۱

ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: رملہ میں وارد ہوا تو سیدھا جعفر قصابؓ کے گھر گیا۔ ان کے ہاں رات بسر کی اور صبح رملہ سے بیت المقدس کی راہ لی بیت المقدس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر قصابؓ بھی میرے پیچھے سر پر روٹی کے ککڑے اٹھائے پہنچ گئے اور کہا: مجھے معاف کر دیجئے، مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ روٹی کے ککڑے میرے گھر میں موجود تھے۔

۱ صحیحین، مسند احمد، سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور بقول امام سیوطی یہ حدیث متواتر ہے۔

صوفیہ خلوت اور جلوت میں

سری سٹپٹیؒ فرمایا کرتے تھے: مسجد میں محفلیں لگانا ایسا ہے کہ جیسے مساجد نہ ہوں بلکہ سائے خانے ہوں جن کے دروازے بھی نہ ہوں۔

سری سٹپٹیؒ ہی کا ایک اور قول ہے: نفس کو آلودگیوں سے پاک رکھنا، لوگوں کا مجالس اور محافل میں آداب کو ملحوظ رکھنا مردت کہلاتا ہے۔ اور اگر کوئی اس سے بھی آگے بڑھ جائے تو یہ اور بہتر ہے۔

کسی شیخ نے کہا: درویش کو اپنا وقت خلوت نشینی میں گزارنا چاہیے۔

ابویزیدؒ کہتے ہیں: میں ایک رات نماز ادا کر رہا تھا کہ تھک گیا اور بیٹھ کر ناگلیں پھیلا دیں کہ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ شاہوں کی مجلس میں بیٹھنے والے کو اپنی عادات بھی سنواری چاہئیں۔

ابراہیم بن ادھمؒ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں چارزانو ہو کر بیٹھا تو آواز آئی: کیا شاہوں کی محفل میں بیٹھنے کا یہ طریق ہے؟ اور اس کے بعد میں زندگی بھر چارزانوں ہو کر نہیں بیٹھا۔

ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں: میں نے ایک درویش کو نہایت خوب صورت انداز میں بیٹھے ہوئے دیکھا، میں نے بڑھ کر اس کی جھولی میں کچھ درہم ڈال دیئے۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا: میں نے بیٹھنے کا یہ طریق ایک لاکھ درہم میں خریدا ہے کیا اسے تیرے ہاتھ اتنی حقیر سی رقم کے عوض بیچ ڈالوں۔

یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا کہ جو تصوف کے مخالف ہوں، روح کو اندھا بنا دیتا ہے۔ اور ذوق کو نقصان پہنچاتا ہے۔

وجیبی کہتے ہیں: ابن مملوہ العطارؒ اپنے ایک جلس سے نہایت تنگ تھے میں نے کہا کہ ایسے شخص کو پاس کیوں بٹھاتے ہیں کہ جس سے آپ تنگ ہیں، انہوں نے کہا: مجھ سے اس کی جدائی بھی تو برداشت نہیں ہوتی۔

صوفیہ کا قول ہے کہ کسی کے کردار کو معلوم کرنا ہو تو اس کے دوست کا کردار دیکھ لو۔

حضرت قزاقؒ رات بھر بیٹھے جاگتے رہتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے: تصوف کی بنیاد تین چیزوں پر ہے:

۱۔ ہمیشہ فاقے کے بعد کھانا۔ ۲۔ ضرورت کے مطابق گفتگو کرنا۔

۳۔ نیند کا غلبہ ہو تو سونا۔

جعفرؒ کہتے ہیں کہ جنیدؒ مجھ سے کہا کرتے تھے: اگر میں جانتا کہ دروکت نفل ادا کرنا تمہارے ساتھ بیٹھنے سے افضل ہے تو میں کبھی تمہاری صحبت اختیار نہ کرتا۔

صوفیہ کی فاقہ کشی کے آداب

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: اگر فاقہ کشی بازار میں کبنے والی کوئی جنس ہوتی تو طالبین آخرت کے لیے بازار سے کوئی اور چیز خریدنا بہتر نہ ہوتا۔
فاقہ کشی سریدین کے لیے ریاضت تائبین کے لیے تجربہ زہاد کے لیے رہنمائی اور عارفین کے لیے مجدد شرافت کا باعث

ہے۔
سہل بن عبداللہ کی حالت یہ تھی کہ جب فاقے سے ہوتے تو اور قوی ہو جاتے ہیں اور کچھ کھا لیتے تو کمزور پڑ جاتے۔ آپ کا کہنا ہے کہ جب تم سیر ہو جاؤ تو سیری عطا کرنے والے سے فاقے کی دعا کرو۔ اور فاقہ ہو تو اللہ سے سیری عطا کرنے کی استدعا کرو ورنہ تم سرکش ہو جاؤ گے۔
ابو سلیمان دارانی کہا کرتے تھے: اللہ کے ہاں فاقے کے خزانے بھرے پڑے ہیں جو طلب کرے اسے عطا فرماتا

ہے۔
میں نے ابن سالم کو یہ کہتے ہوئے سنا: فاقے میں بلی کے کان کے برابر کی کرو۔ اس سے زیادہ نہیں۔
سہل بن عبداللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بیس یا اس سے زیادہ دنوں تک کھانا نہیں کھاتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ جیسے سہل بن عبداللہ نے کھانا ترک نہیں کیا بلکہ کھانے نے ان کو ترک کر دیا ہے۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے قلب پر ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں جو ان کو کھانے پینے سے سکرلا پرواہ بنا دیتی تھیں۔
عیسیٰ قصاص کہتے ہیں: درویش کو سیری کے بعد بھوکے رہنے کے لیے بے قرار ہونا چاہیے تاکہ بھوکا ہو تو بھوک ہی اس کا

ساتھی بنے۔
کسی شیخ سے ایک صوفی نے کہا: میں بھوکا ہوں۔ شیخ نے کہا: جھوٹ بولتے ہو۔ صوفی نے پوچھا، وہ کیسے؟ شیخ نے کہا: بھوکا رہنا تو اللہ کے سر بستہ رازوں کے خزانے میں سے ایک راز ہے۔ جو اس شخص کو نہیں عطا کیا جاتا جو اسے افشا کرتا پھرے۔

ایک شیخ کے ہاں کوئی درویش مہمان ٹھہرا۔ شیخ نے کھانا پیش کیا، مہمان نے تناول کیا۔ شیخ نے پوچھا، کتنے دن سے بھوکے تھے، مہمان نے کہا: پانچ دن سے۔ شیخ نے کہا: تیرا بھوکا رہنا فقیر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کا باعث بخیلی تھا کیونکہ تیرے پاس کپڑے تو موجود تھے اور اس کے باوجود تو نے فاقہ اختیار کی۔

بیماری میں صوفیہ کے آداب

مشہاد دیورئی کے ایک مرید کا بیان ہے کہ آپ ایک مرتبہ شدید بیمار پڑے تو ان کے دوست عیادت کو آئے اور ان سے دریافت کیا: اب آپ خود کو کس طرح محسوس کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: یہ سوال تو تم میری بیماری سے پوچھو کہ اس نے مجھے کس طرح محسوس کیا۔ دوستوں نے پوچھا: آپ کا دل کیسا ہے؟ جواب دیا: وہ تو میں نے تیس برس ہوئے کھو دیا ہے۔ میں نے محمد ابن معبد البانیؒ کو یہ کہتے سنا کہ گردی الصوفیؒ چھ ماہ مسلسل بیمار رہے جس کے نتیجے میں ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ جب کوئی کیڑا اٹھنے لگا تو آپ اسے اٹھا کر اپنے جسم کے اسی حصے پر رکھ دیتے جہاں سے وہ گرا ہوتا۔ ذوالنون مصرئیؒ اپنے ایک دوست کی بیمار پرسی کو لگے تو اس سے کہا: جو اس کی لگائی ہوئی چوٹ پر صبر نہیں کرتا وہ اس کی محبت میں سچا نہیں۔ اس پر ذوالنونؒ کے صاحب فرماں دوست نے جواب دیا: اس کی محبت میں سچا تو وہ نہیں جس نے اس کی لگائی ہوئی چوٹ سے لذت حاصل نہ کی۔

سہل بن عبد اللہ کے مریدین میں سے کوئی بیمار پڑ جاتا تو وہ اس سے کہا کرتے تھے: جب تجھے شدت تکلیف سے کراہنا ہو تو اوہ، کہو کیونکہ یہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور 'اوہ' نہ کہو کیونکہ یہ شیطان کا نام ہے۔

ابوبکر احمد بن جعفر طوسیؒ کہتے ہیں: ابویقوب نہر جوڑی کئی برس سے پیٹ کی تکلیف میں مبتلا تھے اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس تکلیف کی ایک دوا ہے جو ایک قیراط چاندی کے عوض خریدی جا سکتی ہے اور اس سے تکلیف دور ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے ساری زندگی وہ دوا نہ خریدی حتیٰ کہ انتقال فرما گئے۔ ان کے علاج نہ کرانے کے بارے میں کسی شیخ سے استفسار کیا گیا تو کہا: ابویقوبؒ نے جس دوا کا ذکر کیا تھا وہ دراصل گرم لوہے سے داغنے کا طریقہ علاج تھا۔ اور انہوں نے محض اس طریقہ علاج کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اپنے مرض کا علاج نہ کرایا۔

سفیان ثورئیؒ بیمار پڑے تو ان کے ایک مرید کو عیادت کرنے میں کچھ دیر ہو گئی جس کے لیے انہوں نے اپنے شیخ سے معذرت کرنا چاہی مگر شیخ نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا کہ معذرت نہ کرو کہ جس نے معذرت کی اس نے جھوٹ بولا۔

سہل بن عبد اللہؒ کو بوا سیر کا مرض لاحق ہوا جس کی وجہ سے انہیں ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا پڑتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس مرض کی دوا جو ایک قیراط میں آتی ہے مجھے اس مرض سے نجات دلا سکتی ہے۔ مگر انہوں نے زندگی بھر وہ دوا نہیں خریدی تا آنکہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

میں نے ان کے علاج نہ کرنے کے بارے میں ایک شیخ سے پوچھا تو فرمایا: علاج نہ کرانے کا سبب یہ تھا کہ وہ کسی کے سامنے برہنہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔

کہتے ہیں کہ بشر حافیؒ بیمار پڑے تو ایک طبیب انہیں دیکھنے آیا تو انہوں نے اس سے اپنی حالت بیان کی اس پر کسی نے بشر حافیؒ سے پوچھا: اے ابونصر! کیا آپ کو یہ خوف نہ ہوا کہ طبیب سے اپنی بیماری کا حال بیان کرنا انظہار شکایت کے مترادف ہوگا۔ بشر حافیؒ کہنے لگے: نہیں۔ میں نے تو طبیب کو اسی قدر آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ پر قدرت حاصل ہے۔

میں نے ایک مکتوب میں جعفر خلدیؒ کے قلم سے لکھ ہوا پایا کہ جنیدؒ شدید بیمار پڑے تو وہ ذوالنون کا یہ قول دہرایا کرتے تھے ”جسے کچھ عطا کیا جاتا ہے وہ شکر بجالاتا ہے۔ لہذا ہمیں بھی کچھ عطا کر کہ ہم شکر ادا کریں۔“ اور بعض اوقات وہ یوں بھی کہا کرتے تھے کہ یہ (بیماری) صوفیہ کی غذا ہے۔

مشائخ کا اپنے مریدین سے حسن سلوک

مقامِ صحبت

جنیدؒ اپنے مریدین سے فرمایا کرتے تھے: اگر میں جانتا کہ دو رکعت نفل کی ادائیگی میرے لیے تمہارے ساتھ بیٹھنے سے افضل ہے تو میں تمہارے پاس نہ بیٹھتا۔

بشر حافیؒ شدید سردی میں برہنہ جسم کھڑے کانپ رہے تھے، ہم نے ان سے کہا: اے ابونصر! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ فرمایا: میں نے ان فقراء کو یاد کیا جن کے جسموں پر کیڑا نہ تھا، تو ان سے ہمدردی کا اظہار کرنے کے لیے میرے پاس اور تو کچھ تھانہیں، لہذا یہی مناسب سمجھا کہ اپنی جان پر تکلیف سہہ کر ان کے لیے ہمدردی ظاہر کروں۔

دقی کہتے ہیں: مصر کی ایک مسجد میں ہم (درویشوں کی جماعت) بیٹھے تھے کہ زقاق داخل ہوئے اور مسجد کے ستون کے پاس نماز ادا کرنے لگے۔ ہم نے یہ سوچا کہ شیخ نماز سے فراغت پالیں تو کھڑے ہو کر سلام عرض کریں۔ اسی دوران وہ نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف آئے اور سلام کیا۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ تو ہمارا فرض تھا کہ آپ کو سلام کرتے، انہوں نے فرمایا: میرے رب نے کبھی میرے دل کو اس طرح کے عذاب میں مبتلا نہیں کیا۔

احترامِ مشائخ

جریریؒ کہتے ہیں: میں حج کر کے لوٹا تو میں نے ابتداءً جنیدؒ سے کی اور انہیں سلام کیا تاکہ انہیں ملنے کے لیے آنے کی تکلیف نہ ہو۔ پھر میں گھر آیا۔ اور جب میں نے صبح کی نماز پڑھ کر پیچھے دیکھا تو جنیدؒ کھڑے تھے۔ میں نے کہا: حضور! میں سب سے پہلے آپ کے پاس سلام کرنے اسی لیے حاضر ہوا تھا کہ آپ کو یہاں آنے کی زحمت نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا: اے ابو محمد! وہ تیری فضیلت تھی اور یہ تیرا حق۔

ابوسعید ابن اعرابیؒ کا بیان ہے کہ ایک نوجوان ابراہیم صانع نامی تھا اس کے والد مالدار آدمی تھے۔ مگر وہ خود ابوالاحمد القلانسیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، اور صوفیہ کی صحبت اختیار کر لی۔ ابوالاحمدؒ کے پاس جب بھی درہم ہوتے تو وہ ان کے بدلے ابراہیم صانع کو حلوہ، بھنا ہوا گوشت اور آٹا خرید دیتے، اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص جنید علیہ الرحمہ کے پاس آیا اور کہا: میں اپنی تمام ملکیت کو چھوڑ کر فقرا اختیار کر کے فقراء کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ خلدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے جواب میں جنیدؒ کو یہ کہتے سنا: نہیں، تمام ملکیت مت چھوڑو بلکہ اس قدر باقی رکھو کہ جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے۔ اور طلبِ حلال کے لیے جدوجہد کرتے رہو اس طرح مجھے یہ حد شہ نہیں رہے گا کہ تیرا نفس تجھ سے اپنا حق مانگے گا، رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتے تو اس پر ثابِت قدم رہتے۔

میں نے وجیہیؒ سے اور انہوں نے ابوعلی رودباریؒ کو یہ فرماتے سنا: ہم جنگ میں تھے اور ہمارے ہمراہ ابوالحسن عطفونی

بھی تھے، جب بھی راستہ گم کر بیٹھے اور بھوک ستاتی تو عطوفی نیلے پر چڑھ کر بھیڑیے کی طرح آواز نکالنے لگتے، جو نبی کریم کسی قبیلہ کے کتے سنتے تو جواباً بھونکنا شروع کر دیتے اور اس طرح وہ ان کی آواز کی سمت پر چل پڑتے اور قبیلے سے کچھ کھانے پینے کو لے آتے۔

ابوسعید خدری کہتے ہیں: رملہ میں وارد ہوا تو سیدھا جعفر قصاب کے گھر گیا۔ ان کے ہاں رات بسر کی اور صبح رملہ سے بیت المقدس کی راہ لی بیت المقدس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر قصاب بھی میرے پیچھے سر پر روٹی کے ٹکڑے اٹھائے پہنچ گئے اور کہا: مجھے معاف کر دیجئے، مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ روٹی کے ٹکڑے میرے گھر میں موجود تھے۔

آداب مریدین اور سالکین

میں نے ابوتراب نخعی کی کتاب میں لکھا ہوا پایا کہ حکمت اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس کے ذریعے مریدین کے آداب اور طور طریقے تقویت پاتے ہیں۔

جنید سے سوال کیا گیا کہ حکایات بیان کرنے میں مریدین کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ آپ نے کہا: حکایات اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جو دلوں کے لیے باعثِ تقویت ہے۔ سوال کرنے والے نے مزید پوچھا کہ کیا اس ضمن میں کوئی قرآنی دلیل بھی ہے؟ ہاں، جیسے اللہ کا یہ قول:

وَكَلَّمَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُنَبِّئُ بِهِ قَوْمًا ۝ [ہود: ۱۲۰]

ترجمہ: ”اور سب کچھ ہم تمہیں رسول کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔“

یحییٰ بن معاذ کا قول ہے: دانشمندی مریدین کے قلوب کے لیے ایسے پتھر کی حیثیت رکھتی ہے جو ان سے دنیا کی گرمی کو دور کر دے۔

مشاد نیورٹی کہا کرتے تھے: میری آنکھیں درویش صادق کو دیکھ کر ٹھنڈک پاتی ہیں۔ اور میرا دل حقیقت کے جویاں مرید کو دیکھ کر فرحت محسوس کرتا ہے۔

ابوتراب کا قول ہے: عارفین کی ریاء مریدین کا خلاص ہے۔

ابوعلیٰ ابن الکاظم کہتے ہیں: جب مرید پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو پہلا فائدہ جو اسے اللہ کی جانب سے پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

شبلی مرید کے حیرت میں واقع ہونے سے متعلق کہتے ہیں۔ حیرت دو جہات سے مرید کو لاحق ہوتی ہے۔ ایک ارتکابِ گناہ کے شدید خوف سے اور دوسرے تعظیمِ قلب کا انکشاف ہونے پر۔ شبلی کہتے ہیں کہ جب میں مبتدی تھا اس زمانے میں رات کو نیند غلبہ کرتی تو آنکھوں میں نمک ڈال لیتا، اور اگر پھر بھی نیند غائب نہ ہوتی سلائی کو گرم کر کے آنکھوں میں پھیر لیتا تھا۔

ابوسعید خرازی نے فرمایا: ایک مخلص مَوَدِب مرید کی یہ علامت ہے کہ وقت، شفقت مہربانی اور سخاوت اس پر غالب ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے بندوں اور جملہ مخلوق کے مصائب کو ان سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خلقِ خدا کے لیے زمین کی مانند ہوتا ہے جس پر لوگ دوڑتے پھرتے ہیں، اپنے شیخ کے لیے ایک صالح ترین فرزند کی طرح ہوتا ہے بچوں کے لیے شفقت باپ ہوتا ہے۔ ان فرض ساری مخلوق کے ساتھ اس کا رویہ اس قدر نرم اور محبت میں رچا ہوا ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ ان کے غم میں شریک، ان کی فریاد میں شامل اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ہر تکلیف کو برداشت کرتا ہے۔

مرید صادق کی یہ صفت ہے کہ اگر اللہ اس سے چاہے کہ وہ خلق پر مہربان، انبیاء و صدیقین اور اولیاء و اصفیاء کے آداب و اخلاق پر عمل پیرا ہوتا کہ وہ اس کے اور اپنے مابین حائلِ حجابات کو اٹھا دے، تو بلاشبہ وہ ایسے اخلاق و آداب کو اپناتا ہے اور

اللہ سے ان پر عمل کرنے کے سلسلے میں مدد چاہتا ہے، اسی پر بھروسہ رکھتا ہے اور ہر حال میں اس سے راضی رہتا ہے۔
سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ مرید کا ضابطہ اعمال یہ ہے کہ اس کے قلب میں فرض کی ادائیگی، گناہوں کی معافی مانگنا اور خلق سے سلامتی چاہنا گھر کر گیا ہو۔

یوسف بن حسین نے مرید کی یہ علامت بیان کی ہیں: اس کا کسی کو نہ چاہنا بھی چاہنے کی طرح ہوتا ہے، اس کے دشمن بھی اسی طرح اس سے محفوظ ہوتے ہیں جس طرح اس کے دوست، ہر شے کو قرآن ہی میں پاتا ہے جو جانتا ہے اس پر عمل کرتا ہے اور جو نہیں جانتا اس کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ لایعنی سوچ سے پرہیز کرتا ہے، عذاب سے نجات پانے کے لیے نہایت حریص اور نعمتِ خداوندی کے وعدوں سے رغبت رکھتا ہے اور غیروں کے اندر جھانکنے کے بجائے اپنے ہی قلب پر نظر رکھتا ہے۔

ابوبکر بارزئی مرید کو یہ نوید سناتے ہیں کہ راہ سلوک کے پہلے مقام میں نازل ہونے والی آزمائشوں سے گزر جانے کے بعد اس کے لیے آگے کا راستہ صاف ہے اور اس کے بعد وہ سوائے راحت و سہولت کے کسی اور چیز سے دوچار نہیں ہوتا۔

آدابِ خلوتیاں

بشرحانی فرمایا کرتے تھے: سالک کو خلوت میں اللہ جل مجدہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، اپنے گھر پر رہے، اور اللہ اور اس کے کلام کو ہی اپنا ہمدم بنا لے۔

میں نے ذوقی سے سنا: وہ دراج کے حوالے سے فرماتے تھے کہ ابوالمسیبؒ ایک جلیل القدر صوفی تھے، اکثر دیران مساجد میں عزت نشین رہتے۔ ایک رات مسجد میں ملاقات کے دوران میں نے ان سے پوچھا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ فرمایا: ہر جگہ کا۔ میں نے کہا: جو ہر جگہ کارہنے والا ہوتا ہے اس کی کیا علامات ہوتی ہیں؟ فرمایا: وہ کسی چیز سے نفرت نہیں کرتا مگر ہر چیز اس سے نفرت کرتی ہے۔

ایک مرتبہ میں شبلیؒ کو ان کے پاس لے گیا انہوں نے دیکھتے ہی کہا: یہ اصطبل کے جانوروں میں سے نہیں، اگر ہے تو اس کے نشان کہاں ہیں؟ یہ سنتے ہی شبلیؒ نے ایک چیخ ماری اور منہ لپیٹ کر کہا: خدا کی قسم! اس نے سچ کہا کہ اگر میں اصطبل کا چوپایہ ہوں تو میرے نشان کہاں ہیں۔

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں کہ سلامتی، اسی کی مصاحبت میں ہوتی ہے جو اس کا طلب گار ہو۔ صوفی مخالفت کو ترک کر دیتا ہے اور جس چیز کے بارے میں علم رکھنے سے علم شریعت روکے اس کے متعلق جاننے کی کوشش نہیں کرتا۔

ابو یوسفؒ کہتے ہیں: تنہائی اختیار کرنے پر صرف کامل صوفیہ ہی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ ہم جیسے لوگوں کے لیے مل جل کر رہنا ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ اسی طرح ایک دوسرے کو دیکھ کر اعمال صالح کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

مجھ سے ابو حفص عمر خیاطؒ نے یہ کہا کہ انہوں نے ابو بکر بن معلمؒ کو انطاکیہ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ساٹھ برس کے بعد میں اس امر پر مجبور ہو گیا کہ ایک بار پھر کلمہ شہادت تجدید ایمان کے لیے پڑھوں۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو کہنے لگے کہ میں ساٹھ برس تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا رہا مگر جب تنہا ہو کر کام نامی پہاڑ پر گیا اور حسب معمول عبادت کا ارادہ کیا تو مجھ سے اس انداز سے عبادت نہ ہو سکی جس بہتر انداز سے میں لوگوں کی موجودگی میں کیا کرتا تھا، اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جیسے مجھے اللہ پر ایمان ہی نہ رہا۔ اس کے بعد میں نے تجدید ایمان کے لیے کلمہ پڑھا اور دس سال اسی پہاڑ پر تنہائی میں ان تمام اور دو وظائف اور دیگر عبادات میں خلوص و صفا پیدا کی جو میں لوگوں کے درمیان پیدا کیا کرتا تھا۔

ابراہیم خواصؒ نے ایک دیران جنگل میں ایک شخص کو دیکھا تو اس سے خلوت گزینی کا سبب پوچھا، اس شخص نے کہا: لوگوں اور دیگر ساتھیوں کو چھوڑ کر اس ویرانے کا رخ کیا تو یہاں مذکورہ تمام صفات سے میرا دامن خالی ہو گیا۔ اب میں یہاں مقیم ہوں تاکہ خلوت میں بھی خود کو انہی معمولات کا عادی کر لوں جن کا عادی خلوت میں تھا۔

آدابِ محبت و رفاقت

ذوالنونؒ فرماتے ہیں: جو سفر دوست سے ملنے کی خاطر اختیار کیا جائے وہ طویل محسوس نہیں ہوتا اور محبوب کی موجودگی سے گھر تنگ نہیں کرتا۔

میں نے ابو عمر اسماعیل ابن نجیدؒ سے اور انہوں نے ابو عثمانؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا: اس شخص کی محبت پر کبھی یقین نہ کرو جو خود کو بچا بچا کرتے سے محبت کرتا ہو۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں: ابن سناکؒ سے ان کے ایک دوست نے کہا کہ تمہارے اور میرے درمیان یہ قرار پایا کہ کل ہم ایک دوسرے کو عتاب کریں گے۔ ابن سناکؒ نے کہا: نہیں، بلکہ یہ قرار پایا کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں گے۔ کہتے ہیں کہ جو محبت ملنے سے بڑھے وہی محبت ہے۔

یحییٰ بن معاذ رازیؒ کا قول ہے: محبت وفا سے بڑھتی ہے اور جفا گھٹتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دوست سے منہ پھیرنا محبت پر رحم کرنا ہے۔

ابو العباس ابن مسروقؒ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ایک دن چھوڑ کر ملو کہ اس طرح محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارے لیے ایک سنت موجود ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ نے کسی شخص کے حال پوچھنے پر اسے جواب دیا کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کا دشمن اس کی بیماری اور دوست اس کی مصیبت ہو۔

جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: صوفیہ کو ایک نظر دیکھ لینا میرے لیے ہفتہ بھر کا زاوراہ ہے

ایک شیخ کا قول ہے: جب مجھے (کسی مسلمان) بھائی کے خلوص محبت کا یقین ہو جائے تو میں اس بات کی پراہ نہیں کرتا

کہ میں اس سے کب ملا۔

ابو الحسنؒ نوری کہتے ہیں: دوست کے لیے ہر چیز بے حساب ہوتی ہے جب کہ دشمن کو ہر چیز حساب سے دی جاتی ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: جب تو کسی کو دوست بنا لے تو پھر اس کی نکتہ چینی کا برانہ مان۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں: میں نے ابو محمد معاذیؒ کو یہ کہتے سنا کہ جو یہ چاہے کہ اس کی محبت لازوال ہو تو اسے اپنے قدمی

دوستوں کی محبت کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

صوفیہ کے دنیا سے کوچ کرنے کے آداب

ابومحمد ہر وہی کہتے ہیں: میں نے دوراتِ شبلیٰ کے پاس بسر کی تھی جس کی صبح کو دو مالکِ حقیقی سے جا ملے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ساری رات یہ دو اشعار ان کی زبان پر جاری رہے۔

ترجمہ شعر:

- (۱) بردہ گھر جس میں تو رہتا ہواؤ سے چرانوں کی کیا ضرورت ہے۔
 (۲) جس روز سب لوگ اپنی اپنی دلیلیں لے کر آئیں گے ہم بھی تیرے چہرے کو جو کہ ہماری امیدوں کا مرکز ہے، بطور دلیل پیش کریں گے۔

ابن الغزالی کہتے ہیں: میں نے ابوترابِ خشنی کے گردان کے ایک سو بیس مریدوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اور جن میں سے نڈھ دو سرید ایک ابن الجلاء اور دوسرے ابوعبید مسریٰ کی موت حالتِ فقر میں ہوئی۔

شاد با ش اے دل

ابن بیان مصریٰ کے دل پر اچا تک ایسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ اٹھ کر گھومنا شروع کر دیتے ایک مرتبہ ساتھیوں نے انہیں بنی اسرائیل کے میدان میں دیکھا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اپنے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی اور کہا خوش ہو جاؤ کہ یہ جگہ احباب کی خوشیوں کی جگہ ہے اور یہ کہتے ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔

ابوطی رودباری کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ مصر میں وارد ہوا تو لوگوں کے اک ہجوم کو یہ کہتے سنا کہ ہم ایک ایسے نوجوان کے جنازے میں شامل ہوئے جس نے کسی شخص کو یہ شعر کہتے ہوئے سنا تو چیخا مار کر جان دے دی۔

ترجمہ شعر:

”وہ شخص کتنی بڑی جرأت کا مالک ہے جس کی جرأت کو تیرے وصال کا شوق ہوا ہے۔“

میرے کچھ دوستوں نے مجھ سے کہا کہ ابو یزید بسطامی نے آخری لمحات میں یہ الفاظ کہے تھے: میں نے تجھے اس لیے یاد کیا کہ کہیں تجھ سے غافل نہ ہو جاؤں اور تو نے ہمیشہ مجھے سستی و تساہل پر ہی چھینچھوڑا۔

جنید بغدادی کہتے ہیں: میں اپنے استاد ابن الکریمی کے آخری وقت میں ان کے پاس ہی موجود تھا۔ جب میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ سے کہا: دور ہے پھر میں نے سر زمین کی طرف جھکا لیا تو کہنے لگے: دور ہے۔ الغرض ان کا اس سے مطلب یہ تھا کہ اوپر نیچے دیکھنے یا اشارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ تمہارے بہت قریب ہے تم خود ہی دور نکل جاتے ہو۔

جریری نے کہا: میں ابوالقاسم جنید کی وفات کے وقت ان کے پاس بیٹھ ہوا تھا۔ اور وہ مسلسل سجدے میں گرے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: ابوالقاسم! آپ اس وقت بھی سجدے میں ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا: ابومحمد! اس وقت جو کیفیت ہے اس میں مجھے سجدے کی شدید ضرورت ہے۔ الغرض میں ان کے پاس موجود تھا کہ ان کی روح سجدے ہی کی حالت میں پرواز کر گئی۔

ابوبکر دیوری کہتے ہیں: شبلیٰ کی وفات کے وقت میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ اس وقت انہوں نے مجھ سے فرمایا: میرے

دل پر ایک ناجائز درہم کا بوجھ ہے جو میں نے پایا مگر اس کا مالک نہیں ملا۔ اگرچہ میں نے وہیں بازار میں اس کے نامعلوم مالک کی جانب سے کئی درہم خیرات بھی کر دیئے تھے تاہم اس وقت میرے لیے اس ایک درہم سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: نماز کے لیے مجھے وضو کرادو میں نے انہیں وضو کرادیا مگر ڈاڑھی کا خلال بھول گیا۔ زبان تو ان کی بند ہو چکی تھی اس لیے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی ڈاڑھی کے قریب لے گئے تو میں نے خلال کر دیا۔ اس کے بعد وہ دنیائے فانی سے رحلت فرمائے۔

شہادت گہ الفت

ابوالحسین نورؒ کے انتقال کا سبب یہ شعر تھا:

ترجمہ شعر:

”میں تیری محبت میں مسلسل ایک ایسے مقام پر اترتا رہا ہوں کہ جس تک رسائی پانے پر عقلمیں

دنگ رہ جاتی ہیں۔“

مذکورہ بالا شعر سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہو گیا اور اسی عالم میں صحرا کی طرف نکل گئے وہاں سرکنڈوں کا ایک سلسلہ تھا جو تازہ کا نا گیا تھا اور ان کی جڑوں سے اوپر کے باقی ماندہ حصے تلواروں کی طرح کھڑے تھے آپ ان پر یہی شعر پڑھتے ہوئے مسلسل چلتے رہے پاؤں سے خون بہتا رہا مگر آپ رکے نہیں تا آنگہ اسی حالت میں آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ابن عطاءؒ کی شہادت اس طرح ہوئی کہ وہ زبر کے پاس گئے ہوئے تھے وزیر آپ سے درشت کلامی سے پیش آیا۔ اس پر آپ نے اس سے کہا: اے شخص اپنے رویے میں کچھ نرمی پیدا کرو مگر وزیر نے ان کے سر پر جوتے مارنے کا حکم دیا جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔

ابراہیم خواصؒ کی جامع مسجد میں اس وقت مالک حقیقی سے جا ملے تھے جب کہ ان کو عارضہ اسہال لاحق تھا اور وہ ہر بار رفع حاجت کے بعد وضو کرتے یہاں تک بالآخر آپ پانی میں کھڑے کھڑے اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ ابو عمران اصطرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ترابؒ کو ایک ویرانے میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ بغیر سہارے کے سیدھے کھڑے تھے اور روح نکل چکی تھی۔

میں نے ابو عبد اللہ احمد بن عطا سے اور انہوں نے کسی صوفی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب یحییٰ اصطرؒ کے انتقال کے وقت ہم ان کے گرد بیٹھے تھے تو کسی نے ان سے کہا کہ کہو اشہدان لا الہ الا اللہ۔ یہ سنتے ہی وہ اٹھ بیٹھے اور ہم میں سے باری باری ہر ایک کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے رہے کہ کہو اشہدان لا الہ الا اللہ اور اس کے بعد پیٹ کے بل لیٹ کر جان دے دی۔ جنید بغدادی سے کہا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ ابو سعید خرازمی نے وقت بہت زیادہ وجد میں تھے۔ جنید نے جواب دیا: عجب نہیں کہ موت کے وقت ان کی روح محبوب حقیقی کی جانب شوق سے محو پرواز ہو گئی ہو۔ موت کے بارے میں صوفیا کے آداب کے سلسلے میں میں نے انتہائی اختصار سے کام لیا ہے۔

مسائل تصوف سے متعلق صوفیہ کے مختلف نظریات

اس باب میں، میں نے صوفیہ کے ان انوکھے اور مختلف مسائل کا ذکر کیا ہے جو علماء فقہاء اور اہل ظاہر پر مشکل اور ان کے بس سے باہر ہیں۔

جمع و فرق

جمع و فرق دو اسماء ہیں۔ جمع سے مراد جمع متفرقات اور فرق سے مراد تفرقہ جموعات ہے جب یہ کہا جائے کہ صرف اللہ موجود ہے اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں تو یہ جمع ہے اور جب یہ کہا جائے کہ دنیا، آخرت اور کائنات تو یہ فرق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جمع کر دیا:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ [آل عمران: ۱۸]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

اور آیت کے اس نکلے میں فرق کیا ہے۔

وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ [آل عمران: ۱۸]

ترجمہ: ”اور (گواہی دی) فرشتوں نے اور عالموں انصاف سے قائم ہو کر۔“

ایک اور مقام پر جمع کرتے ہوئے فرمایا:

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ [البقرہ: ۱۷۷]

ترجمہ: ”یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر۔“

وَمَا أَنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا [البقرہ: ۱۷۶]

ترجمہ: ”اور (ایمان لائے) اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم پر۔“

گویا جمع اصل ہے تو فرق فرع۔ اور اصول کی پہچان فروع سے ہوتی ہے جب کہ فروع کا ثابت ہونا اصول کا محتاج ہے۔ اور ہر جمع جو فرق سے خالی ہو زندگی ہے اور ہر فرق جمع کے بغیر بے کار۔

جمع و فرق کا مفہوم بیان کرتے ہوئے متقدمین میں سے ابو بکر طاہر الا بہری کہتے ہیں: صوفیہ کے نزدیک جمع سے مراد جمع آدم علیہ السلام ہے اور فرق سے مراد فرق اولاد آدم ہے۔ اور مزید یہ کہ ان کے نزدیک جمع سے مراد معرفت ہے اور فرق سے مراد احوال۔

جمع و فرق کے بارے میں جنید کے یہ اشعار ملاحظہ کریں۔

ترجمہ اشعار:

(۱) اے میرے رب! میں نے تجھے اپنے باطن میں پالیا اور میری زبان نے تجھ سے سرگوشی کی بعض اوصاف میں تو ہم سبجا ہیں اور بعض میں جدا۔

(۲) اگر تیری تعظیم نے بظاہر تجھے میری آنکھوں سے غائب کر رکھا ہے مگر تیرے وجد نے تجھے میری آنتوں سے قریب کر دیا ہے۔

نورئ کا قول ہے: حق تعالیٰ کے ساتھ جمع ہونا غیر سے علیحدہ ہونا ہے۔ اور اس کے غیر سے جدا ہونا اس کے ساتھ جمع ہونا ہے۔

ایک قول ہے کہ "جمع" اتصال کو کہتے ہیں جس میں علیحدگی نہیں واقع ہو سکتی اور اگر علیحدگی واقع ہو تو وصل نہیں۔ اور تفرق، شہود ہے اس لیے جو علیحدگی کا مشاہدہ کر لے۔

صوفیہ کا قول ہے کہ جو اللہ کے ساتھ مجموعہ ہو وہ صفات سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اور جو صفات کے ساتھ مجموعہ ہو وہ حق سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں کیفیات ایک دوسرے کی ضد ہیں، کیونکہ حق کے ساتھ قائم ہونا اپنی حجت سے خروج ہے اور حق کے ساتھ قائم ہونا حق سے مجوب رہنا ہے۔

اسی ضمن میں ایک اور قول یہ ہے کہ جمع بشریت کا شہود بشریت کے ساتھ جمع ہونا ہے اور فرق تقسیم رسوم سے علیحدہ ہونے کو کہتے ہیں۔

جنید فرماتے ہیں: بندے کا وجد سے قریب ہونا جمع اور اس کا بشریت میں کھوجانا فرق ہے۔ ابو بکر واسطی نے فرمایا: جب تو نے اپنی جانب نگاہ کی تو یہ فرق ہے اور جب اپنے رب کی طرف نظر کی یہی جمع ہے۔ جب تو اپنے سے علاوہ کے ساتھ قائم ہے تو یہی تیری موت ہے۔

فناء بقاء

ابو یوسف نہر جو رئی سے فنا و بقاء کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا: لگے: فنا بندے کو اللہ کے ساتھ قائم ہونا ہے اور بندے کے افعال کی جگہ اللہ کا قائم ہونا یعنی اس کی صفات اور افعال کا قائم ہونا، بقاء ہے۔ ابو یوسف رضیم فنا و بقاء کے بارے میں فرماتے ہیں: بندے کو فنا و بقاء دونوں کیفیتوں میں عبودیت کا ساتھ حاصل رہنا چاہیے اور اسے علم رضا پر عمل پیرا ہونا چاہیے جس کو فنا و بقاء کے راستے پر عبودیت کی رفاقت حاصل نہ ہو وہ صرف مدعی ہے اور عمل سے خالی۔

میرے نزدیک فنا و بقاء دو اسم ہیں جو متحد بندے کے لیے دو اوصاف ہیں جو اسے مقام عمومی سے مقام خصوصی تک پہنچنے کے لیے مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

فناء و بقاء کے چار مدارج

۱۔ فنا جبیل اور بقاء علم۔

۲۔ فنا معصیت اور بقاء طاعت۔

۳۔ فنا غفلت، بقاء ذکر۔

۴۔ فنا افعال بندہ اور بقاء عنایت خداوندی۔

سمنوں نے فرمایا: بندہ حالی فنا میں محمول اور حال حمل میں مورد ہوتا ہے۔ یہ اوصاف ہیں جو اوصاف ہی کی طرف لے جاتی ہیں اور فنا کا پہلا مقام وجود اور بقاء کے لیے مشاہدات کا قیام ہے۔

قول خداوندی ہے:

وَمَا يَكْفُرُ مِنْ تَعْمَةٍ فَيُنَ اللّٰهُ [النحل: ٥٢]

ترجمہ: ”اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔“

مذکورہ آیت کی تشریح میں ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اُن کو ان کے افعال میں ان کے افعال سے الگ کر دیا اور یہی فناء کی پہلی کیفیت ہے۔

جعفر خلدیؓ کہتے ہیں: میں نے جنیدؒ کو فناء کی تعریف سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب بندے کو اپنے اوصاف سے الگ ہونے کا احساس بھی نہ رہے تو سمجھ لو کہ اس نے کلی بقاء کو پالیا۔ آپ نے مزید کہا کہ میں نے جنیدؒ سے یہ بھی سنا کہ فناء یہ ہے کہ تو اپنے اوصاف سے پوری طرح خود کو فنا کر دے۔

ابن عطاءؒ کہتے ہیں: جو اپنی ذات سے ذات حق کے ساتھ فنا نہ ہوا پھر حق سے حق کے ساتھ فنا نہ ہوا اور حضور حق میں اپنی موجودگی کے احساس سے بے خبر نہ رہا وہ کبھی مشاہدہ حق تک نہیں پہنچ سکتا۔

ابو بکر شیبلیؒ نے کہا: جو حق سے حق کے ساتھ فقط حق کے حق کے ساتھ قائم ہونے کے لیے فنا ہوا وہ ربوبیت و عبودیت دونوں کے احساس سے فنا ہوا۔

روح نے کہا: علم فناء کی پہلی سیڑھی، حقائق بقاء کی طرف نزول ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علاوہ ہر شے پر قدرت و فوقیت حاصل ہے۔ اور ہر حال میں اسی کی ذات میں جا کر گم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بندے کی خواہش صرف اسی کی ذات اقدس ہی رہ جاتی ہے اور اللہ کے سوا ہر چیز ساقط ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بندوں کو عبادت ان کے فناء نفس کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے اور ان کی عبادت صرف اللہ کے لیے اور اسی کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس کے بعد کی کیفیت کیا ہوتی ہے اس کا احاطہ عقل نہیں کر سکتی اور زبانیں اس کے بارے میں گنگ ہو جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا قَانٍ ﴿٢٦﴾ [الرحمن: ٢٦]

ترجمہ: ”زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے۔“

قانی کی پہلی علامت اس سے دنیا و آخرت کی خواہش کا مٹ جانا اور اس کی جگہ ذکر اللہ کا وارد ہونا ہے۔ اس کے بعد اللہ کے ذکر کے وارد ہونے کی خواہش بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ صرف ذکر اللہ کی خواہش لے لیتی ہے پھر یہ خواہش بھی باقی نہیں رہتی اور اس کی جگہ صرف اللہ کی خواہش باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد خواہش کا احساس بھی نہیں رہتا۔ اور اس کی جگہ فناء الفناء اور بقاء البقاء کی خواہش لے لیتی ہے۔

مسئلہ حقائق

سری سقطیؒ فرماتے ہیں: اہل حقائق کا کھانا بیماروں کے کھانے کی مانند پرہیزی ہوتا ہے اور ان کی نیند ڈوبنے والے شخص کی نیند جیسے ہوتی ہے۔

جنیدؒ سے ماہیت حقیقت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے: جب میں اللہ کی یاد میں محو ہوتا ہوں تو اور چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

ابو تراب ٹھہری کہتے ہیں: حقیقت کی علامت آزمائش ہے۔
بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ حقیقت کی علامت آزمائش کا دور ہو جانا ہے۔

رومی نے کہا: حقیقت کاملہ کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔ پہلی قسم کی حقیقت علم کے تابع ہوتی ہے، دوسری قسم کی حقیقت وہ

ابو جعفر صید لائی کہتے ہیں: حقائق کی تین اقسام ہیں۔ پہلی قسم کی حقیقت علم سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

ہے کہ علم اس کے تابع ہوتا ہے اور تیسری قسم کی حقیقت علم سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

ابو بکر زقاق فرماتے ہیں میں صحرا بنی اسرائیل میں تھا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ علم حقیقت علم شریعت کا

مخالف ہے۔ اس لمحے میں نے دیکھا کہ ایک شخص کیکر کے درخت کے نیچے کھڑا پکار رہا ہے۔ اے ابو بکر زقاق! ہر وہ حقیقت جو

شریعت کی مخالف ہو کفر ہے۔

غالباً رومی سے کسی نے پوچھا کہ مقام عبودیت کب حاصل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس وقت جب بندہ اپنی باگ ڈور

اپنے رب کے حوالے کر دے اپنی قوت و طاقت سے بری ہو جائے اور یہ جان لے کہ جملہ مخلوقات حق تعالیٰ سے قائم اور اسی

کے لیے ہے۔

صحیح ترین حقیقت وہ ہے جو علم شریعت سے مربوط ہو۔

جنیڈ کا قول ہے: حقائق نے بندوں کے قلوب میں صرف تلاویح و بیانات بیان کرنے کے لیے جاگزین ہونے سے انکار کیا۔

خدا تعالیٰ کی تعریف

مزمین کبیر کہتے ہیں: صوفیہ کرام نے وجود باری تعالیٰ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اللہ گم نہیں کہ اسے ڈھونڈا جائے اس کی کوئی حد نہیں کہ اس کا ادراک کیا جائے۔ پس جس نے موجود کو پایا اسے دھوکہ ہوا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک موجود سے مراد معرفتِ حال اور ایک ایسے علم کا شرف ہے جو حال سے خالی ہو۔
عبداللہ بن طاہر الاہرئی کہتے ہیں: حقیقتِ علم شریعت ہے اور علم شریعت حقیقت۔

علم، حقیقت اور حق

شبلی فرماتے ہیں: علم، حقیقت اور حق تینوں میں فرق ہے۔ علم ہمیں مختلف اسباب اور واسطوں کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔

حقیقت، اللہ تعالیٰ براہِ راست بندوں کے دلوں میں اتارتا ہے۔ اور حق کا کوئی راستہ متعین نہیں۔

حقیقتِ انسانیت

جعفر قزوینی نے کہا: حقیقتِ انسانیت یہ ہے کہ کوئی انسان تجھ سے اذیت نہ پائے۔ کیونکہ خود لفظِ انسانیت کا معنی بھی یہی ہے کہ ہر چیز تجھ سے مانوس ہو۔

وصل و عقل

کسی شیخ کا قول ہے: وصلِ حق کی حقیقت، عقل کا رخصت ہونا ہے۔

جنید بغدادی کہتے ہیں: بلاشبہ حقائق لازمہ اور پختہ ارادے طالبین کے راستے سے ہر اس سبب، رکاوٹ، تاویل اور وسوسے کو دور کر دیتے ہیں جو حصولِ مراد کو متاثر کر لے۔

الغرض صوفیہ کے نزدیک حق بات یہی ہے کہ حال کی درنگی اور دوامِ سیرالی اللہ کا وارد مدار واضح علمی براہین و دلائلِ حقہ پر ہے۔

واسطی فرماتے ہیں: جب حقائق کے خزانے ظاہر ہوتے ہیں تو پوشیدہ حقائق محبوب ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ صدق

جنید بغدادی کہتے ہیں: جس نے صدق اور کوشش کے ساتھ کوئی چیز طلب کی اسے اگر تمام نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور ملا ہے۔

ابوسعید خراڑی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ صدق کیا ہے؟ میں نے کہا: ایفا، عہد انہوں نے کہا: تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ غائب ہو گئے۔

یوسف بن حسین صدیق کی جامع تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تنہائی سے محبت، مناجاتِ الہی، حق گوئی میں ظاہر و باطن کو یکساں رکھنا، خلق کی طرف توجہ کئے بغیر اپنی ذات پر نظر رکھنا، علم شریعت سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بائیں طور کہ کھانا،

لباس اور کسب معاش حلال ہو، صدق کہلاتا ہے۔ کسی دانا کا قول ہے: صدق کی علامت طاعت کو چھپانا ہے، اور اہل صدق کے دلوں کے لیے خوشگوار ترین چیز اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کا مشتاق ہونا اور اس سے حسن ظن رکھنا ہے۔
ذوالنونؒ کہتے ہیں: صدق اس دھرتی پر اللہ کی تلوار ہے جو ہر شے کو کاٹ ڈالتی ہے۔ حارث مجاہدؒ نے کہا: صدق کو جملہ احوال کی رفاقت حاصل ہے۔

جنید کا قول ہے: صدق کی حقیقت ہر حال میں اللہ کی مرضی سے موافق رہتی ہے۔
ابویقوبؒ کہتے ہیں: ظاہر اور باطناً موافقت حق کرنا اور ہلاکت کے موقع پر بھی سچ کہنا صدق ہے۔
کسی شیخ کا قول ہے کہ ارادے میں کامل توجہ کا نام صدق ہے۔
سہل بن عبد اللہؒ کے مطابق تصوف کے سات اصول ہیں:

- ۱- کتاب اللہ سے تمسک
- ۲- اتباع رسول اللہ ﷺ
- ۳- رزق حلال
- ۴- اذیت رسانی سے پرہیز
- ۵- گناہوں سے اجتناب
- ۶- توبہ کرنا
- ۷- ادائیگی حقوق۔

حصری کہتے ہیں صوفیہ کے چھ اصول ہیں:

- ۱- پاکیزہ رہنا
- ۲- فقط اللہ کو قدیم جاننا
- ۳- لوگوں سے دوری
- ۴- ترک وطن
- ۵- اپنی علیت کو فراموش کر دینا
- ۶- اپنی جہالت کو بھلا دینا

ایک صوفی کے نزدیک تصوف کے سات اصول ہیں:

- ۱- ادائیگی فرائض
- ۲- حرام چیزوں سے اجتناب
- ۳- تعلقات دنیوی کو ترک کر دینا
- ۴- فقر اختیار کرنا
- ۵- ترک طلب
- ۶- کوئی چیز ایک وقت سے دوسرے وقت کے لیے ذخیرہ نہ کرنا
- ۷- ہر حال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا۔

اخلاص

جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: اپنے عمل کو اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھنا اخلاص ہے۔ ابن عطا کہتے ہیں: اخلاص آفات سے بچاتا ہے۔

حارث مجاہدؒ کہتے ہیں: اخلاص اللہ کے ساتھ ان معاملات میں سے ہے جس میں خلق کو کوئی دخل نہ ہونا چاہیے اور بندے کو اپنے نفس کو تو پہلے ہی خارج کر دینا چاہیے۔

ذوالنونؒ نے کہا: اخلاص شیطان جیسے ضرر رساں دشمن کے ضرر سے محفوظ رکھتا ہے۔

ابویقوب سوئی فرماتے ہیں: اخلاص وہ پوشیدہ ترین عمل ہے جس کا فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ اس کو لکھ سکیں اور بندے کے دشمن شیطان کو بھی اس کی خبر نہیں ہو پاتی کہ وہ کوئی نقصان پہنچا سکے یہاں تک کہ خود بندے کے لیے نفس کو بھی اس سے آگاہی نہیں ہوتی کہ وہ اس پر فخر کر سکے۔

سہل بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ یہ ایک المیہ ہے کہ آپ کو اللہ کہنے والے تو بہتیرے مل جائیں گے مگر عبادت میں مخلص بندے کم ہی ملیں گے۔ آپ نے مزید کہا کہ ریاکاری سے مخلص بندے ہی بخوبی واقف ہوتے ہیں۔

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: بندے کا اپنے رب کے ساتھ معاملہ اس قدر اخلاص پر مبنی ہونا چاہیے کہ اس میں خلق اور یہاں تک کہ خود اس کے اپنے نفس کا بھی کوئی دخل نہ ہو۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی سوال کرے کہ اخلاص کیا ہے؟ تو اسے یہی جواب دو کہ اللہ کے لیے اپنے ارادے کو ہر آلائش سے مکمل طور پر پاک کرنا اور اللہ کے سوا جملہ مخلوقات کو اپنے دل و دماغ سے اس طرح نکال دینا کہ دل میں کسی اور کا خوف و خطر باقی نہ رہے، اخلاص کہلاتا ہے۔

مخلص کی علامت

مخلص بندے کی یہ علامت ہے کہ وہ مناجاتِ الہی کے لیے ہر وقت خلوت کا مشتاق رہتا ہے۔ اللہ کی عبادت کے ذریعے خلق سے واقفیت کی کمی اور اپنے معاملہ خداوندی میں خلق کے دخل کو ناپسند کرتا ہے۔
ابوالحسن نورینیؒ نے کہا: خلق سے میل جول ترک کر دینا اخلاص ہے۔

ذکر الہی

ابن سالمؒ فرماتے ہیں: ذکر الہی تین طرح کا ہے:

- ۱۔ زبانی ذکر، جس میں ایک نیکی کے عوض دس نیکیاں ملتی ہیں۔
- ۲۔ قلبی ذکر، جس میں ایک نیکی کے بدلے سات سو نیکیاں ملتی ہیں۔
- ۳۔ وہ ذکر کہ جس کے بدلے ملنے والے ثواب کا کوئی حد و حساب نہیں اس طرح کے ذکر میں دل محبت و حیا سے معمور ہو جاتا ہے۔

ابن عطاءؒ سے کسی نے پوچھا کہ ذکر الہی کا بندے کے باطن پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب ذکر الہی اپنی تمام تر تائید کیوں کے ساتھ باطن پر وارد ہوتا ہے تو بشریت کی تمام آلودگیوں کو زائل کر دیتا ہے۔
سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: ذکر الہی کا ہر مدعی ذکر نہیں ہوتا۔ آپ نے مزید کہا:

ذکر الہی ہے جس کے دوران بدلے کو یہ معلوم ہو کہ اللہ عزوجل اسے دیکھ رہا ہے اور وہ خود اسے اپنے قلب کے ذریعے دیکھتا ہو اور اس قدر قرب ہو کہ بندہ اس سے حیا کرے اور وہ اللہ کو اپنی ذات اور اس کے احوال پر غالب سمجھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا ذُكِّرْتُمْ ۚ اَبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذُكْرًا [البقرہ: ۲۰۰]

ترجمہ: ”تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ۔“

ایک اور مقام پر زیادہ اختصار کے ساتھ فرمایا:

اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿١٤١﴾ [الحزب: ١٤١]

ترجمہ: ”اللہ کو بہت یاد کرو۔“

اور فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ ﴿البقرہ: ١٥٢﴾

ترجمہ: ”تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔“

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ذکرین کے باعتبار ذکر الہی مختلف مراتب ہیں۔ کسی شیخ نے کہا: جس کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ایک ہے مگر اس کے ذکرین مختلف اور ان کے مراتب بھی جدا جدا ہیں۔ ذکر کی اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اس کی جملہ صفات کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ پھر ذکر کی دو قسمیں ہیں:

- ۱۔ زبانی ذکر: تسبیح اور تلاوت قرآن کی صورت میں۔
 - ۲۔ قلبی و روحانی ذکر: ایسا ذکر کہ جس میں دل اللہ کی توحید، اس کے اسماء و صفات، قدرت اور احسانات پر متوجہ ہوں۔
- اللہ تعالیٰ نے امیدواران رحمت کو اپنا وعدہ، خوف رکھنے والے کو وعید۔ متوکلین کو اپنی کفالت، مراقبہ کرنے والوں کو نسب کی اطاعت اور محبین کو اپنا وصل یاد دلایا۔

ابوبکر شہداء فرماتے ہیں: ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس طرح سے ذکر الہی کرے کہ خود اپنے ذکر کو بھی بھول جائے یعنی ماسوا اللہ فراموش کر دے۔

حقیقت غناء

جنید بغدادی سے پوچھا گیا کہ استغناء باللہ اور اختقار الی اللہ میں سے کون سی کیفیت مکمل ترین ہے؟ آپ نے جواباً کہا: اختقار الی اللہ ہی کے ذریعے استغناء باللہ حاصل ہوتی ہے اور جب اختقار الی اللہ درست ہو تو استغناء باللہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اور استغناء باللہ درست ہو تو اختقار الی اللہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دونوں میں سے مکمل ترین کیفیت کون سی ہے؟ کیونکہ دونوں کیفیتیں اپنی تکمیل میں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔

یوسف بن حسین کہتے ہیں: غناء کی علامت یہ ہے کہ غنادین کے لیے ہونہ کہ دنیا کی خاطر۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ غنی کب قابل ستائش ہوتا ہے؟ آپ نے کہا: جب وہ کسی چیز کو سیدھے اور صحیح راستے سے کمائے۔ اور اکتساب میں ہمیشہ نیکی و تقویٰ کو پیش نظر رکھتا ہو۔ کسب معاش میں کسی طرح کی زیادتی یا گناہ کو راہ نہ دے۔ اللہ سے تعلق جوڑ لینے کے بعد مال کی جانب میلان نہ رکھتا ہو، اسے جموں مال پر خوشی نہ ہو اور اس کے کھودینے پر غم نہ ہو۔ امیری میں بھی اللہ کا محتاج رہے۔ اور فقیری میں بھی اللہ ہی کو اپنے لیے کافی جانتا ہو اور وہ اس کے خزانہ برداروں میں سے ایک خزانہ بردار ہو کہ جس کی امیری اپنے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہو۔ جب کوئی بندہ مذکورہ صفات سے متصف ہو تو وہ اہل نجات اور کامیابی پانے والوں میں سے ہے۔ اور یہی ہے وہ بندہ کہ جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جنت میں پانسو برس قبل داخل ہوگا جیسا کہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں: ”میری امت

کے فقراء میری امت کے امراء سے پانسو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔“
 عمرو بن عثمان کئی سے غنا کی جامع تعریف بیان کرنے کو کہا گیا تو فرمایا: غنا کی تعریف یہ ہے کہ تو خود غنا سے مستغنی ہو جائے کیونکہ غنا کو اپنے لیے کافی سمجھنا غنا کے محتاج ہونے کے مترادف ہے۔ اور جب تو اللہ ہی کو اپنے لیے کافی جانے اور اسی سے خود کو غنی سمجھنے تو جان لے کہ تو خود غنا اور اس کے علاوہ سے مستغنی ہو گیا۔

جینڈ فرماتے ہیں: فقیر مصائب کا وہ سمندر ہے جس کی ہر مصیبت بڑی ہے۔ آپ ہی سے کسی نے سوال کیا کہ کب فقیر صادق اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اغنیاء سے پانسو برس پہلے جنت میں داخل ہو؟ آپ نے فرمایا: اس وقت جب کہ فقیر ہر عمل فقط اللہ کے لیے دل سے کرے۔ اور جو کچھ اللہ نے منع فرمایا اس میں فرمان خداوندی کے تابع رہے، حتیٰ کہ وہ فقر کو اپنے لیے اللہ کی وہ عظیم نعمت سمجھنے لگے کہ جس کے کھوجانے کا اسے خوف واسگیر رہے جیسا کہ غنی کو اپنی امیری کے کھوجانے کا نگر لگا رہتا ہے۔ اور وہ اللہ کی جانب سے فقر کے عطا ہونے پر صابر و شاکر اور راضی ہو، اپنے دین کی حفاظت کرے، اپنے فقر کو پوشیدہ رکھے، لوگوں سے لا تعلقی کا مظاہرہ کرے اور اپنے رب کو اپنے لیے کافی سمجھے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

لِلْفَقْرِ آءَاتٍ لَّيِّنٍ اُحْصُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ [البقرہ: ۲۷۳]

ترجمہ: ”ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں روکے گئے۔“
 بلاشبہ جو شخص یہ اوصاف رکھتا ہوگا اسے قیامت میں نجات ملے گی اور اغنیاء سے پانسو برس قبل جنت میں داخل کیا جائے

گ۔

ابن الجلاء نے کہا: جس نے فقر میں پرہیزگاری کو اختیار نہ کیا بے شک اس نے حرام محض کھایا، اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔
 جینڈ کہتے ہیں: لوگوں میں سے معزز ترین شخص، وہ فقیر ہے جو ہر حال میں خوش رہے۔
 مزین کا قول ہے: فقیر وہ ہے جو ہمہ وقت محتاج ہو (یعنی محتاج الی اللہ)۔ اور آپ ہی نے مزید کہا کہ جب فقیر اللہ کی جانب لوٹ کر جائے گا تو وہ خود کو مختلف علوم سے متصف پائے گا، اور وہ خود اپنے وجود پر حیران ہوگا۔
 جینڈ کا قول ہے: انسان کا فقر اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ یہ یقین نہ کرے کہ روز قیامت اس سے بڑھ کر کوئی فقیر عرصہ حساب میں نہیں اترے گا۔

مسئلہ روح

شیخ فرماتے ہیں: ارواح، اجساد اور خواطر، اللہ کے ساتھ قائم ہیں نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ۔ (یعنی اللہ کے بغیر ان کا کوئی وجود نہیں)

اور آپ ہی نے کہا کہ ارواح لطیف ہو کر اوپر کو اٹھیں اور مشاہدات حقانہ کی سرحد پر جا کر ٹھہر گئیں۔ وہاں انہوں نے کسی ایسے معبود کو نہیں پایا کہ جسے وہ خود دیکھ سکیں جب کہ ان کا اپنا وجود بھی قائم ہو۔ اور اس مقام پر ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ حادث کبھی قدیم کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔

ابو بکر واسطی کہتے ہیں: روح دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ روح جس پر مخلوقات کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ اور دوسری روح وہ ہوتی ہے جس سے قلب منور ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ روح ہے جس کے بارے میں قول باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا ۗ [الشورى: ٥٢]
 ”اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزرا چیز اپنے حکم سے۔“

روح کو اس کے لطیف ہونے کے سبب روح کے نام سے پکارا جاتا ہے۔
 جب جو روح اپنے اوقات میں برائی سے روکنے کے ملکہ کو بگاڑ دیتا ہے تو اس وقت روح، مشاہدات سبب سے مجنوب

ہوتی ہے۔

اور جب بھی روح کو ایام و اوقات سے دوچار ہونے کے نتیجے میں کسی گناہ سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ خطاب کو جان لیتی ہے اور معاملات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

روح کے بارے میں واسطیٰ کا ایک اور قول ہے کہ وہ چیزیں ہیں، روح اور عقل، پس روح کبھی روح کو بھلائی سے نہیں نواز سکتی اور نہ ہی عقل کبھی عقل سے کسی برائی کو دور کر سکتی ہے۔

ابو عبد اللہ نیا جی کہتے ہیں: جس عارف کو وصل کی دولت حاصل ہو اس میں دو روحمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا اور دوسری وہ روح کہ جس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

کسی شیخ کا قول ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں۔ روح قدیمی اور روح بشری۔ اور انہوں نے دلیل نبی ﷺ کے اس قول سے پکڑی کہ ”میری آنکھیں تو سو رہی ہوتی ہیں مگر دل جاگتا رہتا ہے۔“ گویا ان کا ظاہر روح بشری کے ساتھ سورہا

ہوتا ہے جب کہ باطن بیدار ہوتا ہے اور اس میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ایک قول ہے: ”مجھ سے کوئی چیز بھلا دی جاتی ہے تاکہ میں اس طرح کی سنت قائم کر دوں۔“ اور ایک دوسرا قول ہے: ”وہ کوئی شے بھولتے ہی

نہیں۔“ تو یہ جو دوسرا قول ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ ان کی روح قدیمہ تھی جو نہیں بھولتی تھی۔
 اس ضمن میں ایک اور قول نبوی ﷺ ہے:

”میں تم میں سے کسی ایک کی مانند نہیں۔ میں تو اپنے رب کے ہاں رہتا ہوں۔“
 مذکورہ حدیث کا مضمون دراصل صفت ہے روح قدیمی کی۔ کیونکہ انہوں نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ روح

بشری کا وصف نہیں۔
 میرے نزدیک روح کے بارے میں شیخ موصوف نے جو کچھ کہا صحیح نہیں کیونکہ قدیم کبھی قدیم سے جدا نہیں ہو سکتا جب

کہ مخلوق، قدیم سے متصل ہی نہیں ہوتی۔

میں نے ابن سالم کو سنا جب کہ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا ثواب و عذاب، روح و جسم دونوں کو ملے گا یا فقط جسم کو؟ تو آپ نے فرمایا: اطاعت و نافرمانی خدا فقط جسم سے روح کے بغیر سرزد نہیں ہوتی اور نہ ہی اکیلے روح سے جسم کے بغیر واقع

ہوتی ہے بلکہ روح و جسم دونوں کی باہمی موجودگی سے اس کا ظہور ہوتا ہے لہذا ثواب یا عذاب بیک وقت دونوں کو پہنچے گا۔
 جس نے ارواح کے تنازع، ایک جسم سے دوسرے میں منتقلی اور اس کے قدیم ہونے کے بارے میں کچھ کہا تو بے شک

وہ بڑی گمراہی اور نقصان سے دوچار ہوا۔
 ۵ شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ اشارہ کا کیا مطلب ہے تو اس کے لیے یہی کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح اللہ نے فرمایا: تبارک الذی۔ تو اس میں الذی کنایہ کی طرح ہے اور کنایہ لطافت کے اعتبار سے اشارے کی مانند ہے۔ اور اشارہ کو فقط اکابر صوفیہ ہی جان سکتے ہیں۔

اللہ کی جانب اشارہ کرنے سے متعلق اقوال صوفیہ

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ نے کہا: ہر وہ اشارہ جو لوگ اللہ کی جانب کرتے ہیں انہی کی طرف پلٹ آتا ہے تاکہ وہ حق تعالیٰ کی طرف حق تعالیٰ ہی کے ذریعے اشارہ کریں جو کہ ان کی دسترس سے باہر ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے پاس ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے آیا آپ نے آنکھ سے آسمان کی جانب اشارہ کیا (یعنی اللہ کو معلوم ہے) اس پر اس شخص نے کہا: اے ابا القاسم! اللہ کی جانب اشارہ مت کرو کیونکہ وہ اس آسمان سے زیادہ تمہارے قریب ہے۔ حضرت جنید نے فرمایا: بے شک تو نے سچ کہا۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ نے فرمایا: صوفیہ کا حقائق کو جان لینا تو وحید ہے مگر اللہ کی جانب کسی طرح کا اشارہ کرنا شرک۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ ہر ایک نے اس کی جانب اشارہ کرنا چاہا مگر کوئی بھی ایسا نہ کر سکا۔

جنید بغدادی نے ایک شخص سے جو اللہ کی جانب اشارہ کرتا تھا کہا کہ اے فلاں! تو کب تک اس کی طرف اشارے کرتا رہے گا۔ چھوڑ کر وہ تیری جانب خود اشارہ کرے۔

ابویزید علیہ الرحمہ کا کہنا ہے: جس نے اس کی طرف علمی طور پر اشارہ کیا تو کفر کا ارتکاب کیا کیونکہ علمی اشارہ صرف معلوم شے (یعنی جو انسانی علم میں آسکے) پر واقع ہو سکتا ہے اور جس نے معرفت کے ذریعے اس کی جانب اشارہ کیا تو الحاد کیا کیونکہ معرفت کی بنیاد پر کیا جانے والا اشارہ فقط محدود شے کی طرف ہو سکتا ہے۔

میں نے ذوق سے سنا کہ مرید کی حقیقت کے بارے میں زقاق علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: مرید کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اسے اپنے اشارے کے قریب خیال کرتا ہے جب کہ کامل کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ترک اشارہ پر ہی اللہ کو پاتا ہے۔ یہی بات جنید علیہ الرحمہ کے بارے میں بھی بیان کی جاتی ہے۔

ابو انیسین نوری علیہ الرحمہ کا قول ہے: ہم اس کی جانب جس قدر قریب ترین اشارہ کریں وہ بعید ترین ہے۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے: جب تو دیکھے کہ کوئی شخص عمل کی جانب اشارہ کرے تو جال لے کہ اس کا طریق اتقاء کا ہے کوئی علم کی جانب اشارہ کرے تو وہ راہ عبادت پر گامزن ہے۔ اور کوئی رزق کے معاملہ میں اس کی جانب اشارہ کرے تو وہ زہد اختیار کرتا ہے اور کوئی آیات کی جانب اشارہ کرے تو وہ ابدال کے راستے پر ہے اور کوئی نعمتوں اور اللہ کی مہربانیوں کی جانب اشارہ کرے تو وہ عارفین کے طرز کو اپنائے ہوئے ہے۔

ابوعلیٰ رود باری علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہمارا یہ علم تصوف ایک اشارہ ہے جب عبادت کی صورت اختیار کرے تو وہ پوشیدہ

ابو یقوب سوسی علیہ الرحمہ سے کوئی شخص مسئلہ دریافت کرنے لگا تو اشارے سے بھی ساتھ کرتا جاتا تھا۔ اس پر ابو یقوب نے اس سے کہا: مجھے تمہارے اعمال کی سمجھ اشارے کرنے کے بغیر بھی آ جائے گی۔ گویا انہوں نے ایسا کرنے کو ناپسند کیا۔

ظرف

جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ظرف سے مراد اخلاق فاضلہ کو اپنانا، عاداتِ رذیلہ سے اجتناب اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کے بعد ان پر نظر نہ کرنا ہے۔

مروت

احمد بن عطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مروت یہ ہے کہ تو جو عمل کرے اسے اللہ کے لیے زیادہ نہ سمجھے اور جب بھی تو اللہ کے لیے کوئی عمل کرے تو یہ سمجھے کہ جیسے تو نے کچھ کیا ہی نہیں اور مزید کرنے کی چاہت رکھتا ہے۔

لفظِ صوفی کی تحقیق

احمد بن عطاء علیہ الرحمہ نے کہا صوفی کو اس نام سے غیر اللہ کی کدورتوں سے پاک ہونے اور برے لوگوں کے مراتب سے دور ہونے کے باعث پکارا جاتا ہے۔

ابو الجحین نوری علیہ الرحمہ نے کہا: خلق سے الگ ہو کر عبادت گزاروں کی صف میں شامل ہونے اور مرتبہ واجدین پر پہنچ کر حق تعالیٰ کی قربت میں رہنے کی وجہ سے نیکو کاروں کا یہ طائفہ صوفیہ اور صوفی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا: انہیں اس نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے کہ فناء ذات کے بعد ان کی اپنی ذات کا صرف اس قدر حصہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس پر نام کا اطلاق ہو سکے۔

کسی صوفی کا قول ہے: صوفی کے نام سے اس طائفہ کو اس لیے پکارا جاتا ہے کہ یہ لوگ روحِ قناعت کے ساتھ زندہ اور رجوع الی اللہ کے وصف سے آراستہ ہوتے ہیں۔

سببِ رزق

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ نے فرمایا: بندے کا مطلب کئے بغیر رزق پانا اس بات کی دلیل ہے کہ رزق صاحبِ ضرورت کی حاجت کے مطابق معین ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ اگر میں نے قبل از وقت رزق طلب کیا تو نہیں پایا اور اگر بعد از وقت طلب کیا تو بھی نہیں پایا لیکن بوقتِ ضرورت طلب کیا تو مجھے میری ضرورت کے مطابق عطا کیا گیا۔

ابو یقوب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس بات میں کہ رزق کا سبب کیا ہے لوگوں نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ رزق اپنی توجہ اور اہتمام کرنے سے حاصل ہوتا ہے ان کا تعلق قدریہ سے ہے۔

کچھ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ سببِ رزق تقویٰ ہے۔ انہوں نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۗ [الطلاق: ۳۰]

”اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی

دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔“

جنہوں نے تقویٰ کو سببِ رزق ٹھہرایا بلاشبہ انہوں نے غلطی کی کیونکہ سببِ رزق تو تخلیق ہے جیسا کہ ارشادِ رب العالمین ہے:

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ [الروم: ۱۰]
ترجمہ: ”اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی۔“

رزق کی بلا امتیاز تقسیم

قرآن مجید کے الفاظ سے یہ ظاہر ہے کہ رزق عطا کرنے میں اللہ نے کفر و ایمان کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ مومن ہو کہ کافر اسے رزق عطا کرتا ہے۔

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے کسی عالم کے ہاں ایک سالک کی تعریف کی تو انہوں نے پوچھا: اس سالک کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اس میں نے کہا: چونکہ مجھے اس کے خالق کے بارے میں کوئی شک نہیں اس لیے میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اس سے اس کے رازق کے بارے میں پوچھوں۔ یہ سن کر وہ عالم شرمندہ ہو کر چل دیا۔

مقام فنا اور عبودیت

جنید علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ بندے کا اپنا نام جاتا رہے اور اس کی جگہ اللہ کا حکم لے لے اس کی وضاحت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جب معرفتِ خداوندی بڑھتی ہے تو بندے کے اپنے آثار مٹنے چلے جاتے ہیں اور اس سے اس کی خصوصیات رخصت ہو جاتی ہیں۔ پھر اک مقام آتا ہے کہ علمِ حق تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے اور حکم اللہ ثابت ہو جاتا ہے۔

یکسانیتِ مدح و ذم

جنید علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ بندے کے لیے کب اس کی برائی کرنے والا اور اچھائی بیان کرنے والا یکساں ہو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب بندہ یہ جان لے کہ اس کی تعریف یا عیب جوئی کرنے والا خود مخلوق ہے اور مخلوق ہوتے ہوئے کسی مخلوق کی برائی یا بھلائی بیان کرنا، غلط بیانی اور چغل خوری ہے۔

سکونِ قلب

ابن عطاءؒ سے پوچھا گیا کہ سکون کب عطا ہوتا ہے؟ فرمایا: حق الیقین کو جان لینے سے جو کہ قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد بندہ علم الیقین سے نوازا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ عین الیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تو اسے سکونِ قلب کی دولت حاصل ہوتی ہے جب بندہ سکونِ قلب سے مالا مال ہو تو اس کی علامات یہ ہوتی ہیں کہ وہ محبت و خوف رکھتے ہوئے اللہ کی قضا اور اس کے فیصلوں پر راضی رہتا ہے، اور بغیر کسی وسوسے کے وہ اسی کی ذاتِ برحق کو اپنا محافظ و مددگار سمجھتا ہے۔

ایک انجانا غم

ابو عثمان حمری علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ اس انجانے غم کی وضاحت کیجئے جو انسان کو پہنچتا ہے مگر اسے اس کا سبب

معلوم نہیں ہوتا؟ آپ نے جواب فرمایا: روح تمام گناہ اور جرائم نفس کو یاد کراتی ہے مگر جب نفس اسے بھلا دیتا ہے اور روح نفس کو گناہوں سے خالی پاتی ہے تو گناہوں کے وہ بادل روح کو ڈھانپ لیتے ہیں اور نتیجتاً روح ایک ضعف و کمزوری کا شکار ہو جاتی ہے اور یہی وہ غم ہے جسے بندہ محسوس تو کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ اسے کہاں سے لاحق ہوا۔

فرست مؤمن

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ”مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“
حدیث مذکور کے بارے میں یوسف بن الحسین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان برحق ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے ایک امتیاز ہے۔ نور الہی سے منور قلوب رکھنے والوں اور ان کے لیے جن کی شرح صدر کی گئی شرف و بزرگی ہے مگر یہ حدیث ان لوگوں کے لیے نہیں جو کثرت نیکی اور قلت گناہ کی بنیاد پر خود کو اس کے مضمون کا مصداق سمجھتے ہیں۔ اور نہ ان کے لیے جو حقیقت ایمان و سعادت سے خود کو بہرہ ور نہیں کرتے۔ بلکہ یہ تو کسی خاص شخص یا طبقے کی طرف اشارہ کئے بغیر تمام اہل ایمان کے لیے باعث فضیلت ہے۔

وہم، عقل اور فہم

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہم عقل و فہم کے مابین ٹھہر جانے کو کہتے ہیں اسے نہ تو عقل سے کوئی واسطہ ہے کہ اس کی صفات سے منسوب ہو سکے اور نہ ہی فہم سے کوئی تعلق کہ اس کی صفات میں سے شمار ہو سکے۔ اس کی مثال اس روشنی کی سی ہے جو پانی اور سورج کے درمیان ہوتی ہے کہ سورج سے منسوب ہوتی ہے اور نہ پانی سے اور اس کی ایک مثال اس اونگھ کی سی ہے جو بیداری اور نیند کے درمیان ہوتی ہے کہ نہ تو انسان جگ رہا ہوتا ہے اور نہ سو یا ہوا۔ اور بیداری یہ ہے کہ اس میں عقل کا فہم میں باقاعدہ نفوذ اور رسائی ہوتی ہے یا فہم کا نفوذ عقل میں ہو رہا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ عقل و فہم کے مابین کوئی درمیانی چیز نہیں ہوتی اور فہم عقل کا خلاصہ ہے جیسا کہ کسی چیز کا خالص حصہ اس کا مغز یا نچوڑ کہلاتا ہے۔

ظلم، مقصد اور سابق بالخیرات کی تشریحات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۗ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۗ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ [فاطر: ۲۰]

ترجمہ: ”پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔“

ابو یزید بسطامی مذکورہ آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سابق اسے کہتے ہیں جو محبت کے کوڑوں سے نگار، کشیدہ تیغ شوق اور درر بہت پرفروش ہو۔
مقتصد وہ ہے جو حسرت کے چابک سے زخمی، منتقل تیغ ندامت اور باب کرم پر مقیم ہو۔

ظلم اسے کہتے ہیں جو آرزو کے دروں سے چھلنی، خنجر حرص کا مارا ہوا اور عقوبت کے دروازے پر پڑا، وہاں ہو۔
 کسی اور شیخ نے فرمایا کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا سزائے جناب سے دوچار ہوتا ہے مقتصد (میان رو) حزم و احتیاط کا
 دامن تھا سے رہتا ہے اور سابق (نیکی کی طرف سبقت کرنے والا ہے) دل و جان سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سرسبد ہوتا ہے،
 گویا ظالم اللہ کی جانب دور سے اشارہ کرنے کے جناب کا شکار ہوتا ہے۔ مقتصد کے سامنے ایک واضح پردہ حائل ہوتا ہے اور
 سابق قرب کی دولت سے مالا مال ہو کر اللہ کی بارگاہ میں محبوب ہوتا ہے۔
 اسی ضمن میں کسی اور نے کہا کہ ظالم حرف ”ذ“ ہے مقتصد حرف ”ب“ اور سابق حرف ”م“ ہے۔

امید اور تمنا

رویم بن احمد سے دریافت کیا گیا کہ کیا امید کو تمنا کرنی چاہیے؟
 آپ نے یوں وضاحت فرمائی کہ وہ تمنا نہیں کر سکتا مگر امید رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ امید رکھنے میں آگے بڑھنے کی لگن موجود ہوتی
 ہے جب کہ تمنا کرنے میں نفس شامل ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ تمنا صفات نفس میں سے ہے اور امید صفات قلب سے تعلق رکھتی ہے۔
 فرعون اور سر نفس

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: نفس کا سر ہوتا ہے جو خلق خدا میں سے صرف فرعون پر غالب آ گیا تھا اور اس نے
 دعویٰ کر دیا تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ (میں ہی تمہارا خدائے بزرگ و برتر ہوں)۔
 نفس کے سات حجابات آسمانی اور سات حجابات ارضی ہیں۔ جب بندہ اپنے نفس کو زمین میں دفن کرتا چلا جاتا ہے تو اس کا
 قلب آسمانوں کی بلند یوں تک پہنچتا چلا جاتا ہے۔ اور جب بندہ نفس کو پاتال میں دفن کر دیتا ہے تو اس کا قلب عرش تک رسائی
 حاصل کر لیتا ہے۔

غیرت بشریہ اور غیرت الہیہ

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: غیرت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) غیرت بشریہ اور (۲) غیرت الہیہ۔
 غیرت بشریہ وہ غیرت ہے جو اشخاص پر کی جاتی ہے۔ اور غیرت الہیہ یہ ہے کہ بندہ دل کو ماسوا اللہ سے بالکل خالی کر دے۔

گناہ تصور گناہ اور نیت گناہ

فتح بن شرف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے ذوالنون مصریؒ کے استاذ اسرافیل سے پوچھا کہ کیا واقعتاً گناہ کرنے سے
 پہلے پوشیدہ خیالات پر بھی عذاب ہوگا؟ چند دن تک تو انہوں نے اس سوال کا جواب نہ دیا مگر ایک دن فرمانے لگے: اے فتح!
 (فتح بن شرف) اگر تو نے عمل سے پہلے اس کی نیت بھی کر لی تو پھر ہر گناہ کے ساتھ ساتھ اس کے تصور کرنے پر بھی عذاب ہو
 گا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک بیچ ماری اور تین روز اس دنیا میں رہنے کے بعد رحلت فرما گئے۔

احوالِ قلوب

ابو بکر محمد بن موسیٰ الفرغانی الواسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: قلوب تین حالتوں پر ہوتے ہیں:

(۱) وہ دل جن کا امتحان لیا گیا ہو۔

(۲) وہ دل جو جڑے اکھیر دیئے گئے ہوں۔

(۳) وہ دل میں لائے گئے دل۔

ان تینوں حالتوں میں سے پہلی حالت پر جو دل فائز ہوتے ہیں وہ وجد میں لائے گئے دل ہیں کیونکہ یہ کیفیت اسی وجہ سے پہلی ہے کہ اس سے قبل اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جب وجد کی کیفیت سے قلوب نکل آتے ہیں تو حالت اصطلاحاً یعنی جڑے اکھڑنے کی کیفیت سے دو چار ہو جاتے ہیں۔ یہی موت ہے اور اس کے بعد نشان مٹ جانے کی حالت ہوتی ہے جو کیفیت فنا ہے۔ اور یہی فنا کی کیفیت ہی بندے کا اول و آخر ہے۔ تاکہ وہ یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میں نے پہلے کی یا میں بعد میں آیا۔ اور یہ تیسری حالت ہی وہ حالت ہے کہ جس نے زبانوں کو گنگ کر دیا کہ وہ اس کے متعلق کچھ کہہ سکیں۔

آزمائش کی تین صورتیں

ابو محمد جریری علیہ الرحمہ ہندگان خاص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان پر تین طرح کی آزمائشیں ڈالی جاتی ہیں ایک وہ جو مخلصین پر سزا کے طور پر نازل کی جاتی ہے، دوسری سابقین پر اور کفارے کی جگہ ڈالی جاتی ہے اور تیسری انبیاء و صدیقین پر صدق اختیارات کی صورت میں۔

حب اور ود میں فرق

حب میں قربت اور دوری دونوں کیفیتیں ہوتی ہیں جبکہ ود میں ہجرت بعد اور قرب تینوں کیفیات نہیں ہوتیں۔ حب پر فائز بندہ مقام حق الیقین و پر فائز مقام عین الیقین اور اپنے باطن کی غیر سے حفاظت کرنے والا بندہ علم الیقین پر فائز ہوتا ہے۔ الغرض وہ ایک ایسا وصل ہے کہ اس میں مواصلت نہیں کیونکہ وصل ثابت ہے جبکہ مواصلت دراصل تصرف اوقات کا نام ہے۔

گریہ وزاری

ابوسعید خرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ گریہ وزاری کرنے کی اٹھارہ وجوہات ہیں:

۱۔ گریہ وزاری فقط اللہ کے لیے اللہ کے ذریعے اور اسی کے ساتھ

۲۔ گریہ وزاری اللہ سے اس وقت کرنی چاہیے جب بندے کے سامنے وصل محبوب کے حصول کے لیے طوالت

انتظار کا ذکر ہو۔

۳۔ خوف ہجر کے وقت۔

۴۔ احکام اللہ میں تسامح پر خوف سزا کے وقت۔

۵۔ اللہ کا وصال حاصل کرنے سے مانع حادثات پر۔

۶۔ جب قلب اللہ کے لیے مضطرب ہو۔

۷۔ روجوں کا اللہ کی محبت میں سرشار ہو جانے پر۔

۸۔ جب عقل اللہ کی محبت میں شدت غم سے زائل ہو جائے۔

۹۔ محبت الہی میں آہیں بھرنے کی کثرت ہو جانے پر۔

۱۰۔ رقتِ فریاد سے۔

۱۱۔ اللہ کے حضور حاضر ہونے پر۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی قربت پانے کی خاطر بساطِ ذلت پر لوٹنے کی وجہ سے۔

۱۳۔ فخر میں مبتلا ہونے پر یہ اندیشہ کہ اللہ اُسے خود سے دور نہ کر دے۔

۱۴۔ اس بات پر گریہ کرنا کہ مہاداوہ راستے سے ہٹ کر عدمِ وصال سے دوچار نہ ہو جائے۔

۱۵۔ خود کو لقاءِ الہی کے قابل نہ سمجھنے پر۔

۱۶۔ اللہ سے اس بات پر شرمانا جانے کے وقت کہ وہ اسے کس آنکھ سے دیکھے گا۔

۱۷۔ بعض ایسے اوقات سے محروم ہو جانے پر جن کا وہ عادی رہا ہو۔

۱۸۔ اس وقت جب کہ وہ وصل کی کیفیت سے سرشار ہو اور اللہ سے اپنی شفقت میں لپیٹ لے جیسے دودھ پیتا بچہ ماں

کا دودھ پیتا جاتا ہے اور روتا جاتا ہے۔

شہاد

جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: شہاد سے مراد حق تعالیٰ ہے۔ جو انسان کے ضمیر میں موجود ہے اس کے تمام اسرار سے واقف ہے۔ وہ ان کے دلوں میں اپنے جمال کا نظارہ کرتا ہے اور دیکھنے والا ایسی صورت میں جب بھی اسے دیکھتا ہے تو وہ دراصل اپنے علم ہی کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔

صوفیہ کے شہاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صوفی مقامِ مریدین سے گزر کر عارفین کے عمومی مقام کا مشاہدہ کرے۔ اور وہ اس شہاد کے آثار و آیات کو دیکھ لے جو غیب میں حاضر ہے اور اسی صورت میں نہ وہ تنگ ہوتا ہے نہ کوتاہی کرتا ہے اور نہ ہی غفلت اختیار کرتا ہے اگر اس سے مرید کی سی غفلت سرزد ہو جائے تو وہ شہاد نہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی اس میں بظاہر دکھائی دیتا ہے وہ باطل اور طریقِ صوفیہ کے خلاف ہے۔

خلوصِ معاملات و عبادات

کچھ متنازع کرام نے ابو الحسن علی بن ہند قرشی فارسی کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ معاملات و عبادات میں خلوص سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: عقلِ راستہ دکھاتی ہے، چیزوں کو جان لینے سے حاصل ہوتی ہے:

۱۔ معرفتِ خدا

۲۔ معرفتِ نفس

۳۔ معرفتِ موت

۴۔ بعد از موت اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کی معرفت

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ اپنی حقیقت کو جان گیا، جس نے نفس کو جان لیا اس نے خود کو نفس کی مخالفت اور مجاہدے پر آمادہ کر لیا جس نے موت کو سمجھا لیا اس نے خود کو اس کی آمد کے لیے تیار کر لیا اور جس نے بعد از موت اللہ کے

وعدوں اور وعیدوں سے آگاہی حاصل کر لی اس نے ممنوعات سے کنارہ کشی اور مامورات کی تعمیل اختیار کر لی۔
اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کی تین اقسام ہیں:

۱- وفا

۲- ادب

۳- مروت

وفا سے مراد قلب کا صرف اللہ کی بیگانگی کی طرف متوجہ ہونا، اس کے نورا زلی کے ذریعے مشاہدہ وحدانیت پر ثابت قدم رہنا اور زندگی کو فقط محبوب الہی کے ذکر سے عمارت سمجھنا ہے۔
ادب یہ ہے کہ باطن کو غیر کے خیالات و خطرات سے محفوظ کیا جائے، احوال کی حفاظت کی جائے اور حسد و عداوت سے اجتناب کیا جائے۔

مروت یہ ہے کہ ذکر محبوب پر زبانی اور عملی دونوں لحاظ سے پابندی ہو، زبان اور نظر کی حفاظت کی جائے، حرام کھانے اور ناجائز لباس سے احتراز کیا جائے۔
اور یہ تمام خوبیاں ادب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں کیونکہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کی بنیاد ادب ہی ہے۔

فیاضی

حارث مجاہسی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: کریم وہ ہے جو اس بات کی پروا نہ کرے کہ اس نے کس کو نوازا۔
ابوالقاسم چنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کریم وہ ہے جو تجھے کسی ویلے کا محتاج نہ ہونے دے۔
صوفیہ کے ایک گروہ کا قول ہے: فیاضی یہ ہے کہ اظہار ارادہ سے پہلے ہی مراد پوری کر دی جائے۔
ایک اور طائفہ صوفیہ کا کہنا ہے: عطا دہ ہے کہ جو توقع سے بڑھ کر ہو۔

فکر

حارث مجاہسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اشیاء اللہ کے ساتھ قائم ہیں فکر کہلاتا ہے۔
صوفیہ کا قول ہے: تفکر، صحبت غور و خوض کو کہتے ہیں۔
بعض کا خیال ہے کہ فکر قلوب کو تعظیم الہی سے معمور کر دیتا ہے۔

تفکر و فکر میں فرق

فکر و تفکر میں فرق ہے کہ تفکر قلب کو گردش میں رکھتا ہے جب کہ فکر قلب نے جو کچھ جان لیا اسی پر رک جانے سے عبارت ہے۔

اعتبار

حارث مجاہسی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اعتبار سے مراد کسی شے کو کسی دوسری شے پر دلیل بنا کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہے۔
کچھ صوفیہ کا قول ہے: اعتبار یہ ہے کہ جس سے ایمان واضح ہو جائے اور عقل اس سے اپنا پورا حق وصول کر لے۔
بعض صوفیہ کہتے ہیں: اعتبار غیب میں نافذ ہوتا ہے کوئی چیز اس کو مانع نہیں ہوتی۔

نیت

صوفیہ کا قول ہے: عمل کے لیے عزم مصمم ہی کو نیت کہتے ہیں
بعض کا کہنا ہے کہ نیت عمل کی پہچان ہے۔
جنید شیح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نیت، افعال کی تصویر ہے۔
کسی کا قول ہے: مومن کی نیت اللہ تعالیٰ ہے۔

درست کیا ہے؟

صوفیہ کا قول ہے: فقط توحید ہی درست ہے۔
جنید بن محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر وہ گفتگو جو اذن خداوندی سے ہو درست ہے۔

خلق خدا پر شفقت

جنید بن محمد علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ خلق خدا پر شفقت سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خلق خدا پر شفقت یہ ہے
کہ وہ جو کچھ تجھ سے طلب کرے تو اپنی جانب سے اسے دے اور تو اسے کسی ایسی ذمہ داری کا پابند نہ کرے کہ جس کا وہ متحمل
نہ ہو سکے یا جو اس کی بساط سے باہر ہو۔ اور نہ ہی تو اس سے ہو کچھ کہے جو اس کے علم میں نہ ہو۔

پرہیز گاری

صوفیہ کہتے ہیں: جن امور کا حکم دیا گیا ہے ان کا بجالانا اور جن سے روکا گیا ہے ان سے پرہیز کرنا ہی پرہیز گاری ہے۔
بعض کا کہنا ہے: پرہیز گاری، مومن کا حرم ہے جیسا کہ کعبہ حرم مکہ ہے۔
کچھ کا قول ہے: پرہیز گاری نور قلب سے جس کی مدد سے مومن حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔ سہل بن عبد اللہ، جنید بن محمد،
حارث مجاہبی اور ابو سعید خزاز علیہم الرحمہ نے فرمایا: پرہیز گاری کا مطلب ظاہر و باطن کی یکسانیت ہے۔

سر

بعض صوفیہ نے کہا: سر وہ ہے جس کو دل میں آنے والے کسی خیال کے ذریعے نہیں جاسکتا بلکہ اسے اللہ غائب رکھتا ہے
اور صرف اسی کے ذریعے اس کا احساس کیا جاسکتا ہے۔

ایک طائفہ صوفیہ کا کہنا ہے کہ سر دو طرح کے ہوتے ہیں:

ایک وہ جو فقط اللہ کے لیے ہے اور اس کا علم اس کو بلا واسطہ ہوتا ہے (یعنی صرف وہی اس سے باخبر ہوتا ہے خلق کو اس کا
علم نہیں ہوتا)۔

دوسری قسم کا سر، وہ جو خلق کے لیے ہے اور اس کو اللہ تو بہر حال جانتا ہے مگر اس کے ساتھ خلق کو بھی اس کا علم عطا فرماتا ہے۔

ایک طائفہ صوفیہ کا کہنا ہے کہ سر کی یہ دو قسمیں ہیں: ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس سے صرف وہی باخبر ہوتا ہے خلق
کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ دوسری قسم کا سر خلق سے متعلق ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسی کی وساطت سے بندہ بھی باخبر ہوتا ہے۔

حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہمارے اسرار (راز) اس قدر انوکھے ہیں کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی ان کا گز نہیں ہو سکتا۔

یوسف بن حسین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مردانِ خدا کے دل بھیدوں کی قبریں ہیں۔ آپ ہی کا ایک اور قول ہے: اگر (میری قمیص کے) بٹن کو بھی میرے بھید کا علم ہو جائے تو اسے توڑ پھینکوں۔

اسی ضمن میں کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:
بہت ہے: وہ ایک ایسے بھید کو محسوس کرنے والا ہے کہ جس نے اسے پوری طرح خوش کر دیا ہے گویا وہ اور اس کا بھید محبوب کے بھید میں سرور ہیں۔

اور وہ صاحبِ راز جو اپنے بھید کی جانب اشارہ کرتا ہے وہ سر اسردھو کے میں ہے۔

ترجمہ اشعار:

ترجمہ: اے رازوں کے راز کو کبھی تو اس قدر دشوار فہم ہے کہ ہر ذی روح پر مخفی ہو جاتا ہے۔
اور اے رازوں کے راز کہ تو ظاہر بھی ہے اور باطن تو ہر شے سے اور ہر شے کے لیے ظاہر ہوتا ہے۔

ابو الحسن نوری کے چند اشعار۔ ترجمہ اشعار:

(۱) مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں نے اپنے اور محبوب کے سر کا سوائے اس کے اور اپنے کسی کو امین نہیں بنایا کہ مبادا بھید کھل جائیں اور پھیل جائیں۔

(۲) اس راز کو تو میری آنکھوں نے بھی نہیں دیکھا چہ جائے کہ دیکھنے والی آنکھیں اس کا مشاہدہ کر سکیں۔

(۳) مگر میں نے اس کے اور اپنے درمیان وہم و خیل ہی کو ایک پیغام رساں بنایا ہوا ہے اور وہی مجھ پر وہ کچھ ظاہر کرتا ہے جو لوگوں کے باطن پوشیدہ رکھتے ہیں۔

مختلف مسائل کے بارے میں صوفیہ کے اقوال سے متعلق جو کچھ مستحضر تھا بیان کر دیا تمام تر تفصیلات کا احاطہ تو مشکل ہے۔ بہر صورت یہ مختصر ذکر بھی کافی ہے۔

عروہ بن عثمان کی علیہ الرحمہ کا قول ہے: سارے علم کے دو حصے ہیں یعنی نصف سوال ہے اور نصف جواب۔

صوفیہ کے مکتوبات

احمد بن علی کرنی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے مشاد دنیوری علیہ الرحمہ کو ایک مکتوب ارسال کیا جس کے جواب میں انہوں نے خط کی پشت پر تحریر فرمایا کہ ایک صحیح (صوفی) نے اپنی طرح کے دوسرے (صوفی) کو کیا لکھنا ہے کیونکہ حقیقت کی پہچان میں وہ دونوں کبھی مختلف ہی نہیں ہوتے۔

ابوسعید خدری علیہ الرحمہ نے ابوالعباس احمد بن عطاء علیہ الرحمہ کو لکھا: اے ابا العباس! مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ بتاؤ جس کی پاکیزگی کامل، جملہ آثارِ نفس سے بری اور اس طرح وہ حق کے ساتھ، حق کے لیے اور حق کے ذریعے قائم ہو کہ نہ اس کے لیے اور نہ ہی اس سے متعلق کوئی شے باقی رہے۔ اور حق اسے بیمار کرے یا کسی مصیبت سے دوچار کرے تو یہ اس کے لیے بھی ایک آزمائش ہو اور اس کے بارے لوگوں کے لیے بھی امتحان ثابت ہو۔ اگر میرے لیے اس طرح کے کسی شخص کا پتہ آپ کو ہے تو اس کی طرف میری رہنمائی کریں اور اگر وہ مجھے قبول کر لے تو اس کا خادم بن کر رہوں۔

مکتوب عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ بنام طائفہ بغداد

آپ اس وقت تک حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ مٹے ہوئے راستوں سے آگے نہ بڑھ جائیں اور ہلاکت خیز صحراؤں کو طے نہ کر لیں۔

اس مکتوب کے پڑھے جانے کے وقت جنید، شبلی اور ابو محمد جریری علیہم الرحمہ بھی موجود تھے اور اس موقع پر جنید نے فرمایا: کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ان راستوں میں کون داخل ہے۔ جریری نے کہا: اسے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ ان میں کون شامل نہیں ہے۔ اور شبلی نے کہا تھا: کاش کہ مجھے ان کی جانب سے ہوا کی بوتل بھی نہ پہنچتی۔

مکتوب ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ بنام ابوالقاسم جنید علیہ الرحمہ

ابے ابوالقاسم! آپ کا اس حال کے بارے میں کیا خیال ہے جو بلند ہوا اور ظاہر ہو گیا، ظاہر ہوا تو غالب آ گیا اور غالب ہو تو فوقیت لے گیا۔ پھر وہ مقیم ہو گیا اور جگہ لے لی! الغرض شواہد مٹنے والے ہیں، ادہام و تخیلات غائب ہونے والے ہیں، زبانیں گنگ ہیں، اور علوم فانی ہیں۔ اگر کسی کو مذکورہ حالت لاحق ہو اور اس کی طبیعت بوجھل ہو جائے تو اسے سوائے وحشت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور اگر کسی کی طبیعت اس طرح کی حالت کے نتیجے میں نوش و خرم ہو تو سوائے دوری پانے کے کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ اور نتیجتاً وہ اس حال کو پہنچ جائے گا کہ گویا زنجیروں اور پتھکڑیوں میں کڑا ہوا ہے اور اس کی عقل بھی مغلوب ہوگی اور اس طرح وہ حق سے حق کے ذریعے متصل ہوگا اور خلق اس کے لیے بمنزلہ ایک بندھن کے ہوگی۔

ترجمہ اشعار:

اے آسمان کے ہلال! تو آنکھ کے لیے رات کی مانند ہے کہ جب رات ظاہر ہوتی ہے تو ہلال کے کنارے روشن ہو جاتے ہیں۔

۲۔ میں اپنے آپ اس وجہ سے روتا تھا مگر جب اس نے پیٹھ پھیری تو میں اس پر اسی کی وجہ سے رویا۔

جواب جنیدؒ بنام شامی
ابو بکر شامی کا خط ایک بدھ سے دوسرے بدھ تک جنید کے پاس پڑا اور پھر جنید نے اسی کا غز کے ٹکڑے پر اس کا جواب

تحریر کیا:

”اے ابو بکر! اللہ اللہ! ہم تو لوگوں میں رہتے ہوئے جب ایک لفظ کو سامنے رکھتے تو اسے سو گھنٹے اور مختلف پہلوؤں سے اس کے بارے میں تہہ خانوں میں بیٹھ کر گفتگو کرتے تھے مگر تم ہو کہ اس

پابندی کو بھی ترک کر دیا۔
تمہارے اور اکابر صوفیہ کے درمیان ہزار طبقے ہیں جن میں سے پہلے طبقے کے خیالات وہی تھے

جو تمہارے ہیں۔“

ابوعلیٰ رود باریؒ کا ایک مکتوب

جب ہم رملہ میں تھے تو ان دنوں وہیں ایک شخص ہاشمی نسل کا تھا۔ اس کے پاس ایک کنیز نہایت خوش آواز صاحب فرست تھی۔ ہم نے ابوعلیٰ رود باریؒ سے جا کر کہا کہ وہ اس ہاشمی کو لکھیں کہ ہمیں اس کنیز کے پاس جا کر اس سے کچھ سننے کی اجازت دے۔ اس پر ابوعلیٰ رود باریؒ نے میری موجودگی میں اس شخص کو یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ تمہاری حاجت کو پورا کرے اور تیری آرزو کو بر لائے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس ایک چشمہٴ روال ہے جس سے اہل دل آ کر پیمان وفا کے جام پیتے اور حقائق صفا سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اگر ہمیں اجازت دے دی گئی تو ہم چاہیں گے کہ اس چشمہٴ اہل دل کا مالک مجلس کوغیروں کی موجودگی سے خالی کرے اور کنیز کو ظاہر بینوں کی آنکھ سے پوشیدہ رکھے۔ ہمارا آنا آپ کی اجازت پر منحصر ہے۔ والسلام

ابو رود باریؒ کے نام ابوعلیٰ بن ابی خالد صورتیؒ کے ایک مکتوب سے اقتباس

میں نے ابوعلیٰ بن ابی خالد صورتیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوعلیٰ رود باریؒ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں یہ دو شعر لکھے

بیجھے تھے۔ ترجمہ اشعار:

(۱) اے ابوعلیٰ! تجھ سے اپنی محبت کو میرا پوشیدہ رکھنا اسے شرکت سے پاک رکھنے کی جانب فرما رہے۔

(۲) کیا خوب ہے تو اسے خطہٴ روز بار! تیرا ہم پر کیا حق ہو سکتا ہے جب کہ وہ (ابوعلیٰ) تجھ سے باہر چٹیل میدان میں ہے۔

ابوعلیٰ صورتیؒ کہتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد ابوعلیٰ سے ملاقات ہوئی تو میرے ہاتھ میں کاغذ کا جو ٹکڑا تھا اس پر یہ اشعار لکھے۔

ترجمہ اشعار:

(۱) تجھے محبت پر محبت نے اکسایا، محبت میں ناامیدی لطف بہشت ہے اور اس میں ملامت، مہربانی و کرم ہے۔

(۲) اے محبت کرنے والے تو نے گھاٹ پر آنے اور اوپس نہ ہونے کے سبب محبت کی پاکیزگی و خلوص میں عدم مقصدیت کو ملا دیا۔

(۳) اس کے چہرے کے نیچے اس کے لیے اپنی محبت نے کراہام و مصائب کو موزشوں کے ساتھ اس کا فریضہ ہو کر کھڑا ہو۔
ذوالنون مضر علیہ الرحمہ کے ایک مرید یار پڑھے تو انہوں نے شیخ کو دانا کے لیے لکھا جس کے جواب میں ذوالنون نے یہ تحریر بھیجی۔

اے میرے بھائی! آپ نے مجھے یہ لکھا کہ دعا کروں کہ اللہ آپ سے اپنی نعمتوں کو واپس لے لے۔ میرے بھائی! جان لو کہ اہل عفا، صاحبان عزم و ہمت اور مصائب و ابتلاء سے گزرنے والے یاری و مصیبت سے انس رکھتے ہیں کیونکہ امراض و مصائب اُن کی زندگی میں شفا کے مترادف ہیں۔ جس نے مصیبت و آزمائش کو نعمت نہ جانا وہ دانش مند نہیں اور جس نے اپنے مہربان کو اپنے اوپر ایمن نہیں بتایا اس نے گویا اپنا معاملہ اہل تہمت کے حوالہ کر دیا۔

میرے بھائی! تجھے اپنے رب سے حیا کرنا چاہیے کیونکہ حیا انسان کو عفو و شکایت سے باز رکھتا ہے۔ والسلام
ایک شخص نے ذوالنون علیہ الرحمہ کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب سے مانوس فرمائے اس پر ذوالنون نے اسے جواباً لکھا:

”اللہ تجھے اپنے قرب سے متنفر فرمائے کیونکہ جب اللہ نے تجھے اپنے قرب سے مانوس کر دیا تو یہ تیرا اپنا اندازہ و تدبیر ہے۔ اور جب اس نے تجھے اپنے قرب سے متنفر کیا تو یہ اللہ کا اندازہ اور اس کی تدبیر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں یہاں تک وہ تجھے اپنا بے قرار بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔“
جعفر خلدی کہتے ہیں کہ میں نے چند گویہ کہتے سنا کہ ایک دفعہ مضر علیہ السلام نے ایک رقعہ مجھے دیا اور کہا کہ یہ تیرے لیے میری حاجت پوری کرنے کے عوض میں ہے۔ میں نے رقعہ کھول کر پڑھا تو لکھا تھا کہ میں نے ایک دیرانے میں حدی خوان کو یا اشعار گاتے ہوئے سنا۔ ترجمہ اشعار:

میں روتا ہوں اور کیا تو جانتی ہے کہ مجھے کیا چیز رلا رہی ہے۔ میں تو اس ڈر سے روتا ہوں کہ کہیں تو مجھ سے بچھڑ نہ جائے اور کہیں تو مجھ سے تعلق توڑ کر جدا نہ ہو جائے۔
ابو عبد اللہ رو دبارئی کہتے ہیں کہ مجھے میری ایک دوست نے لکھا:
”یہ خط جو میری محبت کا آئینہ دار ہے ایک ایسا نور ہے جس نے میری آنکھ کو فقط تجھ پر مرکوز کر دیا ہے۔“

والسلام

ابو عبد اللہ رو دبارئی نے کسی دوست کو ایک مکتوب میں لکھا:
”آپ کو مرتبہ و نصیب مل جانے کے بعد شوق و محبت اختیار کرنے کی طرف کس چیز نے مائل کیا۔ اور کس چیز نے آپ کو اتسال پر مدامت اختیار کرنے کے بعد وصل کے رشتے کو قطع کرنے پر آمادہ کیا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ خط کا آنا ایک ایسی خوشی دیتا ہے جو مسرتِ قرب کے برابر ہے۔“

ایک شیخ کا مکتوب

تمہارے ساتھ شدید محبت نے مجھے تیری طرف اشارہ کرنے سے بچائے رکھا تیرے قرب نے مجھ سے تیرے ذکر کا سامان غائب کر دیا۔ لہذا تیری حقیقت ظاہر، تیری نشانیاں تاناک اور تیری

سلطوت غالب ہے۔ تیری سلطوت ظاہر ہوئی تو میری معرفت گونگی ہو گئی۔ میری عقل اس کے آتے ہی جاتی رہی۔ میرا علم اس کے ظہور کو بیان کرنے سے قاصر ہو گیا اور تیری حقیقت کے غلطی کے نتیجے

میں میری عبادت اس کے بیان سے عاجز رہی۔ والسلام

ابوطیب احمد بن مقال کئی کہتے ہیں کہ ابو النیر العینا قی نے جعفر خلدلی کو ایک خط میں لکھا:

فقراء کی جہالت کا بوجھ آپ پر ہے کیونکہ آپ دنیا والوں کی طرف مائل ہو گئے اور اپنے امور میں مشغول ہو گئے جس کے نتیجے میں فقراء جاہل رہ گئے۔

ایک داناکے نام یوسف بن حسین کا مکتوب

یوسف بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے ایک داناکو دنیا کی طرف مائل ہونے اور اپنی طبیعت میں ایسی خصلتوں کے پانے کی شایستگی جنہیں میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔ اس پر انہوں نے مجھے لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہارا خط موصول ہوا۔ تم نے جو کچھ لکھا اسے میں سمجھ گیا۔ تمہیں اللہ تعالیٰ شرافت و بزرگی عطا فرمائے۔ بلاشبہ میں تمہاری شکایت میں تمہارے ساتھ شریک ہوں اور تمہاری مصیبت میں تمہارا مددگار ہوں۔ اگر تو مسلسل خدا کو پکارتا رہے اور اس کے در پر دستک دیتا رہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے۔ اگر تجھے صفا و طہارت اپنی مرضی کے مطابق حاصل ہو جائے تو گناہوں کے ارتکاب کرنے کی مصیبت کو چھوڑ دے جس سے تجھے دین و دنیا کیس میں بھی منفعت حاصل نہ ہوگی۔ اور اس شخص کا قرب ترک کر دے جس سے مل کر تو خود کو غفلت و برائی سے مامور نہ رکھ سکے اور ایسے حالات میں قناعت و اطمینان پر اکتفا کرو۔ والسلام

یوسف بن حسین کہتے ہیں کہ ایک حکیم نے دوسرے حکیم کو لکھا کہ وہ اسے اصلاح نفس کے بارے میں کوئی طریق بتائے

اس پر اس حکیم نے جواباً لکھا:

مجھے اپنے نفس کے بگاڑ سے ہی فرصت نہیں کہ تیرے نفس کی اصلاح کرو، مجھے اپنے اندر کوئی چیز ایسی نہیں

دکھائی دیتی جو دوسروں کے لیے اچھی ہو۔ والسلام

ابوالعباس احمد بن عطاء اور ابوسعید خرازی کی خط و کتابت

ابوالعباس احمد بن عطاء نے ابوسعید خرازی کو ایک خط میں لکھا:

”میں آپ کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ آپ کے جانے کے بعد فقراء اور ہمارے ساتھی ایک

دوسرے کے مخالف ہو گئے ہیں۔“

ابوسعید خرازی نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

آپ نے لکھا ہے کہ میرے جانے کے بعد ہمارے مریدین ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگے

ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا اللہ پر غیرت کرتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کاملاً اتفاق کر کے

ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کر لیں۔ اور اس طرح اللہ سے دور نہ ہو جائیں۔

نامہ بنام حبیب

رودباری کہتے ہیں کہ ایک محب نے اپنے حبیب کو جو کہ اس کو جھڑکتا رہتا ہے یہ لکھا:
 محبت کبھی زائل نہیں ہوتی آپ میرے شہر میں آئیں تاکہ میری محبت میں اضافہ ہو مگر قبیلہ کے
 دشمنوں سے ملنا کہ کہیں وہ یہ گمان نہ کر لیں کہ آپ خشک مزاج ہیں۔

ایک شیخ کے مکتوب سے اقتباس

جدائی کی تلخی پر غور کرو جو مجھے وصل کی شیرینی سے محروم رکھتی ہے اور میری آنکھیں نہیں چاہتیں کہ تیری دید کی ٹھنڈک
 سے آسودہ ہوں کیونکہ اس طرح انہیں خدشہ ہے کہ کہیں تجھ سے دوری کے باعث وہ جلنے نہ لگیں، میرا جگرہ ملاقات کے وقت
 کانپ اٹھتا ہے اور فراق کی گھڑیوں میں میری آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں۔

میں بزبان شاعر اپنا حال سنا تا ہوں۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) اگر محبت شیرینی محبت کا ذائقہ پالے تو پھر اس سے بڑھ کر کوئی بد بخت نہیں۔
 (۲) اگر وہ اس سے دور ہو جائے تو شوق محبت میں روتا رہتا ہے اور اگر محبوب قریب ہو جائے تو وہ خوف جدائی سے روتا رہتا
 ہے۔

(۳) محبوب سے دوری کے باعث اس کی آنکھیں جلتی ہیں اور وصال پانے کے وقت بھی اس کی آنکھیں جلتی ہیں۔

ہرن کی رفاقت

- حسین بن جبریل المرندی علیہ الرحمہ جو اہل مشائخ میں سے تھے انہیں مکہ مکرمہ میں اپنے ایک شاگرد کا یہ خط موصول ہوا:

میرے شیخ! آپ کے مریدین میں سے تمام باہم رفیق بن گئے جب کہ میرا کوئی رفیق نہ تھا اسی
 حال میں ایک روز میں نے طواف کے دوران ایک ہرن کو بھی طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ مجھے وہ
 بہت اچھا لگا اور اسی کو اپنا رفیق بنا لیا میرے پاس ہر روز رات کو جو کی دور دریاں ہوتی تھیں جن میں
 سے ایک اس کے لیے اور دوسری میرے لیے ہوتی، وہ ہرن کئی ماہ تک دن رات میرے پاس
 رہا۔ ایک روز مجھ سے افطار کرنے میں کچھ تاخیر ہو گئی اور جب افطار کرنے لگا تو دیکھا کہ ہرن
 دونوں روٹیاں کھا چکا ہے۔ اس پر میں نے اس سے کہا: تجھ پر افسوس ہے! تو نے خیانت کی۔ یہ
 سنتے ہی اس کے آنسو بہنے لگے اور حیاء کے مارے مجھ سے جدا ہو کر چلا گیا۔ میں آپ سے اور آپ
 کے احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ اس ہرن کو میری
 طرف لوٹا دے۔

مصائب سے پیار

شاہ کرمائی نے ابو حفصؒ کو لکھا:

جب میں خود کو ہر طرف سے مصائب میں گھرا ہوا پاؤں تو کیا کرو؟

اس پر ابوجخص نے انہیں لکھا:

اپنے مصائب سے پیار کرو مگر اس طرح کہ تجھے ان سے پیار کا احساس تک نہ ہو۔
ابن مسروق کہتے ہیں کہ سری سقظی نے کہا میرے کسی دوست نے مجھے خط لکھا جس کے جواب میں میں نے اسے لکھا:
اے بھائی! میں آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں، جو اطاعت گزار بندے کی
اطاعت میں مدد فرماتا ہے اور جو نافرمان بندے سے اس کی نافرمانی کا انتقام لیتا ہے لہذا آپ کو
کہیں اس کی اطاعت اس کے عذاب سے مامور ہونے کی طرف مائل نہ کرے۔ اور کہیں اس کی
معصیت آپ کو اس کی رحمت سے مایوسی کی طرف نہ لے جائے! اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں ڈرنے
والا اور مایوسی سے دور ہرنے والا بنائے اور اسی طرح وہ ہمیں اور آپ کو امید وار رحمت بنائے مگر
اس طرح کہ ہم میں غرور نہ آجائے۔ والسلام

جنید بغدادی نے علی بن اہل اصہبان کے نام ایک خط میں لکھا:

اے بھائی! حقائق لازمہ مضبوط ارادے اور صحیح واہم عزائم جس کو حاصل ہوں انہیں وہ ہر سبب
سے دور، ہر خلل سے محفوظ، باطن کی گہرائیوں پر پڑنے والے ہر اثر کو زائل، اور ہر اس تاویل کو جو
مقصد و مراد کو موہوم کرنے والی ہو، کو واضح کر دیتے ہیں۔ الغرض اہل عرفان کے ہاں حق فقط صحت
احوال کے ساتھ لازم ہے۔ اور ان کے ہاں طریق سلوک کو پیہم طے کرنے کے بارے میں علمی
دلائل اور براہین حق موجود ہیں۔

صوفیہ کرام کے مراسلات و مکتوبات اس قدر زیادہ ہیں کہ تمام کا ذکر ممکن نہیں خاص کر وہ طویل
مکتوبات شامل نہیں کیے جاسکتے جیسے ابوالحسین نوری کا مکتوب بنام جنید بغدادی آ زامش و مصیبت
کے موضوع پر، ابوسعید خراسانی کا مکتوب بنام ابوالحسین نوری اور جنید بغدادی کا مکتوب بنام یحییٰ بن
معاذ اور یوسف بن حسین اور ان دونوں کے جوابی خطوط، تاہم یہاں ہم ان طویل مکتوبات میں
سے جنید کا مکتوب بنام ابوبکر الکسانی الدینوری پیش کرتے ہیں جو کہ قدرے مختصر ہے۔

مکتوب جنید

اے میرے بھائی!

اس وقت تمہارا اٹھکانہ کیا ہوگا جب دودھ والی اونٹنیاں چھوٹی پھریں گی (یعنی قیامت کے روز) اور تیرا گھر کہاں ہوگا
جب کے سب گھرتاہ ہو چکے ہوں گے، اور تیری منزل کہاں ہوگی جب کہ سب منزلیں چھیل میدان اور بے آب و گیاہ صحرا میں
چکی ہوں گی اور تیرا مکان کہاں ہوگا جب کہ ہر مکان کے نشان تک مٹ چکے ہوں گے، اور تیری کیا خبر پڑے گی جب کہ سب
خبروں کو جمع کرنے والے بھی پٹے گئے ہوں گے، اور کس چیز کا نظارہ کرو گے جب کہ دیکھنے کی جگہ میں برباد ہو چکی ہوں گی اور
کس طرح شب و روز کی گزرگاہ پر پڑاؤ ڈالو گے اور کس طرح تقدیر کے مصائب سے خود کو بچاؤ گے اور کس طرح صبر کر دے
جب کہ صبر کرنے یا تسلی پانے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ اب اگر روؤ سکو تو روؤ ایک ایسی عورت کی مانند جو اپنا بچہ گم کر چکی ہو اور سخت

مغموم و دکھی ہو۔ اور دو ہزاروں عزیزوں کے کھوجانے پر۔ جلیل القدر جاننشینوں کے فنا ہوجانے پر جو کچھ پوشیدہ گزر چکا اس کے ظاہر کرنے پر، مہربان و شفیق بزرگان کرام کے رخصت ہوجانے پر، اور اچانک اچک لیے جانے پر، زلزلہ خیرتہ ہواؤں کے بعد کے حالات پر، زوردار مسلسل گرج کی اس آواز پر جو چیزوں کو اکھاڑ کر دکھ دے، شدت انتظار کے غلبے پر، اعترافِ عماہ کرنے والی نگاہوں پر، اور تیرے لیے کہاں جائے پناہ ہوگی اور جائے صدور جب کہ خواب پریشان ہو جائیں گے، دل پارہ پارہ ہو جائیں گے، عقلیں زائل ہو جائیں گی، خبریں اٹھالی جائیں گی اور تمہارا حال پوشیدہ مصائب ڈوبتے ستاروں اور ان مشتبر راستوں میں ہوگا جن کی تاریخوں نے تمہیں ادھر ادھر کے راستوں میں بھنکا دیا اور تم پر آسمان وزمین ایک ہو گئے، اور یہی گمراہیاں پھر تمہیں پانی کی گہرائیوں میں لے گئیں اور ایک ٹھائیں مارتے ہوئے سحرِ ذخائر میں داخل کر دیا جس کے سامنے ہر دریا ماش کے دانے کے برابر ہے اور اس دریائے تمہیں اپنی بھاری موجوں کے حوالے کر کے تمہیں اپنے خونفک تپھڑوں کی زد میں رکھ دیا۔ تو اب کون تمہیں ہلاکت کی ان جگہوں اور مصیبتوں سے نجات دلائے گا، یا تمہیں یہاں سے نکالے گا۔

اے ابو بکر! میرا یہ خط آپ کے نام ہے میں اللہ کی بے حد حمد بیان کرتا ہوں اور دنیا و آخرت میں اس سے عافیت کا طلب گار ہوں۔ مجھے آپ کے جملہ خطوط موصول ہو چکے ہیں اور ان میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے میں نے سمجھا، آپ کے ذہن میں جو کچھ موجود ہے اسی نے مجھے خواب دینے پر راغب کیا۔ آپ نے اپنے دکھ کا جو اظہار کیا ہے تو اس سے مجھے بھی رنج پہنچا ہے۔ آپ کی حالت میرے نزدیک معتب نہیں بلکہ قابلِ رحم ہے بجائے اس کے کہ میں آپ کی آزمائش میں اضافہ کا سبب بنوں بلکہ آپ کے لیے یہی کافی ہوگا کہ میں آپ کے ساتھ نرمی و مہربانی کروں مجھے آپ سے خفا و کتابت کرنے میں یہ خیال حائل رہا کہ مبادا کوئی اور آپ کے علم کے بغیر میرے خط کو پڑھ لے کیونکہ آج سے کچھ عرصہ پہلے میں نے اصحابان کے کچھ اصحاب کو ایک خط لکھا تھا جسے بعض لوگوں نے کھول کر پڑھ لیا تو اس میں سے انہیں کچھ باتیں سمجھ نہ آسکیں۔ مجھے ان کی دوری اور جدائی نے تنہا دیا، اور مجھے ان کی طرف سے ایک بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ لوگوں کے ساتھ نرمی برتنا چاہیے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس چیز کو دیکھنے کی کوشش کریں جسے وہ سر سے سمجھتے ہی نہ ہوں اور نہ ہی ان سے کوئی ایسی بات کہنی چاہیے جو وہ سمجھ نہ سکیں۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادے سے کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ آپ کو اور ہمیں بچائے اور سلامت رکھے۔

آپ پر لازم ہے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے ہم عصر اہل معرفت سے شناسائی پیدا کرو لوگوں سے ان کے علم کے مطابق گفتگو کرو اور انہیں اس چیز سے دور رکھو جو وہ نہ جانتے ہوں کیونکہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی کسی چیز کو نہ جانتے ہوئے اس کا دشمن نہ ہو جائے۔

بلاشبہ لوگوں کی مثال سوانینوں کے اس گلے کی سی ہے جن میں سے ایک بھی سواری کے قابل نہ ہو اور اللہ نے علماء و حکماء کو اپنی رحمت بنا کر بھیجا ہے، اور اس رحمت کو اپنے بندوں کے لیے وسیع فرما دیا، اپنے حال سے بے نیاز ہو کر لوگوں کے احوال کی جانب توجہ کرو اور اپنے دل سے ان کے ساتھ ان کے مقام کے مطابق مخاطب ہو کیونکہ یہ تیرے اور ان کے لیے بہت زیادہ سود مند ہوگا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم نے اس کتاب میں یہ خط اور حکایت اس لیے شامل کی کہ جو اسے پڑھے اسے اس میں موجود صحیح اشارات اور فصیح عبارات سے فائدہ حاصل ہو اور اسے صوفیہ کے باہمی خط و کتابت کے مقاصد سے آگاہی حاصل ہو کیونکہ ہر طرح کے لوگ آپ میں اپنے اپنے معیار کے مطابق خط و کتابت کرتے ہیں۔

صوفیہ کی کتابوں سے چند تعارفی اقتباسات

جنید بغدادیؒ کی ایک کتاب کا پیش لفظ

اے میرے بھائی! تجھے اللہ تعالیٰ برگزیدہ ہونے کی فضیلت سے نوازے، تجھے اشیاء کا احاطہ کرنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔ اہل دانش کے علم سے مالا مال کرے، اور علم معرفت سے اسی قدر نوازے جو تیرے لیے بہت مناسب ہو پھر وہ تجھے اپنے لیے ماسوا اللہ سے خالی کر دے کہ تو اس کا ہو جانے سے بھی بے نیاز ہو کر اس کا ہو جائے تاکہ وہ تجھے تیرے متوجہ ہونے سے اسی طرح جدا کر دے کہ جو مشاہدہ وہ تجھے کرائے اس میں کسی اور شے کا مشاہدہ داخل ہو کر تجھے اصل مشاہدہ سے خارج نہ کر دے۔

اسی کی ذات اول الاول ہے جس کے ذریعے وہ رسوم و آئین ثابت کئے جو اس چیز سے مشابہ ہیں جو اس نے اپنی بلندی و عظمت کو اپنے لیے مخصوص فرماتے ہوئے اپنے ہی پاس رکھی اور تجھ کو اس سے بے خبر رہنے دیا پھر اس نے تمہیں تمہارے لیے تجربہ کی اولین تفرید اور وجود تفرید کی حقیقت میں جدا کر دیا۔ اس طرح جب وہ منفرد ٹھہرا تو وہی ظاہر ہوا اور خلق کے مشاہدہ کے فنا ہونے کے بعد مشاہدہ حق کو بھی فنا کر دیا یہاں پر حق تعالیٰ سے اس کے لیے حقیقت الحقیقت کا ظہور ہوا اور حقیقتِ علم کی انتہا سے علم توحید تک جو کچھ علم تجرید کی تفرید پر گزارا وہ اسی کے ذریعے جاری ہوا اور اس (حقیقت الحقیقت) کو اللہ تعالیٰ نے اکثر ان لوگوں سے محجوب رکھا جو خود کو اس سے منسوب کرتے، اس کا دعویٰ کرتے اور اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک اور اقتباس

تجھے حقیقتِ اختصاص نے لواحِ انقاص سے فنا کر دیا اور حق تعالیٰ نے تجھے مشاہدہ و ملاحظہ سے پوشیدگی میں پناہ دی تاکہ تو اس کا ذکر کرتے وقت خود اپنے ذکر اور حال سے بے خبر ہو جائے، پھر یاد دلا یا کہ اس نے تجھے ازل میں اس وقت یاد کیا جب کہ آزمائش کی کیفیت اور اس کا زمانہ بھی ابھی وجود میں نہیں آیا تھا بے شک وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

اقتباس

اللہ جل مجدہؑ نے تمہیں اپنی طاعت سے نوازا، اپنی دوستی سے مختص کیا، اپنے پردہ رحمت سے ڈھانپا اپنے محبوب سید الرسل ﷺ کی سنتِ مطہرہ پر چلنے کی توفیق دی۔ اپنی کتابِ مطہرہ و مقدس کا فہم عطا فرمایا، حکمت و دانائی کی زبان سے بہرہ ور کیا، قرب سے مانوس فرمایا، فوائد سے دامن بھردیا، ترقیوں اور اضافوں سے مالا مال کیا، اپنے در پر بٹھالیا اور اپنی بارگاہ میں تجھے خادم رکھا تاکہ تو اس کی موافقت کرنے والا اور اس کی محبت کا جامِ نوش کرنے والا ہو جائے پھر یہ ہو کہ زندگی، زندگی پا لے روح، روح سے مل جائے، نعمتوں کی تکمیل ہو جائے، تو عتاب سے محفوظ ہو جائے اور اس طرح عافیت و سلامتی مکمل ہو۔

اقتباس

تیرے لیے وہ عجائب ظاہر ہوئے جن کی خبریں پردہ غیب میں پنہاں تھیں وہ حقائق آشکارا ہوئے جو پوشیدہ تھے، مخفی

غرائب کے راز واضح ہوئے، پوشیدہ خزانوں کے سر بستہ بھید تجھ سے اس کی زبان کے ذریعے مخاطب ہوئے وہی زبان جس کے ذریعے وہ اپنے مقام نفسی کی خبر دیتا ہے پس واضح ترین گفتگو جو اس کے مقصد بیان کو واضح کرتی ہے وہ فصاحت لسانی بلکہ وہ طرز انہار ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے موضوع بیان کو ظاہر فرماتا ہے۔ اور یہ اپنے وقت پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔

اقتباس

اللہ تعالیٰ تجھے اپنی مخصوص حفاظت میں لے جس کے ذریعے وہ اپنے مخلص دوستوں کو محفوظ فرماتا ہے، اور وہ آپ کو اور ہمیں اس کی مرضی کے راستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے وہ تجھے اپنے انس کے گنبد میں پناہ عطا فرمائے، وہ تجھے اپنی بزرگی و کرامت کے نوع بنوع باغات کی طرف لے جائے، اللہ تیری اس طرح حفاظت فرمائے جیسے وہ ماں کے پیٹ میں بچے کی کرتا ہے وہ تیرے لیے ایسی زندگی کو دوام بخشے جو زندگی کے قائم رہنے سے مبرا اور اللہ کی ابدیت کے ہمیشہ جاری رہنے پر منحصر ہو، اور تجھے ہر اس شے سے جدا فرمائے جو تو اس کے ساتھ لاحق کرتا ہو اور جو وہ تجھ سے متعلق رکھتا ہو حتیٰ کہ تو اس طرح اس کے دوام میں تنہا ہو جائے نہ تو رہے نہ تیرے متعلقات اور نہ تیرا یہ احساس کہ تو اسے جانتا ہے الغرض صرف تیرا رب ہی باقی رہے۔

حنید علیہ الرحمہ کی تحریروں سے چند تعارفی اقتباسات ہم نے پیش کئے جن میں لطیف اشارات اور ایسے پوشیدہ رموز ہیں جو مشکل حقائق کی وضاحت کرتے ہیں اور راز ہائے سر بستہ کا پتہ دیتے ہیں۔

ان تحریروں میں آپ کو تجرید و حقیقت تفرید سے متعلق ایسی خاص باتیں ملیں گی جو فقط انہی اہل معرفت کا حصہ ہیں، لہذا جو بھی ان عبارات کو پڑھے اسے پرہے کہ ان پر غور کرے کیونکہ ان میں اہل فہم کے لیے فوائد اور اہل عنایت کے لیے مزید اضافے اور قلوب کے لیے بہترین فائدے موجود ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہی اچھائی کی توفیق دینے والا ہے۔ حنید کے علاوہ اور بھی کئی بزرگان کرام کی اس طرح کی عبارات بکثرت ہیں جن میں سے کچھ اقتباسات ہم یہاں ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

ابوعلیٰ رودباریؒ کی ایک تحریر

اللہ تعالیٰ تجھے کمال احوال کے مقاصد تک رسائی عطا فرمائے اور تجھ سے خالص محبت رکھنے والوں اور دوستی کرنے والوں کے دل تیرے لیے دائمی فضل اور بھلائی کے ساتھ مانوس کرے، جو کچھ تیرے اوپر واضح ہو وہ زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی تجھے عطا فرمائے وہ ہمیں وہ کچھ بخش دے جن تک آرزوؤں اور تکمیل احوال کی رسائی نہ ہو سکتی ہو اور تیرے لیے اپنے فضل و کرم میں مزید اضافہ فرمائے جس کا اس نے تجھے عادی کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے لطف و کرم میں سے وہ کچھ عطا فرمائے جس کی ہم تمنا کریں۔

ابوسعید ابن الاعرابیؒ کی ایک تحریر

اللہ آپ کی حفاظت فرمائے جس طرح بچے کی حفاظت کی جاتی ہے۔ وہ آپ کو اور ہمیں نیکو کاروں سے ملائے جن کے قلوب کو کھول دیا گیا اور انہوں نے وعدہ اور وعید کا مشاہدہ کر لیا جو ان سے خوف رکھتا ہو اس سے رجاء بعید نہیں اور جو ان میں سے صاحب رجاء ہو تو خوف بھی اس کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی محبت کے ساتھ غالب اور اس کی بیعت سے

سر جھکائے ہوئے ہوتے ہیں۔

محبت و رجاء کی کیفیت نے انہیں سرور کر رکھا ہوتا ہے تاکہ وہ مایوس ہو جائیں اور انہیں خوف دامن گیر ہوتا ہے تاکہ وہ فریب زدہ رہیں یا مومن رہیں گو یا وہ خوف و رجاء کے درمیان کھڑے ہوتے ہیں۔

شوق نے انہیں قلق میں مبتلا رکھا تو ذوق نے انہیں بے قرار کیا، حسن ظن ان کا قائد بنا ہے تو فیض الہی کے طالب تو محبت ان کی سواری وہ طالب بھی ہیں اور مطلوب بھی۔ راستے کے نشان ان پر واضح ہوتے ہیں اور گھٹا آباد جو انہیں جھلائیوں کا پتہ دیتے ہیں اور وہ عمدہ نئی نعمتیں اور فوائد لے کر پلٹتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے فنا کر کے اپنے ساتھ زندہ فرمائے اور فہم سے تمہاری تائید فرمائے تیرے قلب کو ہر وہم سے خالی کر دے، مسافت سے فنا کر کے قرب سے نوازے اور وحشت سے فنا کر کے انس عطا فرمائے۔

ایک اور اقتباس

اللہ تو مولود بچے کی مانند تیری حفاظت فرمائے، اور معصوم دوست کی طرح تجھے رکھے، تجھے ان نعمتوں کی معرفت عطا کرے جو وہ تجھ پر انعام کرے، اور تجھ سے وہ کچھ سرزد کرائے جو اس نے تیری فطرت میں ودیعت کیا ہو، تجھے تیرے نفس قاطع سے مجھوب رکھے، نفس کی رکاوٹوں، مصائب، اعمال پر نظر رکھے، سعی و کوشش اور تزکیہ نفس میں تیری کفایت فرمائے، تجھے تیرے نفس کی قید سے نجات عطا کرے اور اس کے تھیرے متعلق عوارض میں تیری حفاظت فرمائے، تجھے تیرے نفس سے دور کر کے اپنے ساتھ مختص فرمائے تاکہ تیرے اندر عبودیت راسخ ہو جائے اور اس طرح تیرے عمل کو پاکیزہ کرے چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہو، تیری سعی لیل کو بڑھائے، تیری زندگی کو پاکیزہ فرمائے چاہے تو موت سے ہلکنار ہو جائے یہاں تک کہ تجھے اس زندگی سے نواز دے جس میں موت نہیں اور ایسی بقاء عطا کر دے جس کو فنا نہیں، وہ تیرے معاملہ کی اس خوبی سے نگہبانی فرمائے جیسا کہ اس نے اوایل معاملہ میں تیری حیرانگی کے وقت تیری کفایت کی بے شک وہی ہر معاملے کی ابتدا کرنے والا اور اس کو انجام تک پہنچانے والا ہے۔

ابو خراز کی تحریروں سے چند اقتباسات

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر میں تجھے تیرے نفس سے محفوظ فرمائے، تجھے شکر بجالانے سے مطلع فرمائے، تجھے تیرے اعمال کے نتیجے میں اپنی معرفت سے حصہ عطا فرمائے تاکہ تو ان میں سے ہو جائے جنہوں نے اس کے لیے ہدایت کی رسی کو بٹا۔ وہ اس ہدایت میں تیرے مقام کو بلند فرمائے اور اس کے بیان کو تجھ پر منکشف کرے، میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تیرے منتشر نفس کو مجتمع کر کے تجھ پر اس کی ساری باتوں کو ظاہر فرمادے بے شک وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کے طفیل تیرے نفس سے تیری حفاظت فرمائے، پھر شکر ادا کرنے کی توفیق عطا کرے اور ادا تکلی شکر کو قبولیت سے نوازے۔ اپنی بے پناہ نعمتوں سے حصہ عطا فرمائے اور اپنے عذاب شدید سے پناہ میں رکھے۔ لا ریب وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

ایک اور اقتباس پیش ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ ابو سعید خراز علیہ الرحمہ کی عبارت سے ہے وہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ تمہیں اعلیٰ علم سے مالا مال فرمائے بلند رتبہ ذکر سے محقق کرے، اپنی حفاظت میں رکھے، اپنی دوستی کی دولت

سے مخصوص کرے، جس چیز کو تیری نگرانی میں دے اس میں تیری حفاظت فرمائے، وہی تیرا مددگار اور تجھے کافی ہو، وہی تجھے شفا بخشنے، اپنی یاد سے بہرہ ور کرے، تجھ سے دوستی رکھے، اپنی اطاعت سے مانوس کرے، بلندی عطا فرمائے اور تجھے خواہشاتِ نفس کے حوالے نہ کرے۔

کردی الصوفی الارموی کی ایک تحریر

اللہ تعالیٰ تمہیں وہ کچھ عطا فرمائے جس کی وجہ سے اس نے تم پر بخشش کی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں امور میں غور و فکر کرنے والا بنا کر تمہیں صفات کی خواہش سے بچائے۔ وہ تجھے، تجھ سے محفوظ کرے اس حالت کے ذریعے جس میں اس نے تیری ابتداء کی اور اسی طرح تیرے آغاز کی عظمت سے بھی تجھے محفوظ رکھے، وہ تجھے جلی کے اس مقام میں فروکش فرمائے جس کا اس نے ارادہ کیا اور جس کی خواہش کی گئی۔

ان کو مصیبت نے گھیر لیا تو سر تسلیم خم کیا، جو مدارات کرتا ہے اس کے لیے اسرار جمع ہوتے ہیں اور جو نعموں کو برداشت کرتے ہیں ان کے غم جاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے اس سے جو کچھ اپنے ذمہ لیا بخوشی لیا اور اس کی محبت کی وادیوں میں بکھر گئے، انوارِ توحید کی روشنیوں اور تجربہ کی چمک نے انہیں پوشیدہ طور پر اپک لیا۔ الغرض وہ اس کے لیے اس سے ہر چیز سے جدا ہو گئے اور اسی کے ذریعے جدا ہوئے گویا وہ اسی طرح ہیں جیسے تھے۔

دقی علیہ الرحمہ کی چند تحریریں

اللہ تعالیٰ تیرے لیے اپنی بزرگی مبارک فرمائے، تو اس کے مجبین کے لیے بارانِ رحمت کی موافقت کرنے والوں کے لیے جائے پناہ، اس کی معرفت کا راستہ دکھانے والا، اس کی وحدانیت سے نسبت رکھنے والا، اور اس کے ذریعے اس کی خبر دینے والا ہے، تجھے اللہ نے ازل سے اپنے لیے تخلیق فرمایا، اپنے سر بستہ راز سے مطلع کیا، اپنی قدرت کے معمولات دکھائے تیری زبان کو اپنی حکمت و دانائی کے اظہار کا ذریعہ بنایا، تجھے اپنی طرف راہ دکھانے کے لیے قائم فرمایا اور تجھے اپنے حسن اظہار کے ذریعے مریدین اور بالغ نظر مستعد محققین کے لیے معیار قرار دیا۔

بلاشبہ وہی ان تمام مذکورہ باتوں کا متصرف ہے اور اس جانب سوائے اس کی ذات کے کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

والسلام

اللہ تعالیٰ تمہیں صاحبِ عز و شرف بنائے اور بلندی عطا فرمائے، اپنی عطاء و بخشش سے قریب تر کرے، اپنی نعمتوں سے مالا مال کر کے تجھے راضی فرمائے آزمائش و مصیبت سے تجھے اپنی پناہ میں رکھتے ہوئے تجھے سکون و شفاء عطا فرمائے اور تجھ پر عائد ذمہ داریوں میں تیری حفاظت و کفایت فرمائے، بلاشبہ وہ ولی و قدیر ہے اور مہربان ہے ان کے لیے جو اس کے در پر پہنچے ہوئے، جو اس پر بھروسہ رکھے اسے خوف سے امن دیتا ہے، ہم اپنے اور تمہارے لیے ہر مصیبت و آزمائش سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اپنے ہر گناہ کے لیے اسی سے بخشش و پناہ مانگتے ہیں۔

ایک اقتباس

اللہ تجھے اپنی محبت عطا کرے۔ تجھے اپنی مہربانی اور عطا کردہ نعمت سے محروم نہ فرمائے اپنے غضب و سختی اور آزمائش

سے تجھے پناہ دے، تجھے اپنے افعال میں مشغول کر کے ذکر و شکر سے غافل نہ فرمائے، وہی مالک اور صاحب قدرت ہے۔ اللہ تجھے متقین کی طرح گناہ سے محفوظ فرمائے، عشق سلیم سے نوازے، اپنے ذکرِ بلند سے آگاہ فرمائے، اور اپنے دائمی دیدار سے بہرہ ور فرمائے۔

بلاشبہ وہی قدرت والا اور مالک و مولیٰ ہے۔

ہم نے اس کتاب میں صوفیہ کرام کے خطوط اور ان کی تحریروں کے اقتباسات اس لیے شامل کیے ہیں کہ قارئین ان میں موجود بلند معانی اور لطیف اشارات پر غور کریں تاکہ وہ ان کے ذریعے صوفیہ کے مراتب، لطیف نکات، پاکیزہ قلوب اور ان کے علم، عقل اور ادب پر استدلال کر سکیں۔

ایک وجہ ان تحریروں کے شامل کرنے کی یہ بھی ہے کہ اہل معرفت کا یہ طریق رہا ہے کہ اگر وہ مجلس میں نہ بیٹھیں یا ملاقات نہ کریں تو مشکل مسائل کو اپنے خطوط اور اشعار کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔

احوال و اشارات پر مبنی صوفیہ کے اشعار

ذوالنونؒ کے اشعار
یوسف بن الحسینؒ کہتے ہیں کہ میں نے بعض ثقہ اشخاص سے سنا کہ ذوالنون المصری رحمہ اللہ علیہ نے یہ شعر کہے۔ ترجمہ

اشعار:

- (۱) جب کریم لوگ تیری طرف کسی روز رحلت کریں گے تاکہ وہ تجھ سے ایک کے بعد دوسرے حال کو طلب کریں۔
- (۲) تو بلاشبہ ہم نے سفر کرنے اور پڑاؤ کرنے سے خود کو پیچھے رکھا اور فقط تیرے حکم پر راضی رہتے ہوئے ہی ایسا کیا۔
- (۳) یا الہی! ہم نے تیری بارگاہ میں بغیر کسی حیل و حجت کے خود کو تیرے سپرد کرتے ہوئے اقامت اختیار کر لی۔
- (۴) ہماری رہنمائی فرما جیسا کہ تو چاہے اور ہمیں اے بلندوں کے مالک! ہماری تدبیر کے حوالے نہ کر۔

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) جس نے اللہ کی پناہ لی وہ اللہ کے ذریعے نجات پا گیا۔ اللہ کے فیصلے کے طے ہونے سے مسرور کر دیا۔
- (۲) اگر میری جان قبضہ قدرت میں نہ ہوتی تو کیسے خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم ختم کرتا۔
- (۳) جاری سانس اللہ کے لیے ہیں مجھے کسی سانس میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔

ابوالقاسم جنید علیہ الرحمہ کے اشعار

ابوعمر و بن علوان نے مجھے جنید علیہ الرحمہ کے یہ شعر سنائے۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) ہر نامانوس و اجنبی کے نزدیک میرا معاملہ نامانوس و اجنبی ہو گیا۔ اور میں ہر عجیب کے نزدیک عجیب ہو گیا۔
 - (۲) اور یہ اس لیے کہ تم عارفین کو درجہ بدرجہ ہوا میں قائم دیکھو گے۔
 - (۳) تو میرا معاملہ ایسا ہو گیا کہ اس کی گہرائی کو پانا نہیں جاسکتا سوائے اس کے کہ میں عارفین کے لیے خطیب ہوں۔
- درودالم سے متعلق جنید علیہ الرحمہ کے یہ اشعار پیش ہیں۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) اے میرے دل میں اپنی قدرت سے آگ جلانے والے اگر تو چاہے تو میرے دل کی آگ کو بجھا ڈالے۔
 - (۲) اس میں مجھے کوئی عار نہیں اگر میں خوف و حذر سے مرہی جاؤں مجھے تیرے کاموں پر کوئی عار نہیں کوئی عار نہیں۔
- جنید علیہ الرحمہ کے کچھ اور اشعار۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) اے مجھے تاسف کی آگ میں جلانے والے اور اے مجھے شوقِ محبت میں ہلاک کرنے والے! اگر تو چاہتا تو مجھ پر عذاب کو کسی مقدار میں نازل کرتا۔

(۲) تجھے کس طرح کوئی چیز میری فریادوں سے خارج کر سکتی ہے جب کہ تو نے مجھ پر ایسی نعمتوں کے احسان کئے ہیں کہ جو ذکر کرنے سے تلف ہو جاتی ہیں۔

ابوالحسین نورئی کے ایبات

میں نے رملہ میں علی الوجیبی کو یہ کہتے سنا کہ ابوالحسین نورئی نے ابوسعید خرازی کو ایک خط میں یہ اشعار لکھے۔
ترجمہ اشعار:

- (۱) مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں نے اپنے اور اس کے راز کو اس لیے امانت کے طور پر مخفی رکھا کہ مبادا ہمارے بھید عام ہو جائیں۔
- (۲) اس راز کو تیری آنکھوں نے بھی ایک جھلک نہیں دیکھا چہ جائیکہ دوسرے لوگوں کی آنکھیں اسے دیکھ سکیں۔
- (۳) بلکہ ہم نے وہم کو ہی اپنے اور اس کے درمیان پیامبر بنا رکھا ہے کہ اس کے ذریعے وہ راز بیان کیے جاسکتے ہیں جو باطن کی گہرائیوں میں موجود ہوتے ہیں۔

قائد کے چند اشعار

قائد نے ابوالحسین نورئی کو اس کے حال کو کھودینے پر افسوس کرتے ہوئے لکھا:

ترجمہ اشعار:

- (۱) میں تمہیں قلوب کے اشارات کے بارے میں خبر دیتا ہوں کہ ان میں سے صرف مٹے ہوئے نشان باقی ہیں۔
- (۲) میں تمہیں ایسے قلوب کی خبر دیتا ہوں کہ اکثر ان میں سے جو دو کرم کے بادل حکمتوں کے دریا برساتے ہیں۔
- (۳) میں تمہیں ایسے نفوس کی خبر دیتا ہوں کہ جن کا شاہد کائنات سے آگے گم ہو گیا بلکہ قدیم ہونے میں گم ہو گیا۔
- (۴) میں تمہیں ایک لسان الحق یعنی مردِ کامل کی خبر ایک زمانے سے دیتا رہا تا آنکہ وہ نہ رہا اور اس کی یادیں خیالات میں کالعدم ہو گئیں۔
- (۵) میں تمہیں ایک ایسے بیان کی خبر دیتا ہوں جو ہر فصیح الکلام، اور سمجھدار کے کانوں کو سکون بخشتا ہے۔
- (۶) تمہیں اپنی جان کی قسم! میں تمہیں ایک ایسے طائفہ کے خصائل بتاتا ہوں جن کی سواریاں غصہ پی جانے کی کمین گاہ میں ہوتی تھیں۔

جنید بغدادی کے دو اشعار

حضرت جعفر خلدی نے مجھے جنید علیہ الرحمہ کے یہ دو شعر سنائے۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) مجھ پر کیوں سختی کی گئی جب کہ مجھ پر سختی نہیں کی جاتی تھی۔ اور ہجر کی نشانیاں چھپی نہیں رہتیں۔
 - (۲) میں نے خیال کرتا ہوں کہ تو ہی مجھے پلائے گا اور مجھ سے ملے گا اور میں نے صرف تجھے ہی اپنا ندیم ٹھہرایا ہے۔
- عبداللہ بن الحسین بیان کرتے ہیں کہ میں نے احمد بن الحسین بصرئی کو یہ کہتے سنا کہ میں جنید کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ کسی نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے یہ اشعار کہے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) اس کے وجد کے راز کی نفس نے غمازی کی اور آسوس کی آنکھوں سے بھوٹ نکلے۔
- (۲) وہ مدہوش و سرگردان ہے اور اسے جلن لاحق ہے اس کی سانسیں شوق عشق کے مارے اکھڑ رہی ہیں۔
- (۳) وہ مہذب اور عارف ہے اس کو انس حبیب کے نور سے زیر کی حاصل ہے۔
- (۴) میرا باپ قربان ہو اس پر آگندہ و غبار آلود بالوں والے مسافر نو جوان پر جس کو اپنی التجاء کے بغیر کسی چیز سے انس نہیں۔
- (۵) میرا باپ قربان ہو اس پر جس نے اگرچہ میلے بوسیدہ کپڑے پہن رکھے ہیں۔ مگر اس کا جسم پاکیزہ ہے۔

ابوعلیٰ رودباریؒ کے اشعار

مجھے ابودقی علیہ الرحمہ نے دمشق میں ابوعلیٰ احمد بن محمد رودباریؒ کے یہ اشعار سنائے۔

اشعار کا ترجمہ:

- (۱) حد قناعت یہ ہے کہ جب مزید کی ضرورت غالب جد تک ظاہر ہو تو تجھ سے سب کچھ مجھ ہو جائے۔
 - (۲) اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ وجد کی کیفیت اشارات پر مشتمل ہے تو پھر (سالمک) طمع کی طرف نہیں جھکتا۔
- مجھے دجیبیؒ اور ان کو ابوعلیٰ رودباریؒ نے اپنے یہ اشعار سنائے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) میں نے تمہیں پہلوں سے گزرتے آنسوؤں کے ساتھ لکھا جب کہ میرا دل شراب الفت سے سیراب تھا۔
 - (۲) میری ہتھیلی لکھتی ہے اور دل لکھو اتا ہے اور آنکھیں جو کچھ لکھا ہو مناد بتی ہے۔
- مجھے ابو عبد اللہ احمد بن عطاء رودباریؒ نے اپنے خالو ابوعلیٰ رودباریؒ کے یہ اشعار سنائے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) اس نے غور و خوض کے بعد تیرے صحن میں فروکش ہونے کو ہی وصال خالص قرار دیا ہے۔
- (۲) تیرا وصال پانے میں ہر حالت میں رکاوٹیں حائل ہیں۔
- (۳) تاکہ وہ کمال پر متمکن ہونے کی حالت میں تیری صفات کو تجھ پر لوٹائے۔
- (۴) پس اس کے ٹیلے کی طرف آتا کہ تو اسے دیکھے اور اس کے دیکھنے کی مدت انتظار بخشش پاکر ختم ہو جائے۔

ابوعلیٰ رودباریؒ کے چند اور اشعار۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) میں تجھ کو اپنی روح پر ترجیح دیتا ہوں اور اسے تجھ پر قربان کرتا ہوں حالانکہ تیرے بندے کی قربانی وہی روح ہے جس کا عطا کرنے والا بھی تو ہی ہے۔
- (۲) ایک روح! تیرے حضور خود کو بطور فدیہ کیسے پیش کر سکتی ہے مگر تو نے اس شخص پر احسان کیا ہے جس نے اسے تیرے حضور فدیہ کے طور پر پیش کیا۔

ابراہیم الخواصؒ کے اشعار

مجھے ابو بکر احمد بن ابراہیم المؤدب المیروثیؒ نے مصر میں ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کے یہ اشعار سنائے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) تمام کے خوف سے میں کچھ اذیت پر صابر ہو گیا اور میں نے اپنے نفس سے نفس کے لیے دفاع کیا تو وہ معزز ہو گیا۔
- (۲) اور میں نے نفس کو ناپسندیدہ چیز گھونٹ گھونٹ کر کے پلا دی حتیٰ کہ وہ اس کا عادی ہو گیا۔ اگر میں اسے ساری ساری مکروہ چیز ایک دم ہی پلا دیتا تو وہ خوفزدہ ہو جاتا۔
- (۳) کتنی ہی ایسی ذلتیں ہیں جو نفس کے لیے باعث عزت ہوتی ہیں اور کتنے ہی ایسے نفس ہیں جو عزت حاصل کرنے میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔
- (۴) جب میں نے غیر سے غناء طلب کرنے کے لیے ہاتھ پھیلا یا اور اس سے نہ مانگا جس نے کہا کہ مجھ سے مانگو تو میرا ہاتھ وہیں پرشل ہو گیا۔
- (۵) میں اپنے نفس کو صبر ہی کراؤں گا کیونکہ صبر میں عزت ہے۔ اور میں اپنی دنیا پر راضی ہوں چاہے وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے ابو حفص عمر الشمشاطیؒ نے رملہ میں خواصؒ کے یہ شعر سنائے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) تیری طرف کا راستہ صاف اور واضح ہے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے تیری جانب ارادہ کیا ہو اور اس نے تیرے راستے کا پتہ دریافت کیا ہو۔

(۲) اگر موسم سرما وارد ہو تو تیرے اندر ہی موسم گرما ہے۔ اور اگر گرمیاں آئیں تو ٹوسا یہ ہے۔

عمر شمشاطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ان اشعار میں بیان کردہ مضمون اس آیت کریمہ سے لیا گیا ہے:

قَالَ كَلَّا ۗ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿الشعرا: ۶۰﴾

ترجمہ: ”موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یوں نہیں بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے۔“

سنون علیہ الرحمہ کے اشعار

سنون جنہیں سنون المحب بھی کہا جاتا ہے، نے وجد کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ اشعار کہے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) فرض کرو میں نے تجھے علوم اور ان کے وجد سے پایا مگر کون ہے جو تجھے ویسے ہی پائے گا جب کہ تیرا کوئی وجود نہیں مگر ظاہر ہے۔
- (۲) تو نے مجھے علم کے ذریعے بیدار کر دیا اور پھر اپنے بارے میں اس طرح حیران و بدنام چھوڑ دیا کہ مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔
- (۳) اے غائب! کہ جس کی عزت کو پوری کائنات ظاہر کرتی ہے تجھ سے متعلق کائنات کی ادنیٰ نشانی بھی بہت بڑھ کر تیرے ہونے کی وضاحت کرتی ہے۔
- (۴) میں تجھے پانے کے لیے حیران و پریشان جھومتا رہتا تھا۔ اور یہ شوق کبھی مجھے غائب کر دیتا تو کبھی حاضر کر دیتا۔

(۵) مشہود نے شاہد کے لیے وجود کو فنا کر دیا۔ وہ وجود کو فنا کر دیتا ہے مگر ہر معنی میں حاضر بھی رہتا ہے۔
(۶) تو نے مجھے اپنے بحرِ قدس میں تیرا تاہوا سپینک دیا۔ اور میں تجھے تلاش کرتا پھر تاہوں کہ تو باوجود کے ظاہر ہے۔

سمنوں کے کچھ اور اشعار۔ ترجمہ اشعار:

(۱) میں نے دل کو دنیا اور اس کی لذتوں سے موڑ لیا۔ اب تک تو ہی میرے دل میں ایسی چیز ہے جو اس سے جدا ہونے والی نہیں۔

(۲) جب بھی میری آنکھیں اونگھ سے بند ہونے لگی ہیں تو میں نے ان میں تجھے ہی پایا۔

ابوالحسن سری سقطیؒ کے پسندیدہ اشعار

مجھے جعفرِ خلدیؒ نے ایک گفتگو کی مناسبت سے سری سقطیؒ کے وہ اشعار سنائے جو وہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ اشعار:

(۱) جب میں نے دعویٰ محبت کیا تو محبوب نے کہا کہ تو نے جھوٹ بولا کیا وجہ ہے کہ تیرے اعضاء پر لباس پہنا ہوا دیکھ رہی ہوں۔

(۲) محبت یہ ہے کہ تیری جلد انتڑیوں سے لگ جائے اور تو اس قدر مر جھا جائے کہ پیکار نے والے کو جواب نہ دے سکے۔

(۳) اور تو اس قدر کمزور ہو جائے کہ محبت تیرے لیے سوائے آنکھ کے اور کچھ باقی نہ چھوڑے کہ تو اس کے ذریعے روئے اور باتیں کرے۔

جینڈ کہتے ہیں کہ میں جب سری سقطیؒ کی کوٹھڑی میں داخل ہوا تو وہ جھاڑو دے رہے تھے اور ساتھ یہ اشعار پڑھتے

جاتے تھے۔ ترجمہ اشعار:

(۱) میں نے اس وقت تک محبوب کے پاس جانے کا ارادہ نہیں کیا جب تک میں ایک ذلیل بندے کے مقام پر نہ پہنچا۔

(۲) میں نے ظلم کو سہہ لیا مگر شکوہ نہ کیا اور میں نے اپنے نفس کو قیل و قال سے محفوظ رکھا۔

سری سقطیؒ کے چند اور پسندیدہ شعر۔ ترجمہ شعر:

مجھے دن کو خوشحالی حاصل ہے اور نہ رات کو چین، پھر مجھے کیا پرواہ کہ رات طویل ہو جائے یا مختصر۔

بستر مرگ پر شبلیؒ کا پسندیدہ شعر

ابوعروذ نجاشیؒ نے مجھے تبریز میں یہ شعر سنایا اور کہا کہ شبلیؒ نے بستر مرگ پر یہی شعر پڑھا۔

ترجمہ شعر:

(۱) محبوب کی محبت کے غلبہ نے کہا کہ میں رشوت قبول نہیں کرتا۔

(۲) اس سے پوچھو کہ میرے قیل کے پیچھے کیوں پڑا ہے میں نے تو خود کو اس پر قربان کر دیا۔

شبلیؒ کے چند اور اشعار۔ ترجمہ اشعار:

(۱) تیری جانب سے ایک روز ہم پر گھٹنا بھی چھائی اور بجلی بھی چمکی مگر برسی نہیں۔

(۲) نہ اس گھٹنا کے بادل چھٹتے ہیں کہ بارش کی آس لگانے والا مایوس ہو جائے، اور نہ اس میں سے بارش برستی ہے کہ بیاسوں کی

بیاس بجھے۔

پھر شہلی نے نساخ سے کہا: اس میں تمہارا کیا مقام ہے؟ نساخ نے کہا: مقام ذلت۔ شہلی نے کہا: آہ! تو ذلت کا ذکر میری موجودگی میں بجائے اس کے مکان پر غیرت کرتے ہوئے کرتا ہے۔ پھر شہلی یہ شعر پڑھنے لگے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) لیلیٰ کو تمام لوگوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح لیلیٰ القدر کو ہزار راتوں پر فضیلت دی گئی۔
 (۲) اے محبوبہ کی محبت! ہر رات میرے درد و الم اور سوز عشق کو اور بڑھا اور اے زندگی کی آسودہ حالی! اب تم سے حشر کا وعدہ ہے۔ ابو بکر شہلی نے ایک روز اپنی مجلس میں یہ شعر سنائے۔ ترجمہ شعر:
 ترجمہ: قسم ایسی دو آنکھوں کی! کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے کہا ہو جاؤ تو ہو گئیں وہی کام کرنے والیاں جو شراب عقلموں کے ساتھ کرتی ہے۔

شہلی نے پھر اس شعر کی تشریح میں کہا کہ آنکھوں سے میری مراد بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں نہیں بلکہ دل کی آنکھیں ہیں جو اسرار سے معمور ہوتی ہیں لہذا وہ شخص قابل رشک ہے جو دل کی آنکھیں سننے والے کان اور خوش کن گفتار رکھتا ہو۔ ابوالفرج عکبرؒ کہتے ہیں کہ میں نے شہلی سے غیرت کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا: بشری غیرت اشخاص کے لیے ہوتی ہے اور غیرت الہیہ وقت پر ہوتی ہے تاکہ اس میں سے ماسوا اللہ کو ضائع کر دے۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر کہے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) میرے دل میں جو کچھ ہے اس سے میرا بدن پگھل گیا۔ اور جو کچھ بدن میں ہے اس سے میرا دل گھل گیا۔
 (۲) مجھ سے چاہے تعلق جوڑ دیا چاہے توڑ دو۔ میرے نزدیک تو تمہاری ہر چیز خوبصورت ہے۔
 (۳) لوگ بجا کہتے ہیں کہ میں عاشق ہوں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ میرا عشق کس سے ہے۔
 ایک علمی مذاکرہ کے دوران آپ نے یہ شعر کہے۔ ترجمہ اشعار:
 (۱) میں صرف وہی بات سمجھتا ہوں جو تیری جانب سے ہو اور تمہاری محبت ہی میرا شغل ہے۔
 (۲) اور میں مسلسل اپنی نظر اپنے مخاطب پر جمائے رکھتا ہوں یعنی میں نے تمہاری بات سمجھ لی ہے حالانکہ میری عقل تمہارے پاس ہے۔

شہلی اپنی مجلس میں یہ دو شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) اس نے مجھے دیکھا پھر اپنے لطف کے عجبائے دکھائے اور میں اس کے عشق میں دیوانہ ہو گیا اور اب میرا دل فراق سے پگھل رہا ہے۔
 (۲) وہ مجھ سے غائب بھی نہیں کہ میں اس کی یاد سے تسلی حاصل کر لوں۔ اور نہ مجھ سے منہ موڑتا ہے کہ میں اس سے دور ہو جاؤں۔

چند مزید اشعار۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) سیلاب آیا تو اس نے مجھے رلا دیا اور اس کے ساتھ میری آنکھوں کی آنسو بہانے والی رگوں نے بھی اس کے لیے سیلاب اٹک بہا دیا۔

(۲) سیلاب کا پانی تمہارے لیے کڑوا ہو گا مگر جب وہ تم تک پہنچ جائے اور تمہارے شیریں پانی سے مل جائے تو وہ بھی میٹھا ہو جاتا ہے۔

ہبل بن عبداللہؓ کے اشعار

- ہبل بن عبداللہؓ نے مصائب پر صبر کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے۔ ترجمہ اشعار:
- (۱) کیا تجھے وہ گھڑی یاد ہے جب نوملود بچ تھا اور تجھے شہد اور ایلوا (کڑوا گوئد) چٹایا گیا۔
- (۲) اس لیے تیرے ساتھ ایسا کیا گیا تاکہ تجھے معلوم ہو کہ یہ زمانہ ہے جس کا ذالقلعہ صبح کو میٹھا ہوتا ہے تو شام کو کڑوا۔
- (۳) تجھے چاہیے کہ تیری دل پسند چیز تجھے خوشی و سرور سے بھر نہ دے یعنی تو غرور میں نہ آ جائے اور اگر تجھے ناپسندیدہ چیز ملے تو اس پر صبر کرنا چاہیے۔
- (۴) اگر تو دنیا میں گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کے بعد اپنے رب سے استغفار کر۔

یحییٰ بن معاذ رازیؓ کے اشعار

ترجمہ اشعار:

- (۱) میں ایک ایسی بیماری سے مر رہا ہوں کہ جس کو کوئی دوا درست نہیں کر سکتی اور نہ ہی مجھے اپنی تکلیف سے کسی طرح کی آسودگی ہے۔
- (۲) کہتے ہیں کہ یحییٰ صحت یاب ہونے کے بعد دیوانہ ہو گیا مگر مجھے ملامت کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ میری امتزیوں یعنی میرے باطن میں کیا ہے۔
- (۳) جب انسان کا مرض اس کے مالک کی محبت ہو تو وہ کیونکر کسی اور کو اپنا طبیب مان کر علاج کرائے گا۔
- (۴) ایسا شخص اپنے اللہ ہی کے ساتھ زندگی کو مزے سے گزارتا ہے چاہے تجھ وہ مطیع نظر آئے یا عاصی۔
- (۵) مجھے میرے حال پر چھوڑ دو تم میری سختی کو بڑھاؤ نہیں مجھے آقاؤں کے آقا کے پاس جانے دو۔
- (۶) مجھے چھوڑ دو اور مجھ سے تعلق توڑنے میں رغبت دکھاؤ اور میرے دل کو جس چیز نے ڈھانپ رکھا ہے تم اسے ہٹاؤ نہیں۔
- (۷) مجھے اپنے آقا کے سپرد کرو اور میری ملامت سے احتراز کرو تاکہ میں اپنے مولا کے ساتھ اپنے سارے دکھ درد لیے ہوئے مانوس ہو جاؤں۔

ابوالعباس کے شکر سے متعلق اشعار

ترجمہ اشعار:

- (۱) تیرے مجھ پر کتنے ہی ایسے احسانات ہیں جن کا میں نے شکر ادا نہیں کیا۔ اور تو نے مجھ سے اپنی وادیوں سمیت ان کا بوجھ اٹھایا۔
- (۲) میں کمزور تھا ان کے اٹھانے سے عاجز تھا لیکن تو خود ہی اپنے احسانات کے بوجھ کو مجھ سے اٹھالے گا۔
- ابوالعباس ابن عطاء کے دوا در شعر۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) میں محبت میں اس کا شکر اس کے لیے کیسے ادا کر سکتا ہوں جس سے خود شکر آراستگی پاتا ہے۔
 (۲) بے شک انفرادے متعلق خاص طبقے کے محب ہی وجد و صفا کی حالت میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔
 ابو العباس ابن عطاء کے کچھ اور اشعار۔ ترجمہ اشعار:

- (۱) میں سچ کہتا ہوں کہ تو نے مجھے بڑی سختی میں ڈال دیا ہے یہ کہ میں تیری محبت کو برداشت کروں اور صبر بھی کروں یہ بڑی عجیب کی بات ہے۔
 (۲) تو نے میرے دل میں وہ کیفیتوں یعنی ٹھنڈا کرنے اور شعلہ بھڑکانے کو اکٹھا کر دیا ہے جب کہ یہ دونوں مختلف اور ایک دوسرے کی ضد ہیں ایسے میں میرے دل کو خطرہ لاحق ہے۔
 (۳) ایک آگ ہے جو مجھے اذیت پہنچاتی ہے اور ایک شوق ہے جو اس آگ کو اور بھڑکاتا ہے تو کس طرح آرام اور عذاب اکٹھے ہو سکتے ہیں۔
 (۴) اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ کس طرح میرا صبر مجھے تیرے حوالے کر دے گا تو میں کچھ نہ کہتا اور میرا صبر صبر ایوب کی طرح ہوتا۔
 (۵) جب اس نے مصیبت و ابتلا کی تحقیق کر لی تو وہ لرز گیا اور اس کے بوجھ سے اپنے بھید کو چھپانے کا اور کرب میں مبتلا ہو گیا۔
 (۶) مجھے مصیبت نے آیا ہے اور شیطان مجھ سے عداوت کر رہا ہے اور تو صاحب قوت اور بندہ مصیبت کا شکار ہے۔
 (۷) مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر دوں وہ مجھ پر غالب آنے میں کامیاب ہو جائے گا جو (شیطان) میرے محبوب ہوتے ہوئے میرے قریب آتا تھا۔

درندہ موت سے بچانے کا باعث بنا

کہتے ہیں کہ ابو حمزہ صوفی کنویں میں گر گئے لوگوں نے کنویں کے دھانے کو اوپر سے بند کر دیا۔ ایک درندہ آیا، کنویں کا دھانہ کھولا اور نیچے اتر کر ابو حمزہ کو اپنے پاؤں سے لٹکا کر کنویں سے باہر نکالا۔ ایسے میں ابو حمزہ نے ہاتف کی آواز سنی کہ اے ابو حمزہ! یہ خوب ہے کہ ہم نے تمہیں موت سے، موت کے ذریعے بچالیا۔ اسی موقع پر ابو حمزہ نے یہ اشعار کہے۔

ترجمہ اشعار:

- (۱) میری حیا نے مجھے روک رکھا کہ میں تجھ سے اپنی محبت کا اظہار کروں تو نے خودی سمجھ کر مجھے راز عشق عیاں کرنے سے بے نیاز کر دیا۔
 (۲) تو نے میرے معاملے میں مجھ پر لطف و کرم کیا اور میری موجودہ کیفیت کو غائبانہ کیفیت پر عیاں کر دیا۔ اور لطف و کرم کو لطیف انداز سے ہی سمجھا جا سکتا ہے
 (۳) تو غیب میں بھی مجھے اس طرح دکھائی دیا کہ گویا غائب ہوتے ہوئے مجھے یہ بشارت دے رہے ہو کہ میری ہتھیلی میں ہے۔
 (۴) اگرچہ تیری ہیبت سے مجھ پر وحشت طاری ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تو اپنی نرمی و مہربانی سے مجھے مانوس کر دیتا ہے۔
 (۵) وہ محب جس کے لیے محبت میں تم موت ہو اسے تم زندہ کر دیتے ہو اور یہ عجیب بات ہے کہ موت کے ساتھ زندگی ہے۔

ابونصر بشر بن الحارثؒ کے چند اشعار

ترجمہ اشعار:

- (۱) میری تنہائی اور خلوت گزینی سے ہرگز حیران نہ ہوں تم بھی اپنے زمانے میں تنہائی اختیار کرنے کی طرف بڑھو۔
 (۲) بھائی چارہ دنیا سے رخصت ہو گیا اب اس کی جگہ بھائی یا دوست باقی نہ رہے بلکہ زبان اور ہاتھ کے ذریعے چا پلوسی باقی رہ گئی ہے۔
 (۳) جب کسی کے دل کو اپنے سامنے عیاں دیکھتا ہوں تو وہاں ماریاہ کے زہر کا کنواں پاتا ہوں۔

یوسف بن حسین رازی کے اشعار

ترجمہ اشعار:

- (۱) ساتھیوں میں سے اس ساتھی سے محبت رکھتا ہوں جو میری لغزشوں سے اندھا اور لاعلم ہو کر میرا ساتھ دیتا ہو۔
 (۲) ایسا ساتھی جو ہر معاملے میں میری موافقت کرتا ہو اور میری حفاظت کرے زندگی میں اور موت کے بعد۔
 (۳) ایسا ساتھی کون ہے کاش! میں اسے پالیتا تو اپنا مال اور نیکیاں اس کے ساتھ تقسیم کر لیتا۔

ابو عبد اللہ القرشیؓ کے اشعار

ترجمہ اشعار:

- (۱) اور تونس کا ساتھی ہے ہر حالت میں لیکن نفس ذات تجھ سے جدا ہے۔
 (۲) تو اس کے (نفس کے) ساتھ اس طرح لگا لیا ہے کہ گویا تو سراپا نفس ہے۔ اور اس کے قوی معدوم ہو گئے یعنی اس کے قوی تیرے ساتھ فنا ہو گئے۔
 (۳) تیرے بارے میں چغلیخو راں کے پیچھے بڑ گئے ہیں اور اسے پوشیدہ و ظاہر طور پر تکلیف پہنچاتے ہیں۔
 (۴) اور جو کچھ تو اس (نفس) کے لیے رکھتا تھا اسے پہنچا دیا لہذا وہ ان (چغلی خوروں) کو معذور سمجھتی ہے ہر اس چیز میں جو واقع ہوئی۔
 (۵) اس کی آنکھوں کے گوشے تیرے محبت میں جب پہلی بار زخمی ہوئے تو دوسری بار اس گوشہ چشم کے زخم سے دل میں پیدا ہونے والا سیاہ نقطہ زخمی ہو گیا۔

ابو عبد اللہ ہسکلیؓ کے اشعار، ابو عبد اللہ قرشیؓ کے نام

ترجمہ اشعار:

- (۱) وہ ذات جس کی حقیقت معروف و مذکور ہے مگر نفس کے مطابق اس کی حقیقت غیر معروف و اجنبی ہے۔
 (۲) چشم عقل اس کے نظارے سے عاجز ہے کیونکہ عقل کی راہ میں ظاہری آنکھیں نگہبان بن کر راستے کو روک لیتی ہیں۔
 (۳) اور اس کو پانے میں سب سے بڑی روکاوت اس کے لیے ہے جو اسے خبردار کرنے والی نہ سمجھے۔
 (۴) معارف کے سارے راستے صرف اسی سے ہیں اور باقی سارے راستے بے آب و گیاہ ویران اور اس کی طرف سے بند ہیں۔
 (۵) جب تو اس حقیقت ذات سے متعلق ہو گیا اور اس کی آنکھ سے اس کے ذریعے غائب ہوا تو وہ عقل، معرفت و آگاہی دینے

کے لیے ظاہر ہوئی۔

ابوسعید خراز کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

ترجمہ اشعار:

(۱) وہ قلب جو تجھ سے محبت کرتا ہے کسی کی جانب اشارہ نہیں کرے گا۔ قریب ہے کہ اس کا پختہ ارادہ تجھ سے کوئی خبر لے کر لے۔

(۲) اس کا دل تجھ پر فریفتہ ہے اور اس کی روح قرب و مشاہدے کے قلق سے پگھلی جاتی ہے۔

(۳) اے میرے عز و افتخار! وہ دل جو تجھ سے بلندی پالے اس سے لوگ ذہانت حاصل کرتے ہیں۔

(۴) کتنی ایسی کمزوریاں ہیں جو پوشیدہ غم و اندوہ سے ہوتی ہیں اور ان کے کئی راز ہیں جو کہ صبح بصر میں جمع کیے گئے۔

(۵) پاک ہے وہ ذات اگر چاہے تو اپنے عجائبات کو ظاہر فرمادے یہاں تک کہ تو چہرے میں اس کے سر کو اس طرح دیکھے جیسے چاند۔

ابو عبد اللہ قرظی نے ہیکلی کے اشعار کے جواب میں ذیل کے شعر لکھے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اشعار ابوسعید خراز کے ہیں۔ ترجمہ اشعار:

(۱) جب حق تعالیٰ طالب حق کو وجد کی کیفیت میں حقیقت سے ہمنما کر دے تو وہ حقیقت بھیدوں کی صفات سے جدا ہو جاتی ہے۔

(۲) ادویہ نہیں کہ سر کو اس چیز سے موسوم کر دیا گیا جو اس پر غالب آگئی بلکہ یہ تو اوصاف قادر میں سے ہے۔

(۳) اور تو اس حقیقت کے پوشیدہ راز کی بنا پر لفظ عارف سے نفرت نہ کر بلکہ لطیف و شریفانہ تمثیل سے کام لے۔

(۴) جب اس حقیقت پر آفتاب اپنی روشنی کے ساتھ طلوع ہو جائے تو تم امینڈہ آنے والی شاعروں کے ساتھی بن جاؤ گے۔

(۵) اس حقیقت کا مقام ذات غالب سے دور ہے اور صفت بیان کرنے سے اپنی غالب آنے والی صفت سے دور نہیں ہوا۔ ابو الہدیٰ نے ابو عبد اللہ القرظی کو یہ شعر لکھے۔

ترجمہ اشعار:

(۱) میں تجھ سے یہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ تیرے عشق نے مجھے ہلاک کیا حالانکہ میں تیری محبت ہی میں ہلاک ہوا ہوں۔

(۲) اگر نیند میری آنکھوں کے قریب بھٹکی تو میں اپنی پلکوں کو آنسوؤں کے کوڑوں سے ماروں گا۔

ابو عبد اللہ نے جواباً یہ شعر لکھ بھیجے۔

ترجمہ اشعار:

(۱) لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تیرا تکلیف دہ شدید عشق مجھے آرام پہنچائے تو میں حقیقت سے شرمندہ ہوں گا۔

(۲) اور اگر نیند میری پلکوں پر ڈیرے بسائے تو میں تمہیں جواب دینے کی خاطر سولیتا ہوں نہ کہ آرام کی خاطر۔

اشعار صوفیہ سے متعلق ایک احتیاط

مذکورہ تمام اشعار میں بعض مشکل اور کچھ واضح ہیں۔ ان میں صوفیہ کے لطیف اشارات اور دقیق مضامین بیان کیے گئے

ہیں لہذا جو بھی ان کو پڑھے تو پوری طرح غور سے پڑھے تاکہ وہ اصل معرفت کے رموز و نکات کو پاسکے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان اشعار کے کہنے والوں کو کوئی ایسی بات منسوب کر دے جو ان کے بیان شان نہ ہو۔ اگر قاری کو کسی شعر میں اشکال لاحق ہو اور اسے سمجھ نہ سکے تو چاہیے کہ کسی ایسے شخص سے اس کے بارے میں تبادلہ خیال کرے جو ان کے مفاتیح سے واقف ہو۔ کیونکہ ہر مقام کے لیے ایک مخصوص گفتگو اور ہر علم کے لیے اس کے ماہرین ہوتے ہیں۔ اگر ہم خود ہی یہاں ان اشعار کی تشریحات بیان کرنے لگیں تو اندیشہ ہے کہ کتاب طویل ہو جائے۔

متقدمین مشائخ کی دعائیں

ذوالنونؒ کی دعائیں

اے خدا! قدرت و قوت ہے تو تیرے لیے ہے اور بخشش و فضل ہے تو تیرا اور تو ہی تمام مخلوقات کو اپنی قوت و قدرت کی اعانت پہنچاتا ہے۔ توجو چاہتا ہے اسے پوری طرح سرانجام دیتا ہے۔ عجز و جہل تیرے کام میں حائل نہیں، دوسکتا اور نہ ہی کسی دہشتیں تیرا رستہ روک سکتی ہے اور کیسے وہ تجھ سے تعرض کریں یا تیری تدبیر کے رستے میں آئیں، جب کہ انہیں تو نے ہی تخلیق کیا اور نئے سرے سے پیدا کیا۔ اور جس طرح تو نے انہیں پیدا کیا وہ کیوں نہ پیدا ہوتے۔

تو دلائل کے ساتھ موجود ہے تیری خلق کو تیرے سوا کوئی اور ہرگز پیدا نہیں کر سکتا۔ برکت والی ہے تیری ذات کہ ہر معلوم چیز تیری ہی مخلوق ہے اور ہر نامعلوم مخلوق بھی تیری ہی صنعت کا نمونہ۔ کوئی شخص اس دنیا میں تیرا ادراک نہیں کر سکتا۔ کوئی مکان تجھ سے مستغنی نہیں، تیرے سوا کوئی تجھے صرف اس طور پر جان سکتا ہے کہ تیری وحدانیت کا اقرار کرے۔ تیری مخلوق میں سے فقط ناقص معلومات رکھنے والا ہی تیری معرفت سے محروم رہتا ہے۔ کوئی شے تجھے کسی دوسری شے سے غافل نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہی کوئی تیری قدرت کی انتہا کو معلوم کر سکتا ہے۔ کوئی جگہ تجھ سے خالی نہیں اور کوئی حالت، کسی اور حالت سے تیری توجہ کو ہٹا نہیں سکتی۔

ذوالنونؒ کی ایک اور دعا:

”اے اللہ! ہماری آنکھوں کو آنسوؤں کے فوارے بنا دے، ہمارے سینوں کو سوز و عبرت سے معمور کر دے، ہمارے قلوب کو ابواب السموات کی کھڑکھڑاہٹ کی موت کا غواص بنا دے اس طرح کہ وہ تیرے خوف سے ویرانوں اور بیابانوں میں ٹھکے ہمارے سرگرداں پھرتے رہیں۔

اے قلوب فریفتگان کے حبیب اور راغبین کی رغبتوں کے مقصود! ہماری آنکھوں پر اپنی معرفت کے دروازے کھول دے اور ہماری معرفت کے لیے اپنے نور حکمت کے مفہوم عیاں فرما دے۔“

ذوالنونؒ کی ایک اور دعا:

”اے میرے رب! تو سب انس کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے اولیاء سے انس کرنے والا۔ اور اپنے مشاہدات میں تجھ پر بھروسہ کرنے والوں کے لیے قریب ترین کفایت کرنے والا حتیٰ کہ ان کے باطن اپنے اسرار کو پالیتے ہیں۔

الہی! میرا راز تجھ پر عیاں ہے۔ اور میں تیرا شیدا ہوں۔ جب بھی مجھے گناہ وحشت زدہ کر دیں تو یہ جان کر کہ تیرا ذکر میرے دل کو سکون پہنچاتا ہے کہ امور و معاملات کی زمام تیرے ہاتھ میں ہے اور ان کا وقوع تیرے قضا سے ہے۔

اے میرے رب! مجھ سے بڑھ کر ذلت و تقصیر کا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ بے شک تو نے مجھے ضعیف و عاجز پیدا کیا۔ تجھ سے زیادہ عفو و درگزر کرنے والا کون ہے۔ تو مجھے ازل سے جانتا ہے اور تیرا حکم میرا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ میں نے تیرے اذن سے ہی تیری اطاعت کی تیرا مجھ پر احسان ہے۔ تیرے جانتے ہوئے میں نے نافرمانی کی لہذا تجھے مجھ پر حجت حاصل ہے۔

میں تیرے حضور تیری رحمت کے وجود کے باعث اپنی حجت کے منقطع ہونے کے باوجود، تیرے درک محتاج ہونے کے سبب، اور مجھ سے تیرے درگزر کرنے کی بنا پر یہ درخواست گزارتا ہوں کہ تو میرے ظاہری و باطنی گناہوں کو معاف فرما دے۔

دعائے یوسف بن الحسینؑ

اے میرے رب! میں تیری نعمتوں کا پودا ہوں، تو مجھے اپنے عذاب سے کٹی ہوئی فصل کا باقی ماندہ حصہ نہ بنا۔ اے اللہ!

اے اللہ! ہمیں وہ کچھ عطا کر جو تو ہم سے چاہتا ہے۔

اے رب! تو نے ہمیں مانگے بغیر دولت ایمان سے نوازا ہمیں اپنی عفو طلب کرنے سے محروم نہ فرما کیونکہ ہم تیری طرف ہی رجوع کرنے والے اور تیری نافرمانی پر اصرار کرنے سے تائب ہیں۔ ہم تجھ سے ڈرنے والے اور تیرے حضور تو بہ کرنے والے ہیں۔

اے اللہ! جو کچھ تو نے از قسم ایمان و اسلام ہمیں عطا کیا اور جس کے ذریعے تو نے ہماری ہدایت کی اسے ہماری جانب سے قبول فرما اور ہمیں معاف کر دے۔

”الہی! تیری نعمتوں نے ہمارا احاطہ کیا ہوا ہے اور ان کا شکر ادا نہیں کیا مگر تیرے ہی ذریعے۔“

یوسف بن الحسینؑ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دانا کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا:

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے جو انعامات عطا کیے ان پر شکر ادا کیا اور مذمت کی اس عمل کی کہ اگر وہ چاہتا تو

اس سے بچا لیتا۔

اس نے شکر ادا کیا خود خلق کی جانب سے کیونکہ وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

یوسف بن حسینؑ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ کو مناجات میں یہ شعر کہتے سنا۔

ترجمہ شعر:

ترجمہ: ”اے میرے رب کے جو دو کرم میرے رب سے میری حاجت کے بارے میں سرگوشی کر کیونکہ میرا اپنے

رب کے حضور تیرے سوا کوئی سفارشی نہیں۔“

دعائے جنید بغدادیؒ

جنید بغدادیؒ کی کتاب ”کتاب المناجات“ سے ایک دعا:

اے میرے اللہ! اے سب سے بہتر سننے والے میں تیرے حضور دست سوال دراز کرتا ہوں۔ اے

سب سے بڑھ کر شرافت و کرم والے میں سوال کرتا ہوں تیری فیاضی و بزرگی کے ساتھ، اے سب

سخیوں سے بڑھ کر سخاوت کرنے والے سوال کرتا ہوں تیرے فضل و کرم کے ساتھ، اے بہترین عطا

کرنے والے سوال کرتا ہوں تیرے لطف و احسان کے ساتھ۔ میں تیرے حضور ایک عاجز، کمزور اور

گریہ و رازی کرنے والے کی حیثیت سے درخواست پیش کرتا ہوں جس کا شوق تیرے لیے شدت

اختیار کر چکا ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق اس نے تیری بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کی ہے اور

تیرے خزانوں میں جو کچھ ہے اس کے لیے اس کی رغبت بڑھ چکی ہے اور اس نے یہ جان لیا ہے کہ کوئی چیز تیری مشیت کے بغیر نہیں ہوتی۔ اور ہر شافع تیری اجازت کے بعد ہی شفاعت کر سکتا ہے۔ کتنی ہی ایسے فیچ امور ہیں جنہیں تو نے ڈھانپ لیا کتنی ہی ایسے مصائب ہیں جنہیں تو نے پھیر دیا اور کتنی ہی ایسی لغزشیں ہیں کہ جن سے تو نے گرنے کے بعد اٹھادیا، اور کتنی ہی ایسی لغزشیں ہیں جن میں تو نے درگزر سے کام لیا۔ کتنی ہی ایسی مکروہ چیزیں ہیں جنہیں تو نے رفع کر دیا۔ اور کتنی تعریفیں ہیں جنہیں تو نے پھیلا دیا۔

اے فریادیوں کے فریاد رس، اے خاموش رہنے والوں کے دلوں کے بھید جاننے والے، اے خلوتوں میں حرکات کرنے والوں کی خبر رکھنے والے اور اے کوشش و محنت کرنے والوں کی ہر چھوٹی بڑی بات کے جاننے والے! میں تیرے حضور یہ سوال کرتا ہوں کہ میرے برے اعمال کی وجہ سے میری آواز کو اپنی بارگاہ میں شنوائی سے محروم نہ کرنا۔ میرے باطن کی وہ پوشیدہ باتیں جنہیں تو جانتا ہے ان پر مجھے رسوا نہ کرنا، میری خلوتوں کی برائیوں پر مجھے سزا دینے میں جلدی نہ فرما، جملہ احوال میں مجھ پر نرمی فرما اور ہر حال میں مجھ پر مہربان رہ۔

اے میرے رب، میرے سردار، میرے سہارے! میں باطنی بیماریوں کے پرخطر راستوں کی کثرت سے تیرے حضور پناہ کا طالب اور فریاد رس ہوں اور ضمیر و قلب کے ایسی علتوں میں گرفتار ہونے سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کیونکہ قریب ہے کہ یہ علتیں میرے سینے میں بھر جائیں اور میری زبان و عقل تیرے ذکر کے بارے میں تفریح و انبساط کا شکار ہو جائے، اور میرا جسم میری غلامی کرنے سے رک جائے۔ میں ایک ایسے محس میں ہوں جو مجھے مذکورہ خامیوں کی وجہ سے لاحق ہے اور کمی کا باعث بن رہا ہے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ان تمام خامیوں کو میرے ذکر و قلب سے دور فرما دے اور میرے شب و روز کو اپنے ذکر غلامی اور عبادت سے معمور کر دے تاکہ واردات قلب اور احوال میں یکسانیت رہے۔ ان میں فتور، اکتاہٹ و بے قراری، کمی اور کوئی برائی نہ ہوتا کہ قرب کی گھڑیوں میں اس کے ذریعے میں تیزی سے تیری قربت پاسکوں اور سبقت کے میدانوں میں تیری جانب جاسکوں، اے اکرم الاکریمین! اپنے قرب کی خوش مزہ لذتیں مجھے عطا فرما۔

ابوسعید و نیوریؒ کی دعا

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے وسیلے ہی کے ذریعے سوال کرتا ہوں کیونکہ کوئی وسیلہ تیرے وسیلے سے بہتر نہیں، اور میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے اس وسیلے کے ذریعے جو اہل حق کو حاصل ہے اور اس وسیلے کے ذریعے جو اہل حق کا ہے۔ اور اہل حق کے وسیلے سے کیونکہ قدم سے تجھے ہر شے کا علم ہے اور تیری سلطنت و قدرت ہر شے پر حاوی ہے۔

اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج اور ان کی آل پر اور تو مجھ سے فلاں فلاں معاملہ فرما۔“

ابوبکر شیبی کی دعا

اے میرے رب! آسمانوں اور زمینوں کی خلیاء، اے آسمانوں اور زمین کے جوہر، اے آسمانوں اور زمین کے قائم رکھنے والے، اور اے آسمانوں اور زمین کے نور! تیرے اسماء کے وسیلے سے اور تیرے اپنے وسیلے سے میں سوال کرتا ہوں کیونکہ کوئی وسیلہ تیرے وسیلے سے بڑھ کر نہیں اور تیرے نازل کردہ کلام مجید کے وسیلے سے اور اس کے وسیلے سے جسے تو نے اس کلام کا فہم عطا فرمایا۔

اے اللہ! اے وہ معبود کہ تیرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، اور اے اللہ حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج اور ان کی ساری آل پر درود بھیج۔ تو ان کو منتشر ہونے سے بچا، ان کے ظاہر پر رحم فرما، ان کے باطنوں کو آباد کر، ان کی کفایت و حفاظت فرما، ان کے لیے ہر عوض کا عوض بن جا، ان پر رحم فرما، ان کو آنکھ کے جھپکنے کی دیر تک بھی اپنے سے غافل نہ ہونے دے اور نہ ہی اس سے کم مدت کے لیے، اور ہر وسیلے کے وسیلے کے ذریعے تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ ایسا وسیلہ تیری ہی ذات ہے۔ اور تو ان کو اسی وسیلے کے ذریعے متقی بنا دے انہیں اپنے لدنی معانی کے سمجھنے میں مقام بلند فرما اور ان کو توفیق دے کہ جب کہیں تحقیق سے کہیں اور خاموش رہیں تو ان کے پیش نظر تیرے سوا اور کوئی نہ ہو۔

یحییٰ بن معاذ رازمی کی دعائیں

الہی! میرے سہارے! میری آرزو! اور میرے اعمال کی تکمیل کرنے والے۔ آپ یہ دعا بھی کیا کرتے تھے:

”الہی! جب میرے عمل کی زبان گوئی ہو جاتی ہے تو میں تیرے حضور اپنی آرزو کی زبان سے دعا مانگتا ہوں۔“

الہی! کتنے خوشگوار ہیں الہام کے واقع ہونے کے وہ مواقع جو تیری جانب سے واردات قلب پر نازل ہوتے ہیں اور کتنی لذیذ ہیں وہ سرگوشیاں جو باطن، مقامات غیب میں تجھ سے کرتا ہے۔ الہی جب تو قیامت کو مجھ سے فرمائے گا کہ میرے بندے! تو نے میرے خلاف کیسے جرات کی تو میں جواب دوں گا کہ میرے مالک! مجھ پر تیرے احسان نے، اگر تو نے مجھے اپنے دشمنوں کے درمیان جہنم میں داخل کر دیا تو میں انہیں بتا دوں گا کہ میں تجھ سے دنیا میں محبت کرتا تھا اور تو ہی میرا آقا و مولا ہر شے سے مجھے بے نیاز کر دینے والا ہے۔“

آپ یہ دعا بھی کیا کرتے تھے:

یا اللہ! اگر تو نے مجھے نجات دی تو اپنی عفو کے ذریعے سے اور اگر عذاب دیا تو اپنے عدل کے مطابق، میں ہر اس چیز پر راضی ہوں جو مجھ پر واقع ہو کیونکہ تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں، الہی! تو جانتا ہے کہ نہ میں آگ کی تاب رکھتا ہوں اور نہ جنت کا سزاوار ایسے میں سوائے تیرے عفو کے اور کوئی چارہ نہیں۔

الہی! سیدی! سرور! تیرے کرم کی صفت نے مجھے اپنے برے عمل سے روک لیا اگرچہ اس عمل میں میرے لیے سرور دکھ تھا اور تیری نعمتوں نے مجھے اپنے اچھے اعمال سے بھی بے نیاز کر دیا حالانکہ ان میں میری نجات تھی۔ اور تجھ سے مجھے جو سرور و لطف حاصل ہوتا ہے اس نے مجھے اپنے نفس کا سرور و لطف بھلا دیا۔“

اے میرے رب! میں تجھ سے تیرے ہی ذریعے قرب حاصل کرتا ہوں، میں تجھ پر دلائل پیش کرتا ہوں تو میری حجت

تیرے انعامات ہوتے ہیں نہ کہ میرے عمل۔

میں یہ نہیں سمجھتا کہ آج جس کو تو نے اپنی فضل کی چادر سے ڈھانپ لیا کل تو اس کا محاسب فرمائے گا، تیرا عفو، گناہوں کو ڈبو دیتا ہے اور تیری رضا آرزوؤں کو نیست کر دیتا ہے۔

میرے رب! میرے سردار! میرے مولا! اور مجھے ہر شے سے بے نیاز کرنے والے میں نے اپنے آپ کو گناہ کر کے ضائع کر دیا میرے نفس کو تو یہ کی تو فوق عطا فرما، تو جانتا ہے کہ تیرے بندوں میں سے کریم الاخلاق ہر اس شخص کو معاف کر دیتا ہے جس نے اس سے زیادتی کی ہو۔ اور میں نے اپنے نفس پر زیادتی کی تو ذات اکرم الاکریمین ہے لہذا مجھ سے درگزر فرما۔ الہی! تو جانتا ہے کہ اہلسنت تیرا اور میرا دشمن ہے اور کوئی شے میری بخشش سے بڑھ کر اس کے کم و فریب پر غالب آنے والی نہیں۔ پس اے ارحم الراحمین میرے لیے بخشش فرما۔

عمر السقطی کو میں نے انطاکیہ میں یہ کہتے سنا کہ میں نے ایک شیخ کو دعا کے لیے کہا، تو فرمایا: اے نوجوان میں تیرے لیے دعا کرتا ہوں مگر دعا کے دوران تیرا موجود رہنا ضروری ہے اگر میں دعا کروں اور تو موجود نہ ہو تو میری دعا تجھے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

ابراہیم بن ادھم اور ڈوبتا سفینہ

کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھم ایک سفینے میں سوار تھے کہ دریا میں طغیانی آگئی لوگوں کو کہا گیا کہ وہ اپنے سامان دریا میں پھینک دیں۔ کسی نے ان سے کہا کہ اے ابواسحاق! ہمارے لیے اللہ سے دعا کرو۔ انہوں نے کہا: یہ وقت دعا نہیں وقت تسلیم ہے۔“

کسی صاحب معرفت کا قول ہے: اللہ کے حضور میں تیری دعا کی یقینی قبولیت کا دار و مدار دعا میں تیری صدق دلی پر

ہے۔

سری سقطی کی دعا

مجھ سے جعفرؑ نے بحوالہ جنید بغدادی بیان کیا کہ سری سقطی علیہ الرحمۃ یوں دعا فرماتے تھے:

”اے اللہ! جب کبھی تو مجھے عذاب دے تو مجھے ذلت حجاب کی سزا سے محفوظ رکھنا۔“

ابو حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے سری سقطیؑ سے کہا: میرے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے یہ دعا کیا:

”اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے شجر طوبیٰ کے سایہ تلے اکٹھا فرمائے، کیونکہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب اولیاء اللہ جنت میں

داخل ہوں گے تو پہلے درخت طوبیٰ کے نیچے استراحت کریں گے۔“

دعائے خضر علیہ السلام

ابو محمد جریریؑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: ابراہیمؑ مارستانی کو یہ کہتے سنا کہ مجھے خواب میں حضرت خضر

علیہ السلام نے ہاتھ کی انگلیوں پر گن کر دس کلمات سکھائے جو یہ ہیں:

”اے میرے اللہ! میں تیرے حضور بہتر حاضری، تیری جانب کامل توجہ، تیرے کلام کو سمجھنے، تیرے معاملات میں

بصیرت، تیری طاعت پر قائم رہنے، تیرے ارادے پر مداومت کرنے، تیرے حضور میں حاضر ہونے کے لیے غلبت، تیرے تعلق میں حسن ادب، سلامتی کو تیری ہی جانب پھیرنے اور تیری جانب دیکھنے کی توفیق کا سوال کرتا ہوں۔“

ابو عبید بسری کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا: یا امی! مجھے کوئی دعا سکھائیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابو عبید! کہو: ”اے اللہ! میرے زاویہ کو کم کر اور میری اعانت کو بہتر فرما۔ اور دنیا و آخرت کے معاملات میں میری مدد فرما۔“ میں نے عرض کیا: یا امی! اس دعا کو کچھ اور بڑھا دیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابو عبید! تیرے لیے اتنی ہی کافی ہے۔

ایک عارف یہ دعا کیا کرتے تھے:

میں ہجوم میں تجھے اس طرح پکارتا ہوں جس طرح ارباب کو پکارا جاتا ہے اور خلوت میں اس طرح جیسے احباب کو پکارا

جاتا ہے۔

وجوہات دعا

میں نے کسی عارف سے پوچھا کہ اہل تفویض و تسلیم کے ہاں دعا کرنے کی وجوہات کیا ہیں، تو انہوں نے فرمایا: اہل تفویض و تسلیم دو وجوہ کی بناء پر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے ظاہری جوارج کی تزئین ہوتی ہے کیونکہ وہ دعا ایک طرح کی خدمت و نوکری ہے کہ جس سے اعضاء سنورتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے وہ حکم خداوندی کی بجا آوری کرتا ہے۔ جنید کی ایک دعا یہ ہے:

”اللہ! میرے سردار، میرے مولا! جو تجھ پر ایمان لایا اس کے لیے تیری ذات سے بڑھ کر بہتر حکم دینے والا کون ہے، جس نے تیرا ارادہ کیا اور تجھ سے ڈرتا رہا اس کے لیے تجھ سے بڑھ کر وسیع رحمت والا کون ہے، اور جس نے تیری جانب ارادہ کیا اور تیری اطاعت اختیار کی اس کے لیے تجھ سے بڑھ کر جلد لطف و کرم کرنے والا کون ہے۔ الغرض یہ تمام بندے تیری نعمتوں سے بہرور ہوئے اور تیرے فضل کے سبب تیری عبادت کرتے ہیں۔ ان کے غم تیرے ذریعے تیرے لیے جاتے رہتے ہیں۔ ان کا مقصود فقط تیری ذات ہے ان کے قلب تیرے ساتھ تیری جانب آتے ہیں۔ تیرے لیے ان کے نصیب فنا ہوتے ہیں اور صرف تیرے لیے ہی ان کے نصیب ہوتے ہیں شب و روز وہ تیری طرف ہی متوجہ رہتے ہیں ہر حال میں تیرا رخ کرتے ہیں اور احوال پر تجھے ہی ترجیح دیتے ہیں۔ لہذا میں سوال کرتا ہوں: اے میرے رب! اے میرے مولا! کہ تو اپنے فضل سے میرے لیے محافظ، کافی، بچانے والا اور رحم فرمانے والا ہو جائے کیونکہ میرا ٹھکانہ تو ہے میں تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں، تیری طرف راغب، تیری جانب آنے والا، اور امور دنیا و آخرت میں تجھ پر ہی توکل کرنے والا ہوں۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔“

یہ تھیں وہ دعائیں جو صوفیہ کرام کے اپنے مخصوص احوال و معانی سے متعلق ہیں۔ اور جو چاہے ان پر غور کر کے ان سے برکت حاصل کر لے۔ اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

صوفیہ کی باہمی وصیتیں

حضرت رویم علیہ الرحمۃ نے ایک صوفی کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی: اے بیٹے! اگر کر سکو تو اللہ کے لیے اپنی روح قربان کر دینا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو مہملات و خرافات میں نہ پڑنا۔

یوسف بن الحسین کے مریدین ان کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہمیں وصیت فرمائیں تو آپ نے کہا: میری ہر بات کی پیروی کرنا مگر دو چیزوں پر عمل نہ کرنا ایک یہ کہ اللہ کے نام پر قرض نہ لینا اور دوسرے یہ کہ بے ریش لڑکوں کی صحبت اختیار نہ کرنا۔

سری سقطی نے کہا گیا کہ ہمیں وصیت کیجئے تو فرمایا: اللہ کے نام پر قرض نہ لینا اور امر و نہی کے چہرے پر نظر نہ ڈالنا۔ کسی شخص نے ابو بکر الباززی سے کہا کہ مجھے وصیت کیجئے، تو فرمانے لگے: خود پرستی، کسی چیز کی عادت ڈالنے اور اپنے آسائش کی طرف متوجہ رہنے سے بچو۔

ابو العباس بن عطاء نے اپنے دوستوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا: جو کچھ تم پر واقع ہو اس پر غم کرنے سے احتراز کرو اور تم پر یہ واجب ہے کہ وہی کرو جو اللہ تم سے چاہتا ہے نہ کہ وہ کچھ جو تم چاہتے ہو۔ جعفر خلدئی کہتے ہیں کہ جیسا ایک شخص کو یہ وصیت کر رہے تھے: اپنے نفس کو پہلے پیش کر دو اور اپنے عزم کو موخر کرو۔ اپنے نفس کو موخر اور عزم کو مقدم نہ کرنا کیونکہ اس طرح بہت سستی واقع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

میں نے ابو سعید خزاز کے ایک خط میں ان کے مرید کے نام یہ وصیت پڑھی: اے میرے بھائی! اپنے ساتھیوں سے خلوص برتو، اور اہل دنیا سے اس طرح مل جل کر رہو کہ انہیں اپنے ظاہر پر گواہ بناؤ، اپنے عمل اور دین کے ذریعے ان کی مخالفت کرو، مگر انہیں ملامت نہ کرو۔ اگر وہ نہیں تو تم روو۔ اگر وہ خوش ہوں تو تم مغموم رہو اگر وہ آرام کریں تو تم محنت کرو، اگر وہ سیر ہوں تو تم فائدہ کرو، اگر وہ دنیا کا ذکر کریں تو تم آخرت کو یاد کرو، گفتگو، نظر، حرکت، کھانے، پینے اور لباس کے کم ہونے پر صبر کرو حتیٰ کہ جب اللہ چاہے تو وہ اپنی رحمت سے تمہیں فردوس میں سکون و آرام عطا فرمائے۔

ابو سعید خزاز نے اپنے کسی مرید کو یہ وصیت فرمائی: اے مرید! میری وصیت کو یاد کر لو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کی رغبت رکھو اور اپنے نفس امارہ کی طرف متوجہ ہو کر اسے اطاعت سے بگھلا دو، اس کی مخالفت کر کے تم اسے تنہا چھوڑ کر مار ڈالو، اے تم اللہ کے سوا ہر شے سے مایوسی کے ساتھ ذبح کر ڈالو، اے تم اللہ سے حیاء کرنے کے ذریعے قتل کرو۔ صرف اللہ ہی تجھے کافی ہے، تو ہر نیکی میں سبقت کرے، ہر مقام پر عمل نیک کرے۔ اور تیرا دل اللہ سے اس قدر ڈرنے والا ہو کہ تیری طرف سے کوئی بات قبول ہی نہ کرے۔ یہ ہیں قولیت و اخلاص اور صدق کے وہ حقائق جن کے ذریعے تو بالآخر نجات پا کر اپنے رب کے حضور میں رسائی حاصل کر لے۔ واللہ یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید۔

ذوالنون نے اپنے ایک مرید کو یہ وصیت کی: اے میرے بھائی! اسلام سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں، تقویٰ سے بڑھ کر کوئی بزرگی نہیں، کوئی عقل و دماغ سے زیادہ پرہیزگار نہیں، تو بے بڑھ کر کوئی کامیاب سفارش کرنے والا نہیں، عافیت سے

بڑھ کر کوئی باعزت لباس نہیں، سلامتی سے بڑھ کر کوئی حفاظت کرنے والا نہیں، قناعت سے بڑھ کر کوئی غنی کر دینے والا خزانہ نہیں اور رضا سے بڑھ کر کوئی دولت ضرورت کو پورا کرنے والی نہیں۔ جس نے گزارے کی مقدار پر گزارہ کر لیا اس نے اپنے لیے آرام کو استوار کر لیا، رغبت کوشش کی کنجی اور تھکاوٹ کی سواری ہے، حرص گناہوں کی طرف لے جانے والی ہے اور حرص جملہ برائیوں کی جڑ ہے۔ اکثر چھوٹی طبع، بری آرزو اور امید، محرومی اور خسارے کا باعث ہوتی ہے۔

جینڈ نے اپنے کسی مرید کو وصیت کرتے ہوئے کہا: میں تمہیں ماضی پر کم اور حال پر زیادہ متوجہ ہونے کے وصیت کرتا ہوں۔

میں نے ابو عبد اللہ الخياط دینورؒ سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے تو فرمایا: میں تمہیں ایک ایسی خصلت کے اپنانے کو کہتا ہوں کہ جس کے علاوہ میں کوئی ایسی خصلت نہیں جانتا جس کے ساتھ کوئی آفت لگی ہوئی نہ ہو۔ میں نے کہا: وہ خصلت کون سی ہے؟ کہا کہ وہ خصلت یہ ہے: تو بیٹھے پیچھے اپنے بھائی کا ذکر ایسے انداز سے کرے اور اس طرح اس کے لیے دعا بھی کرے۔

کہتے ہیں کہ ابو بکر الوراقؓ نے کہا: ”میں نے عزت کی خواہش کی وجہ سے عزت اور ذلت کے ڈر سے ذلت خرید لی۔ اور یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے وصیت الہی کی مخالفت کی۔“

ایک شخص ذوالنون مصری کے پاس آیا اور کہا، مجھے کوئی وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم علم غیب میں صدق تو حید کے ساتھ مضبوط ہے تو تیرے لیے تیری پیدائش سے بھی قبل یعنی آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی دعوت گزر چکی۔ تیرے لیے ان کی طرح دعوت ہی بہتر تھی اور اگر تو ایسا نہیں تو پھر ڈوبنے کو آواز کیسے بچا سکتی ہے!

میں نے ابو محمد المہلب بن احمد بن مرزوق مصریؒ سے سنا انہوں نے کہا ابو محمد المرتضیٰ نے اپنی وفات کے وقت مجھے یہ وصیت کی کہ میں ان کا قرضہ جو اٹھارہ درہم تھا، چکا دوں، جب ہم ان کی تدفین سے فارغ ہوئے تو ان کے جسم کے کپڑوں کی قیمت اٹھارہ درہم مقرر کی گئی جنہیں میں نے اٹھارہ درہم میں خرید لیا۔ اس طرح حساب پورا پورا نکلا۔ اور ہم نے ان کا قرضہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد مشائخ جمع ہوئے اور انہوں نے ان چیزیں کور کھنے کا تھیلا اٹھایا اس میں کچھ معمولی سی چیزیں تھیں، جن میں سے ہر ایک نے کچھ لیا اور چلے گئے۔

ایک شخص ابراہیم بن شیبانؒ کے پاس حاضر ہوا اور وصیت کے لیے کہا: آپ نے فرمایا: اللہ کو یاد کرو اور اسے بھلاؤ نہیں۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو موت کو مت بھولنا۔

کسی عارف نے یہ وصیت کی: اپنا نام عابدوں کی فہرست سے مٹا دو۔

ابو بکر الواسطیؓ سے وصیت کے لیے کہا گیا تو فرمایا: اپنی سانسوں اور اوقات کا شمار رکھو۔ والسلام۔

کسی شیخ سے وصیت کرنے کو کہا گیا تو فرمانے لگے: قلت و ذلت کو اللہ کے لیے برداشت کرتے ہوئے اسی کے ہو جاؤ۔ ذوالنون فرماتے ہیں کہ میں جبل المقطم پر پھر ہا تھا کہ میں نے ایک غار میں کسی شخص کو یہ کہتے سنا: پاک ہے وہ ذات جس نے میرے قلب کو یاس سے محروم کر کے اسے آرزوؤں سے آباد کر دیا کیونکہ یاس نے مجھے اس سے جدا کیا اور اس کی آرزو نے مجھے اس سے ملادیا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ ایک ایسا شخص تھا کہ عبادت نے اس کا رنگ بدل دیا تھا اور

زہد نے اسے زخمی کر دیا تھا میں اس کے قریب گیا تو اس نے مجھے چھوڑ کر پیٹھ پھیر لی۔ میں نے کہا: مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ تو اس نے کہا: دیکھو! کہیں تمہاری آرزو اللہ تعالیٰ سے مل چکی ہے کی دیر تک بھی منقطع نہ ہو۔ غم اور خوشی کو اکٹھا کرو، اللہ اور اپنے درمیان تعلق قائم کرو، تو اس روز خوشی پائے گا جب باطل کام کرنے والے خسارے میں ہوں گے۔ میں نے کہا: کچھ اور تو کہو: اتنا ہی کافی ہے۔

ایک شخص نے ذوالنون سے کہا کہ مجھے اپنا کوئی قول عطا کیجئے، انہوں نے کہا: شک کو یقین پر ہرگز ترجیح نہ دینا، تسکین کے بغیر اپنے نفس سے خوش نہ ہونا، اگر تجھ پر زمانے کی کوئی مصیبت آن پڑے تو اسے حسن صبر کے ساتھ برداشت کر لینا، اپنی آرزوؤں کا مرکز ہمیشہ قائم رہنے والی ذاتِ خمیر کو ہی سمجھنا تو اسے اپنی آرزوؤں کے ساتھ قائم پائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو نعمت سمجھنا کیونکہ اللہ کے بندے اسی سے پیار کرتے اور اسی سے سکون و انس پاتے ہیں۔ انہوں نے اس کی معرفت حاصل کی اور اس کی معرفت ہی کے ذریعے اس کی آرزو کی اور عین یقین کی حالت میں اس کے ساتھ تعلق قائم کیا، پھر ان کی نظریں عظیم و جلیل قدرت والے کی طرف اٹھیں تو اس نے انہیں اپنے تعلق کا جام شیریں نوش کرایا۔ اور اپنے خلوص کی لذتوں سے انہیں شام کام کیا۔ ان کے آہ و بکا کی گونج عرش کے گرد سنائی دیتی ہے اور ان کے پکارنے کی آواز آسمانوں کے دروازوں کو کھٹکھٹاتی ہے تاکہ جلدی سے کھلیں اور دعا قبول ہو۔

جنیڈ ایک وصیت میں کہتے ہیں: اے برادر! عمل کو پھر جلدی کر اس سے قبل کہ تیری موت تیری طرف جلدی کرے، آگے بڑھو اور آگے بڑھو اس سے پہلے کہ تیری طرف بڑھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے تیرے گزرے ہوئے بھائیوں اور دوستوں کے بارے میں تجھے وصیت کی ہے لہذا ان کے حقوق تجھ پر باقی ہیں اور تیرے لیے نافع ہیں اور اس کے سوا سب کچھ ہمارے لیے نہیں بلکہ تم پر ان کے حقوق ہیں۔ ہماری وصیت و نصیحت ہے تیرے لیے۔ اسے قبول کر کہ اس طرح تو معاملے کو بہتر بنائے گا اور اس پر عمل کرنے سے کامیابی حاصل کرے گا۔

والسلام۔

یہ تھیں صوفیہ کی چند وصیتیں اور ان کے مخصوص مقاصد جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔

سماع

حسن آواز، سماع اور مستمعین کے مختلف درجات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ [فاطر: ۱]

ترجمہ: ”(اللہ تعالیٰ) بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے۔“

مفسرین کے مطابق اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اخلاقی حسنہ سے سنوارتا اور حسن آواز کی نعمت سے آراستہ فرماتا ہے۔

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی خوش آوازی کے سوا کسی آواز کو زیادہ توجہ سے نہیں سنتا۔“ ۴
اور آپ نے فرمایا: ”کوئی شخص اپنی خوش گلوئیزی کو اس قدر توجہ سے نہیں سنتا جس قدر اللہ جل جلالہ ایک خوش الحان قاری قرآن کی قرأت کو سماعت فرماتا ہے۔“ ۵

اور آپ نے فرمایا: ”حضرت داؤد علیہ السلام کو اتنی شیریں آواز عطا کی گئی تھی کہ زبور پڑھتے وقت ان کے گرد، ان کی امت بنی اسرائیل، جنات، جنگ کے درندے اور پرندے اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔ اور ان کی مجلس سے چار چار سو جنازے اٹھتے تھے۔“ ۶

ایک روایت ہے: ”حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لجن داؤدی سے نوازا گیا۔“ ۷

حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے تلاوت فرمائی اور مد کو لمبا کھینچ کر آواز کو ترجیح دی۔ ۸
ایک موقع پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ آپ میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اچھی طرح بنا سنوار کر قرأت کرتا۔
ارشاد نبوی ہے: ”قرآن کو اپنی آوازوں سے آراستہ کرو۔“
میرے نزدیک اس قول نبوی کے دو مفہوم ہیں:

پہلا یہ کہ قرآن غیر مخلوق ہے لہذا یہ تو ممکن نہیں کہ قرآن کو آراستہ کیا جائے لہذا اس سے شارع علیہ السلام کی مراد یہ ہے

۱ شیعین، ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

۲ حضرت نفعیہ بن سعید اس کے راوی ہیں اور مسند احمد، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان وغیرہ میں ہے۔

۳ بقول حافظ عراقی تم لاجد له اصلا۔

۴ مشفق علیہ حدیث بروایت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

۵ صحیحین اور سنن ابو داؤد میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

کہ اپنی آوازوں کو قرآن کی قرأت سے آراستہ کر دیا ان میں سوز، نغمگی اور ترنم پیدا کر دتا کہ جب تلاوت کرنے قرآن کے قریب جاؤ تو اچھی آواز لے کر جاؤ۔ یہ مفہوم رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں قاعدہ تقدیم و تاخیر کو پیش نظر رکھ کر اخذ کیا گیا یعنی قول رسول ﷺ کو یوں پڑھا جائے گا: ”اپنی آوازوں کو قرآن سے آراستہ کرو۔“ اور اس طرح کی مثالیں قرآن میں جا بجاتی ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۗ قَلِيلًا [الکہف: ۶۱]

ترجمہ: ”سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کجی نہ رکھی۔“

اس آیت میں قیما کا معنی عوجاً سے پہلے کیا گیا ہے یعنی تقدیم و تاخیر ہے۔

ایک مقام پر قرآن کریم میں خدائے بزرگ و برتر نے بھدی آوازوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۗ [الفنن: ۱۹]

ترجمہ: ”بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔“

اللہ کا بھدی آوازوں کو برقرار دینا اس حکمت کا حامل ہے کہ اس کی جانب سے بھدی آوازوں کی مذمت دراصل اچھی آوازوں کی تعریف ہے۔

اہل دانش و بینش نے کائنات میں موجود خوبصورت آوازوں اور دکش نغموں کے کیا کیا مفہومات بیان کیے ہیں۔ چند ایک یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

ذوالنون مصریٰ کا قول ہے: وہ تمام اشارات و خطابات جو اللہ نے ہر پاکیزہ سیرت مرد و عورت کو عطا فرمائے ہیں، حسن آواز کے دائرے سے میں آتے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: اچھی آواز، عشق الہی سے معمور دلوں کے لیے سرمایہ راحت ہے۔

کسی اہل دل کا قول ہے: خوش نغمگی اللہ کی جانب سے ملنے والی وہ نعمت ہے جس کے ذریعے عشق حقیقی کے شعلوں میں جلتے والے قلوب ٹھنڈک اور سکون پاتے ہیں۔

مین نے احمد بن علی اللوجبئی سے اور انہوں نے ابوعلی رودباریٰ کو یہ کہتے سنا کہ ابو عبد اللہ حارث بن اسد الحجابیٰ فرمایا کرتے تھے: تین چیزیں ہیں جو باعث منفعت ہیں:

۱۔ خوش آوازی مگر دیانت کے ساتھ

۲۔ حسن صورت مگر کردار کے ساتھ

۳۔ حسن اخوت مگر وفا کے ساتھ۔

مذاہر بن حسین فرمایا کرتے تھے: خوب صورت آواز گداز لہجے اور لطیف زبان کی صورت میں ایک حاضر جواب دانائی اور کارآمد آواز کی جیسی ہے۔ اور یہ وہ خوبی ہے جو اللہ ہی کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے۔ حسن صورت کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ گوارے میں پڑا بے چین روتا ہوا بچہ جب نرم و گداز آواز سنتا ہے تو خاموشی سے سو جاتا ہے۔

تقدیم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ سودا کے مریضوں کا علاج خوبصورت آوازوں کے ذریعے کرتے اور مریض شفا یاب ہو جاتے تھے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ خوبصورت اور دلکش آوازوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک خوبی یہ بھی رکھی ہے کہ جب وادیوں میں چلنے والے اونٹ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں تو حدی خوان کی ایک سریلی تان پر وہ کس تیزی سے متوجہ ہو کر مستی کے عالم میں چل پڑتے ہیں اور اس قدر تیز چلتے ہیں کہ عملیں گرنے لگتی ہیں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ جب حدی خوان کی آواز رک جاتی ہے تو بوجھ، تھکاوٹ اور نغمہ بار صدا کی مستی میں حد سے زیادہ تیز رفتاری ان کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہوتی ہے۔

خوش گلو جشی اور مست اونٹ

دشمن میں دقتی نے مجھے خوش آوازی کی حکمت سمجھاتے ہوئے یہ حکایت سنائی کہ ایک دیہات میں قبائل عرب سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے میری ضیافت کی اور مجھے اپنے خیمے میں لے گیا۔ خیمے کے اندر اس نے ایک جشی غلام کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا پایا اور خیمے کے باہر مردہ اونٹ دیکھے۔ ایک اونٹ پر جوج رہا تھا وہ بھی یوں لگتا تھا جیسے عالم نزع میں ہو۔ اسی دوران موقع پا کر اس جشی غلام نے مجھ سے کہا کہ آپ آج میرے مالک کے مہمان ہیں اور اس کے نزدیک آپ ایک شریف النسب شخص ہیں لہذا آپ میری سفارش کریں کہ وہ مجھے اس قید سے آزاد کر دے کیونکہ وہ آپ کا کہنا نہیں کرے گا۔

اتنے میں میرے سامنے کھانا چین دیا گیا۔ جسے میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ بات میرے میزبان کے لیے باعث تشویش تھی۔ اس لیے اس نے سوال کیا: آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے کہا: جب تک آپ اس غلام کی خطا معاف کر کے اس کی بیڑیاں کھول نہیں دیتے میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس نے کہا: اے شخص! اس غلام نے تو مجھے مفلس و کنگال کر دیا ہے۔ مجھے اور خاندان کو نقصان پہنچایا ہے۔

میں نے پوچھا: اس نے کیا خطا کی؟

میزبان نے جواب دیا: اس غلام کی آواز بہت اچھی ہے۔ میرا گزارہ انہی اونٹوں پر تھا کہ اس نے ان پر بہت زیادہ بوجھ لاد کر ہانکا اور حدی گا تا ہوا ساتھ چلا یہاں تک کہ یہ اونٹ اس کی دلکش آواز پر مست ہو کر تین دن کا سفر ایک رات میں طے کر کے جب منزل پر پہنچے اور بوجھ اتارا گیا تو ایک کے سوا سب کے سب اونٹ وہیں پر ڈھیر ہو گئے۔ چونکہ آپ میرے مہمان ہیں اس لیے میں اسے معاف کر کے رہا کر دیتا ہوں غلام کی رہائی کے بعد ہم نے کھانا کھایا۔

صبح ہوئی تو میں نے چاہا کہ اس غلام کی خوش آوازی کا لطف اٹھایا جائے میں نے اس کے مالک سے غلام کو گانے کا حکم دینے کے لیے کہا مالک نے غلام کو حکم دیا کہ جس اونٹ پر وہ پاس کے کنوئیں سے پانی ڈھویا کرتا ہے اس کے پاس حدی گائے۔ جوں ہی اس غلام کی حدی کی نغمہیں بلند ہوئی۔ اونٹ اپنی جگہ سے مست ہو کر اٹھا اور فرط سرور میں رسی تڑائی۔ میں اپنی جگہ پر منہ کے بل گر گیا۔ مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ میں نے کبھی اس غلام کی آواز سے بڑھ کر کوئی خوبصورت آواز سنی ہو۔ غلام حدی کی تائیں اڑا رہا تھا اور اس کا مالک بیچ بیچ کر کہہ رہا تھا: اے شخص تو اب مجھ سے اور کیا چاہتا ہے تو نے تو میرے اونٹ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ مجھ سے دور ہو جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ۔

میں نے انطا کیہ میں احمد بن محمد الطائی اور انہوں نے بشر کو یہ کہتے سنا کہ میں نے اسحاق بن ابراہیم موصلیٰ سے ماہر گانے والے کی تعریف پوچھی تو فرمانے لگے: جس کو اپنی سانسوں پر قدرت، اختلاس میں لطافت اور ریاضت تام حاصل ہو وہی ایک ماہر گانے والا ہے۔

سماع اور اس کے مفہوم سے متعلق صوفیہ کے مختلف اقوال

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ نے سماع کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: سماع، اللہ کی جانب سے قلب پر وارد ہونے والے معانی ہیں جو حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر کوئی حق کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے قلب پر وارد ہونے والے معانی کو پایا اور جس نے نفسانی خواہشات کے زیر اثر اس کی طرف توجہ کی وہ زندگہ میں مبتلا ہو گیا۔

احمد بن ابی الحواری علیہ الرحمہ نے ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمہ سے سماع اور خوش الحانی سے گائے جانے والے اشعار سننے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات یہی ہے کہ گانے والے دو ہوں۔ ابویقوب نہر جو ری علیہ الرحمہ کہتے ہیں: سماع ایک ایسی حالت کو کہتے ہیں جس کے دوران دل میں سوز و گداز کی آگ بھڑکتی ہے اور اس کے نتیجے میں راز کھلتے ہیں۔

بعض صوفیہ کا قول ہے کہ سماع اہل معرفت کی غذاروحانی کے لطف سے شاد کام کرتا ہے کیونکہ سماع کا یہ وصف ہے کہ وہ حد درجہ لطیف ہوتا ہے۔ اس سے فقط لطافت و رقت طبع کے ساتھ ہی استفاضہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ خود لطیف ہے۔ اور اس سے فقط لطافت طبع اور صفائے قلب کے ساتھ ہی اس کے اہل لوگ استفاضہ کر سکتے ہیں کیونکہ سماع خود لطیف اور پاک و شفاف ہے۔

ابو الحسنین دراج فرماتے ہیں: سماع مجھے روشنی و نور کے میدانوں میں سے ایک میدان میں لے آیا ہے اور اس نے عطا و بخشش کی چوکھٹ پر مجھے وجود حق سے ہمکنار کر دیا اور اس نے مجھے مے صفاء کے جام پلائے جس کی سردی مستیوں سے سرشار ہو کر میں رضا کی منزلوں کا ادراک پا گیا۔ اور اسی کے ذریعے میں حقیقت کی پاکیزہ فضاؤں اور گلستان کی طرف آ نکلا۔ ایک مرتبہ ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: سماع نظاہر تقنہ اور بہطاطن عبرت ہے۔ جس نے باطنی اشارے کو پایا اس کے لیے عبرت کو سننا جائز ٹھہرا اور ظاہری استماع کرنے والے نے تقنہ کو دعوت دی اور مصیبت سے دوچار ہوا۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا کہنا ہے کہ سماع کے لیے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو سماع اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ پوچھا گیا کہ وہ تین شرائط کیا ہیں، تو فرمایا: زماں، مکان اور ہم مشرب ساتھی۔

کہتے ہیں کہ جس نے پاکیزہ رنگ کے سماع کو پسند نہیں کیا۔ اس کی وجہ اس کے قلب میں پیدا ہوجانے والا وہ نقص اور دنیوی مشغولیت ہے جس نے اسے اس جانب سے دور رکھا۔

جعفر بن محمد الخلدی کا بیان ہے کہ جنید بن محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: فقراء پر تین مواقع پر رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ ایک بوقت سماع کیونکہ وہ راست اور جائز انداز سے سماع کرتے ہیں اور وجد ہی کی حالت میں قیام کرتے ہیں۔ دوسرے اس وقت جب وہ علمی گفتگو کرتے ہیں کیونکہ ان کا موضوع اولیاء و صدیقین کے احوال و آثار ہی ہوتے ہیں۔ تیسرے

اس وقت جب وہ کھانا تناول کرتے ہیں کیونکہ وہ فاتے ہی کی صورت میں کھاتے ہیں۔

ابوعلیٰ رودباری علیہ الرحمہ نے سماع سے متعلق کہا تھا: کاش! ہم اس سے کلیتاً چھٹکارا پالیتے۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے جو سماع سے اس کے اسباب کو پسند کرے۔

میں نے ابوطیب احمد بن مقاتل مکیؒ کو یہ کہتے سنا کہ ابوالقاسم جنیدؒ کے مریدین میں سے ابوالحسین بن زیدؒ ایک فاضل شیخ تھے ان کا دستور تھا کہ اکثر و بیشتر سماع کو محفلوں میں حاضر ہوتے اور سماع اچھا لگتا تو چادر بچھا کر بیٹھ رہتے اور کہتے کہ صوفی اپنے دل کے ساتھ رہتا ہے جہاں دل آ گیا بیٹھ گیا اور دل نے حامی نہ بھری تو وہاں سے یہ کہتے ہوئے کہ سماع اہل قلوب کے لیے ہے، چل دیتے۔

میں نے ابوالحسن حصریؒ کو ایک بار کہتے سنا کہ میں ایسے سماع کا ذکر کیا کروں کہ جو سماع برپا کرنے والے کے سماع کو منقطع کرنے پر ختم ہو جائے۔ چاہیے تو یہ کہ سماع مسلسل جاری رہے۔ اور انہیں سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: چاہیے کہ پیاس بھی دائمی ہو اور پینا بھی دائمی، کیونکہ جس قدر زیادہ پیا جائے گا پیاس بھی اسی قدر بڑھے گی۔

عوام الناس کے لیے جوازِ سماع کی شرائط

بہدار بن حسین کا قول ہے: جو بھی سماعِ طیب کو نہیں سنتا اس کی قوتِ ادراک میں نقص ہے کیونکہ ہر طرح کی منفعت حاصل کرنے میں تکلیف برتنا پڑتی ہے۔ چاہے اس منفعت کا تعلق جائز اشیاء سے کیوں نہ ہو جب کہ سماع اگر برے مقاصد سے پاک ہو تو ایسا مباح فعل ہے جس میں کسی طرح کا کوئی تکلف نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص سماع کو پاکیزہ طریقے اور حسن آواز سے جائز طور پر لذت یاب ہونے کی خاطر اس طرح سنے کہ اسے اس کا مقصد کوئی برائی، اختکاف ہو و لعب اور ترکِ حدود نہ ہو تو سماع کسی طرح بھی ناجائز نہیں۔

جوازِ سماع

جوازِ سماع پر مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا جاتا ہے:

ارشادِ رب عزوجل ہے:

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ [الذّٰرئ: ٢١]

ترجمہ: ”اور خود تم میں (نشانیوں ہیں) تو کیا تمہیں سوچتا نہیں۔“

سَتُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَقْصَىٰ وَفِي الْأَنْفُسِهِمْ [حم السجده: ٥٣]

”ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں۔“

جو کچھ اللہ جل ذکرہ نے ہمیں اپنے نفسوں میں دکھایا اسے ہم نے اپنے حواسِ خمسہ میں دیکھا یا اس طرح کہ انہیں حواس کے ذریعے ہی ہم اشیاء اور ان کے اضداد میں فرق کر سکتے ہیں جیسے آنکھ اچھے اور برے میں تمیز کرتی ہے، ناک خوشبو اور بدبو میں فرق بتاتی ہے۔ منہ کے ذریعے ہم تلخی و شیرینی میں تمیز کرتے ہیں، ہاتھ نرم اور سخت کا احساس کرتا ہے۔ اور اس طرح کان اچھی اور بری آوازوں میں تمیز کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾ [الفنن: ١٩]

ترجمہ: ”بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔“

مذکورہ آیت مبارکہ میں جہاں بری آوازوں کی مذمت کی گئی ہے دراصل اس مذمت میں اچھی آوازوں کی تعریف پنہاں ہے اور بری اور اچھی آوازوں میں تمیز فقط سماع کے ذریعے ہی کی جاسکتی ہے۔ سماع سے مراد حضورِ قلب، ادراک اور جملہ ادہام سے خالی الذہن ہو کر نہایت غور سے مائل بہ سماعت ہونا ہے۔

اللہ جل ذکرہ نے اپنی کتاب میں اہل جنت کے لیے جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ان کی خوب صورت الفاظ میں توصیف فرمائی

مثلاً:

سدرٍ مَخضودٍ (بے کانٹوں کے بریا یاں) طلحٍ مَنْضودٍ (کیلے کے گچھے)، فاکہہ کثیرہ (بے شمار میوے)

لحم الطير (پرنندوں کا گوشت) حورعین (بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں) السنندس (کرنیب کا گہڑا) استبرق (تادیز) رحيق مختوم (سربہ شراب) ارا نك (آرا-تخت) قصور (مخامات) غرف (بالا جانے) اشجار (درخت) انهار (نہریں)۔

اور یہ بھی فرمایا:

فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَبُونَ ﴿الرّوم: ۱۵﴾

ترجمہ: ”باغ کی کھدائی میں ان کی خاطر داری ہوگی۔“

مجاہد نے مذکورہ آیت تفسیر میں کہا کہ آیت میں اس سماع کا ذکر کیا گیا ہے جو اہل جنت، بہشت کی خوبصورت حوروں اور خوب رو و شیرازوں کے دلکش مترنم آوازوں میں سنیں گے۔ وہ گارہی ہوں گی۔ جیسا کہ حدیث ہے: ”ہم ہمیشہ زندہ رہنے والیاں ہیں ہمیں کبھی موت نہیں آئے گی ہم سدا نرم و تازہ رہیں گی، ہم پر کبھی (بڑھاپے) کی تخی نہیں آئے گی۔“^۱

اللہ تعالیٰ نے شراب کو جملوں نعمتوں سے الگ کر کے حرام قرار دیا۔ حدیث نبوی ہے: جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔^۲

اس طرح سماع بھی جو کہ مذکور نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے ان نعمتوں میں شامل ہے جو اللہ نے بندوں کے لیے اس دنیا میں حلال ٹھہرائی ہیں۔ اور شراب کو باقی تمام نعمتوں سے اس طرح الگ کیا گیا کہ اسے نص قرآنی اور احادیث ظاہرہ سے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئے کیا دیکھتے ہیں کہ دو لڑکیاں دف بجاری ہیں اور ساتھ گارہی ہیں۔ آپ نے انہیں گانے سے نہیں روکا۔ مگر یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے اور فرمانے لگے: کیا رسول اللہ کے گھر میں شیطان کی بانسری بج رہی ہے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوڑو! اے عمر! کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے (یعنی خوشی کے مواقع ہوتے ہیں)۔^۳

مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر گانا ناجائز ہوتا تو عید یا غیر عید دونوں مواقع پر ناجائز ہوتا۔ الغرض اس ضمن میں کئی روایات ملتی ہیں۔

ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر مغنوم حالت میں یہ شعر پڑھتے ہوئے داخل ہوئے۔ ترجمہ شعر:

ترجمہ: ”ہر شخص اپنے اہل و عیال میں مگن ہے جب کہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب تر ہے۔“

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب زیادہ پریشان ہوتے تو بلند آواز سے اشعار پڑھتے۔

ترجمہ اشعار:

۱ سنن ترمذی میں حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے، امام ترمذی نے اسے حدیث غریب قرار دیا۔

۲ البوطی، مسند احمد، صحیحین، اور سنن ابن ماجہ میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۳ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ترجمہ: ”کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ کیا میں کوئی رات کسی وادی میں اس طرح گزاروں گا کہ میرے گرداغزرو جلیل جیسی خوشبودار گھاس ہو۔“

اور کیا میں کسی روز مکہ سے قریب مقام مجنہ کے پانی کے گھاٹوں پر داخل ہوں گا اور کیا مجھے طلوع و غروب آفتاب اور چاند کے بیچ کی سیاہی کا منفرد دکھائی دے گا۔

اسی طرح المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لبید کا یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔ ترجمہ شعر: ترجمہ: ”وہ لوگ کوچ کر گئے جن کے پہلو میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور اب میں اس طرح باقی رہ گیا ہوں جیسے نیام کا چڑا۔“

یہ شعر پڑھنے کے بعد ام المؤمنین فرماتیں کیا یہی اچھا ہوتا اگر لبید ہمارا زمانہ پاتا۔ صحابہ کرام اکثر اشعار پڑھا کرتے تھے اور اس طرح کی روایات کثیر تعداد میں ملتی ہیں۔ مجھے ابو عبد اللہ حسین بن خالد یہ بخوی نے انہیں ابن الانباری نے باسناد بتایا:

کعب بن زہیر نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اپنا مشہور قصیدہ ”بانت سعاد“ پیش کیا تھا۔ جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔ ترجمہ اشعار:

ترجمہ: ”سعاد گزر گئی اس لیے آج میرے دل کی حالت خستہ ہے اور اس قیدی کی مانند ہے جس کا ندیہ ادا نہیں کیا گیا اور وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔“

ترجمہ: ”جدا کی صبح کو جب انہوں نے کوچ کیا تو سعاد گنگنائی جھکی جھکی نظروں اور سرگیں آنکھوں والی ہرنی کی مانند تھی۔“

ترجمہ: ”وہ شراب (جو سعاد کے دانتوں کو پلائی گئی) ایسی ہے کہ جس میں وادی کے موڑ پر دستچ سنگریزوں والی ندی سے بوقت چاشت لیے گئے پانی کی آمیزش کر کے اس کی تیزی کو توڑا گیا ہے۔“

ترجمہ: ”ہو امیں اس ندی سے نکلوں کو صاف کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس میں کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہتی جو اسے گدلا کر سکے اور اس ندی کو انتہائی سفید پہاڑوں نے رات کے وقت برسنے والے بادلوں سے لبریز کیا ہے۔“

ترجمہ: ”سعاد کس قدر معزز و شریف النسب دوست ہے کاش! اس نے وعدہ وفا کیا ہوتا یا بھلائی کی بات مان لی ہوتی۔“

ترجمہ: ”لیکن وہ میری دوت کہ جس کی محبت کا اسیر ہوں اس کے خون میں، مصیبت زدہ بنانے، دروغ گوئی، منہ موڑنے اور دوست بدلنے کی فطرت سرایت کیے ہوئے ہے۔“

ترجمہ: ”عرقوب نامی مشہور وعدہ خلاف عرب کے وعدے اس کے لیے مثال بن گئے ہیں اور عرقوب کا ہر وعدہ جھوٹا ہوتا تھا۔“

ترجمہ: ”مجھے امید ہے اور میری آرزو ہے کہ سعادت کی محبت مجھ سے قریب ہوگی حالانکہ میں تم (سعادت)

سے وصل پانے کا گمان نہیں کرتا۔“

ترجمہ: ”وہ جو وعدہ کرتی ہے اس کو اس طرح تھا رہتی ہے جیسا کہ چھلنیاں پانی کو تھامے رہتی ہیں یعنی وعدہ وفا کرنا تو اس کی عادت سے ہی خارج ہے جیسا کہ چھلنیاں پانی کو روکتی نہیں بلکہ یکدم گرا دیتی

ہیں۔“

ترجمہ: ”تو تمہیں ہرگز اس کا وعدہ اور امید دلانا دھوکہ نہ دے دے کیونکہ آرزو میں اور خواب گمراہ کر

دیتے ہیں۔“

ترجمہ: ”سعادت ایک ایسی زمین پر پہنچ گئی جو دور واقع ہے اور جس تک صرف بے عیب مضبوط ترین نسل

والے اور تیز رفتار اونٹ ہی پہنچ سکتے ہیں۔“

ترجمہ: ”اس زمین تک صرف وہی اونٹنی پہنچ سکتی ہے جو جسمانی اعتبار سے بڑی اور مضبوط ہو اور باوجود تھکاوٹ

کے وہ تیز رفتاری سے فاصلہ طے کرتی ہو۔“

ترجمہ: ”اس اونٹنی کی گردن اور ٹانگیں موٹی ہوں اور اپنی بناوٹ و ساخت میں دوسری اونٹنیوں پر سبقت

رکھتی ہو۔“

ترجمہ: ”وہ اونٹنی انتہائی مضبوط، سخت اچھی نسل والی خالص نسل والی، لمبی کمر والی، طویل گردن والی،

سبک سیر اور تیز رفتار ہو۔“

شاعری

حضور ﷺ نے فرمایا: ”بعض اشعار میں دانائی کی باتیں ہوتی ہیں۔ ایک اور حدیث نبوی ہے: ”حکمت و دانش مومن کی گمشدہ متاع ہے۔“

جب شعر کا پڑھنا جائز ٹھہرا تو اسے ترنم، خوش الحانی، حدی، نصب، رمل اور رجز کی صورت میں پڑھنا بھی درست ہے بشرطیکہ اس میں برے مقاصد، مخالفت اور حدود سے تجاوز نہ ہو۔

سماع اور بعض فقہاء و علماء

سماع کی اجازت بعض علماء اور فقہاء نے بھی دی ہے اور اسے جائز سمجھا ہے مثلاً مالک بن انس علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک دو پہر کو کسی شخص کو جو ان کے دروازے پر اجازت طلب کر رہا تھا۔ یہ شعر گاتے ہوئے سنا۔

ترجمہ شعر:

”اے رباب! تیری قوم کو کیا مصیبت ہے کہ انہوں نے آنکھیں سکیڑ رکھی ہیں جیسے وہ غصے میں ہوں۔“

۱ صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

۲ سنن ترمذی میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

مالک بن انس نے اس شخص سے کہا کہ تو نے ایک تو لفظوں کی ادائیگی ٹھیک نہیں کی، دوسرے تو نے قبولے سے محروم کر دیا۔ اس شخص نے آپ سے پوچھا کہ ادائیگی کس طرح ہو۔ اس پر آپ نے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ یہ کہتے بھرو کہ میں نے اسے انس بن مالک سے سیکھا ہے۔

انس بن مالکؓ اور اہل مدینہ کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ وہ سماع کو ناپسند نہیں کرتے تھے اور اس کے جواز میں کئی روایات ہیں جن کے راوی عبد اللہ بن جعفر، عبد اللہ بن عمرو اور دیگر کئی صحابہ و تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے بھی سماع اور ترم سے اشعار پڑھنے کو جواز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس میں آداب و شرائط سماع کی پابندی کی جائے۔

ابن جریج علیہ الرحمہ کہا کہنا ہے کہ یمن سے میرے کوچ کرنے اور مکہ میں اقامت اختیار کرنے کا سبب فقط دو شعر تھے جو میں نے کسی سے سنے۔ اشعار یہ ہیں۔ ترجمہ اشعار:

”خدا کی قسم! میں یہ بات بغیر کسی خفگی کے کہہ رہا ہوں کہ یمن میں طویل قیام سے تو کیا چاہتا ہے۔

اگر تو نے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا تھا یا ارادہ کر لیا تھا تو تجھے ایسے میں بیت اللہ کا حج نہ کرنے سے کیا

وصول ہوا۔“

ابن جریج کے بارے میں ایک واقعہ یہ ہے کہ وہ چونکہ سماع کو جائز سمجھتے تھے اس پر کسی نے ان سے پوچھا کہ جب قیامت کو آپ کو بھی لایا جائے گا اور آپ کے گناہوں اور نیکیوں کو بھی پیش جائے تو آپ کا سماع نیکی و برائی میں سے کس پلڑے میں ہوگا۔ آپ نے جواب دیا: نہ نیکیوں میں اس کا شمار ہوگا اور نہ برائیوں میں کیونکہ سماع مشابہ ہے لغو سے اور لغو کا ذکر اللہ نے ایک مقام پر اس طرح فرمایا ہے:

لَا يُؤَخِّدُكُمْ اللَّهُ بِاللُّغُوِّ فِيْ اٰيٰتِنَاۙ نَكُحُ [البقرہ: ۲۲۰]

ترجمہ: ”اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے۔“

الغرض عوام الناس کے لیے سماع کا جواز فقط اس شرط پر ہو سکتا ہے کہ سماع کے دوران ان کے پیش نظر فاسد مقاصد نہ ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے جن سازوں مثلاً کمان کی تانیں، بانسری، طبلہ، ڈگڈگی اور دیگر گانے بجانے کے آلات کے ساتھ سماع کے سننے سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہیں کیونکہ ان سازوں کے ساتھ سماع اہل باطل کا سماع ہے جسے احادیث صحیحہ کے مطابق ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

سماع خواص اور ان کے درجات

میں نے ابو عمر و اسماعیل بن نجید سے اور انہوں نے ابو عثمان سعید بن عثمان رازنی و اعظم کو یہ کہتے ہوئے سنا:

سماع کی تین قسمیں ہیں:
 پہلی قسم کا سماع مریدین و مبتدیوں کے لیے ہے جس کے ذریعے وہ اعلیٰ احوال تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں ان سے یہ خدشہ بھی ہرتا ہے کہ کہیں وہ ریا کاری و فتنے کا شکار نہ ہو جائیں۔
 دوسری قسم کا سماع صدیقیوں کے لیے ہے جس کے ذریعے وہ اپنے ماحول میں اضافہ کرتے ہیں اور وہی کچھ سنتے ہیں جو ان کے مقامات و احوال کے موافق ہو۔

تیسری قسم کا سماع عارفین، عارفین میں سے اہل استقامت کا ہے۔ ان لوگوں کا حال بوقت سماع یہ ہوتا ہے کہ ان پر کسی طرح کی حرکت یا سکون کی کیفیت طاری ہو وہ اس میں کوئی بات ایسی نہیں کرتے جس سے اللہ پر اعتراض یا اس کی نافرمانی کا عنصر شامل ہو۔

ابو یعقوب اسحاق بن محمد ایوب نہر جوری کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کا قول ہے:

اہل سماع کے تین طبقے ہوتے ہیں:

پہلے طبقے والے اپنی حرکت یا سکون کی حالت میں اپنے وقت کے مطابق رہتے ہیں۔

دوسرے طبقے والے خاموش اور پرسکون رہتے ہیں۔

تیسرے طبقے والے اپنے ذوق میں محبوظ ہو جاتے ہیں اور یہی طبقہ ہے جو کمزور ہے۔

بندار بن حسین کہتے ہیں: ”سماع کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم میں سماع سننے والے اپنی طبیعت کے موافق سنتے ہیں۔

دوسری قسم کا سماع وہ جسے حال کی کیفیت کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ اور تیسری قسم میں سماع کو حق کے ساتھ اختیار کیا جاتا

ہے۔“

طبیعت کے مطابق سننے میں خاص و عام دونوں شامل ہیں۔ ہر ذی روح اچھی آواز کو پسند کرتا ہے کیونکہ روح کے ناطے یہ ذوق لازمی ہے۔ اور جو شخص اپنے حال کے مطابق سنتا ہے۔ وہ اس میں غور فکر کرتا ہے حتیٰ کہ اس پر بعض کیفیات کے ذکر سے ایک مخصوص حالت طاری ہوتی ہے۔ کیفیات یہ ہیں مثلاً، عتاب، خطاب، وصل، ہجر، قرب، بعد، کسی چیز کے کھودینے کا افسوس، مستقبل میں کسی واقعہ ہونے والی چیز کے لیے شوق و انتظار، طبع، خوف عذاب، مانوس ہونا، سہولت و کشائش، جدائی کا غم، پاس عہد، تصدیق وعدہ، وعدہ شکنی، بے قرار، اشتیاق مسرت وصال، ناامیدی، خلوص و صفاء محبت، الفت میں استقامت، حصول مرتبہ کے بعد وقوع اشتیاق، وصل حبیب کے وقت رقیب کی نگہداری، تکالیف غم، اقسام فتنہ، چشم غم ہونا، اشک بہانا، آہیں بھرنانا اور حسرتیں باندھنا۔

جب سماع سننے والے پر مذکورہ بالا تمام کیفیات کو سننے کے نتیجے میں اس کے اپنے حال سے موافق ایک حال طاری ہو جائے تو یہ ایک ایسی مؤثر کیفیت ہوتی ہے کہ اس کے صفاء قلب کے مطابق اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نتیجتاً (اس کے باطن میں) ایک آگ بھڑک اٹھتی ہے جو اپنی شرار سے جو ارج پر پھینکتی ہے۔ ایسی کیفیت میں اس کے اعضا، جو ارج پر بیجان و مضطرب اور حرکت و تغیر کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے میں وہ اپنی بساط کے مطابق ضبط کرتا ہے اگر واردات سماع بہت قوی ہوں تو وہ اس کے ضبط کرنے سے عاجز بھی آ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں خدائے لم یزل کی ذات اقدس ہی ان کی رہنمائی و حفاظت فرماتی ہے۔ اگر اس دوران اللہ کی رحمت ان کے شامل حال نہ ہو تو سماع سننے والوں کی عقلیں جاتی رہیں اور ان کی روحیں ان کے جسم چھوڑ جائیں مگر جو سماع کو حق کے ساتھ اور حق سے جو سماع کو براہ راست سنتا ہے وہ مذکورہ کیفیات سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے احوال کی طرف التفات کرتا ہے کیونکہ چاہے یہ احوال کتنے ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہوں پھر بھی خط بشری سے مبرا نہیں ہوتے بلکہ انسانی حدود سے بھی مربوط ہوتے ہیں۔ اگر بندہ کا سماع اللہ کے ساتھ، اسی کے لیے، اسی سے بلا واسطہ اور اسی کی جانب ہو تو یہ احوال باوجود بشری اسباب رکھنے کے لغزش سے پاک اور صاف رہتے ہیں اور اس طرح کا سماع کرنے والے ہی حقائق شناس، احوال آگاہ، افعال و اقوال سے فانی، فقط اخلاص اور صفاء توحید سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان کی بشریت گم اور باقی دلچسپیاں فانی ہو جاتی ہیں۔ فقط ان کے حقوق باقی رہ جاتے ہیں۔ وہ خلق کے موارد کو حق کے ساتھ دیکھتے ہیں اور ان کا مشاہدہ ہر علت و خط بشری یا روح کی نعمت سے لطف اندوز ہونے سے مبرا ہوتا ہے۔ پھر وہ سماع کے واردات کے ذریعے اپنے قلوب پر اللہ کی حکمت کا مظاہرہ اور اس کی قدرت کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کی نظر اللہ کے عجائب لطف و غرائب علم تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ سماع سننے کے اعتبار سے اہل سماع کی تین اصناف ہیں۔ ایک وہ جنہیں ابناء حقائق (شناسیان حقیقت) کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سماع کے دوران اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو سماع میں اپنے احوال مقامات اور اوقات سے مخاطب ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔ اور جن حقائق کا وہ اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس میں صدق طلب کا جوہر موجود ہوتا ہے۔

تیسرے وہ جو خالصتاً فقیر ہوتے ہیں۔ یہ جملہ علاقے سے دور اور ان کے دل حسب دنیا سے پاک اور جمع و منع سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ یہی وہ طبقہ ہے جو خلوص دل کے ساتھ سماع سنتا ہے اور سماع سننا ان کے لائق ہے۔ یہ سب لوگوں سے بڑھ کر سلاستی کے نزدیک اور فتنے سے محفوظ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

طبقاتِ اہلِ سماع

سماعِ قرآن کرنے والا طبقہ
اہلِ سماع کے مختلف طبقے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے لیے سماع کا ایک طریق رکھتا ہے۔ یہاں اس باب میں اس طبقے کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے فقط سماعِ قرآن کو اختیار کیا اور مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا: ارشادِ باری ہے:

وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿۱﴾ [المزمل: ۱]
ترجمہ: ”اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔“

فرمایا:

أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿۲﴾ [الردع: ۲]
ترجمہ: ”سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔“

اور فرمایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَابًا ۖ تَتَشَعَّرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۗ ثُمَّ
تَلِيْنُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ [الزمر: ۲۳]
”اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی اس
سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل
نرم پڑتے ہیں یاد خدا کی طرف رغبت میں۔“

فرمایا:

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّت قُلُوبُهُمْ [الحج: ۳۰]
ترجمہ: ”کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں۔“

فرمایا:

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا ۗ [الحشر: ۲۱]
ترجمہ: ”اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو ٹھوس اور اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا۔“

فرمایا:

وَنُنزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۗ [بنی اسرائیل: ۸۲]
ترجمہ: ”اور تم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔“

اور فرمایا:

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۗ [الزمر: ۱۸]

ترجمہ: ”ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔“

ان آیات مبارکہ کے علاوہ بھی اس ضمن میں کئی آیات ہیں جو بطور جنت کے پیش کی جاسکتی ہیں۔

سنا قرآن سے متعلق طبقے نے آیات کے ساتھ ساتھ بعض احادیث نبوی سے بھی استشہاد کیا ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے مزین کروں۔“

حضور رسالت ماب ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تلاوت قرآن کرو؟ ابن مسعود نے عرض کیا: میں کیونکر آپ کے سامنے تلاوت کرنے کی جسارت کروں کہ آپ پر قرآن اترا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے علاوہ دوسرے سے تلاوت قرآن کو سننا پسند کرتا ہوں۔ ۵

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو سورہ والذین والذین -- الخ تلاوت کرتے سنا۔ اور میں نے ان سے بڑھ کر اچھی قرأت کسی سے نہیں سنی۔

قولی رسول خیر الانام ﷺ ہے: ”مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے (جن میں عذاب الہی کا ذکر ہے) ابوہما کر دیا ہے۔“

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابوموسیٰ کو آل داؤد کی سی خوش الحانی عطا کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) بہترین قرأت کسی کی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی جو تلاوت کرے تو اللہ کا خوف رکھتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ اہل صفہ رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو کپڑے پھٹے ہوئے یا چھوٹے ہونے کے سبب ڈھانپ رہے ہیں اور قاری انہیں قرآن سنا رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جب یہ آیت پڑھی:

فَكَيْفَ إِذَا جُئْنَا مِنْ بَيْنِ أُمَّةٍ بِشَهَادَةٍ [النساء: ۶۱]

ترجمہ: ”تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں۔“

تو آپ پر جسے غشی سی طاری ہوگئی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

إِنْ تَعْلَمْ لَهُمْ قَاتِلَهُمْ عِبَادُكَ ۗ [المائد: ۱۷۸]

ترجمہ: ”اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔“

تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ ۵

رحمت دو عالم ﷺ کا یہ شعار تھا کہ جب بھی کوئی رحمت والی آیت پڑھتے تو دعا کرتے اور خوش ہوتے اور جب عذاب بیان کرنے والی آیت پڑھتے تو دعا کرتے اور اللہ کی پناہ مانگتے۔

جو بھی قرآن کو سنے اسے چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کو پیش نظر رکھے۔ آپ نے فرمایا: ”ایسی قرأت کا

۵ صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۶ قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ روایت سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور مسند بزار میں بروایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ جبکہ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے

کوئی فائدہ نہیں جس میں غور و فکر شامل نہ ہو۔“

قرآن کریم میں سماع قرآن کرنے والوں کی دو قسمیں بیان کی گئیں۔ ایک قسم کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۗ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنفَاۗءًا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ [محمد: ۱۶]

ترجمہ: ”اور ان میں سے بعض تمہارے ارشاد سنتے ہیں یہاں تک کہ جب تمہارے پاس سے نکل کر جائیں علم والوں سے کہتے ہیں ابھی انہوں نے کیا فرمایا۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی۔“

یہ تو تھے وہ لوگ جو قرآن کو اپنے کانوں سے سنتے ہیں مگر ان کے دل غیر حاضر ہوتے ہیں۔ اسی لیے ایسے لوگوں کی قرآن نے مذمت کی اور ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ [الانفال: ۲۱]

ترجمہ: ”اور ان جیسا نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے۔“

دوسری قسم کے بارے میں یہ آیت مبارکہ دیکھئے:

إِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَوَلَّىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضٌ مِّنَ النَّارِ مِتَاعًا خَرَجُوا مِنَ النَّحْيِ ۗ

[المائدہ: ۸۳]

ترجمہ: ”اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے اہل رہی ہیں۔ اس لیے کہ وہ حق کو پہچان گئے۔“

یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں توصیف فرمائی کیونکہ اپنے دلوں کو حاضر کر کے سماع قرآن کرتے ہیں۔ یہاں اگر میں ان تمام لوگوں کا ذکر کروں جو قرآن سننے یا تلاوت کرنے سے بے ہوش ہو گئے، جن پر گریہ طاری ہو گیا، جو مر گئے اور جن کے اعضاء جدا ہو گئے تو بیان بہت طول پکڑ جائے گا اور اختصار نہ رہے گا البتہ کچھ کے واقعات پیش ہیں۔ حضرت زارہ بن ادونی رضی اللہ عنہ جو صحابی تھے ایک مرتبہ امامت کر رہے تھے اور قرأت میں ایک آیت پڑھی تو وہ بے ہوش ہو گئے اور بعد میں انتقال کر گئے۔

اسی طرح ابو جہیر رضی اللہ عنہ جو تابعی تھے ان کے سامنے صالح المریری نے تلاوت قرآن کی تو وہ بے ہوش ہو کر رحلت کر گئے۔ ابو بکر شیلی علیہ الرحمہ سے ابو علی المغازی علیہ الرحمہ نے سماع قرآن کے بارے میں پوچھا کہ بعض اوقات میں قرآن کی کوئی آیت مبارکہ سنتا ہوں تو وہ مجھے ترکِ اشیاء اور دنیا سے منہ پھیرنے پر متنبہ کرتی ہے مگر میں کچھ دیر بعد پھر سے اپنی پہلی حالت یعنی اپنے احوال اور لوگوں کی طرف واپس آ جاتا ہوں۔

شبلی علیہ الرحمہ نے جواب دیا: قرآن کی جس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی طرف کھینچا وہ اس کا کرم تھا اور جب وہ تمہیں پھر سابقہ حالت کی طرف لوٹا لایا تو یہ تم پر اس کی شفقت تھی۔ اور یہ واپسی اسی لیے ہوئی کہ تم اللہ کی جانب متوجہ ہونے میں اپنی قوت و طاقت سے مبرا نہیں ہوتے۔

احمد بن ابی الحواری علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان دارانی علیہ الرحمہ نے کہا: بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ میں ایک ہی آیت کریمہ میں پانچ پانچ رات مسلسل مستغرق رہتا ہوں۔ اور اگر میں اس میں نور فلک کو ترک نہ کر دیتا تو اس سے آگے نہ بڑھ سکتا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک آیت سامنے آتی رہے اور عقل اس میں پرواز کرنے لگتی ہے۔ ایسے ہی وہی پاک ذات ہی اسے واپس لاتی ہے۔

جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سری سقطی علیہ الرحمہ کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک شخص بے ہوش پڑا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس نے ایک آیت سنی اور ہوش جاتے رہے۔ میں نے کہا کہ اتنی ہی آیت سنائی جائے جس سے یہ بے ہوش ہوا تھا۔ یہی عمل کیا گیا اور وہ شخص ہوش میں آ گیا۔ سری علیہ الرحمہ کہنے لگے۔ یہ علاج تمہیں کس طرح سوجھا؟ میں نے کہا کہ مجھے یہ معلوم تھا کہ یعقوب علیہ السلام کی بیٹائی چلے جانے کا سبب مخلوق (یعنی تمہیں یوسف علیہ السلام) تھی اور اس مخلوق کے ذریعے ہی ان کی بیٹائی لوٹ آئی تھی۔ اگر ان کی بیٹائی کے چلے جانے کا سبب حق ہوتا تو کبھی مخلوق کے ذریعے نہ لوٹتی۔ میرا یہ جواب ان کو بہت پسند آیا۔

ایک صوفی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک رات کو بار بار یہ آیت پڑھتے تھے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ [آل عمران: ۱۸۰]

ترجمہ: ”ہر جان کو موت چکھنی ہے۔“

اسی دوران ہاتف نے صدادی کہ کب تک یہ آیت دہراتے چلے جاؤ گے۔ اب تک اس نے چار ایسے جنوں کو ہلاک کر ڈالا ہے جنہوں نے اپنی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی اپنے سر آسمان کی طرف نہیں اٹھائے۔ میں نے احمد بن مقاتل کی کو کہتے سنا: میں ایک مسجد میں ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ کے پہلو کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ امام نے یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا كِتَابَ هَذِهِ بِلَاغِنِي ۖ يَا لَيْتَنِي آوَحَيْتُنَا إِلَيْكَ [بنی اسرائیل: ۸۶]

”اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے۔“

آیت سننے ہی انہوں نے ایک ایسی چیخ ماری کہ مجھے ڈر ہوا کہ مبادا ان کی روح پرواز کر گئی تھوڑی دیر بعد میں نے ان کو دیکھا کہ ان پر کچکی طاری تھی اور بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ احباب ہی کو اس طرح مخاطب کیا جاتا ہے؟

جس نے سماع قرآن اختیار کرنا ہو وہ ان آیات و احادیث اور اخبار کے مطابق اختیار کرے جو ہم نے بیان کیں۔

ہر شخص کو سماع قرآن کے لیے حضور قلب، تدبر، تفکر اور عبرت حاصل کرنا ضروری ہے اور اس کے قلب پر قرأت قرآن سے جو کیفیت طاری ہوگی اس کے نتیجے میں وہ اپنی کیفیات پر سماع قرآن کے دوران غالب رہے گا۔ اگر اس پر حال طاری نہ ہوگا اور اس کے قلب میں قرآن کے سننے سے وجد کی کیفیت پیدا نہ ہوگی اور وہ ویسے ہی جوش میں آ جائے گا تو ایسے شخص کی مثال قرآن کریم کے ان الفاظ میں موجود ہے:

كُنُتَ الَّذِي يَتَعَفَى بِمَا لَا يَسْتَعْفَى [البقرہ: ۱۷۱]

ترجمہ: ”مثال اس کی سی ہے جو پکارے ایسے کو کہ خالی چیخ پکار کے سوا کچھ نہ سنے۔“

سماح قصائد و اشعار

اہل سماح کا وہ طبقہ، جس نے سماح قصائد و اشعار کو اختیار کیا ان کا استدلال رسول اللہ ﷺ کے قول ”بعض اشعار میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں“^۵ اور یہ کہ ”دانائی مومن کی متاع تم گشتہ ہے“ سے ہے۔^۵

اس طبقے کا موقف یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ چونکہ کلام اس کی صفت اور لافانی و غیر مخلوق ہے لہذا جب یہ ظاہر ہو تو یہ طاقب بشریت سے باہر ہے کہ اس کو برداشت کر سکے، نہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعض حصے دوسرے حصوں سے زیادہ بہتر ہوں اور نہ ہی اسے نعمات مخلوق کے ساتھ مزین کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ دوسری اشیاء آراستہ ہوتی ہیں اور یہی تمام اشیاء میں سے احسن ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿۱۷﴾ [القمر: ۱۷]

ترجمہ: ”اور بے شک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرمایا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔“

اور فرمایا:

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا ﴿۲۱﴾ [الحشر: ۲۱]

ترجمہ: ”اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور اسے دیکھتا ہوا پاش پاش ہوتا۔“

اگر قرآن کریم کی آیات بیانات کو ان کے حقائق سمیت قلوب پر نازل فرماتا اور قرآن کی تلاوت کے دوران اس کی بیبت و تعظیم میں سے ایک ذرہ برابر بھی قلوب پر منکشف فرماتا تو دل مارے دہشت و تیر کے پھٹ جاتے۔

اس طبقہ کے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک شخص قرآن کو کئی بار ختم کر جاتا ہے مگر اس کے دل پر کوئی رقت تلاوت کے دوران نہیں پیدا ہوتی مگر تلاوت خوش آوازی و ترنم سے کی جاتی ہے تو اس پر وجد و رقت طاری ہو جاتی ہے اور سننے میں بھی ایک لذت حاصل کرتا ہے۔ پھر یہی ترنم و خوش الحانی جب کلام الہی سے علاوہ کسی اور کے کلام کے ساتھ استعمال کی گئی تو بھی وہ لذت و لطف سے ہمکنار ہوا۔ اس تجربے سے اس طبقے والوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ تلمذ و لطف اور رقت و وجد جسے وہ قرآن سے متعلق سمجھتے تھے واقعتاً قرآن ہی سے ہوتا تو خوش الحانی و ترنم کے علاوہ تلاوت کے دوران میں جاری رہتا۔

پاکیزہ نفسگی طبائع کے موافق ہوتی ہے۔ اور اس کی نسبت حظوظ کی ہے حقوق کی نہیں۔ اور قرآن اللہ جل و ذکرہ کا کلام ہے۔ اس کی نسبت حقوق کی ہے حظوظ کی نہیں اور ان قصائد و اشعار کی نسبت بھی حظوظ کی ہے حقوق کی نہیں۔

اگرچہ اہل سماح درجات و خصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں مگر سماح یکساں طور پر طبائع کے موافق، حظ نفس کا سامان اور روح کے لیے نعمت ہے۔ کیونکہ دلکش آوازوں اور پاکیزہ نعمات میں جو لطافت پنہاں ہے اس سے ہی تو سماح عبارت ہے۔

قصائد و اشعار میں رقیق مضامین، رقت، فصاحت، لطافت اور اشارات موجود ہوتے ہیں۔ اور جب ان اشعار و قصائد کو خوبصورت نغموں کی صورت میں ڈھال لیا جاتا ہے اور یہ دونوں یعنی نغمہ و شعر آپس میں ہم آہنگ ہوتے ہیں تو یہ سردی لذتوں سے قریب اور قلوب پر ایک لطیف سا بار بن کر نازل ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے بھی کم خطرناک ہوتے ہیں کہ یہ ان دونوں کا یا ہم مربوط ہونا مخلوق کا مخلوق سے مربوط ہونا ہے۔

جس شخص لے سماع قرآن کے بجائے سماع قصائد و اشعار کو اختیار کیا تو اس لیے کہ اسے قرآن کی تعظیم کا خیال تھا اور وہ اس خطرے سے دور رہنا چاہتا تھا کیونکہ قرآن کلام حق ہے اور انسانی نفس پر اگر انوار حقائق ظاہر ہو جائیں اور اپنے معانی اس پر واضح کر دیں تو وہ سکڑ کر رہ جاتا ہے، اپنی اپنی حرکات سے ساکن ہو جاتا ہے اپنے حظوظ کو فنا کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب تک بشریت باقی رہتی ہے اور ہم اپنی صفات و حظوظ کے ساتھ اپنی روجوں کو دردناک نغموں اور اچھی آوازوں کے ساتھ لذت یاب کرتے ہیں۔ اُس وقت تک ہماری خوشی و انبساط انہی اشعار و قصائد کے حظوظ کی بقاء کے ساتھ زیادہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ ہم کلام اللہ کی نغمگی سے انبساط حاصل کریں جب کہ کلام اللہ اُس کی صفت ہے جو اس سے ہی ظاہر ہوتی اور اسی کی طرف لوٹتی ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے ترنم و نغمگی سے قرآن کی قرأت کو ناپسند کیا ہے۔ اور اسے ناجائز قرار دیا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَقِيلِ الْقُرْآنِ تَتَوَيَّلًا ﴿١٤﴾ [المزمل: 14]

ترجمہ: ”اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔“

اس آیت میں ترتیل قرآن سے متعلق حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ کلام الہی حق ہے۔ لافانی ہے اور انسان اپنی حادث و فانی طبائع کے سبب اس سے دوری سی محسوس کرتے ہیں۔ لہذا عوام الناس کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر دلکش آوازوں سے مزین کر کے اسے پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ اگر قلوب حاضر ہوں، باطن صاف ہوں، اور نفوس مؤدب ہوں تو پھر خوش الحانیوں اور خوش آواز یوں کی ضرورت ہی نہیں۔

ساکین اور مبتدئین کے احوالِ سماع

میں نے ابو عمرو و عبد الواحد بن علوانؓ سے مالک بن طوقؓ کے گھر کے صحن میں اس سے یہ واقعہ سنا کہ ایک نوجوان جنید علیہ الرحمہ کی مجلس میں رہتا تھا وہ جب بھی کوئی تصوف کا نکتہ ان کی زبانی سنتا تو اس کی چیخ نکل جاتی۔ جنید علیہ الرحمہ نے ایک دن اس سے کہا: اگر تو نے یہ حرکت دوبارہ کی تو میں تجھے اپنی مجلس سے نکال دوں گا۔ اس کے بعد جنید علیہ الرحمہ جب بھی کوئی تصوف کا بحث چھیڑتے تو اس نوجوان کا رنگ متغیر ہو جاتا مگر اس قدر ضبط سے کام لیتا کہ اس کے ہر مومئے بدن سے پانی کا قطرہ ٹپک پڑتا۔ مجھے ابو عمرو نے یہ بتایا کہ اس نوجوان نے ایک روز اس زور سے چیخ ماری کہ دل پھٹ گیا اور دنیا سے گزر گیا۔

میں نے خواص علیہ الرحمہ کے ایک مرید ابو الحسین سیروانیؓ کو دیماط میں جنید علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا کہ انہوں نے کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے سماع سنا اور نکلنے نکلنے ہو گیا۔ اور ایک دوسرے شخص کو دیکھا کہ اس نے ذکر سنا اور مر گیا۔

میں نے دق علیہ الرحمہ سے سنا کہ انہوں نے کہا: ابو الحسین درراجؓ نے کہا کہ میں اودا بن الفوطیؓ بصرہ اور ابلہ کے درمیان وجلہ پر سے گزر رہے تھے کہ ہماری نظر ایک نہایت خوش منظر محل پر پڑی جس کے جھروکے میں ایک شخص بیٹھا تھا اور ایک مغنیہ اس کے سامنے کھڑی یہ شعر گارہی تھی۔ ترجمہ شعر:

”میری محبت تو تیرے لیے اللہ کی راہ میں صرف کی جا رہی ہے مگر تو ہے کہ ہر روز رنگ بدلتا ہے یہ طریق تیرے لیے اچھا نہیں۔“

اسی وقت محل کے نیچے ایک نوجوان بیٹھے پرانے کپڑے پہنے ہاتھ میں چھانگل لیے یہ شعر سن رہا تھا۔ اس نے گانے والی لڑکی سے کہا: اے لڑکی! تجھے اللہ اور اپنے آقا کی قسم! مجھے یہی شعر پھر ایک بار سناؤ۔ لڑکی نے پھر شعر سنا یا۔ نوجوان نے کہا: بخدا! میرا حال بھی حق تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ ہر روز رنگ بدلتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک آہ بھری پھر الحمد للہ کہا اور ہم نے ٹٹولا تو وہ بے جان تھا۔

اس کے بعد ہم وہاں ٹھہر گئے کیونکہ ایک فرض کی ادا ہو گئی تھی ہم پر لازم ہو گئی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ گانے والی لڑکی کو اس کے مالک نے کہا: جا تو آج سے اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔ اس کے بعد ہم نے یہ بھی دیکھا کہ بصرہ کے لوگ آئے، اس نوجوان کا جنازہ پڑھا اور جب اس کو دفن کر چکے تو اس محل کے مالک نے باواز بلند کہا: کیا تم مجھے نہیں جانتے کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں میں تم سب لوگوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اپنی تمام ملکیت اللہ کی راہ میں قربان کرتا ہوں، میری تمام کنیزیں آزاد ہیں اور محل آج سے مسافروں کے لیے وقف کرتا ہوں اس کے بعد اس نے اپنا لباس اتار پھینکا ایک چادر کو ازار بنایا دوسری کو اوڑھ لیا اور ایک طرف کوچیل دیا لوگ اسے دیکھتے رہے اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ لوگ یہ منظر دیکھ کر رو پڑے۔ بہت عرصہ بعد تک نہ اس شکل کسی نے دیکھا اور نہ اس کی کوئی خبر سی۔ میں نے اس واقعے سے بڑھ کر معنی خیز اور یاد رہنے والا واقعہ کبھی نہیں دیکھا۔

میں نے احمد بن علی دجنیبی سے اور انہوں نے کہا میں نے ابو علی رودباریؒ کو یہ کہتے سنا کہ میں مصر میں داخل ہوا تو لوگوں کو
 حرا کی جانب سے واپس آتے ہوئے دیکھا۔ میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم ایک نوجوان کے جنازے
 سے آرہے ہیں۔ جس نے کسی کو ایک شعر کہتے ہوئے سنا اور چیخ مار کر مر گیا۔ شعر یہ تھا۔ ترجمہ شعر:
 ”اس شخص کی ہمت بلند ہے جس نے تجھے دیکھنے کی خواہش کی۔ کیا آنکھ کے لیے یہی کافی نہیں کہ
 اسے دیکھ لے جس نے تجھے دیکھا ہو۔“

دقی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ ابن اجلاء علیہ الرحمہ سے سنا اور انہوں نے کہا: میں نے مغرب میں دو
 واقعے بڑے عجیب نوعیت کے دیکھے۔ ایک یہ کہ میں نے جامع قیروان میں ایک شخص کو صفوں کے آگے سے گذرتا ہوا دیکھا جو
 لوگوں سے کچھ مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا: اے لوگو! مجھے صدقہ و خیرات دو، کیونکہ میں صوفی منس تھا اور اب ضعیف ہو گیا ہوں۔
 دوسرا واقعہ یہ کہ میں نے دو شیوخ دیکھے جن میں سے ایک کا نام جبلہ اور دوسرے کا نام زرینق تھا۔ دونوں کے شاگرد اور
 مریدین بھی تھے۔ ایک روز زرینق اور اس کے مریدین جبلہ سے ملنے گئے تو وہاں زرینق کے ایک مرید نے قرآن کی تلاوت
 کی جسے سن کر جبلہ کے ایک مرید نے چیخ ماری اور جان دے دی۔ وہ دن گزر اور صبح ہوئی تو جبلہ نے زرینق سے کہا کہ آپ کا وہ
 مرید کہاں ہے جس نے کل تلاوت کی تھی۔

اس شخص کو بلا یا گیا تو جبلہ نے اس سے تلاوت کرنے کو کہا، اس نے تلاوت کی تو جبلہ نے چیخ ماری اور قاری کی روح پر واز
 کر گئی۔ اس پر جبلہ نے کہا: ایک کے بدلے ایک (دنیا سے رخصت ہو گیا) اور جس نے اس کی ابتدا کی وہ زیادہ ظالم ہے۔
 محمد بن یعقوب علیہ الرحمہ نے جعفر مرقع علیہ الرحمہ جو اجل صوفیہ میں سے تھے، کا یہ واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ کسی جگہ
 مغل سماع میں موجود تھے کہ اچانک وجد میں آ کر کھڑے ہو گئے اور اسی کیفیت میں کہا: مریدین کا سلسلہ ہم پر ختم کر دیا گیا۔
 طالب کے لیے اس وقت تک سماع درست نہیں جب تک کہ وہ اسماء و صفات الہیہ سے باخبر نہ ہو۔ تاکہ وہ ایسی صورت
 میں اللہ سے اسی بات کو منسوب کرے جو شایان بارگاہ خداوندی ہو۔ اس کا قلب حب دنیا یا تعریف پسندی سے ملوث نہ ہو،
 اس کے دل میں نہ تو لوگوں سے طمع ہو اور نہ ہی مخلوقات کی طرف جھکاؤ۔ اور وہ اپنے قلب کی دیکھ بھال کرتا ہو۔ اپنے حدود کی
 حفاظت کرتا ہو اور اپنے وقت کا محفوظ ہو۔ اگر وہ ان مذکورہ شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے سماع کو اختیار کیا تو بلاشبہ اس کا یہ
 طریق سماع تائبین، سیرالی اللہ کرنے والے اور اللہ کا خوف رکھنے والے صوفیہ کے طریق سماع میں داخل ہوگا۔ اور ایسے میں وہ
 جو کچھ سنے گا وہ اسے مجاہدہ و معاملہ پر ابھارے گا۔ اسے چاہیے کہ بتکلیف سماع اختیار نہ کرے اور نہ ہی تلمذ کے لیے سے
 تاکہ کہیں اس طرح کی عادت اسے عبادت اور حفاظت قلب سے غافل نہ کر دے۔

اگر کہیں بھی اسے اس طرح کی شرائط کے مطابق سماع کرنے کا موقع نہ مل سکے تو اسے چاہیے کہ سماع کو ترک کر دے فقط
 وہاں پر سماع اختیار کرے جہاں ایسا ذکر جاری ہو جو اسے اللہ سے تعلق جوڑنے، اسے یاد کرنے کی اس کی حمد و ثنائیاں کرنے اور
 اس کی رضا چاہنے پر آمادہ کرے۔ اگر تو مبتدی ہو اور شرائط و آداب سماع سے بے خبر تو اسے شیوخ سے رجوع کر کے اس کے
 بارے میں معلومات حاصل کر لینی چاہئیں تاکہ وہ لہو و لعب کا شکار ہو کر شیطان کے دھوکے میں آ کر فقط لذت نفس میں ہی
 گرفتار ہو کر نہ رہ جائے۔

متوسط درجے کے شیوخ کا سماع

میں نے وجہی علیہ الرحمہ سے اور انہوں نے طیا کسی رازی علیہ الرحمہ کو یہ کہتے سنا کہ میں ذوالنون علیہ الرحمہ کے استاد اسرائیل علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ زمین پر بیٹھے اپنی انگلیوں سے کچھ کرید رہے تھے اور ساتھ ساتھ کچھ ترنم سے پڑھ رہے تھے جب مجھے دیکھا تو کہا: کیا تم کوئی چیز خوبصورت آواز سے پڑھ سکتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا تودل ہی نہیں ہے۔

میں نے ابوالحسن علی بن محمد صیرفی سے اور انہوں نے رویم کو جب کہ ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے مشائخ کو سماع کے وقت کیسا پایا؟ یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے انہیں سماع کے دوران اس طرح پایا کہ جیسے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑ یا گھس جائے۔

میں نے قیس بن عمر محضی علیہ الرحمہ سے سنا: وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ابوالقاسم بن مردان نہادندی تشریف لائے اور یہ ابوسعید خراز کی صحبت میں بھی رہ چکے تھے۔ یہ ایک عرصے سے سماع چھوڑ چکے تھے۔ میرے ساتھ ایک دعوت میں کسی شخص کو انہوں نے اشعار پڑھتے ہوئے سنا جس میں سے ایک مصرع یہ تھا۔ ترجمہ مصرع:

”پانی کے بیج میں پایا کھڑا ہے مگر اسے پانی نہیں پلا جاتا۔“

ہمارے سارے ساتھی اٹھتے تھے اور وجد کرتے تھے جب سب خاموش ہو گئے تو القاسم نے ہر ایک سے اس مصرع کا مفہوم پوچھا اور اکثر نے یہ مفہوم بیان کیا کہ مصرع میں پیاس سے مراد احوال کی پیاس ہے۔ اور یہ کہ بندہ روکا گیا ہوتا ہے اس حال سے جس کی اس کو تشنگی ہوتی ہے۔ مگر اس مفہوم سے کسی کو تشنگی نہ ہوتی تھی۔ بالآخر سب نے ابوالقاسم سے پوچھا کہ آپ اس کا مفہوم بتائیں اور انہوں نے کہا: اس مصرع کا مطلب یہ ہے کہ بندہ احوال کے وسط میں کھڑا ہوتا ہے اور تمام طرح کی کرامات اس کے ارد گرد ہوتی ہیں مگر ان میں ایک ذرہ بھی اسے نہیں دیا گیا ہوتا۔

میں نے یحییٰ بن رضا علوی سے بغداد میں سنا اور انہوں نے مجھے یہ واقعہ لکھا بھی تھا۔ ان کے مطابق ابوہلماں نام کے ایک صوفی نے گلی میں پودینہ بیچنے والے ایک شخص کو یہ آواز لگاتے سنا:

يَا سَعْتْرَ اَبْرَى

ترجمہ: ”جنگلی پودینہ!“

اور سنتے ہی غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو پوچھا گیا کہ غشی کا کیا سبب تھا؟ اس نے کہا: میں نے پوچھنا بیچنے والے کی آواز کو یوں سنا کہ جیسا وہ کہہ رہا ہو: اسع تری بتری (کوشش کرو گے تو میرے احسان کو پا لو گے)۔

اسی قصے کو سامنے رکھتے ہوئے مہشیر مسائخ و علماء نے یہ وضاحت کی کہ سماع کا ہر سماع پر اس کے وقت، حال اور کیفیت کے مطابق اثر ہوتا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور حکایت یہ ہے کہ عتبتہ الغلام علیہ الرحمہ نے کسی شخص کو یہ شعر کہتے سنا۔ ترجمہ شعر:

”آسمان کا پیدا کرنے والا رب پاک ہے اور اس میں شک نہیں کہ محبت کرنے والا تکلیف میں ہے۔“

عقبہ نے شعر سن کر کہا تو نے سچ کہا۔ اور ایک دوسرے شخص نے سن کر کہا تو نے جھوٹ بولا۔ اس پر ایک شیخ نے جو ان کیفیات سے واقف تھا، کہا: دونوں نے ٹھیک کہا۔ عقبہ نے محبت میں اپنی مشکلات و آلام کی بنا پر کہا کہ سچ ہے اور دوسرے نے محبت میں راحت و آرام پانے کی بنا پر کہا کہ جھوٹ ہے۔

احمد بن مقاتل علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ بغداد میں داخل ہوئے تو بہت سے صوفیاء ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور ان کے ہمراہ ایک قوال بھی تھا۔ انہوں نے ذوالنون سے عرض کیا کہ وہ قوال کو کچھ سنانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ اور انہوں نے اجازت دے دی۔

قوال نے یہ شعر گائے۔ ترجمہ اشعار:

”تیری تھوڑی محبت نے مجھے بتلائے عذاب کر دیا اس وقت کیا حالت ہوگی جب یہ پوری طرح مجھ پر غالب آ جائے گی۔“

تو نے میرے دل کی وہ ساری محبت اپنے لیے اکٹھی کر لی جو دوسروں کے لیے بھی مشترک تھی۔

کیا تو اس بتلائے غم پر ترس کھائے گا کہ محبت سے عاری لوگ تو ہستے ہیں اور وہ روتا ہے۔“

اشعار سن کر ذوالنون کھڑے ہوئے اور پھر منہ کے بل گر پڑے ان کے بعد ایک اور شخص بتکلف وجد کرتا ہوا اٹھا تو ذوالنون علیہ الرحمہ نے اس سے کہا: ذرا اس ذات والا صفات کی طرف بھی توجہ کرو، جو تمہاری اس بناوٹ کو دیکھ رہی ہے۔ ذوالنون علیہ الرحمہ نے اس بتکلف وجد کرنے والے سے جو کچھ کہا اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس کا قیام خالصتاً اللہ کے لیے نہیں تھا۔ اگر اس شخص کا وجد حقیقی ہوتا تو وہ نہ بیٹھتا ذوالنون علیہ الرحمہ کو کیونکر اس کے وجد کا علم ہو گیا اس کا جواب یہی ہے کہ مشائخ اپنے سے کم تر صوفیہ کے احوال کو اپنی قوت معرفت کے ذریعے جان لیتے ہیں۔ اور ان کے ذمہ پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ انہیں اپنی حدود سے تجاوز نہ کرنے دیں اور نہ ہی انہیں دوسروں کی کیفیت کا دعویدار بننے دیں۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے ایک مجلس سماع میں یہ شعر سنا۔ ترجمہ شعر:

”میں ہمیشہ تیری الفت و محبت میں ایک ایسے مقام پر فائز رہا کہ عقل وہاں تک پہنچنے پر ورطہ حیرت میں پڑ گئی۔“

شعر کا سنا تھا کہ وہ اٹھے اور وجد کرتے ہوئے چکر آنے لگے تو بانس کے ایک کھیت میں گر پڑے جسے تازہ کا ٹاٹا گیا تھا اور اس کے بڑے قریب حصے باقی تھے جو تلوار کی طرح کھڑے تھے۔ وہ اٹھ کر ان پر چلنے لگے اور صبح تک یہی شعر پڑھتے رہے۔ خون ان کے پاؤں سے جاری تھا بعد میں ان کے پاؤں اور پنڈلیاں متورم ہو گئیں جس کے نتیجے میں وہ چند دن زندہ رہ کر انتقال کر گئے۔

ابوسعید خراز کہتے ہیں کہ میں نے علی بن موفی جو اجل شیوخ میں سے تھے کہ اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک کہ وہ ایک مجلس سماع میں موجود تھے انہوں نے کوئی کلام سنا اور کہنے لگے کہ مجھے کھڑا کر دو۔ حاضرین نے انہیں کھڑا کر دیا، وہ وجد

کرنے لگے اور اسی حالت میں کہا کہ میں رقص کرنے والا شیخ ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے خود کو رقص کرنے والا اس لیے کہا وہ اس طرح اپنے حال کو اپنے حسیوں اور ساتھیوں سے چھپانا چاہتے تھے اور ان کا ایسا کہنا حسن ادب بھی ہے کیونکہ اس طرح کہنے سے وہ خود فحشی اور تسکین سے بچ رہتا ہے جو مبتدئیوں کے احوال میں سے ہیں۔

میرے کچھ دوستوں نے بتایا کہ ابو الحسن دراج علیہ الرحمہ نے کہا کہ میں نے بغداد سے یہ ارادہ کیا کہ یوسف بن الحسن علیہ الرحمہ سے رے میں جا کر ملاقات کروں اور انہیں سلام کروں۔ جب میں رے کے علاقے میں داخل ہوا تو ان کی رہائش گاہ کے بارے میں لوگوں سے پوچھا۔ مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ اس زندگی سے مل کر کیا کرو گے؟ یہاں تک کہ یہ بات سنتے سنتے میں تنگ آ گیا اور واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ اور وہ رات ایک مسجد میں گزاری صبح ہوئی تو میں نے سوچا کہ اتنی دور سے آیا ہوں تو اب انہیں کم از کم دیکھتا تو چلوں۔ اور میں نے پھر سے ان کی رہائش گاہ کا پتہ لوگوں سے پوچھا بہر حال میں اس مسجد تک پہنچ گیا جہاں وہ مقیم تھے۔ مسجد میں داخل ہوا تو انہیں محراب میں بیٹھا ہوا پایا۔ ان کے سامنے رحل میں قرآن کریم پڑا ہوا تھا اور وہ تلاوت کر رہے تھے۔ شیخ خوش شکل اور خوش ریش تھے۔ میں ان کے قریب گیا، سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں ان کے روبرو بیٹھ گیا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: بغداد سے۔ پھر پوچھا: کس لیے؟ میں نے جواباً کہا: سلام عرض کرنے کے لیے۔ کہنے لگے: اگر تمہیں کسی شہر میں کوئی شخص یہ کہتا: میرے پاس ٹھہرو میں تمہیں گھر اور لونڈی خریدوں گا تو کیا تم میری طرف آنے سے رک جاتے۔ میں نے عرض کیا: مجھے میرے اللہ نے اس طرح کی آزمائش میں ڈالا ہی نہیں اور اگر بتلا کر دیتا تو مجھے معلوم نہیں کہ میری کیا حالت ہوتی۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ کیا تم کوئی کام خوش آدازی سے پڑھ سکتے ہو۔ میں نے اثبات میں جواب دیا، انہوں نے کہا کہ سناؤ اور میں نے یہ شعر سنائے۔ ترجمہ شعر:

”میں نے تمہیں ہمیشہ میرے ساتھ تعلق توڑنے کی بنیاد ڈالتے دیکھا ہے اگر عقل مند ہوتا تو ایسی ہر بنیاد کو گرا دیتا۔“

(۲) میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں اور تیری گفتگو کا اکثر حصہ اے کاش کے لفظ میں پر مشتمل ہوتا ہے کاش کہ ہم اس طرح ایک دوسرے سے متعلق ہوتے کہ اُس میں اے کاش کے لفظ کی ضرورت ہی نہ رہتی۔“

یہ اشعار سنتے ہی انہوں نے قرآن کریم کو رکھ دیا اور اس قدر گریہ طاری ہوا کہ ڈاڑھی اور کپڑے تر ہو گئے، ان کی حالت قابلِ رحم تھی۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا: بیٹے! رے کے لوگوں کو مجھے زندگی کہنے پر ملامت نہ کرو کیونکہ میں صبح کی نماز سے بیٹھا تلاوت کر رہا ہوں مگر میری آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا مگر ان دو شعروں نے تو مجھ پر قیامت برپا کر دی۔ ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ اس شعر پر بہت کثرت سے وجد کیا کرتے تھے۔ ترجمہ شعر:

”تیری دوستی جدائی ہے تو تیرا پیار غصہ اور تیرا وصل قطعِ تعلق ہے تو تیری صلح، جنگ۔“

دقی علیہ الرحمہ ایک شب کو آدھی رات تک وجد کی حالت میں سر کے بل گرتے اور اٹھتے رہے۔ لوگوں کی حالت یہ تھی کہ روئے جاتے تھے اور قوال یہ شعر گارہے تھے۔ ترجمہ شعر:

”خدا را! اس دل گرفتہ کا دل لو نا دو جس کے لیے اس کے حبیب کا کوئی بدل ہی نہیں۔“

سماع کے بارے میں مخصوص اہل کمال صوفیاء کا طرزِ عمل

ابوالحسن احمد بن محمدؒ میں نے بصرہ میں سنا اور انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا اور انہوں نے فرمایا: میں ساٹھ برس سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کی خدمت کی مگر کبھی قرآن کریم یا کوئی کلام سننے سے ان کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں دیکھا۔ عمر کے آخری دنوں میں کسی نے ان کی موجودگی میں یہ آیت تلاوت کی:

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ [الحديد: ۱۵]

ترجمہ: ”تو آج تم سے کوئی فدیہ لیا جائے۔“

میں نے انہیں آیت سننے کے بعد دیکھا کہ وہ کپکپائے اور قریب تھا کہ گر پڑتے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو میں نے اس کے بارے پوچھا۔ آپ نے کہا: ہاں پیارے! اب ہم ضعیف ہو چکے ہیں۔

ابن سالم علیہ الرحمہ نے بھی اپنے والد سے سنا کہ انہوں نے کہا میں نے سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کو دوسری بار اس طرح دیکھا کہ میں ان کے روبرو بیٹھا آگ تاپ رہا تھا اور ان کے شاگردوں میں سے ایک نے سورہ فرقان پڑھنا شروع کی۔ جب وہ ”الملك يومئذ الحق للرحمن۔“ تک پہنچا تو سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ مضطرب ہو گئے اور قریب تھا کہ گر پڑتے۔ میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ اس کا سبب میری ضعیفی ہے۔

میں نے ابن سالم علیہ الرحمہ کو یہ کہتے سن کر میں نے سہل بن عبد اللہ سے کہا کہ آپ کی مراد تغیر و اضطراب سے اپنے حال کا کمزور ہو جانا ہے۔ یہ بتائیے کہ حال کس طرح قوی ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: مجھ پر واردات بھی ہوتی ہیں میں انہیں اپنے حال کی قوت سے برداشت کر لیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ واردات کتنی بھی قوی کیوں نہ ہوں اس کو متغیر نہیں کر سکتیں۔

اس ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول علم تصوف میں ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ قول آپ نے اس موقع پر کہا جب انہوں نے ایک شخص کو قرآن پاک کی تلاوت کے دوران روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

ہماری حالت بھی ایسی ہی تھی یہاں تک کہ بعد میں ہمارے دل سخت ہو گئے۔ یعنی مضبوط اور ثابت قدم ہو گئے۔ لہذا ایسی حالت میں سماع سے ان میں کوئی تغیر نہ پیدا ہوتا کیونکہ ان کی حالت سماع سے پہلے اور بعد میں یکساں ہوتی تھی۔

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میری حالت نماز سے پہلے اور نماز کے دوران ایک جیسی رہتی ہے۔ کیونکہ ان کا قلب پہلے سے ہی صاف، حاضر اور اللہ کی طرف لگا ہوا ہوتا ہے اور یہی کیفیت نماز کے لیے ہوتی ہے۔ لہذا نماز کے دوران انہیں تغیر کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور ان کی کیفیت نماز میں بھی وہی رہتی ہے جو نماز سے قبل ہوتی ہے۔

اسی اصول کو بنیاد بناتے ہوئے ان کی سماع کے دوران وہی کیفیت ہوتی ہے جو اس سے پہلے ہوتی ہے اس طرح ان کا سماع اور وجد مسلسل رہتا ہے ان کی تشنگی جاری رہتی ہے اور ان کی سیری ہمیشہ متصل رہتی ہے۔ جب ان کی سیری میں اضافہ ہوتا ہے تو تشنگی بھی بڑھتی ہے اور اس طرح ان کا تعلق ہمیشہ اللہ کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

احمد بن علی الکرجی المعروف بـ الوجبیؒ کہتے ہیں: صوفیہ کی ایک جماعت حسن تراز علیہ الرحمہ کے گھر میں موجود تھی اور

تو ال بھی تھے جو گاتے جاتے تھے اور وہ سب وجد کرتے جاتے تھے کہ اتنے میں مشاد علیہ الرحمہ وہاں آنکے جب ان کی نظر ان پر پڑی تو سب خاموش ہو گئے۔ مشاد علیہ الرحمہ نے کہا: کیا بات! تم سب خاموش کیوں ہو گئے۔ اسی حالت پر لوٹ جاؤ جس پر تھے۔ اگر دنیا کے تمام ساز بھی چھیڑ دیئے جائیں تو یہ میرے دل کو میرے رب سے غافل نہیں کر سکتے۔

مشاد علیہ الرحمہ کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے وہ بھی کچھ عجیب نہیں کیونکہ اہل کمال کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ کسی خارجی واردات کے لیے ان کے اندر کوئی توجہ موجود ہی نہیں ہوتی اور ان کے طابع اور بشریت میں سے اگر کوئی حاسہ باقی بھی ہوتا ہے تو بدلا ہوا اور نہایت آراستہ کہ نعمات و ترنم سے یا خوش الحانیوں سے کوئی لذت حاصل نہیں کرتا کیونکہ ایسے لوگوں کے غم جدا اور ان کے باطن پاک ہوتے ہیں ان پر لوگوں سے ملنا، اظلماتِ نفس اور حواس کی کدورتیں اثر انداز ہی نہیں ہو سکتیں اور یہ مقام اللہ ہی چاہے جس کو عطا کر دے۔

ابو القاسم علیہ الرحمہ سے کہا گیا کہ آپ قصائد بھی سنتے ہیں اور اپنے مریدین کے ساتھ سماع میں وجد کی حالت میں حرکت بھی کرتے رہتے ہیں مگر اس وقت بالکل ساکت کیوں ہیں؟ اس پر حضرت جنید علیہ الرحمہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عِنْدَ اللَّهِ بِرَبِّكَ فَاعْتَدِلْ
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عِنْدَ اللَّهِ بِرَبِّكَ فَاعْتَدِلْ

[النمل: ۸۸]

ترجمہ: ”اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جسے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادلوں کی

چال۔ یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔“

گویا انہوں نے اس آیت سے اس طرف اشارہ کیا کہ تم تو میرے ظاہری سکون اور طمانیت کو دیکھ رہے ہو مگر یہ نہیں جانتے کہ میرا دل اس وقت کس حال میں ہے۔ یہ کیفیت بھی سماع میں اہل کمال ہی کا وصف ہے۔

صوفیہ اور محافلِ سماع

اس طرح کے باکمال صوفیہ کم ہی محافلِ سماع میں جاتے ہیں اور اگر جاتے ہیں تو اس کی بھی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض اوقات تو وہ اپنے کسی بھائی (صوفی) سے تعاون کی خاطر ایسا کرتے ہیں اور کبھی اس لیے کہ وہ اپنی علمی وجاہت اور علم تصوف میں تبحر کی بنا پر چلے جاتے ہیں تاکہ وہ وہاں جا کر محفلِ سماع کے آداب اور شرائط سے لوگوں کو آگاہ کریں اور بعض مرتبہ تو اپنے مشرب سے ہٹ کر دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی محفلِ سماع میں چلے جاتے ہیں فقط ان کا دل رکھنے کے لیے اور خلافتاً مگر ایسی صورت میں اگر چہ وہ بظاہر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوتے ہیں مگر باطن ان سے جدا۔

ذکر، وعظ اور اقوال سننے کا بیان

ابوبکر زقاق علیہ الرحمہ کے حوالے سے مجھ تک یہ بات ابوبکر محمد داؤد دینوری الدقی علیہ الرحمہ کے ذریعے پہنچی۔ زقاق کہتے ہیں کہ میں نے جنید علیہ الرحمۃ سے توحید کے بارے میں ایک گفتگو سنی جس نے چالیس برس تک مجھے متاثر کئے رکھا اور اس کے بعد بھی ایک بیہوشی کی سی کیفیت جاری رہی۔

جعفر خلدی علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ خراسان کا ایک باشندہ ابوالقاسم جنید علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ابوالقاسم! کس وقت بندے کے لیے اس کی تعریف اور تنقیص یکساں ہو جاتی ہے؟ جنید علیہ الرحمۃ کے ہاں بیٹھے کچھ مشائخ میں سے ایک نے جواب دیا جب بندے کو اسپتال داخل کیا جائے اور اسے دوتھکڑیاں پہنا دی جائیں۔ اس پر ابوالقاسم نے اس شخص سے کہا یہ تمہارا معاملہ نہیں اور اس شخص کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس بندے کے لیے تعریف و تنقیص برابر ہو جاتی ہے جب اُسے یہ مکمل یقین ہو جائے کہ وہ مخلوق ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے ایک چیخ ماری اور وہاں سے چل دیا۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ دانشمندی اللہ کے عساکر میں سے ایک فوج ہے جس کے ذریعے وہ اولیاء کرام کے دلوں کو تقویت بخشتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بات جب دل سے نکلتی ہے تو دل میں اتر جاتی ہے اور جب فقط زبان سے ادا ہوتی ہے تو کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔

الغرض اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں کہ لوگوں نے کوئی ذکر، وعظ یا اچھی بات سنی اور ان کے باطن میں ایک وجد اور سوزش کی سی حالت پیدا ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی آنکھیں تمہیں اس کی باتوں سے دور نہیں لے جاتیں اس کی باتوں سے تمہیں نصیحت نہیں مل سکتی۔

ابو عثمان حمری علیہ الرحمہ کا قول ہے: ایک دانش مند کا نعل جو وہ ہزار آدمیوں کے سامنے پیش کرے وہ ہزار آدمیوں کے ایک آدمی کو پند و نصیحت کرنے سے کہیں زیادہ نفع بخش ہے۔

غیب سے جو واردات و اثرات سننے یا دیکھنے جاتے ہیں دلوں پر بہت قوی اثر مرتب کرتے ہیں بشرطیکہ دل پاک اور ان سے ہم آہنگ ہوں وگرنہ بصورت دیگر یہ اثر کمزور ہوتا ہے۔ مگر اہل استقامت و اہل صدق و کمال اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ وہ اس مقام سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ اور احساسِ تیز سے مبرا ہو چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ ان اثرات سے متغیر نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض اوقات ان کے اذکار کی تجدید کر دی جاتی ہے جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں اور ان کی روحانیت کی تجدید کر دی جاتی ہے جب وہ حکمت کی باتیں سنتے ہیں۔

الغرض صوفیہ کے سماع کے بارے میں ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ جو کچھ قرآن کریم سے یا قصائد و ایات وغیرہ کی صورت میں سنتے ہیں اس سے ان کی مراد فقط حسن نغمہ اور خوش آوازی سے تملذ نہیں ہوتا بلکہ رقت و بیجان اور وجد کی کیفیات تو ان کے باطن میں خوش الحانیوں اور نغمگیوں کے بغیر بھی موجود ہوتی ہیں جب کہ سکون و طمانیت کی کیفیت آوازوں اور نغموں کے ہوتے ہوئے بھی ان کے اندر موجود ہوتی ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جو کچھ بھی سنتے ہیں اس سے ان کی کیفیت وجد کو تقویت ملتی ہے۔

سماع سے متعلق کچھ اور باتیں

ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ سماع کا سارا دار و مدار سننے والوں کی اندرونی کیفیات پر ہے کہ وہ کس طرح سے اسے سنتے ہیں اور اس سے ان کی باطنی روحانی ہم آہنگی ہے کہ نہیں۔ جب وہ کوئی کلام سنتے ہیں اور وہ ان کے وقت اور حال سے موافقت رکھتا ہو تو اس سے ان کے باطنی اسرار اور ضمیر کو تقویت ملتی ہے۔ ایسے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں، اپنے وجد کی بنا پر کہتے ہیں۔ اور جو اشارہ کرتے ہیں اپنے ارادے اور صدق کی بناء پر کرتے ہیں۔ ان کو اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ شاعر یا کہنے والے کی اپنے کلام سے کیا مراد ہے۔

قاری کی غفلت انہیں کسی طرح بھی پریشان نہیں کر سکتی کیونکہ وہ خود ہوشیار ہرتے ہیں اور انہیں ذاکر کی پراگندگی سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود اپنے حواس جمع رکھتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے کے احوال ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔ دونوں کے اوقات باہم مشابہ ہو جاتے ہیں اور دونوں کے ارادے ایک سے، ایسے ہی حال قوی تر، وقت خالص تر اور اسباب پوشیدہ تر ہوتے ہیں۔ اور جب اللہ کی توجہ اور توفیق ان کے شامل حال ہو تو وہ جملہ حالات میں لغزشوں سے محفوظ اور اسباب سے مبرا ہوتے ہیں۔ اب اس ضمن میں چند حکایات بیان کی جاتی ہیں:

محمد بن سروق بغدادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میں اپنے دو جاہلیت میں ایک رات نسنے کی حالت میں باہر نکال اور شعر گانے لگا۔ ترجمہ شعر:

”ظہیر ناباذ کے مقام پر انگور کے باغ ہیں۔ اور میں جب بھی وہاں سے گزرا ہوں تو مجھے اس بات نے حیران کر دیا کہ وہاں کے لوگ پھر بھی پانی پیتے ہیں۔“

میں یہ شعر گا ہی رہا تھا کہ میرے کانوں میں کسی کی آواز پڑی جو اسی بحر میں یہ گیت گارہا تھا۔ ترجمہ شعر:

جنہم میں ایسا پانی ہے جو خلق سے اترتے ہی پیٹ میں اتزویوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

یہی شعر میری توجہ اور علم تصوف و عبادت کی طرف متوجہ ہونے کا سبب بنا۔

یہاں اس بات کو دیکھئے کہ جب اللہ کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی تو اس کے اندر سے باطل کا صفایا ہو گیا۔ اور اس کا باطل ہی اس کے لیے اللہ کی توفیق کے ذریعے نجات کا سبب بن گیا۔

ابوالحسن بن زرعان کہتے ہیں کہ میں ایک شخص کے ساتھ بصرہ کے باغات میں سے گزرا رہا تھا کہ میں نے کسی کو ظہور پر یہ شعر گاتے ہوئے سنا۔ ترجمہ اشعار:

”اے حسین چہرے رکھنے والو! جو انصاف تم ہمارے ساتھ ایک طویل عرصہ سے کر رہے ہو وہ دراصل تم سب ہمارے ساتھ ظلم کر رہے ہو۔ حق تو یہ تھا کہ جب ہم تمہاری محبت کی آزمائش میں ڈالے گئے تو ہمارے ساتھ انصاف کرتے۔“

یہ اشعار سن کر میرے ساتھی نے ایک چیخ ماری اور کہنے والے سے کہا گیا ہوتا اگر تم اس طرح کہتے۔ ترجمہ اشعار:
 ترجمہ: ”اے خورود! عنقریب تم مر جاؤ گے تمہارے رخسار اور تمہاری آنکھیں بوسیدہ ہو جائیں گی۔

اور اس کے بعد تم فقط ایک نشان بن کر رہ جاؤ گے۔ اور یہ جان لو کہ یہ ایک یقینی امر ہے۔“
 کیا آپ نے دیکھتے کہ ابوالحسنؑ کے ساتھی نے جو کچھ کہا وہ ان کے باطنی احساسات کے عین مطابق تھا اور اول الذکر اشعار کے قائل کے موضوع سخن نے انہیں اس وجہ سے متاثر نہیں کیا کہ ان کے اپنے قلب پر حقائق کا غلبہ تھا اور ان کا باطن وجد سے معمور تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَكْرُودًا مَكَرَ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَلِيمُ الْكَافِرِينَ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: ”اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔“

ابو بکر شیلی علیہ الرحمۃ سے کسی شخص نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی وضاحت چاہتے ہوئے پوچھا: مجھے ان کے مکر کا علم تو ہے کہ انہوں نے ایسا کیا مگر ان کے ساتھ اللہ کے مکر کرنے کا کیا مفہوم ہے؟ آپ نے جواب دیا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جس پر وہ تھے۔ اگر وہ بدلنا چاہتا تو ان کی حالت بدل جاتی۔ ابو بکر شیلی کو اس کے بعد یوں لگا کہ جیسے مسائل کو تشفی نہیں ہوتی۔ تب آپ نے اس سے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ فلاں طنزور بجانے والی اسی موضوع پر کہتی ہے۔

ترجمہ شعر:

”تیرے بغیر مجھے جو کام برا لگتا ہے اسے جب تو انجام دیتا ہے تو اچھا لگتا ہے۔“

دیکھئے کہ شیلی کا اشارہ اس طنزور بجانے والی کے ارادے سے ہٹ کر کس طرف ہے اور شیلی علیہ الرحمۃ کا یہ مثال پیش کرنا مصداق ہے اس حدیث کا کہ ”دانائی کی بات مومن کی گم شدہ متاع ہے۔“
 جہاں تک مجھے معلوم ہوا اوپر کے واقعے میں شیلی سے سوال کرنے والے ابو عبد اللہ بن خفیف علیہ الرحمۃ تھے۔

وہ صوفیا جو سماع، قرآن کو گانے کے انداز میں پڑھنے

اشعار و قصائد اور وجد و رقص کو صحیح نہیں سمجھتے

سماع، قرآن کریم کو گانے کے انداز میں قرأت کرنے، اشعار و قصائد پڑھنے اور بتکلف وجد و رقص کرنے کی محفلوں میں شرکت کرنے کو ناپسند کرنے کی مختلف وجوہات ہیں۔ کچھ لوگ اسے ائمہ متقدمین یا علماء تابعین سے منقولہ ان روایات کے زیراثر ناپسند کرتے ہیں جن کی رو سے وہ خود اسے ناپسند کرتے تھے۔ اور ان کی اتباع کی خاطر اسے مکروہ جانا کیونکہ ان کی حیثیت اسلام میں قابل تقلید ہے۔

بعض صوفیا کرام نے اسے فقط مریدین اور مبتدیوں کے لیے ناپسند گردانا کیونکہ ان کے لیے اس میں یہ خدشہ موجود ہے کہ مبادا وہ اس سے لذات نفسانی میں پڑ کر سب کچھ بھولیں۔

ایک اور طائفہ صوفیہ کا کہنا ہے کہ ہم اسے اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اسے وہ طرح کے لوگ اختیار کرتے ہیں ایک وہ جو لہو و لب کے عادی ہو جاتے ہیں دوسرے وہ جو بلند احوال کے حامل، مقامات ارفع پر فائز، ریاضات و مجاہدات سے نفس کو مارے ہوئے، دنیا سے منہ پھیر لینے والے اور اللہ کی جانب کاملاً مشغول ہونے والے ہوتے ہیں۔ اب جب کہ ہمارا تعلق نہ اول الذکر گروہ سے ہے اور نہ ہم ثانی الذکر کے مقام پر فائز ہیں تو بہتر یہی ہے کہ سماع سے دامن بچائیں طاعات و فرائض کی طرف توجہ اور محرمات سے اجتناب نے ہمیں سماع سے دور رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔

احمد بن علی الوتیبی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابو علی علیہ الرحمۃ رو باری سے سنا وہ فرماتے تھے:

ہم اس سماع کے بارے میں جس مقام تک آچھتے ہیں اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے ہم تلوار کی دھار پر ہیں اگر جھک گئے تو آگ ٹھکانا ہے۔

جعفر الخلدی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جنید علیہ الرحمۃ نے کہا کہ میں ایک دن سری سقطی علیہ الرحمۃ کے پاس گیا تو انہوں نے پوچھا: تمہارے ساتھیوں کا کیا حال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عاشق ایک طویل بیماری کا مریض ہوتا ہے۔ اگر میں چاہتا تو اس چیز کا ضرور اظہار کرتا جو میرے اندر موجود ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ان کے اندر (جذبہ عشق) بہت زیادہ موجود تھا مگر وہ اسے پوشیدہ رکھتے تھے کیونکہ انہیں خوف الہی دامنگیر تھا۔

ایک اور طائفہ صوفیہ کی نظر میں سماع کو اس لیے ناپسند کیا گیا کہ ان کے مطابق عامۃ الناس کو طریق اور مقاصد صوفیہ کے مطابق سماع کرنے کا علم نہیں ہوتا۔ اور اس طرح بسا اوقات ایسے لوگ اصول و شرائط سماع میں غلطی کر جاتے ہیں۔

مذکورہ طائفہ صوفیہ نے عوام الناس کی اصلاح، خواص کو بچانے اور وقت جیسی نعمت، جو چلی جائے تو پھر حاصل نہیں ہوتی، کو ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر سماع کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

ایک گروہ صوفیہ نے تو سماع کو اس لیے بھی ناپسند کیا کہ اس میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر برے لوگوں کی صحبت میں شامل ہو جاتا ہے اور نیکی و سلامتی کا حصول اس کے پیش نظر نہیں رہ جاتا۔
 بعض صوفیہ نے سماع کو اس لیے بھی ناپسند کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”بہترین مسلمان لا یعنی فعل سے دور رہتا ہے۔“

اسی حدیث کے زیر اثر ان کا یہ کہنا کہ سماع اختیار کرنے کا چونکہ ہمیں حکم نہیں دیا گیا ہے اور نہ ہی سماع زاد قبر کا کام دیتا ہے لہذا یہ لا یعنی افعال میں سے ہے۔

ایک اور جماعت صوفیہ کے مطابق سماع اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ صوفیا صاحب کمال اور پالٹی لور پر اس قدر آسودہ اور مطمئن ہوتے ہیں کہ کسی بیرونی سماع کے لیے ان کے پاس گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔

حقیقتِ وجد

اہل تصوف کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وجد کیا ہے؟
عمر و بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں وجد کی کوئی تعریف بیان نہیں کی جاسکتی کیونکہ پختہ ایمان رکھنے والے مومنوں کے
نزدیک یہ اللہ کے اسرار میں سے ایک ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے: میرے خیال میں وجد اللہ تعالیٰ کے قول:

وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا [الکہف: ۱۹]

ترجمہ: ”اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا۔“
کے مطابق وجد بلا کسی ارادہ و کوشش کے کسی شے کو پالینے کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیت میں لفظ وجد کا معنی بلا ارادہ و کوشش
کے پالینے کا ہے۔

اسی طرح ذیل کی آیت میں بھی ”تجدوہ“ کا یہی مذکورۃ الصدر معنی ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تَقْتَدِرُوا لَأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ [البقرہ: ۱۱۰]

ترجمہ: ”اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجے گا اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔“

ایک اور آیت میں تجذہ کا معنی بغیر کوشش و ارادے کے پانا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا [النور: ۳۹]

ترجمہ: ”یہاں تک جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ نہ پایا۔“

گویا ہر وہ کیفیت مسرت و الم جو قلب پر بغیر ارادے و کوشش کے طاری ہو اسے وجد کہتے ہیں۔

قلوب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ بصیرت رکھتے ہیں اور یہی بصیرت قلوب کے لیے وجد ہے جیسا کہ
قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

فَأَنهَا لَا تَعْنَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْنَى الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ [الحج: ۱۶]

ترجمہ: ”تو یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔“

الغرض اس طرح ان دونوں آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ تو نے کیا پایا اور کیا نہ پایا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وجد مکاشفات حق کا نام ہے آپ دیکھتے نہیں کہ ایک شخص جو چپ چاپ ساکن بیٹھا ہوتا ہے کہ
حرکت کرنے لگتا ہے اور اس کے منہ سے آہیں اور چیخیں نکلنے لگتی ہیں۔ مگر جو شخص اول الذکر سے زیادہ قوی ہوتا ہے وہ ساکن و
ساکت رہتا ہے۔

قول خداوندی ہے:

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ [الحج: ۳۰]

ترجمہ: ”کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں۔“

بعض شیوخ علیہم الرحمۃ کا کہنا ہے کہ وجد دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وجد ملک اور دوسرا وجد القاء اور یہ دونوں اقسام قرآن کریم ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ فرمان الہی ہے: فَمَنْ لَمْ يَجِدْ (لم يملك) اور ”ووجدوا ما عملوا حاضرة“ (ای القوا)۔

کچھ اور صوفیہ نے بھی اسی طرح کی دو اقسام بیان کی ہیں:

ابو الحسن حصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں:

- ۱۔ مدی ۲۔ معترض ۳۔ مستحق، جو اپنی حقیقت کو پا کر اس پر اکتفا کرے
- ۴۔ وجد جو خود سے گزر گیا ہو۔

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: ہر وجد جس کی سند قرآن و سنت سے نہ ملے باطل ہے۔

ابوسعید احمد بن بشر بن زیاد بن الاعرابی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: وجد کا آغایہ ہے کہ حجاب اٹھ جائے۔

مشاہدہ رقیب، حضور فہم، ملاحظہ غیب، محادثہ سرا اور فناہ نفس حاصل ہو جائے۔

ابوسعید کا ایک اور قول: وجد خصوصی درجات میں سے پہلا درجہ ہے اور تصدیق غیب کو کہتے ہیں جس کا مزا جو چکھ لے اور

جس کا نور جس کے قلب کو منور کر دے اس سے ہر شے وریب رخصت ہو جاتا ہے۔ آپ ہی نے یہ بھی فرمایا کہ وجد کے سامنے

جو چیز حجاب بنتی ہے وہ دنیوی علاق اور آثار نفس ہیں اور جب نفس ان تمام آلائشوں اور اسباب سے پاک ہو تو قلب مشاہدہ

کرتا ہے باطن پاکیزہ ہوتا ہے اور بندہ وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جس سے اس کا قلب خالی تھا۔ اور یہی وجد ہے۔

وجد کرنے والوں کی صفات

اللہ جل ذکرہ نے فرمایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانًا تَنْشَجِرُهُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلْبِينَ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ [الزمر: ۲۳]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اڈل سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یاد خدا کی طرف رغبت میں۔“
مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ وجد کرنے والوں کی صفات میں سے ہے۔
ارشاد فرمایا:

وَجِلَّت قُلُوبُهُمْ [الحج: ۳۵]

ترجمہ: ”ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں۔“

وجل (ڈر) صفات واجدین میں سے ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ [النساء: ۴۱]

ترجمہ: ”تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں۔“

اور اس کے بعد آپ ﷺ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہ کیفیت بھی صفات واجدین میں سے ہے۔

اس بارے میں واقعات بکثرت ملتے ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ الغرض، آہ و بکا، چیخ و پکار، کپکپانا، فرمایا کرنا اور غشی طاری ہونا یہ سب صفات واجدین میں سے ہیں۔

وجد کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں:

واجد، یعنی حقیقتاً وجد کرنے والا اور

متواجد، یعنی بتکلف وجد کرنے والا۔

جہاں تک واجدین کا تعلق ہے تو ان کی تین اصناف ہیں:

پہلی صنف کے واجدین کا وجد ٹھیک رہتا ہے مگر اس وقت متغیر ہو جاتا ہے جب بشری عادات اور خواہشات نفس اس کے سامنے آ جاتی ہیں۔

دوسری صنف کے واجدین کا وجد اس وقت متاثر ہوتا ہے جب وہ سماع کے لطف و نشاط میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

تیسری صنف کے واجدین کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا وجد مسلسل رہتا ہے۔

کیونکہ یہ لوگ اپنے وجد میں فانی ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ خود باقی نہیں رہتے صرف ان کا وجد ہی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے انہیں کسی چیز کے وجود کا احساس ہی نہیں رہتا۔

اسی طرح بتکلف وجد کرنے والوں یعنی متواجِدین کی بھی تین اصناف ہیں:

پہلی صنف: یہ لوگ تکلف اور نقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ خوش طبعی کی خاطر ایسا کرتے ہیں اور ہلکے قسم کے ہوتے ہیں۔
دوسری صنف: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیوی علاقوں کو چھوڑ کر بلند احوال کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ان کے لیے اچھا نہیں تاہم اس لحاظ سے ان کا تواجد بہتر بھی ہے کہ وہ اسے اس وقت اختیار کرتے ہیں جب کہ انہوں نے دنیوی اشیاء و اسباب کو پس پشت ڈال دیا ہوتا ہے۔ اور ان کو جو تواجد حاصل ہوتا ہے اس کی ساری مسرت اور لطف بہر حال قطعاً آسائش دنیوی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

اور اس بتکلف وجد اختیار کرنے یعنی تواجد کو جس نے تصوف سے خارج سمجھا اس نے غلطی کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”روداً! اگر رونا نہیں آتا تو کوشش کر کے بتکلف روؤ۔“ ❖

گویا تواجد اور وجد کی حیثیت وہی ہے جو حدیث نبوی میں تباکی (بتکلف رونا اور بکاء) (واقعاً رونا) کی ہے۔ تیسری صنف: اس میں وہ کمزور صوفیہ شامل ہوتے ہیں جو حرکت کرتے وقت اپنی اندرونی کیفیت و جذبات کو ضبط نہ کرتے ہوئے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اپنا بوجھ اتارنے کے لیے تکلفاً وجد ان سے سرزد ہو جاتا ہے۔
عیسیٰ القصار علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میں نے حسین ابن منصور حلاج کو اس وقت جبکہ انہیں قتل کرنے کے لیے قید سے نکالا گیا یہ آخری الفاظ کہتے سنا:

”وجد کرنے والے کا مقصد خدائے واحد کو یکتا سمجھنا ہے۔“ بغداد کے تمام مشائخ نے منصور حلاج کے ان الفاظ کو سراہا۔ ابو یوسف نہر جوڑی علیہ الرحمۃ وجد کرنے والے (واجد) کے وجد کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کے بارے میں کہتے ہیں: صحیح وجد وہ ہے جسے قلوب واجدین قبول کر لیں اور غیر صحیح وجد وہ ہے جس کو واجدین کے دل قبول نہ کریں اور وجد کرنے والوں کے سانس ہی اس سے زچ ہوں۔

رات باز مشائخ کا تواجد

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک روز اپنی مجلس میں تواجد (جتکلف وجد کرنا) اختیار کیا اور اسی حالت میں کہا: ہائے انفس! وہ نہیں جانتا کہ میرے دل میں اس کے سوا کیا کچھ ہے۔ کسی نے پوچھا کیا کچھ ہے؟ جواب دیا سب کچھ ہے۔

شبلی کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے تواجد کی کیفیت میں اپنا ہاتھ دیوار پر مارا کہ ہاتھ زخمی ہو گیا۔ ایک طبیب کو ان کے علاج کے لیے لایا گیا۔ آپ نے طبیب سے کہا: تجھ پر انفس تو کون سا شاہد لے کر میرے پاس آیا ہے۔

طبیب نے کہا: میں تو آپ کے ہاتھ کا علاج کرنے آیا ہوں۔ آپ نے طیب کو تھپڑ مارا اور دھتکار دیا۔ اس کے بعد ایک اور نرم خطیب کو لایا گیا۔ آپ نے اس سے بھی سوال کیا کہ میرے پاس کون سا شاہد لے کر آئے ہو؟ طبیب نے کہا: تیرے شاہد کو لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد شبلی علیہ الرحمۃ نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا۔ طبیب نے زخم کو چیرا اور وہ خاموش رہے۔ جب طبیب نے دوا نکالی اور ہاتھ پر لگانے لگا تو شبلی علیہ الرحمۃ نے چیخ ماری اور تواجد کی حالت میں زخم پر انگلیاں رکھ کر کہنے لگے۔ ترجمہ شعر:

”تیری محبت نے میرے کلیجے میں ناسور بنا دیا ہے۔ میں نے تیرے غم زدہ ہونے کے باعث رات بھٹکھڑیوں میں جکڑے ہوئے قیدی کی مانند کاٹ دی۔“

کہتے ہیں کہ ابو الحسن نور علیہ الرحمۃ مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ کسی دعوت میں تشریف فرما تھے کہ تصوف کے مسائل پر بات چھڑ گئی۔ ابو الحسن پہلے تو خاموش رہے اور پھر یہ اشعار انہیں سنائے۔

ترجمہ اشعار:

- ۱ ”اکثر دوپہر کے وقت کوئی درد مند فاختہ ٹہنیوں میں درد بھری آواز سے چیختی ہے۔“
 - ۲ ”بعض اوقات میری آہ دہکاء سے رلاتی ہے اور بعض اوقات اس کی چیخ و پکار مجھے۔“
 - ۳ ”اگر وہ شکوہ کرتی ہے تو میں اسے نہیں سمجھتا اور اگر میں نالہ کرتا ہوں تو وہ نہیں جانتی۔“
 - ۴ ”سوائے اس کے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو سازش عشق کے حوالہ سے جانتے پہنچاتے ہیں۔“
- نوری علیہ الرحمۃ نے یہ شعر سنائے تو ساری محفل تواجد میں جھوم اٹھی۔

ایک صوفی نے کہا کہ برسوں سے میری یہ خواہش ہے کہ کسی واجد سے بحالت وجد محبت کی ایک بات سن لوں۔ کہتے ہیں کہ ابو سعید خراز علیہ الرحمۃ موت کا ذکر سنتے ہی بہت زیادہ تواجد کرتے تھے۔ ان کے اس انداز کے بارے میں جنید علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا تو فرمایا: عارف کو یہ یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جن ناخوشگوار حالات سے دوچار کرتا ہے وہ نہ تو ناراضگی کی بنیاد پر اور نہ ہی سزا کے طور پر ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی صنعتوں اور تمام ناخوشگوار حالات میں بھی اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان خلوص محبت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس پر جو کچھ بھی حالات نازل کیے جاتے ہیں ان سے اس کی روح کو اپنے لیے منتخب کرنا ہوتا ہے۔ جب عارف پر یہ حقیقت جو بیان کی گئی منکشف کر دی جاتی ہے تو پھر یہ بات تعجب خیز

نہیں رہ جاتی ہے کہ اس کی روح اللہ کی طرف پرواز کرتی ہے تو اس پر میں جذبہ اشتیاق موجزن ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ صوفی موت کے ذکر پر تواجہ کرتا ہے۔ ایک وجہ ذکر موت پر تواجہ کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ صوفی کو اپنا مقصد سامنے دکھائی دینے لگتا ہے لہذا وہ تواجہ کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ جس طرح چاہے اپنے دوست کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ کسی شیخ سے تواجہ اور وجود میں فرق واضح کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا: وجود غیب کے سحر اژوں اور حقیقت کے لیے بے نقاب ہو جانے سے عبارت ہے۔ جب کہ تواجہ کا تعلق اکتساب سے ہے۔ اور یہ بشری اوصاف سے متعلق ہوتا ہے۔ جو لوگ تواجہ کرنے والے کے وجد میں خامی کے باعث اسے ناپسند کرتے ہیں وہ ابو عثمان حیرى الواعظ کے اس مواعظہ کو بطور سند پیش کرتے ہیں:

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک شخص جو تواجہ کر رہا ہے تھا سے انہوں نے کہا: اگر تو اپنے وجد میں صادق ہے تو تو نے اللہ کے راز کو افشا کیا اور اگر تو کاذب ہے تو تو نے شرک کیا۔

غلبہ و جد کی قوت

ایک روز سری سقطی علیہ الرحمۃ کے ہاں قوی اذکار میں تیز تر قسم کے وجدوں کا ذکر ہو رہا تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی کو گہرا وجد ہو جائے اور اس کے چہرے پر تلوار کا وارکوار کر دیا جائے تو بھی اسے اس کا احساس تک نہ ہوگا۔
ابوالقاسم جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہ کیفیت اس وقت میرے اندر بھی موجود تھی اگر ایسا واقعہ نہ ہوتا تو میں اسی وقت سر سقطی کی بات کا انکار کرتا۔

جنید علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: جب کسی کا وجد قوی ہو تو وہ اس شخص سے کہیں کامل ہوتا ہے جسے علم تصوف پر درس حاصل ہو۔ آپ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جس کے پاس فضیلت علمی ہو اسے وجد کی خامیاں نقصان نہیں پہنچاتیں۔ اور فضیلت علمی زیادہ مکمل ہوتی ہے فضیلت وجد سے۔

جعفر خلدی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ جنید علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: وجد میں غلبہ کے بعد تحمل زیادہ مکمل ہوتا ہے وجد میں غلبہ سے۔

اور وجد میں غلبہ زیادہ مکمل ہے غلبہ سے پہلے تحمل اختیار کرنے سے کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ ترتیب کیسے قائم کی تو فرمایا: تحمل کرنے والا تہر کے بعد تحمل پر غلبہ حاصل کرنے کے باعث مکمل ترین ہوتا ہے۔ اور مغلوب اپنے نفس پر تحمل پانے کے بعد مکمل ترین ہوتا ہے۔

میرے نزدیک جنید علیہ الرحمۃ کے بیان کی وضاحت اس طرح ہے کہ جو شخص تحمل ہو وجود کے غلبہ اور واردات کی قوت کے بعد وہ کامل ہے اس کی نسبت جس پر غلبہ وجود اور قوت واردات غالب آ جائیں اور اس کے ظاہری صفات سے اس کا صاف پتہ چلتا ہو۔

واردات کی قوت اور دل کی حالت سے مطابقت رکھنے کے باعث غلبہ وجد کی کیفیت والا زیادہ کامل ہے اس ساکن رہنے والے کی حالت سے جس پر واردات کا نزول ہوتا ہے اور نہ کوئی کیفیت اس کے قلب میں گزر پاتی ہے۔

اہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ کو وجد کی حالت میں اس قدر تقویت حاصل ہو جاتی تھی کہ چودہ یا پندرہ دن تک بغیر کھانے پینے گزار دیتے، شمدید سردی کے باوجود ان کے جسم سے پسینہ بہتا رہتا۔ اور انہوں نے ایک قمیض پہنی ہوتی تھی۔

جب آپ سے اس کے بارے سوال کیا جاتا تو کہتے: مجھ سے سوال مت کرو کیونکہ اس وقت تم میری باتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔

میں نے ابو عمرو بن علوان علیہ الرحمۃ سے اور انہوں نے جنید علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے سنا کہ شبلی علیہ الرحمۃ حالت سکر میں رہتے تھے اگر وہ ہوش میں آتے تو ان سے استفادہ کیا جاسکتا تھا۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: میں نے سری سقطی علیہ الرحمۃ کے سامنے محبت کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اپنے بازو کی جلد کو کھینچا اور کہا: اگر میں یہ کہوں کہ یہ چیز اس کی محبت میں خشک ہو گیا ہے تو میں سچا ہوں اور یہ کہنے کے بعد ان پر غنودگی سی طاری ہو گئی

پھر ان کا چہرہ مثل قمر دیکھنے لگا اور وہ اس قدر خوب صورت ہو گئے کہ حاضری میں سے کوئی ان کے حسن پر نظر جمانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے ہم نے ان کے چہرہ مبارک کو ڈھانپ دیا۔

عمر بن عثمان کی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: وہ وجد جو قلب میں پیدا ہو اور اسے روحانی قوتوں سے معمور کر دے حتیٰ کہ قلب پہلے کے تمام حالات سے خالی ہو جائے اور اُسے ایک ایسا حال عطا کر دیا جائے جو باقی تمام احوال سے علیحدہ ہو تو وہ بندے کو اس مقام پر فائز کر دیتا ہے کہ وہ غیر اللہ کے اہل تک سے خالی ہو کر مکمل طور پر فقط حق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔
ابو عثمان المزینؓ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ شعر:

”وجد میں حالتِ سکر کا طاری ہونا ہوش میں آنے کے مترادف ہے اور وجد میں باہوش ہونا۔ وصل میں سکر کا طاری ہونا ہے۔“

وجد میں ساکن اور متحرک رہنے والے

ابوسعید بن الاعرابی علیہ الرحمۃ کتاب الوجد میں لکھتے ہیں:

”ایک سوال کرنے والے نے پوچھا کہ وجد میں کامل ترین شخص کون ہے حرکت کرنے والا یا ساکن رہنے والا؟ صوفیہ کرام کی رائے میں سکون و تمکین سے رہنا کہیں افضل ہے حرکت کرنے سے یا جوش وجد بے میں آنے سے۔“

ابوسعید نے جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

”بلاشبہ واردات اذکار سے ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض واردات ایسی ہوتی ہیں جو موجب سکون ہوتی ہیں لہذا ایسے میں ساکن رہنا ہی افضل ہے حرکت سے۔

اور بعض واردات ایسی ہوتی ہیں جو موجب حرکت ہوتی ہیں اس لیے متحرک رہنا افضل ہو جاتا ہے ساکن رہنے سے۔ کیونکہ اس طرح کی واردات کے مزاج میں تہر یعنی غلبہ ہوتا ہے۔ اب اگر وہ اس غلبہ پر قائم نہ رہا تو واردات ضعیف ہوں گے اور اگر واردات ضعیف نہ ہوں تو حرکت ضروری ہے۔“

واردات معلوم و اذکار سے پیدا ہوتی ہیں اور ان سے وجد پیدا ہوتا ہے اور وجد ان کا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔

میں نے ایک جماعت صوفیہ کو دیکھا جو وجد میں اہل سکون کو اس لیے ترجیح دیتی ہے کہ ان کی عقلیں بڑی اور قوی ہوتی ہیں ان پر جو کچھ واردات ہوں ان کو سمجھتی اور ان پر استقامت رکھتی ہیں۔ یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی درست ہے مگر بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کچھ واردات اس قدر قوی نوری اور مضبوط برہان والی ہوتی ہیں کہ عقلیں ان کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں ایسے میں جس وجد میں انسان متحرک ہو جائے تو بلاشبہ ایسی حرکت، ساکن رہنے سے افضل ہے۔

ابوسعید ابن الاعرابی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: کچھ واردات اس طرح کی ہوتی ہیں جو عقل کے مطابق ہوتی ہیں وہ انہیں سمجھتی ہے لہذا تمکون اور سکون پیدا ہوتا ہے اور حرکت نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے ساکن رہنے والوں کو جن لوگوں نے افضل قرار دیا وہ فضیلت عقل کی بناء پر اور جنہوں نے وجد میں متحرک رہنے والوں کو افضل قرار دیا ان کے پیش نظر وہ قوی واردات تھیں جو عقل کی قوت اور اک سے بالا ہیں۔

اگر عقلیں ایک جیسی ہوں ان میں سے کوئی افضل بھی نہ ہو تو ایسی حالت میں ساکن کو متحرک پر فضیلت ہوگی۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ دو عقلیں، دو آدمی یا دو واردات باہم یکساں ہوں اہل تصوف اس یکسانیت کا انکار کرتے ہیں۔ الغرض جب یکسانیت ٹھہری تو ہم پھر اسی بات کی طرف آتے ہیں جو ہم پہلے کہہ آئے ہیں۔ یعنی متحرک کا ساکن یا ساکن کا متحرک سے افضل ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وارد ہونے والا حال مختلف ہے اس لیے کہ یہی حال کہیں باعث حرکت ہے تو کہیں موجب سکون۔ اور وجد ان اپنے مشاہدات اور مکاشفات میں یکساں نہیں ہوتے۔ گویا فضیلت حرکت و سکون کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان واردات پر ہے جن کو جانے بغیر ہم کسی ایک کے افضل ہونے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ سب باتیں اہل احوال کے لیے تھیں جہاں تک اہل سکر کا تعلق ہے یہ کلام ان سے متعلق نہیں۔

ابوسعید بن الاعرابی کی تالیف۔۔۔ کتاب الوجد کی تلخیص

ابوسعید بن الاعرابی علیہ الرحمہ نے کہا: وجد مندرجہ ذیل احوال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔
 بے قرار کر دینے والا بیان، پریشان کن خوف، لغزش پر مواخذہ، کسی فائدے کی طرف خوب صورت کلام کے ذریعے
 اشارہ، غائب کا شوق، کھودینے پر ندامت، ماضی کا غم، حصول اور اپنے باطن کے ساتھ سرگوشی کرنا۔
 باطن سے سرگوشی کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ظاہر کا ظاہر، باطن کا باطن، غیب کا غیب اور سر کا سر کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔
 اور یہ کہ اپنے حقوق و فرائض کو جان لیا جائے تاکہ تو اس میں کوشش کرے اور اس کے بعد تیرے لیے قدم کے بغیر ثابت قدمی
 اور ذکر کے بغیر ذکر لکھ دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نعمتوں کا مالک اور عطا کرنے والا ہے وہی نعمتوں پر توفیق شکر عطا کرنے
 والا اور تجھے ان کے حصول پر مائل کرنے والا ہے لہذا وہی ان میں سے تمہیں درجہ دینے والا ہے۔ اور بے شک تمام امور کا
 مرجع اسی کی ذات والا صفات ہے۔

ابوسعید بن الاعرابی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: وجد، خوشیوں سے ہمکنار ہونے اور مزید سے آگاہ ہونے کو کہتے ہیں۔ وجد کی
 یہ لذتیں تھوڑی ہوں تو صبر نہیں آتا اور زیادہ ہوں تو سنبھالی نہیں جاتیں۔ گمان و خیال اس سے قریب ہیں اور برا سمجھتے ہوتا
 مسلسل۔ یہی وجہ ہے کہ پشیمانی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سب گنوا دینے کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔
 آہ و بکاء وجد کے آنے سے پہلے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ وجد طاری ہونے سے پہلے تو موجود نہیں ہوتا۔ اور وجد سے
 انس نہیں پیدا ہو سکتا کیونکہ وہ واقع ہوتے ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ وجد میں غشی، لرزہ، اعضاء کا زوال اور عقل پر غلبہ اسی
 صورت میں ہوتا ہے کہ واردات قوی ترین اور مؤثر ترین ہوتی ہیں۔

کیفیت وجد کے تیزی سے آنے اور عجلت تمام رخصت ہونے میں ایک نکتہ دقیقہ اور اللہ کی نعمت پوشیدی ہے وہ اس
 طرح کہ اگر اللہ جل جلالہ اپنے اولیاء کو نہ بچاتا اور ہر قلب پر مالا یطاق کیفیت وجد کو دیر تک طاری رہتے دیتا تو عقلیں بکھر
 جاتیں اور جانیں تلف ہو جاتیں۔

وجد اس دنیا میں کشف نہیں بلکہ مشاہدہ قلب، تو ہم حق اور ظن یقین ہے۔ پس وہ اس کا مشاہدہ نشاط یقین اور خلوص ذکر کر
 کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ وہ نیند میں گویا جاگا ہوا ہوتا ہے۔ اور جب وہ بے ہوشی میں ہوش میں آتا ہے۔ تو جو اس نے پایا ہوتا
 ہے اسے کھو چکا ہوتا ہے۔ اور اس کے پاس فقط اس کا علم ہی باقی رہ جاتا ہے جس سے اس کی روح منتہی ہوتی ہے۔ اس کے
 ساتھ ہی وہ اپنے یقین کے بڑھ جانے سے بھی مستفید ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ بندے کے قرب و وجد کے مطابق ہوتا ہے اور
 اسی قدر ہوتا ہے جس قدر اس کا رب اسے دکھانا چاہتا ہے۔

واجدین میں سے کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو وجد میں ثابت قدم ہوتے ہیں اور جو کچھ وجد میں سے انہوں نے حاصل کیا
 ہوتا ہے۔ وہ ان کی تمکین کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو وجد کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے ان کا بیان
 حجت ہوتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ دوسروں کو غلطی کا مرتکب ہونے سے بچانے کے لیے انہیں صحیح احوال نہ بتاتے تو ان کی کیفیات

سلب ہو جاتیں۔ بعض اوقات ان پر وجد کی کلام کے سنتے وقت اس پر غور کرنے سے پہلے ہی طاری ہو جاتا ہے اور وہ اس خیال سے نہیں بچ سکتے کہ یہ وجد طبعی اثرات کے نتیجے میں طاری ہوا ہے اور اس لحاظ سے ان پر وجد حقیقی وغیر حقیقی میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے وجد میں انہیں رقت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد کیفیت میں اضافہ بھی محسوس ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے خالق کی معرفت کا مدعی ہوا ہے نہیں چاہیے کہ وہ اسی کے سوا کسی اور سے سکون و مسرت پائے یا کسی ناقص سے دل لگائے یا کسی زائل ہونے والے سے خیالات کے سلسلے کو جوڑے۔ اگر چہ اس کے لیے ایسا کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ان چیزوں میں بظاہر مشابہت بھی پائی جاتی ہے اس لیے اہل نظر صوفیہ نے اس التباس کو باعتبار فضیلت اس طرح واضح کیا کہ قلوب اپنے ظن و گمان سے متصور کرتے ہیں نہ متروک و مہمل، محفوظ کے برابر ہو سکتا ہے۔ نہ مصنوعی چیز، ہر شے سے آتی ہوئی چیز کے برابر ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی فکر سے حاصل ہونے والی بات ذکر سے حاصل ہونے والی بات کے برابر ہو سکتی ہے۔

بعض اوقات تمیز کے باوجود بھی متفرق چیزوں میں فرق واضح نہیں ہو پاتا اس کی وجہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ اور جب یہ کمزوری زائل ہو جائے تو فرق واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فکر کے ذریعے تمیز شے ذکر کے ذریعے چاہی گئی شے کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی صاحب اختیار و ضبط اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے۔ جس پر وجد و فریفتگی کا غلبہ ہو مگر ہر واجد کی یہ صفت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کے احوال یکساں نہیں ہوتے۔ واجدین میں سے کسی کا وجد تو علم کے باعث ہوتا ہے۔ بعض کا علم کے ساتھ اور بعض کا وجد خالصتاً علم ہی ہوتا ہے۔

وہ وجد جس کا تعلق اصل ثبات سے ہے۔ وہ حرکت کے بجائے سکون اختیار کر کے حرکت کو ترک کرنے والوں میں پایا جاتا ہے۔ خلوت سے دوری اس لیے کہ مانوس رہنے کی حالت نے انہیں وحشت سے دور کر دیا ہوتا ہے اور قرب نے ان کو مسافت سے علیحدہ کر رکھا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اہل وجد پر کوئی ایسی کیفیت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ لوگ اپنے وجود میں بڑھ جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان کا اپنی صفات بشری کی طرف لوٹنا ان کے لیے باقی رہتا ہے اور اپنی صفات بشری کے مطابق ہی وہ غذا اور عورت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اور اس ضرورت سے وہ پریشان ہو جاتے ہیں کیونکہ اسے وہ اپنے وجد کے لیے نقص کے قائم مقام سمجھتے ہیں۔ اور ایک عرصے تک خوف کا شکار رہتے ہیں۔ اسی دوران کوئی کھوئی کیفیت کو پانے کی طلب انہیں ایک ایسی پریشانی سے دوچار کر دیتی ہے اور وہ ہر شے کے بارے میں یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ انہیں گویا ہر مراد تک پہنچا دے گی۔ اور ان کے احساس پر نیز اس قدر غالب آ جاتی ہے کہ وہ جلد بازی میں ڈونے لگتے ہیں اور جہاں کہیں سراب دکھائی پڑتا ہے اسے پانی سمجھ بیٹھتے ہیں اور جہاں کہیں پانی دیکھتے ہیں اسے سراب سمجھ بیٹھتے ہیں کیونکہ طمع کا غلبہ ہوتا ہے وہ ناک کی سیدھ میں چلے جا رہے ہوتے ہیں اور ہر وادی میں چکر کاٹتے ہیں اور ہر چپکنے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ ان کا سیلاب ان کی بارش سے بڑھ جاتا ہے اور ذکر فکر سے آگے نکل جاتا ہے۔ ہر سبب کے آگے سرخم کر دیتے ہیں۔ اس سے مدد نہیں لیتے۔ طمع ان کی نظروں کو اوپر اٹھائے رکھتا ہے اور ناامیدی ان کو روکتی ہے ان کی ناامیدی جاری نہیں رہتی کہ وہ لوٹ جائیں اور نہ طمع واقعتاً طمع ہوتی ہے کہ وہ تلف ہو جائیں۔ ان کی مثال ان دیوانوں کی سی ہوتی ہے جو محبوب کی خاطر اپنی زندگی تک کو قربان کر دیتے ہیں اگر انہیں یہ خیال لاحق ہو جائے کہ محبوب لقمہ و دق صحرا میں ہے تو وہ اس کی طرف چل پڑیں یا یہ وہم پڑ جائے کہ وہ سمندر کے پار ہے تو اسے عبور کر لیں یا بھڑکتی آگ کے پرے سے تو اس میں بے خطر کود پڑیں اُس پتنگے کی مانند جو

جہاں کہیں آگ روشن دیکھتا ہے اس میں کود پڑتا ہے۔

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ جنگلوں، صحراؤں اور موت کی گھاٹیوں میں پریشان حال چکر کاٹتے پھرتے ہیں کہ انہیں ٹھکانا ملتا ہے اور نہ کوئی پناہ۔ ایسے خطرات سے اگر وہ محفوظ رہ سکتے ہیں تو اپنی نیت اور ارادے کی صداقت اور شریعت کی اتباع کے ذریعے۔

جس شخص نے ظاہری علوم شریعت سے دوری اختیار کی وہ لغزشوں سے بچ نہیں سکتا اور جس شخص نے شریعت کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کی تو وہ سلامتی سے دور خطرے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ہم نے سطور بالا میں جو کچھ علوم وجد سے متعلق باتیں کیں، اشارے بیان کیے یا دلیلیں قائم کیں وہ اس کے ظاہر سے تعلق رکھتی تھیں جہاں تک اس کے دوسرے رخ کا تعلق ہے تو اس کا علم اللہ کے پاس ہے وہی اس کو اپنے بندوں پر عیاں کرتا ہے۔ وہ لوگ جو اس کے لطف سے محفوظ ہوتے ہیں اور جنہیں اللہ اس سے متمتع فرماتا ہے وہ اس کو جانتے ہیں مگر بیان نہیں کر سکتے۔ وہ ظاہراً بھی جانتے ہیں اور باطناً بھی۔ اور یہی وہ غیب ہے جس سے اللہ تعالیٰ مومنین کو متصف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ [البقرہ: ۳]

ترجمہ: ”وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔“

گویا وہ مومنین اس کے غیب میں غائب ہیں اور اگرچہ وہ غائب ہے مگر انہیں شک و ریب دامگیر نہیں ہوتا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ وجد کی مزید کوئی تعریف بیان کی جائے تو افسوس ہے اس پر کہ کسی طرح اس کی کوئی صفت یا تعریف بیان کی جائے جو خود اپنی صفت آپ ہے اُسے جس نے پالیا اس نے جان لیا اور جس نے نہیں جانا اس نے انکار کیا۔ وہ فقط ذوق سے محسوس ہوتا ہے۔ وہ غالب ہے، موجود ہے، مفقود ہے اور اپنے انوار کے ساتھ اپنے نور سے حجاب میں ہے، اپنی صفات کے ساتھ پوشیدہ ہے اپنے ادراک سے۔ اور اپنی ذات سے اپنے اساء کے ساتھ مجبوب ہے۔ ذات سے میری مراد وجد یقین ایمان اور حقائق ہیں۔ اسی طرح محبت، شوق اور قرب اس کے وصف کو تو بیان کیا جاتا ہے مگر اس کی حقیقت یا کہنہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کیا جاتی۔ صرف وہی اس کو جان سکتے ہیں جنہوں نے اس کا ذوق پایا۔ لوگ اس کے اوصاف تو بیان کرتے ہیں مگر اسے سمجھ نہیں سکتے۔ اپنے تئیں اس کے بارے میں کچھ کہتے ہیں تاکہ اپنی وحشت کو اس سے بدل سکیں۔ وہ جس قدر اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں اسی قدر اس کی حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ ان کی زبان بند ہونا اس کے بارے میں کچھ کہنے سے زیادہ بلیغ ہے۔

اہل وجد کو اس بارے میں فقط اسی قدر معلوم ہوتا ہے جس قدر انہیں بتایا جاتا ہے، اور ان کا خود کو اس کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر بتانا ہی ان کے علم کی دلیل ہے۔ اور اسے متعلق کچھ کہنے سے عاجز ہونا ان کی گویائی ہے۔ الغرض ان کا کلام سے عجز، بلاغت ہے اور لگت ان کی فصاحت۔

اس لیے جو شخص اس کی حقیقت کے بارے میں سوال کرتا ہے تو یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے۔ اور ایک عالم کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ ہر سائل کے سوال کا جواب دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو اس کا پابند بنایا ہے کہ وہ علم کو اس کے اہل سے نہ چھپائیں جیسا کہ اس نے علماء کو اس بات کا بھی پابند بنایا کہ وہ نااہل سے علم کی حفاظت کریں۔ اور ہم کہہ چکے ہیں کہ اس کے علم حاصل

کرنے کے اہل شک کرنے والے نہیں ہوتے کہ بلاوجہ کوئی سوال پوچھیں۔
جب کہ ان احوال کی انتہاء نہیں لہذا ہم نے ان کا بیان نہیں پہنچا دیا۔ اگر مزید جاری رکھتے تو یہ سلسلہ اکتا ہی ہے، یہ
معارف ہیں جن کا شمار نہیں۔ اور ان کا اکتساب طاقت بشری سے باہر ہے بلکہ یہ قول باری تعالیٰ میں داخل میں جیسا کہ فرمایا:

وَلَكَيْنَا كَمَزِيدٌ ﴿٣٥﴾ [ق: ٣٥]

ترجمہ: ”اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔“

الغرض یہ اس کے کچھ عطیات تھے جن کا ذکر ہو چکا اور اس ان کا سلسلہ بے نہایت ہے اور ان کی
توصیف بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور کیسے ان واردات و کیفیات کا ذکر ہو جن سے وہ اپنے اولیاء کو ہر
دم اور ہر آن نوازتا رہتا ہے۔ یہ جو کچھ احوال ہم نے یہاں بیان کیے وہ بہر طور بہت کم ہیں اور اللہ
کے فضل و کرم ہی سے معلوم ہوئے جیسا کہ قول خداوندی ہے:

لَا يَعْدُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ [السبا: ٣٠]

ترجمہ: ”اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز“

اگرچہ یہ احوال انسانی اکتساب سے باہر ہیں تاہم ان میں کچھ بہترین عمل کرنے کے نتیجے میں عطا ہوتے ہیں۔ جو شخص
اللہ سے مزید احوال کا طالب ہو وہ اپنے بنیادی سرمایے کو مستحکم کر لیتا ہے جو مزید کے حصول کا موجب بنتا ہے۔ جس نے اس
میں تجاویز سے کام لیا بعید نہیں کہ اس کا بنیادی سرمایہ ہی ضبط کر لیا جائے کیونکہ اس نے اس سرمایے کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کی
اور اس لیے بھی کہ نفس پر توقف اختیار کر لینے سے ہجوم منقطع ہو جاتا ہے اور ہجوم، علم کے بغیر ایک واضح غلطی ہے۔ اگر توقف
نفس اختیار کرنے کی طرف عدم توجہی قوی ہو تو بسا اوقات ہجوم کا حاصل ہونا بہت ممکن ہوتا ہے۔

جسے اصل کی تلاش ہو اور وہ اس میں استحکام سے پہلے فرع کی طرف رجوع کرنے کی غلطی کرے تو یہ ایسا اقدام ہے کہ
جس کے نتیجے میں وہ لغزشوں سے نہیں بچ سکتا۔

الغرض یہ تھی ابن الاعرابی کی کتاب الوجد کی تلخیص جسے میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پیش کیا۔

تحقیق آیات و کرامت

آیات و کرامات کا مفہوم اور بعض اہل کرامت کا ذکر

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ آیات اللہ تعالیٰ کے لیے، معجزات انبیاء علیہم السلام کے لیے اور کرامات اولیاء علیہ الرحمہ اور نیک عمل مسلمانوں کے لیے ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ جس شخص نے چالیس دن دنیا سے صدق و اخلاص کے ساتھ کنارہ کشی اختیار کی اس سے کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اور جس سے کرامت ظاہر نہ ہوئی گویا اس کی کنارہ کشی میں صدق و اخلاص ہی نہ تھا۔

جنید علیہ الرحمہ نے فرمایا: جو کرامات کی باتیں کرتا ہے مگر خود اس سے ان کا ظہور نہیں ہوتا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھوسہ چباتا ہے۔

سہل ابن عبد اللہ علیہ الرحمہ سے چالیس روز تک کنارہ کشی کرنے والے کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے تو فرمایا: وہ جو چاہے جیسے چاہے اور جہاں سے چاہے حاصل کر لیتا ہے۔

میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ کو کہتے سنا کہ ایمان کے چار ارکان ہیں: پہلا رکن ایمان دوسرا رکن ایمان بالقدر، تیسرا رکن حرکت و قوت سے برأت ظاہر کرنا اور چوتھا رکن جملہ کاموں میں اللہ سے مدد مانگنا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابن سالم علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان بالقدر سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ایمان رکھے اور تیرا دل اس بات کا انکار نہ کرے کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ مشرق میں ہو اور وہ اسے قدر عطا فرمائے تو وہی شخص اک پہلو بدلے اور خود کو مغرب میں پائے۔

انوکھی ضیانت

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ اپنے پاس بیٹھنے والے ایک نوجوان سے کہا کرتے تھے اگر تو آج کے بعد درندوں سے ڈرا تو میری صحبت ترک کر دینا۔

میں تستر میں سہل علیہ الرحمہ کے گھر میں کچھ لوگوں کے ساتھ داخل ہوا تو وہاں ایک کمرہ دیکھا جسے درندوں کا کمرہ کہا جاتا تھا ہم نے اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ جنگل کے درندے سہل بن عبد اللہ کے پاس آتے ہیں اور وہ انہیں اس کمرے میں گوشت کھلا کر رخصت کر دیتے ہیں۔ میں نے تستر کے کسی شخص کو بھی اس واقعے کا انکار کرتے نہیں پایا۔

نگاہِ کیمیا اثر

ابو محسن بصری علیہ الرحمہ کہتے ہیں: عبادان کے ایک دیرانے میں سیاہ رنگت کا ایک فقیر رہتا تھا میں کچھ چیزیں اس کے لیے لے کر گیا۔ اس کے پاس پہنچ کر میں نے اسے بلایا اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو مسکرایا اور زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا میں نے جب زمین پر نگاہ ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین سونا بن کر چمک رہی ہے۔ پھر اس نے میری طرف دیکھتے

ہوئے کہا: لاؤ! جولائے ہو۔ اور میں جو کچھ اس کے لیے لایا تھا اس کے ہاتھ میں تھما کر وہاں سے واپس بھاگا۔

ابوسلیمان خواص اور ان کا گدھا

میں نے ابو عبد اللہ حسین بن احمد الرازی علیہ الرحمۃ سے اور انہوں نے ابوسلیمان خواص علیہ الرحمہ کو یہ کہتے سنا کہ میں ایک روز اپنے گدھے پر سوار تھا راستے میں ایک مکھی اس کو بار بار تنگ کرتی تو وہ سر ہلانے لگتا اور میں ایک ککڑی سے اسے سر پر مارتا جاتا تھا کہ گدھے نے سراٹھا کر کہا: مارو کہ تم اپنے ہی سر کو مار رہے ہو۔ ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ کیا یہ واقعہ تمہارے ساتھ پیش آیا، تو انہوں نے کہا: بالکل اسی طرح پیش آیا جس طرح تم مجھ سے سن رہے ہو۔

علم کی فضیلت

احمد بن عطاء رود باری فرماتے ہیں کہ طہارت کے مسئلہ میں میرا اپنا ایک مسلک تھا ایک رات میں وضو کر رہا تھا کہ ایک چوتھائی رات وضو ہی میں گزر گئی مگر میرے دل کو اطمینان حاصل نہ ہوا آخر میں رونے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: یا رب! عفو! کہ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ یا ابا عبد اللہ! عفو علم میں ہے۔

گمشدہ چیز کو پانے کی ایک مجرب دعا

جعفر خلدی علیہ الرحمہ ایک روز جلد میں ایک کشتی میں سوار ہوئے، ملاح کو کرایہ دینے کے لیے اپنے رومال کھولا جس میں ایک گینہ بھی تھا جو دریا میں گر پڑا، انہیں گمشدہ چیز کو پانے کی ایک مجرب دعا یاد تھی اس کا ورد شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک روز اوراق لٹتے ہوئے وہ گینہ انہیں ان میں پڑا مل گیا۔ وہ دعا یہ ہے:

اللَّهُمَّ يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ اجْمَعْ عَلَيَّ ضَلَّاتِي.

ترجمہ: ”اے میرے رب! اے لوگوں کو اس دن جمع کرنے والے جس میں کوئی شک نہیں میری گم شدہ چیز مجھے عطا فرما۔“

مجھے ابو الطیب مکی علیہ الرحمہ نے ان لوگوں کی ایک طویل فہرست دکھائی جنہوں نے مذکورہ بالا دعا کو کامیاب طور پر آزمایا اور اپنی گم شدہ اشیاء بہت قلیل مدت میں پالیں۔

اولیاء اللہ سینوں کے بھید جانتے ہیں

حزہ بن عبد اللہ علوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ابو الخیر عینی علیہ الرحمہ کے پاس گیا اور جانے سے پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ سلام کر کے رخصت ہوں گا کھانا تناول نہیں کروں گا بلا عرض میں گیا، سلام کیا اور رخصت ہو کر باہر آ گیا۔ جب اس فریہ سے دور نکل آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبد اللہ علوی کھانا لے کر میرے سامنے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں: اے نوجوان! یہ کھانا کھا لو کیونکہ اب تم اپنا عزم پورا کر چکے ہو۔

سطور گزشتہ میں جن مردان خدا کا ذکر آیا ہے وہ تمام اپنی دیانت اور سچائی کے لیے مشہور تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقے میں احکام دین کے بارے میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو اخبار و آثار بیان کیے مسلمانوں نے ان کی تصدیق کی۔ لہذا جو واقعات ان کے بارے میں بیان کیے گئے وہ بلاشبہ ان میں سچے تھے۔

انکار کراماتِ اولیاء پر اہل ظاہر کے دلائل، کراماتِ اولیاء کے جواز پر دلائل

اور اس سلسلے میں انبیاء و اولیاء کا باہمی فرق

اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ کراماتِ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں سے صادر نہیں ہو سکتیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام ہی اس سے مخصوص ہیں۔ اور آیات و معجزات و کرامات ایک ہیں معجزات اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کے صادر کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ اس لیے جس نے معجزات یا کرامات میں سے کوئی کرامت انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے ثابت کی تو اس نے انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء کو یکساں کر دیا اور دونوں میں کوئی فرق ہی نہیں رہنے دیا۔

جن لوگوں نے کراماتِ اولیاء سے انکار کیا ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ کہیں معجزات انبیاء علیہم السلام میں کوئی شک یا خامی نہ واقع ہو جائے مگر ان سے اس بارے میں کچھ غلطی ہو گئی کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام میں کرامات و معجزات کی بنا پر کئی وجوہ سے فرق موجود ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے معجزات کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں اور اس کے ذریعے لوگوں کو قائل کرنے اور اللہ کی طرف بلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں جب کہ اولیاء کرام اپنی کرامات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے معجزات کو مشرکین کے خلاف بطور دلیل پیش کرتے ہیں جب کہ اولیاء کرام اپنی کرامات کو خود اپنی ذات کے خلاف اپنے عقیدہ کی تقویت دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

کرامات اور تادیب نفس

میں نے ابن سالم علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ جب اولیاء کرام اپنی مرضی کے مطابق دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں تو اس سے ان کو کون سی عزت دی جاسکتی ہے کہ ان سے یہ کرامت ظاہر ہو جائے کہ پتھر ان کے لیے سونا بنا جائے۔ انہوں نے جواب دیا۔ انہیں کرامات اس لیے نہیں عطا کی جاتیں کہ وہ دنیا کی قدر جانیں بلکہ اس لیے انہیں کرامات عطا کی جاتی ہیں کہ وہ اس کے ذریعے اپنے نفس کے خلاف دلیل قائم کر سکیں کہ جو ذات ان کے لیے پتھر کو سونا بنا سکتی ہے کیا وہ انہیں غیب سے رزق نہیں عطا کر سکتی اور اس طرح ان کے اندر رزق کے ختم ہونے یا کم ہو جانے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا مزید یہ کہ ان کے باطن کی تربیت و تادیب بھی ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں ابن سالم علیہ الرحمہ نے ہم سے یہ حکایت بھی بیان کی کہ بصرہ میں ایک شخص اسحاق بن احمد نام کا رہتا تھا۔ یہ شخص دنیا کا پرستار تھا۔ اچانک اس نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر توبہ کی اور ہل بن عبد اللہ علیہ الرحمہ کی صحبت اختیار کر لی۔ ایک روز اس نے ہل علیہ الرحمہ سے کہا: اے اباحمد! میرا نفس گزارے کی خواہش اور غیرہ کے ختم ہونے کے بارے میں ہر وقت فکر مند رہتا ہے۔ ہل علیہ الرحمہ نے اس سے کہا: یہ پتھر لو اور اپنے رب کو پکارو کہ وہ اسے تیرے لیے طعام میں بدل دے تاکہ تو اسے کھائے۔ اس شخص نے کہا: اس میں میرے لیے نمونہ کون ہے۔ ہل علیہ الرحمہ نے فرمایا: تیرے لیے اس میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بطور مثال موجود ہے۔ جب انہوں نے کہا تھا:

وَإِذْ قَالَ لِأَبِيهِمْ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُصْنِىَ السَّمَوَاتِ ۖ قَالَ أَوْ كَه تُوْمِنُ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ

قَلْبِي^۱ [البقرہ: ۲۶۰]

ترجمہ: ”اور جب عرض کی ابراہیمؑ نے اے رب! میرے اچھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ دل کو قرار آ جائے۔“

مفہوم یہ ہے کہ نفس اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے کیونکہ اس کی جبلت شک کرتا ہے۔ گو یا ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ مجھے دکھا دے کہ نفس کس طرح مطمئن ہوتا ہے کیونکہ میں تو ایمان رکھتا ہوں مگر نفس دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ سے کرامات کا نظہوران کے نفس کی تادیب و تہذیب کے لیے کرتا ہے۔ یہیں پر انبیاء و اولیاء میں فرق قائم ہو جاتا ہے کیونکہ انبیاء کا معجزہ عطا کیا جاتا ہے تاکہ وہ اسے توحید الہی پر اقرار اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے بطور حجت پیش کر سکیں۔

تیسری وجہ انبیاء و اولیاء میں فرق واضح کرنے کی یہ ہے کہ جب بھی انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اضافہ کیا جاتا ہے تو وہ ان کے قلوب کو اور زیادہ ثابت قدم و مطمئن کر دیتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی فخرِ رسل علیہ التحیۃ والسلام کو وہ تمام کچھ عطا ہوا تھا جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا تھا۔ مگر انہیں پھر کچھ ایسے معجزات بھی عطا کیے گئے جو کسی اور کو نہیں ملے۔ جیسے معراج، شقِ قمر اور انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا۔ تفصیل اس کی بڑی طولانی ہے مگر ہم مختصراً یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے اضافہ معجزات باعث تکمیل فضیلت ہوتا ہے جبکہ اولیاء کرام کے لیے جب کرامات میں اضافہ کیا جاتا ہے تو ان کا خوف بڑھ جاتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان سے ناراض نہ ہو گیا ہو اور اس طرح کہیں اس کی نظر میں وہ گرنہ جائیں۔

کرامات اولیاء کے ثبوت پر دلائل اور کرامات کو انبیاء کے لیے مخصوص سمجھنے والوں کی خامی

اس ضمن میں ہماری دلیل کتاب وسنت سے ہے۔
قول باری تعالیٰ ہے:

وَهَيِّنَىٰ إِلَيْكَ بِجِدْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ دُجَانًا جَدِيًّا ﴿٢٥﴾ [مریم: ٢٥]

ترجمہ: ”اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاتے تو پرتازہ کی کھجوریں گریں گی۔“

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں جرتج راہب اور ایک شیرخوار بچے کے کلام کرنے کا قصہ مذکور ہے حالانکہ جرتج نبی نہیں تھے۔

تیسری دلیل حدیث غار ہے جس کے مطابق تین شخص سفر کر رہے تھے کہ رات پڑ گئی اور ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے۔۔۔ الخ

ایک اور روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص جا رہا تھا اور اس کے ہمراہ ایک گائے بھی تھی۔ اور وہ گائے پر سوار ہو گیا تو گائے نے کہا: اے خدا کے بندے! ہم سواری کے لیے نہیں پیدا کی گئیں بلکہ کھیتی باڑی کے لیے۔ سب نے سبحان اللہ کہا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ﷺ۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس موقع پر ابوبکر، بکر رضی اللہ عنہما لوگوں میں شامل نہیں تھے اور یہ ذکر بھی نہیں کیا گیا تھا کہ گائے پر سوار ہونے والا نبی تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میری امت میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی اور بلاشبہ عمر بن خطاب ان میں سے ہیں۔ اور کسی غیر نبی کا مکالمہ محدث ہونا ان تمام کرامات سے اولیٰ ہے جو جملہ اولیاء ابدالوں اور صالحین کو عطا کی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف۔ تو ان کی آواز نہاوند کے دروازے پر لشکر نے سن لی۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق کئی کرامات روایات میں مذکور ہیں۔

صحابہ کرام سے متعلق کئی روایات میں ان کی کرامات کا تذکرہ موجود ہے جیسے ایک روایت ہے کہ اسید بن حضیر اور قتیبہ بن بشر رضی عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے رخصت ہو کر نکلے تو اس وقت تاریک رات تھی۔ ایسے میں ان میں

① صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

② صحیحین اور سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

③ امام بیہقی نے دلائل اللہ میں اس روایت کو بیان کیا۔

سے ایک کا عصا مثل چراغ روشن ہو کر انہیں راستہ دکھاتا رہا۔

تسبیح جام

ابودرداء اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ان کے درمیان ایک پیالہ پڑا تھا کہ وہ اچانک تسبیح بیان کرنے لگا اور اس کی تسبیح ان دونوں نے سنی۔ ﴿

پانی پر چل پڑے اور درندوں نے رستہ دیا

علاء بن حضری رضی اللہ عنہما کا قصہ ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ پر روانہ فرمایا: یہ صحابی جب چلے تو ان کی راہ میں ایک جگہ سمندر کا کچھ حصہ آتا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اسم ذات کے وسیلے سے دعا کی اور وہ پانی پر چل پڑے۔ اسی طرح ان کے راستے میں درندے آئے تو انہوں نے دعا کی اور درندوں نے راستہ دے دیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں کچھ لوگ درندے کے خوف سے کھڑے ہوئے نظر آئے آپ نے درندے کو راستے سے ہٹا دیا اور فرمایا:

”انسان پر وہی کچھ مسلط کیا جاتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے اگر وہ فقط اللہ سے خوف رکھے تو کوئی چیز اسے نہیں ڈرا سکتی۔“

ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کئی گرد آلود جسم والے اور بکھرے بالوں والے تن پر چھتھرے پہنے ہوئے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا کر کچھ کہہ دیں تو اللہ اسے پورا کر دیتا ہے اور براہ بن مالکؓ انہی میں سے ہیں۔“ ﴿

کرامات میں سے اس سے بڑھ کر مکمل کرامت کیا ہو سکتی ہے کہ ایک بندہ خدا قسم کھا کر کچھ کہے اور خدا اس کے کہے کو پورا کر دکھائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۗ [المومن: ۶۰]

ترجمہ: ”اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔“

ان تمام روایات کے علاوہ اور بھی کئی صحیح اسانید والی روایات ہیں جن کے لیے طوالت کے باعث یہاں گنجائش نہیں۔ ہاں علماء کرام نے ان پر مبنی کئی کتابیں مرتب کی ہیں۔

احادیث مبارکہ میں عامر بن عبد القیس، حسن بن ابی الحسن المہری، مسلم بن یسار، ثابت البنانی، صالح المری، بکر بن عبداللہ المزنی، اولیس قرنی، ہرم بن حیان، ابومسلم الخولانی، صلۃ بن ایشیم، ریح بن خثیم، داؤد الطائی، مطرف بن عبداللہ بن الشحیر، سعید بن المسیب، عطاء السلسلی، اور دیگر کئی تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعلق کرامات پر مبنی کئی روایات ہیں اور

﴿ دلائل الصیۃ للبیہقی میں ہے۔

﴿ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

یہ روایات اس قدر صحیح اور متواتر ہیں کہ اہل روایت کے مطابق ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ان کے علاوہ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جس میں مالک بن دینار، فرقد السنخ، عتبۃ الغلام، حبیب العجمی، محمد بن واسع، رابعہ العدویہ، عبدالواحد بن زید اور ایوب السختمانی کے اسماء شامل ہیں۔ ان تمام سے علماء نے کرامات کے واقعات روایت کیے ہیں۔ اور کچھ تو ان میں سے مثلاً ایوب السختمانی علیہ الرحمہ، سفیان الثوری علیہ الرحمہ اور حماد بن زید علیہ الرحمہ ایسے ثقہ ائمہ دین ہیں کہ ان کی روایات کا تو کسی طرح رد نہیں کی جاسکتا۔ حدود اللہ، احکام حلال و حرام اور دین کے دیگر مسائل میں ہم ان کے اقوال و روایات کا تو کسی طرح انکار نہیں کرتے اور ان میں ہم ان کی روایت کو صحیح مانتے ہیں پھر ہم کس طرح ان کی ان روایات کا انکار کر سکتے ہیں جن کا تعلق کرامات اولیاء سے ہے۔

میں نے اہل علم کے ایک گروہ کو دیکھا کہ انہوں نے کرامات اولیاء سے متعلق ایک ہزار حکایات اور ایک ہزار روایات سے زیادہ مواد جمع کیا۔ ہم کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام واقعات غلط ہیں۔ اگر ان تمام میں سے ایک بھی صحیح ہو تو یہ تمام کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ایک ہی موضوع سے متعلق روایات میں زیادہ اور کم کی تو بات ہی نہیں ہوتی۔

سید الرسل ﷺ کا اعزاز

جو یہ دلیل بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قبل جن لوگوں سے کرامات ظاہر ہوئی تھیں وہ دراصل اس وقت کے نبی کے لیے ایک اعزاز تھا اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں جو کرامات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ظاہر ہوئیں وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ کی جانب سے ایک اعزاز تھا۔ ہم اس بات میں اس قدر اضاافہ کرتے ہیں کہ نہ صرف صحابہ کرام بلکہ تابعین اور ان کے بعد قیامت تک جو کرامات بھی دنیا میں صالح لوگوں سے ظاہر ہوگی وہ رہتی دنیا تک سید دو عالم ﷺ کے لیے ایک شاندار اعزاز رہے گا۔

امت مسلمہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کرامات کو حال، مرتبہ اور شرف نہیں سمجھتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ اصفیاء کے لیے بجائے امتحان و آزمائش کے ہے اور جو شخص اس سے خوش ہو جائے یا مطمئن ہو جائے وہ طبقہ خواص میں شمار نہیں ہوتا۔ انہیں یہ خوف بھی رہتا ہے کہ کرامات ان کے لیے درجات میں کمی کا باعث بنتی ہیں۔

کرامات میں خواص کا مقام اور بعض اہل کرامت کا خوفِ فتنہ کے باعث کرامت سے اظہارِ ناپسندگی

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کرامات تو وقت کے ساتھ گزر جاتی ہیں لہذا سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ
برائی کو نیکی سے بدلا جائے۔

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ابتداء میں مجھے اللہ تعالیٰ نے آیات و کرامات دکھائیں۔ مگر میں نے ان کی جانب
توجہ نہ دی۔ اس کے نتیجے میں مجھے معرفتِ عطا کی گئی۔

کہتے ہیں کہ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے۔ اس پر انہوں نے جواب
دیا: شیطان بھی ایک ہی لٹکلے میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے اور وہ بدستور میں ملعون رہتا ہے۔

کسی اور شخص نے ان سے کہا کہ فلاں پانی پر چلتا ہے۔ آپ نے کہا: مچھلیوں کا پانی میں ہونا اور پرندوں کا ہوا میں اڑنا
اس سے کہیں زیادہ حیران کن ہے۔

میں نے ظیفور بن عیسیٰ سے انہوں نے موسیٰ بن عیسیٰ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے کہا کہ ابو یزید بسطامی
علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنا مصلیٰ پانی پر بچھا دے اور ہوا میں چہل قدمی کرے تو اس سے مرعوب مت ہو جاؤ بلکہ یہ
دیکھو کہ امر و نہی کی پابندی وہ کہاں تک کرتا ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: خواص کے قلوب اللہ تعالیٰ سے اس وقت حجاب میں رہتے ہیں جب وہ نعمتوں کی طرف متوجہ
ہوتے ہیں عطاء و بخشش سے تلمذ حاصل کرتے ہیں اور کرامات پر خوش ہوتے ہیں۔

مجھے ابن سالم اور انہیں ان کے والد نے بتایا کہ ایک شخص سہل بن عبد اللہ کی صحبت میں رہتا تھا۔ ایک روز اس نے سہل
بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ سے کہا: اے ابو محمد! بعض اوقات پر وضو کرتا ہوں تو جو پانی میرے ہاتھوں سے بہتا ہے وہ سونے اور
چاندی کی سلاخیں بن جاتا ہے۔ سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ نے اسے کہا: تو نے نہیں دیکھا کہ جب بچہ رونے لگتا ہے تو اس کے
ہاتھ میں مچھنٹنا تھما دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس سے کھیلنے میں مشغول ہو جائے۔ اب غور کر لو کہ تم کیا کر رہے ہو؟

ابو حمزہؒ سے متعلق ایک واقعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ایک دروازے کو کھولنے کے لیے جمع تھے مگر دروازہ نہیں کھلتا تھا۔ ابو حمزہؒ
آئے اور انہوں نے کہا: ایک طرف ہٹ جاؤ۔ پھر قفل کو پکڑ کر ہلانے لگے اور قفل کھل گیا۔

ابو اسحٰق نوری علیہ الرحمۃ ایک رات کو جدلہ پر گئے تو دیکھا کہ دریا کے دونوں کنارے ایک دوسرے سے ملے ہوئے
ہیں۔ یہ دیکھ کر انہوں نے خدا کے حضور عرض کی: تیری عزت و جلال کی قسم! میں اسے کشتی ہی سے عبور کروں گا۔

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میرے پاس ابو علی سندھی علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور یہ ان کے استاذ تھے۔
ان کے پاس ایک تھیلی تھی جو انہوں نے میرے سامنے الٹا دی۔ اور اس میں سے جو اہرات نکلے میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے

ملے۔ انہوں نے کہا: میں یہاں ایک وادی میں پہنچا تو یہ جو اہرات زمین پر پڑے چک رہے تھے، میں نے اٹھالے۔ میں نے پوچھا: جب آپ وادی میں پہنچے تو آپ کی کیفیت کیاتھی؟ کہا: میری کیفیت اس وقت تھوڑے وقت کے لیے اس کیفیت سے کٹ چکی تھی جو وادی میں داخل ہونے سے قبل تھی۔

یہاں اس واقعے میں نتیجہ خیز بات یہ ہے کہ جس وقت ان کی کیفیت میں کمزوری واقعی ہوئی اسی وقت اسے جو اہر میں مشغول کر دیا گیا۔

محمد یوسف البنا کا بیان ہے کہ ابوتراب غنشی علیہ الرحمۃ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ایک سال میں نے ان کے ہمراہ سفر کیا۔ ہمارے ساتھ چالیس اشخاص اور بھی تھے جن کے ساتھ وہ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ ابوتراب نے انہیں راستہ دکھانے میں ان کی راہنمائی کی۔ دوران سفر ہم راستہ بھول گئے تو ہمارے ساتھ سوائے ایک دبلے پتلے نوجوان کے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ اس وقت ابوتراب نے کہا: ان تمام میں سے مضبوط ایمان والا یہی نوجوان ہے۔ ہم نے سفر جاری رکھا تا آنکہ ہمیں کھانا کھانے کی شدید ضرورت محسوس ہوئی۔ ابوتراب علیہ الرحمۃ تھوڑی دیر کے لیے راستے سے ہٹ کر ایک طرف کو گئے اور واپس آئے تو کیلے کا ایک گچھا ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے وہ گچھا ہمارے سامنے رکھ دیا حالانکہ اس وقت ہم ریت کے ٹیلوں کے وسط میں تھے۔ ابوتراب نے اس نوجوان کو وہ کیلے کھلانے کی بڑی کوشش کی مگر اس نے نہیں کھائے۔ ہم نے اس سے کہا کیا وجہ ہے کیوں نہیں کھاتے؟ اس نے جواب دیا: میں نے اپنے رب کے ساتھ یہ بیان باندھا ہے کہ جو چیز بھی مجھے معلوم ہو جائے اسے ترک کر دوں گا۔ آپ بھی اب میرے لیے معلوم ہیں لہذا میں آج سے آپ کی صحبت ترک کرتا ہوں۔

محمد بن یوسف نے کہا میں نے ابوتراب علیہ الرحمۃ سے کہا اگر چاہو تو کوشش کر کے اسے روک لو اور چاہو تو اسے چھوڑ دو۔ ابوتراب علیہ الرحمۃ نے نوجوان سے کہا: جو چاہو کرو۔

بے مثال پرہیزگاری

میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ سے سنا انہوں نے کہا کہ جب اسحاق بن احمد علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا اس وقت سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ ان کی عبادت گاہ میں داخل ہوئے وہاں انہوں نے ایک ٹوکری میں دو بوتلیں پڑی پائیں۔ ایک بوتل میں سرخ رنگ کی کوئی چیز تھی اور دوسری میں زرد رنگ کی۔ اس کے علاوہ چاندی اور سونے کے دو ٹکڑے بھی وہاں پڑے تھے۔ ابن سالم علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ سہل نے میرے والد کو حکم دیا کہ دو دونوں ٹکڑے دجلہ میں پھینک دے۔ پھر انہوں نے دونوں بوتلوں میں موجود مواد میں مٹی ملا دی۔ اور اسحاق بن احمد پر اس وقت قرضہ بھی واجب الادا تھا۔ ابن سالم علیہ الرحمۃ نے کہا کہ میرے والد نے کہا کہ میں نے سہل علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ بوتلوں میں کیا چیز تھی؟ سہل علیہ الرحمۃ نے کہا: جو سرخ مواد تھا اگر اسے ایک درہم برابر تانبے کی مشقالوں پر ڈالا دیا جاتا تو وہ سونے میں تبدیل ہو جاتیں۔ اور جو زرد رنگ کا مواد تھا اگر اسے ایک درہم برابر مقدار میں تانبے کی مشقالوں پر ڈالا دیا جاتا تو وہ چاندی بن جاتیں۔ اور جو دو ٹکڑے انہوں نے سونے اور چاندی میں تبدیل کیے تھے وہ بطور تجربے کے تھے۔ میں نے پوچھا: وہ کیا چیز تھی جس نے انہیں سونا چاندی بنا کر اپنا قرض چکانے سے روک رکھا؟ سہل نے کہا: اے دوست! اسے اپنے ایمان کا ڈر تھا۔

راقم السطور نے ابن سالم علیہ الرحمۃ سے کہا کہ کیا یہ زیادہ بہتر نہ تھا کہ بہل بن عبد اللہ ان سونے اور چاندی کے دو ٹکڑوں کو ضائع کرانے کے بجائے ان میں سے اسحاق بن احمد کا قرض ادا کر دیتے۔ ابن سالم نے مجھے جواب دیا کہ بہل بن عبد اللہ اسحاق بن احمد سے بھی بڑھ کر اپنے ایمان پر ڈرتے تھے۔ اور پھر مزید کہا کہ انہیں ایسا کرنے سے درع نے روک لیا تھا۔ کیونکہ اس طرح بنائے ہوئے سونے یا چاندی کی اصلیت ستر برس کے بعد بدل جاتی ہے۔

مشابہت فرعون سے احتراز

ابو حفصؒ یا کسی اور شیخ کے بارے میں حکایت بیان کی جاتی ہے کہ وہ تشریف فرما تھے اور ان کے مریدین ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک ہرن پہاڑ سے اتر کر ان کے قریب آیا اور بیٹھ گیا۔ ابو حفص یا شیخ علیہ الرحمۃ یہ دیکھ کر رونے لگے۔ اور ہرن کو چھوڑ دیا۔ مریدین نے سب پوچھا، جواب دیا: تم لوگ میرے پاس بیٹھے تھے اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر ایک بکری میرے پاس ہوتی تو تمہارے لیے ذبح کرتا۔ مگر جب یہ ہرن آ کر میرے پاس بیٹھ گیا تو مجھے اپنا یہ فعل فرعون سے مشابہ معلوم ہوا کہ اس نے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اس کے پاس دریا ئے نیل بہائے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسا ہی کر دیا۔ اس لیے مجھے رونا آیا اور میں نے اللہ سے درخواست کی وہ مجھے میری اس خواہش پر درگزر فرمائے۔ کسی شیخ کا کہنا ہے کہ ایک شخص کی اس بات سے متعجب مت ہو جاؤں کہ اس نے جیب میں کچھ بھی نہیں ڈالا تھا مگر ہاتھ اس میں داخل کیا تو جو کچھ چاہتا تھا نکال لیا۔ بلکہ کسی شخص کی اس بات سے ضرور متعجب ہو جاؤ کہ اس کی جیب میں کوئی چیز موجود تھی اور اس نے اس میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا اور اس کے باوجود وہ متغیر نہیں ہوا۔

ابن عطاء کا بیان ہے کہ میں نے ابو الحسین نوری علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے سنا: میرے ذہن کرامات کے بارے میں کچھ شک سا تھا لہذا میں نے بچوں سے مچھلی پکڑنے کی چھڑی لی اور دو کشتیوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا: تیرے جلال کی قسم! اگر آج میرے لیے تین رطل وزنی مچھلی نہ نکلی تو میں اس پانی میں ڈوب کر مر جاؤں گا۔ اور اتنے میں تین رطل کی مچھلی میرے لیے نکلی۔ یہ بات جنید علیہ الرحمۃ تک پہنچی تو انہوں نے کہا: وہ اس لائق تھا کہ اس کے لیے اڑدھا نکلتا اور اسے ڈس لیتا یعنی اگر اسے سانپ ڈس لیتا تو دین کے معاملے میں یہ اس کے لیے مچھلی حاصل کرنے سے زیادہ نفع بخش تھا کیونکہ مچھلی پالینے میں فتنہ تھا جب کہ سانپ کے ڈسنے میں تطہیر اور کفارہ تھا۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ کرامات کی طرف اشارہ کرتا ہے تو جان لو کہ اس کا طریق ابدال کا ہے اور جو نعمتوں کی طرف اشارہ کرے تو اس کا طریق اہل محبت کا ہے اور اس کا درجہ ناقص سے اعلیٰ ہے۔ اس طرح جو ذکر کی طرف اشارہ کرے اور اللہ کے ذکر سے ہر وقت متعلق رہے تو جان لو کہ اس کا طریق عارفین کا ہے اور یہ تمام احوال سے درجے کے اعتبار سے اعلیٰ ہے۔

اصطلاحات صوفیہ اور ان کی تشریحات

الحق بالحق للحق

اس اصطلاح میں تینوں جگہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔
ارشاد خداوندی ہے:

وَكَيْفَ تَتَذَكَّرُ بِالْحَقِّ أَهْلُ الْحَقِّ هُمْ [المؤمنون: ۷۱]

ترجمہ: ”اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا۔“

ابوصالح علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ میں حق کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ نے اپنی کسی گفتگو میں کہا کہ بندہ حق کے ساتھ موقوف ہے، حق کے ذریعے موقوف ہے اور حق کے لیے موقوف ہے حق سے ان کی مراد اللہ ہے۔

منہ، یہ اور لہ

اور یہی تشریح منہ، یہ اور لہ کی ہے کہ اس میں ”ہ“ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ اس طرح ہم یوں کہیں گے کہ من اللہ، باللہ، اللہ بعض اوقات اس سے مراد خود بندہ بھی ہوتا ہے جیسے من العبد، بالعبد اور للعبد اور جیسا کہ ابو یزید علیہ الرحمۃ نے کہا کہ مجھ سے ابوعلیٰ سندھی نے کہا: میں ایک ایسے حال میں تھا جو مجھ سے میرے لیے اور میرے ساتھ قائم تھا اس کے بعد میں ایک ایسے حال پر فائز ہوا کہ جو اس سے اس کے لیے اور اس کے ساتھ تھا۔

یہاں مفہوم یہی نکلتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کو دیکھ رہا ہے لہذا وہ اپنے افعال کو خود اپنی ذات سے منسوب کرتا ہے مگر جب اس کے قلب پر انوار معرفت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ جملہ اشیاء کو اللہ سے قائم اللہ کے لیے معلوم اور اس کے لیے لوٹنے والی پاتا ہے۔

حال

ایک ایسی واردات قلبی ہے جو بندے پر ایک خاص وقت میں وارد ہوتی ہے۔ پھر دل میں قرار پکڑتی ہے جب کہ دل میں رضا اور سب کچھ اللہ کے سپرد کر دینے کی صفات موجود ہوں۔ سالک اس کے لیے صفاء باطن پیدا کرتا ہے اور پھر یہ حال زائل ہو جاتا ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کے مطابق حال کی تعریف یہ ہے: حال صفائے اذکار کے ساتھ باطن میں وارد ہوتا ہے اور زائل نہیں ہوتا اگر زائل ہو جائے تو حال نہیں کہلاتا۔

مقام

مقام کی یہ خصوصیت ہے کہ بندہ اپنے مخصوص احوال میں اس پر فائز ہوتا ہے جیسے مقام صابرین و متوکلین جو کہ بندے کا ظاہری و باطنی مقام ہے اس کے مجاہدات و معاملات اور ارادات کے مطابق جب بندہ کسی حال میں مکمل ہو تو وہی اس کا مقام

ہوتا ہے جس سے وہ اگلے مقام کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ہم احوال و مقامات کے باب میں اس کا ذکر کر آئے ہیں۔

مکان

یہ اہل کمال و استقامت اور تصوف میں منتہی صوفیہ کا حصہ ہے۔ جب بندہ اپنے احوال میں کامل ہو جاتا ہے تو اسے ایک مستقل مکان عطا کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے احوال و مقامات طے کر لیے ہوتے ہیں لہذا وہ بالآخر صاحب مکان ہو جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”میرے دل میں تیرا مقام یہ ہے کہ سارا دل ہی تیرا مکان ہے اس میں تیرے سوا کسی اور کے لیے جگہ ہی نہیں۔“

مشاہدہ

قدرت حق کی نشانیاں دیکھ کر قلب میں حضور حق کا پیدا ہونا اور باہم قریب آنے کا نام مشاہدہ ہے۔ مکاشفہ اور مشاہدہ دونوں معنی میں ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ مگر کشف معنی کے اعتبار سے زیادہ مکمل ہے۔ عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ نے کہا: مشاہدہ کا آغاز یہ ہے کہ زوائد یقین، کواشفِ جوہر کے ساتھ چمکتے ہیں اور وہ غیب کے ڈھانپ لینے سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ الغرض مشاہدہ دوامِ محاضره کو کہتے ہیں جسے قلب طلب کرتا ہے جب اسے غیب ڈھانپ لیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَن كَانَ لِقَاءَ قَلْبٍ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ [ق: ۳۷]

”بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ شہید سے مراد حاضر ہے۔“

لوائح

لوائح وہ انوارِ ذاتیہ ہیں جو باطن پر چمکتے ہیں تاکہ سالک کی بلندی میں اضافہ ہو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے کہا: وہ لوگ کامیاب رہے جنہیں مختلف راستے کی طرف رہنمائی کی گئی اور وہ سرگوشی کرنے سے قریب تر ہو گئے جس کے ذریعے انہوں نے فہمِ خطاب کو سمجھنے میں تیزی حاصل کر لی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ [آل عمران: ۱۳۳]

”اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔“

پھر عقلمیں اس کے نزدیک اپنے اپنے مقام کے مطابق حسن توجہ کے ساتھ متوجہ ہو گئیں۔

لوائح

اس اصطلاح کا معنی لوائح سے قریب ہے۔ لوائح دراصل لوائحِ برق یعنی بجلی کے بار بار چمکنے سے ماخوذ ہے کہ جب

بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو بیاسا یہ سمجھتا ہے کہ بارش ہوگی۔

عمر بن عثمانؓ کی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے خالص و پاکیزہ خیال میں اس طرح درود فرماتا ہے کہ جیسے بجلی کے بعد دیگرے چمکتی ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے اولیاء کے قلوب کے لیے معرفت کی یہ روشنیاں دکھاتا ہے تاکہ قلوب ایمان بالغیب رکھتے ہوئے اصل کے متعلق کوئی خیال نہ باندھیں۔ اور یہ معرفت کی بجلیوں کی چمک اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ نفس اس نور کا تو ہم کر ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ اس کا تو ہم کرے تو یہ سلسلہ فوراً منقطع ہو جاتا ہے۔

کہنے والے نے کہا ہے۔ ترجمہ مصرع

”اور طمع رکھنے والا سراب کی چمک سے دھوکا کھا گیا“

الحق

حق سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن مجید شاہد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۳۰﴾ [النور: ۳۰]

ترجمہ: ”کہ اللہ ہی صریح حق ہے۔“

حقوق

اس کے معنی میں احوال، مقامات، معارف، ارادت، معاملات اور عبادات شامل ہیں۔
طیالسی رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب حقوق ظاہر ہوتے ہیں تو حظوظ غائب ہو جاتے ہیں اور جب حظوظ ظاہر ہوتے ہیں تو حقوق غائب ہو جاتے ہیں اور حظوظ کا معنی حظوظ نفس ہے۔ اور بشریت حقوق کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

تحقیق

بندے کا حقیقت کو پانے کے لیے اپنی کوشش و قوت کو استعمال کرنا تحقیق ہے۔
ذوالنون علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: میں ایک دانشور سے ملا تو اس سے پوچھا کہ سارا کد راستے میں تنگ درے کے اندر کیوں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ دانشور نے کہا: تصدیق کے ستونوں کے کمزور ہونے اور قلوب کے تحقیق پر دسترس حاصل کرنے میں ضعف کے باعث ایسا ہوتا ہے۔

تحقیق

اس کا معنی بھی تحقیق کا ہے اور دونوں میں وہی فرق ہے جو تعلیم و تعلم میں ہے۔

حقیقت

حقیقت اہم ہے اور حقائق حقیقت کی جمع ہے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ قلوب پر ایمان رکھتے ہوں اس کے رو برو ہمیشہ قائم کھڑے رہیں اگر قلوب میں کوئی شک یا خیال اس کے بارے میں جس پر وہ ایمان رکھتے ہوں، داخل ہو جائے حالانکہ اس

کے حضور قائم کھڑے ہوں تو ایمان باطل ہو جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان کیا حقیقت ہے؟ حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اپنے نفس کو دنیا سے کنارہ کش کر لیا، میں رات کو جاگتا رہا اور دن کو پیا سا رہا۔ میری حالت اب ایسی ہے کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو ظاہر ظہور دیکھتا ہوں۔ ۵

حدیث میں حارث رضی اللہ عنہ نے جس طرح کے مشاہدے کی بات کی اس سے ان کی مراد اپنے مشاہدہ قلب اور اللہ کے حضور دائمی وقوف تھا گویا ان کا مشاہدہ آنکھوں سے دیکھنے کے برابر تھا۔
جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے: حقائق نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ قلوب کے لیے برائے وضاحت کسی قول کا سہارا لیں۔

الخصوص

الخصوص سے مراد مخصوص صوفیہ ہیں اور یہ وہ صوفیہ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عام مومنین کے مقابلے میں حقائق، احوال اور مقامات عطا کر کے مخصوص ٹھہرایا۔

خصوص الخصوص

توحید میں تفرید و تجرید کے حامل ہوتے ہیں یعنی وہ صوفیہ جنہوں نے احوال و مقامات کو طے کیا اور ان کے حصول و عبور میں واقع ہونے والے صحراؤں سے گزر گئے۔
قول باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْهُمْ مَّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَائِقٌ بِالْخَيْرَاتِ [فاطر: ۳۲]

ترجمہ: ”اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔“

آیت مبارکہ میں مقتصد سے مراد خصوص (یعنی خاص صوفیہ) اور سائِق سے مراد خصوص الخصوص (یعنی خاص الخواص) ہے۔ ابوبکر شیلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اے ابوبکر! اس بات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ خصوص الخصوص اہل عموم ہیں اور پھر خود ہی فرمایا: اللہ کی طرف اشارہ کرنے میں خصوص الخصوص بھی اہل عموم ہیں۔

اشارہ

اشارہ یہ ہے کہ جسے متکلم، تکلم کے ساتھ بیان نہ کر سکے کیونکہ یہ معنی کے اعتبار سے نہایت لطیف ہوتا ہے۔ ابوبعلی رود باری علیہ الرحمۃ نے کہا: ہمارا یہ علم تصوف محض اشارہ ہے جب عبارت بن جائے تو غائب ہو جاتا ہے۔

ایماء

ایماء کسی عضو کی حرکت کے ساتھ اشارہ کرنے کو کہتے ہیں۔

جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے ابن الکریمی علیہ الرحمۃ کے سر کے پاس بیٹھ کر اپنے سر کے ساتھ زمین کی طرف

اشارہ کیا۔ تو انہوں نے کہا: دوری سے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو کہنے لگے: دوری یعنی جس قدر بندہ اس کی طرف اشارہ کرے وہ دور ہی ہے۔

شبلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: جس نے اس کی طرف ایماء یعنی کسی عضو کے ساتھ اشارہ کیا، اس کی مثال بت کے پجاری کی سی ہے۔ کیونکہ ایماء فقط اصنام کی طرف ہی ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں کسی نے کہا۔ ترجمہ اشعار:

”میرے لیے وصل کے قریب اور وصل کے دوران آنکھوں سے آنکھوں کی طرف اشارہ کرنے میں ملامت ہے یعنی ایسا کرنا میرے لیے کوئی اچھا امر نہیں۔“

”وصل کے دوران مجھے خوف سے مہبوت کیا جاتا ہے، میں ڈر سے پھلنے لگتا ہوں۔ اور حرکت و سکون سے بھی جاتا رہتا ہوں۔“

رمز

ظاہری کلام میں پوشیدہ مفہوم کو رمز کہتے ہیں اس پر صرف اس کے اہل صوفیہ ہی کو دسترس حاصل ہوتی ہے۔
قناد علیہ الرحمۃ نے کہا۔ ترجمہ شعر:

”جب وہ بولیں گے تو ان کے رموز کا مقصد و مطلب تم پر واضح ہوگا اور اگر وہ خاموش ہو گئے تو تجھ سے ان کے رموز کے مطالب کا تسلسل دور چلا جائے گا۔“

کسی نامعلوم صوفی کا قول ہے: جو ہمارے مشائخ کے رموز کو جاننا چاہتا ہے تو اسے ان کے مکتوبات و مراسلات پڑھنے چاہئیں نہ کہ ان کی تصنیفات۔ کیونکہ ان کے رموز مراسلات اور مکتوبات میں ہوتے ہیں، ان کی تصنیفات میں نہیں۔

صفاء

صفاتِ خلیقہ اور احساسِ فعل کے امتزاج سے پاک کیفیت کو صفاء کہتے ہیں۔

جزیری علیہ الرحمۃ کا قول ہے: صفاء کی جو کیفیت حاصل ہو اسے صفاء سبحنا زیادتی ہے کیونکہ ایسا کرنے میں صفاتِ خلقیہ اور احساسِ فعل دونوں شامل ہوتے ہیں۔

ابن عطاء علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: تم صفاء عبودیت کے دھوکے میں نہ آ جانا کیونکہ ایسا کرنے میں ربوبیت کو فراموش کر دینے کا خدشہ موجود ہے۔ اور اس میں احساسِ فعل اور صفاتِ خلقیہ بھی موجود ہیں۔

محمد بن علی ابو بکر کتانی علیہ الرحمۃ صفا کے بارے میں فرماتے ہیں: صفا مذموم افعال کو زائل کر دیتا ہے۔ اور صفاء الصفاء کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ احوال و مقامات سے گزار کر نہایات تک پہنچا دیتا ہے۔

صفاء الصفاء

حق کا حق کے ساتھ بلا علت مشاہدہ کرنے کے لیے موجودات کے اسرار کو ظاہر کرنے کا نام صفاء الصفاء ہے۔
کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:

”صفوا الصفاء اللہ کی صفا کا اقرار اور صفاء وجود حق کا یقین کرنا۔
جو خود ظاہر ہوا اس نے وہ کچھ واضح کر دیا جس نے اس کے لیے اس کے ذریعے بیان کرنے کا حق

بھر پور توضیح کے ساتھ ظاہر کر دیا۔
یہ اس کے اپنے وجد کو پانے کی حقیقت ہے۔ اور اس کے وجد کے لیے کیا اس سے بڑھ کر کوئی بیان ہو سکتا ہے۔“

زوائد

زوائد، ایمان بالغیب اور یقین میں ہونے والے اضافوں کو کہتے ہیں۔ جب کبھی ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے، تو احوال، مقامات، ارادات اور معاملات میں صدق و یقین بھی بڑھتا ہے۔
عمر و بن عثمان کی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب یقین کے زوائد (اضافے) کو اشرف حضور کے ساتھ دل کی پوشیدگی سے روشن ہوتے ہیں تو غیوب انہیں نہیں چھپاتے۔

فوائد

فوائد، ان تحائف کو کہتے ہیں جو اللہ کی جانب سے اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو بوقت حاضری، آسودگی و آسائش حاصل کرنے کے لیے عطا کیے جاتے ہیں۔
ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: میں نے دیکھا کہ فوائد رات کے اندھیرے میں وارد ہوتے ہیں۔

شاہد

شاہد وہ ہے جو تمہیں وہ کچھ دکھاتا ہے جو تجھ سے غائب ہوتا ہے یعنی تیرے قلب کو اس غیب کے پانے کے لیے حاضر کرتا ہے۔
کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:
”ہر شے میں اس کے لیے ایک شاہد موجود ہے جو اس بات کی دلیل پیش کرتا ہے کہ وہ ایک ہے۔“
شاہد بمعنی حاضر بھی ہے۔
جنید علیہ الرحمۃ ”شاہد“ سے متعلق فرماتے ہیں: شاہد حق تیرے ضمیر و باطن میں موجود اس سے باخبر ہے۔

مشہود

جو کچھ شاہد دکھاتا ہے وہ مشہود ہے۔
ابوبکر واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: شاہد حق ہے اور مشہود کائنات۔
اللہ جل شانہ کافرمان ہے:

وَشَٰكِلٍ وَّ مَشْهُودٍ ﴿۱۳﴾ [البروج: ۱۳]

ترجمہ: ”اور قسم ہے اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں۔“

موجود اور مقفود

موجود و مقفود و متضاد اسم ہیں۔ موجود وہ ہے جو عالم عدم سے عالم وجود میں آیا۔ اور مقفود وہ ہے جو عالم وجود سے عالم

عدم میں آیا۔
ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے کہا: مفقود کا غم نہ کر کیونکہ کوئی موجود بندہ اس کا ذکر کرتا ہی رہتا ہے۔

معدوم

جس کا نہ کوئی وجود ہو اور نہ ہی ممکن ہو۔ اگر تم کوئی چیز کھو بیٹھے جس کا وجود ممکن ہو تو وہ چیز مفقود کہلانے کی معدوم نہیں۔
کسی عارف کا قول ہے: عالم عدم کے دو کناروں کے درمیان موجود ہے۔ پہلے بھی وہ معدوم تھا اور آخر کار پھر معدوم ہو جائے گا۔ عارف اس کے عدم کا مشاہدہ کرتا ہے اور ایسے میں وہ معرفتِ خالق کو پالیتا ہے۔

جمع

جمع ایک مجمل لفظ ہے اس سے وہ اشارہ عبارت ہے جو بندہ حق کی طرف کون وخلق کے بغیر کرے۔ کیونکہ کون وخلق دونوں تخلیق کیے گئے ہیں اور خود اپنی ذات میں قائم نہیں بلکہ عدم کے دو کناروں کے درمیان موجود ہیں۔

تفرقہ

یہ بھی ایک مجمل لفظ ہے جو ایک ایسے اشارے سے عبارت ہے جو بندہ، کون وخلق کی طرف کرتا ہے۔
تفرقہ وجمع دونوں لازم و ملزوم ہیں جس نے تفرقہ کی جانب جمع کے بغیر اشارہ کیا اس نے باری تعالیٰ کا انکار کیا۔ اور جس نے جمع کی طرف، بلا تفرقہ اشارہ کیا وہ قادرِ مطلق عزوجل کی قدرت کا منکر ہوا۔
اور جس نے دونوں کو باہم اکٹھا کیا اس نے تو خدا کو پالیا۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”میں اکٹھا ہوا پھر خود سے جدا ہوا اس کے ساتھ ہو کر۔ گویا ہم دونوں کا اصل میں ایک ہونا گنتی

کے لحاظ سے وہ ہے۔ یعنی بظاہر گنتے میں دو ہیں مگر بوقتِ وصل ایک ہیں۔“

یعنی جمع میں ایک ہے اور تفرقہ میں دو۔

غیبت

حضور حق و مشاہدہ حق میں مشغول رہتے ہوئے قلب کا خلق کے مشاہدے سے اس طرح دور رہنا کہ بندے کے ظاہر میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو غیبت کہلاتا ہے۔

غشیۃ

قلب پر جو کچھ واردات ہوتی ہیں ان سے اس کا بے خبر رہنا اور اس کا مظاہرہ بندے کے ظاہر پر ہونا غشیۃ ہے۔

حضور

خالص یقین کے ساتھ قلب کا اس غائب کے لیے حاضر رہنا جو اس کے عیان سے غائب ہو، حضور کہلاتا ہے۔ اگر اس

طرح کی کیفیت سالک کو حاصل ہو تو غائب بھی اس کے لیے حاضر کے مانند ہے۔

کسی نے کہا ہے: ترجمہ مصرع
 ”میرے سردار چاہے تجھے مجھ سے غائب بھی کر دیا گیا ہو تب بھی میرے لیے بمنزلہ حاضر کے
 ہے۔“
 ابوالحسن نوری کا شعر ہے۔ ترجمہ شعر:
 ”جب میں غائب ہوتا ہوں تب وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ظاہر ہوتا ہے تو مجھے غائب کر دینا
 ہے۔“

صحو و سکر

صحو و سکر معنی کے لحاظ سے غیبت و حضور کے معنی سے قریب ہیں۔ اگر فرق ہے تو اس قدر کہ صحو و سکر، غیبت و حضور سے
 زیادہ قوی مکمل اور غالب ہوتا ہے۔ صحو و سکر سے متعلق کسی نے یہ اشعار کہے۔ ترجمہ اشعار:
 ”تیری دو حالتیں ہیں ایک صحو اور دوسری سکر، اور میں ہمیشہ ان دونوں حالتوں میں یعنی صحو سکر ہی
 میں رہتا ہوں۔“

تیرے لیے یہی کافی ہے کہ حالت صحو نے مجھے شکستہ حال بنا دیا اگر ایسا ہے تو پھر حالت سکر میں کیا
 عالم ہوگا، اور سکر کی کیفیت ہی زیادہ مناسب ہوتی ہے۔
 اگر میں نے اس وقت سے جب کہ محبت نے تیری آنکھوں کو میری لیے ایسی آنکھ بنا دیا جو کبھی
 دیکھتی اور کبھی نہیں دیکھتی، تیرے سوا کسی اور طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا ہوتا تو میں محبت ہی سے
 دستبردار ہو جاتا۔“

کیونکہ میں تمہارے اور اپنے سوا دہرے کو خواب و خیال تصور کرتا ہوں۔

سکر اور غشیت میں فرق

سکر و غشیت میں فرق یہ ہے کہ سکر انسانی طبیعت سے نہیں پیدا ہوتا اس کے طاری ہونے سے طبیعت یا حواس میں کوئی
 تغیر رونما نہیں ہوتا۔ جب کہ غشیت کے طاری ہونے کا تعلق انسانی طبیعت سے ہے اور اس کے طاری ہونے سے طبیعت اور
 حواس میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور طہارت باطل ہو جاتی ہے۔
 غشیت ہمیشہ نہیں رہتی جب کہ سکر ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

صحو و حضور میں فرق

صحو حادث ہے اور حضور دائمی۔

صفوا الوجد

صفوا الوجد (خالص وجد) یہ ہے کہ وجود حق کے بغیر کوئی اور وجد کی حالت میں سامنے نہ ہو۔
 جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”ہمارے وجد کا خالص ہونا اس بات سے ہی ثابت ہو گیا کہ ہمارے لیے ہمارے اپنے نفس کے علاوہ کوئی جانچ پرکھ کرنے والا اور آگاہ کرنے والا نہیں۔“

ہجوم و غلبات

ہجوم و غلبات باہم قریب المعنی ہیں۔ ہجوم، صاحب غلبات کا فعل ہے۔ یہ اس وقت واقع ہوتا ہے جب قوتِ رغبت ہو اور خواہشات و اسبابِ نفس کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

اگر ایسے میں طالب کو مطلوب تک پہنچنے کے کچھ مزید آثار معلوم ہو جائیں تو چاہے درمیان میں سمندر ہو یا کوئی چٹیل میدان ہو وہ اسے غلباتِ ارادہ و قوتِ طلب رکھتے ہوئے عبور کرے گا۔ اگر اسے آگ بھی راستے میں حائل دکھائی دے گی تو وہ جان و روح کی پردہا کیے بغیر اس میں کود پڑے گا چاہے اس سے وہ مطلوب تک پہنچے یا نہ پہنچے۔

فناء اور بقاء

فناء اور بقاء کا ذکر ان سے متعلق باب میں بھی ہم کر آئے ہیں۔

فناء کا مفہوم صفاتِ نفس، بخل اور آسائشِ ظہنی کو اپنے حال میں فنا کر دینا ہے اور بقاء اسی حالت پر باقی رہنے کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ فناء کی ایک تعریف یہ ہے کہ بندے کا اپنے افعال کو افعالِ حق میں فنا کر دینے اور خود اپنے ذات کو فنا کر کے ذاتِ حق کے ساتھ قائم رہنے کو بھی فناء کہتے ہیں۔ اور بقاء اللہ کی ذات میں اپنی ذات کو گم کر کے اسی کے ساتھ قائم رہنے پر باقی کو کہتے ہیں۔

مبتدی

سیرالی اللہ کرنے والوں کے راستوں کو پوری قوتِ عزم سے ساتھ، طے کرنے کے عمل کو شروع کرنے والے کو مبتدی کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ ان راستوں کے آداب کو بھی ملحوظ رکھتا ہے۔ اور خدمتِ و تسلیم کے جذبے کے ساتھ ان راستوں کے آغاز و انجام سے خبر رکھنے والے سے سیکھنے کے لیے خود کو وقف کر دیتا ہے۔

مرید

جس بندے کی ابتدا صحیح ثابت ہو چکی ہو، وہ سیرالی اللہ کرنے والوں کے زمرے میں اسم کے ساتھ شامل ہو گیا، قلوبِ صادقین اس کے ارادے کی صحت کی گواہی دیں اور اس کے بعد وہ حال و مقام پر دھیان نہیں دیتا بلکہ وہ اپنے سفرِ وصل میں اپنے ارادے کی پاکیزگی کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے۔

مراد

ایسا عارف جس کا اپنا کوئی ارادہ باقی نہ رہے اور وہ اشیاء تک پہنچ گیا ہو، اس نے تمام احوال و مقامات اور مقاصد و ارادت طے کر لیے ہوں وہ مراد کہلاتا ہے۔ اس سے وہی کچھ جا با جاتا ہے جو کچھ اللہ چاہتا ہے اور وہ خود جو کچھ ارادہ کرتا ہے، وہ ارادہ خداوندی ہوتا ہے۔

وجد

وجد قلب پر بلا ارادہ، صفاً ذکر کے ذریعے طاری ہونے والی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو پہلے مفقود ہوتی ہے۔

تو اجد و تساکر

تو اجد و تساکر قریب المعنی ہیں۔ تو اجد و تساکر سے مراد بندے کا وجد و سکر کی حالت کو بتکلف طاری کرنا اور سچے اہل وجد و سکر سے مشابہت پیدا کرنا ہے۔

وقت

اصطلاح صوفیہ میں وقت سے مراد ماضی و مستقبل کا درمیانی زمانہ یعنی زمانہ حال ہے۔
جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وقت قیمتی ہے۔ جب ہاتھ سے نکل جائے تو حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی وقت سانسوں کی طرح ہے کہ مستقبل و ماضی کی صورت میں ہوتی ہیں اور اگر وہ سانسیں جو بغیر یا و خدا کے گزر جائیں پھر حاصل نہیں ہو سکتیں۔

البادی

البادی، اس حالت کو کہتے ہیں جو قلب پر بندے کے حال کے مطابق ظاہر ہوتی ہے جب بادی الحق کا ظہور ہوتا ہے تو وہ غیر حق ہر شے کو ختم کر دیتی ہے۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب بادی الحق ظاہر ہوتا ہے تو ہر ظاہر ہونے والی حالت کو فنا کر دیتا ہے۔

وارد

جب مذکورۃ الصدر بادی ظاہر ہو جائے تو اس کے بعد جو کیفیت قلب پر وارد ہوتی ہے وہ وارد کہلاتی ہے۔ یہ کیفیت اپنے ورود کے بعد قلب پر پوری طرح چھا جاتی ہے۔ وارد، ایک عمل ہے جب کہ بادی اس سے خالی ہوتا ہے۔ کیونکہ بادی دراصل واردات کے مبادیات میں سے ہیں۔

ذوالنون علیہ الرحمۃ نے فرمایا: وارد حق آیا اور قلب کو بے قرار کر گیا۔

خاطر

یہ وہ اچھے خیالات ہوتے ہیں جو غیب سے باطن پر نازل ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی باقاعدہ آغاز نہیں ہوتا۔ جب قلب میں آجائے تو باقی نہیں رہتا بلکہ اس کی جگہ ایک اور خاطر لے لیتا ہے۔

واقع

عالم غیب سے کوئی ایسا خطاب جو قلب پر وارد ہو تو باقی رہے زائل نہ ہو، واقع کہلاتا ہے۔
میں نے ابوالطیب شیرازی سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے مشائخ میں سے ایک شیخ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میں امید رکھتا ہوں کہ اس کا جواب واقع ہو جائے۔

خیر النساء علیہ الرحمۃ کے دروازے پر جنید علیہ الرحمۃ آئے تو اس سے پہلے خیر النساء کے قلب میں یہ خیال کئی بار آتا

رہا کہ دروازے پر جنید علیہ الرحمۃ ہیں۔ اور جب وہ دروازے پر آئے تو جنید علیہ الرحمۃ نے ان سے کہا: کیا آپ اپنے دل میں پیدا ہونے والے پہلے خیال کے مطابق دروازے پر نہیں آئے؟
 کہتے ہیں کہ خاطر صحیح یعنی سچا خیال وہی ہوتا ہے جو پہلا ہو۔ خاطر کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق ضمیر سے نہیں ہوتا اور خاطر بھی ایک تہر ہے جو دل پر چھا جاتا ہے۔

قادح

قادح مفہوم کے اعتبار سے خاطر کے بہت قریب ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ خاطر دل بیدار رکھنے والوں کے لیے ہے جب کہ قادح اہل غفلت سے متعلق ہے۔ جب قلب سے غفلت کے بادل چھٹ جاتے ہیں تو اس میں قادح ذکر ایک آگ روشن کرتا ہے۔ اصطلاح قادح ”فدح النار بالنواد“ (اس نے چقماق سے آگ نکالی) اور قادح آگ روشن کرنے والے کو کہتے ہیں۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ مصرع:

”اے چقماق سے آگ نکلانے والے۔“

کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ جسے حقیقت کی آگ نے روشن کیا وہ اس شے کے برابر نہیں جسے بشریت نے ساکن کر دیا۔

عارض

عارض اس وسوسے کو کہتے ہیں جو قلب و ضمیر پر دشمن، نفس اور خواہشات کے ذریعے اثر انداز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دشمنان قلب و ضمیر کے لیے خاطر، قادح، بادئی اور وارد کے استثناء کے ساتھ ایک ہی راستہ چھوڑا ہے اور وہ ہے عارض۔ ابو عبد اللہ قریشی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”چغل خور ہر اس چیز کے ساتھ میرے قلب کی مخالفت کرتے ہیں جو قلب کو پوشیدہ اور ظاہر طور پر پریشان کرے“

قبض و بسط

قبض و بسط دو بلند احوال ہیں جو اہل معرفت ہی کا حصہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں حالت قبض میں مبتلا فرماتا ہے تو مباح اشیاء، گفتگو اور کھانے پینے کے اختیار کرنے سے متفرک رہتا ہے۔ اور جب انہیں حالت بسط کی طرف لوٹاتا ہے تو پھر سے انہیں سب مباحات کے اختیار کرنے کی طرف لے آتا ہے۔ اور ان میں ان کی حفاظت بھی فرماتا ہے۔

الغرض قبض، حال ہے فقط عارف کا کہ جس میں سوائے معرفت حق تعالیٰ کے کسی اور شے کو کوئی دخل نہیں اور بسط بھی عارف کا حال ہوتا ہے جسے اللہ نے کشادگی عطا فرمائی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اس لیے خلق ان سے سیکھتی ہے۔

فرمان اللہ جل شانہ ہے:

وَاللَّهُ يَفْقَهُ وَ يَبْصُرُ - وَ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١٥﴾ [البقرہ: ۲۱۵]

”اور اللہ تعالیٰ اور کشائش کرتا ہے اور تمہیں اس کی طرف پھر جانا۔“
 جنید علیہ الرحمۃ قبض و بسط کے معنی میں فرماتے ہیں: قبض بمنزلہ خوف اور بسط بمنزلہ رجاء ہے۔ رجاء طاعت کی جانب بسط پیدا کرتا ہے یعنی طاعت کے سما جانے کے لیے گنجائش پیدا کرتا ہے اور خوف معصیت سے روکتا ہے۔
 کسی نے قبض میں مبتلا عارف اور بسط میں مبتلا عارف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ اشعار کہے ہیں۔ ترجمہ اشعار:

”معارف حق تین ہیں ان کے بعد رواج کو قبض کر لیا جاتا ہے۔
 ایک عارف وہ ہوتا ہے جس کی کوئی سانس اپنے لیے نہیں ہوتی بلکہ ہر سانس حق تعالیٰ کے لیے
 وقف ہوتی ہے۔

دوسرا وہ عارف جو اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا معترف ہوتا ہے اور اسے وجد ایسے حال کی جانب جانے
 پر ابھارتا ہے جس میں اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

تیسری قسم میں وہ عارف آتا ہے جس سے اس کی تمام عادات وغیرہ غائب ہو جاتیں ہیں۔
 اس کے سر اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں مزاج کا چڑچڑا اور بدخلق ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مطیع و
 عاجز ہو جاتا ہے، مشکل، آسانی میں بدل جاتی ہے، اور اس سے دو چیزوں کا احساس غائب ہو جاتا
 ہے ایک گویائی دوسری بے زبانی، (یعنی ان کے لیے بولنا نہ بولنا برابر ہوتا ہے)۔
 اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی اپنے رب کے ساتھ ایسی پوشیدہ گفتگو ہوتی ہے جس کی
 رمز پوشیدہ ہوتی ہے۔“

مذکورہ بالا اشعار میں عارفین کی تین اقسام بیان کی گئی ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی قسم کے عارفین اپنے لیے ایک
 سانس بھی نہیں لیتے۔

دوسری قسم کے عارفین وہ ہیں جنہیں وجد ایک ایسے حال تک پہنچا دیتا ہے کہ اس پر فائز رہنے میں اللہ تعالیٰ ان کی
 حفاظت فرماتا ہے۔

تیسری قسم کے عارفین وہ ہیں جن سے ان کی عادات چھوٹ جاتی ہیں اور ان کے نزدیک گویائی و خاموشی میں فرق نہیں
 رہتا۔ اللہ کان پر کرم اور توجہ رہتی ہے۔ اگر خاموش رہیں تو اللہ کے لیے اور بولیں تو اسی کی ثناء میں بولتے ہیں۔
 یاد رہے کہ غیب، حضور، صوم، سکر، وجد، جہوم، غلبات، فنا اور بقاء یہ تمام ذکر اللہ میں ثابت قدم قلوب کے احوال ہیں۔

ماخوذ اور مستلب

ماخوذ اور مستلب (سلب کیا گیا) ہم معنی ہیں مگر ماخوذ، کیفیت کے اعتبار سے زیادہ مکمل ہے۔ مستلب و ماخوذ سے وہ
 بندے مراد لیے جاتے ہیں جن کے بارے میں حدیث رسول ﷺ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ مجنوب
 الحواس ہو گئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ان کے قلوب عظمت خداوندی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی عقلیں جاتی رہیں۔

ایک اور حدیث:

فرمان رسول ﷺ ہے:

ترجمہ: ”بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کی نہیں پہنچتا جب تک لوگ اسے دیوانہ نہ سمجھ لگیں۔“ ۱

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں جب صاحب مجاہدہ کو دیکھتا تو مجھے یوں لگتا جیسے وہ گدھے والا ہے جس کا گدھا کم ہو گیا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا تھا کہ اس میں شدید الہانہ پن ہوتا تھا۔

ایسے بندے جو ماخوذ و مستلب کے ذیل میں آتے ہیں ان سے متعلق اخبار و روایات بکثرت ہیں۔ کسی نے اس ضمن میں کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”مجھے میرے فلق واضطراب پر ملامت نہ کر کہ میں تیری محبت میں ماخوذ اور مستلب ہوں“

دہشت

دہشت ایک حملہ جو محب کی عقل پر محبوب سے حالت یاس میں ملنے پر ہوتا ہے، اور جس کے گزر جانے پر محب کو کوئی آفت لاحق نہیں ہوتی۔

کسی نامعلوم صوفی نے کہا ہے: اے اللہ! تو دنیا میں دکھائی نہیں دیتا لہذا مجھے اپنی طرف سے کوئی ایسی چیز عطا فرما کہ جس سے میرے دل کو تسکین حاصل ہو کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر ان پر غشی طاری ہوگی اور جب ہوش میں آئے تو کہا: سبحان اللہ! پوچھا گیا کہ آپ نے سبحان اللہ کس بات پر کہا؟ کہنے لگے اللہ نے اپنے دیدار کے بدلے سکون قلب عطا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا دیدار کا کوئی بدل ہو سکتا ہے؟ اور میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اے میرے رب! میں تیری محبت سے دہشت زدہ ہو گیا اور مجھے یہ ضبط ہی نہ رہا کہ کیا کہہ گیا۔

کسی کا شعر ہے۔ ترجمہ شعر:

”جس کی محبت نے مجھے دہشت میں ڈال دیا اس خوف سے میں نے دہر کو خالی نہیں پایا۔“

شبلی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے: ہر شے تجھ سے دہشت میں ہے۔

حیرت

حیرت اچانک طاری ہونے والی کیفیت ہے جو قلب عارفین پر تامل، حضور اور غور و فکر کرنے کے وقت وارد ہوتی ہے۔ اور انہیں تامل، حضور اور غور و فکر سے دور لے جاتی ہے۔ واسطی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: اچانک طاری ہونے والی حیرت، حیرت سے منہ پھیر کر حاصل ہونے والے سکون سے کہیں بلند رتبہ ہے۔

تخیر

تخیر ایک ایسی کیفیت ہے جو عارفین کے قلوب کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جب وہ اپنے مقصود و مطلوب کے وصول میں یاس و امید کی درمیانی حالت میں ہوں۔ اور ایسی حالت انہیں پانے کی آس نہیں دلاتی کہ وہ پُر امید ہو سکیں اور نہ ہی طلب سے انہیں مایوس کرتی ہے کہ وہ اُسے چھوڑ کر آرام کریں ایسے میں ان کو جو کیفیت ہوتی ہے وہی تخیر ہے۔

۱ اس روایت کے قریب المہوم یہ حدیث مبارکہ ہے ”اللہ تعالیٰ کا اس کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں“ اس کو امام احمد اور ابویعلی نے اپنی اپنی سند میں روایت کیا جبکہ حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا۔

کسی شیخ سے پوچھا گیا کہ معرفت کیا ہے؟ انہوں نے کہا: تھیر پھرا اتصال پھرا احتیاج اور پھرا حیرت۔
 کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:
 ”اے اس شخص کے رہنما! جو تیری ذات کی معرفت حاصل کرنے میں تھیر میں پڑ گیا میں بھی تجھ
 سے تھیر میں پڑ گیا میرا ہاتھ پکڑ۔“

طوال

طوال، انوار توحید ہیں جو اہل معرفت کے دلوں پر ظاہر ہو کر چمکتے ہیں اور دل میں موجود انوار پران کا غلبہ ایسا ہوتا ہے
 کہ وہ ماند پڑ جاتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے چڑھتا سورج، ستاروں کو باوجود یکہ وہ موجود ہوتے ہیں، اپنی غالب روشنی سے
 ماند کر دیتا ہے۔

حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمۃ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔ ترجمہ اشعار:
 ”چمکتے ہوئے طوال (پہلی رات کے چاند) ظاہر ہو گئے ہیں، اور بجلی کی روشنیوں میں ان کی
 روشنی پھیل جاتی ہے۔
 مجھے میرے واحد نے توحید حقیقی کے ساتھ مختص کیا ہے جس کی طرف کوئی راستہ ہی نہیں جاتا۔“

طوارق

جو کچھ معانی بذریعہ سماعت اہل حقیقت کے دلوں پران کے حقائق کی تجدید کے لیے نازل ہوتے ہیں طوارق کہلاتے ہیں۔
 ایک شیخ کا قول ہے کہ اہل حقائق کے علوم میں سے معلومات میری سماعت میں اترتی ہیں تو میں انہیں اس وقت تک دل
 میں جگہ نہیں دیتا جب تک انہیں قرآن و سنت پر پرکھ نہ لوں۔ لغوی اعتبار سے طوارق جمع ہے طارق کی اور طوارق رات کو آنے
 والے کو کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اعوذ بک من شر طوارق اللیل والنهار الا طارقا یطرق بخیر
 ترجمہ: ”میں تجھ سے رات اور دن کو آنے والوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں سوائے اس کے جو بھلائی کے
 ساتھ آئے۔“

کشف

جو چیز ہم سے پوشیدہ ہو اور اسے بندے پر اس طرح ظاہر کر دیا جائے کہ جیسے عینی مشاہدہ ہو، کشف کہلاتا ہے۔
 ابو جہر جری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جس نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو تقویٰ و توجہ سے نہ نبھایا وہ کشف و مشاہدہ سے دور رہا۔
 نوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مکاشفات عیون متعلق ہیں دیکھنے سے اور مکاشفات قلوب کا تعلق اتصال سے ہے۔

شطح

ایسا کلام جسے زبان، وجد کی حالت میں بیان کرتی ہے یہ کلام اپنے سرچشمے سے ظاہر ہوتا ہے اور دعویٰ سے قریب ہوتا
 ۱۰ المومنین امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے سزا روایت کیا۔

ہے، مگر یہ کہ اس کا کہنے والا مستحب اور محفوظ ہو۔

ابوجزہؓ نے کہا کہ مجھ سے خراسان کے ایک شخص نے پوچھا: امن کیا ہے؟ میں نے کہا: میں اس شخص کو جانتا ہوں کہ اگر اس کے بائیں دندے ہوں اور دائیں جانب نکیہ تو اسے یہ تمیز نہیں رہتی کہ دونوں میں سے کس پر نیک لگائے۔ یہ سن کر خراسانی شخص نے کہا: یہ تو شخص تھی کوئی علم کی بات کرو۔

ایک شیخ سے جب کوئی شخص ایسا مسئلہ پوچھتا جس میں دعویٰ ہوتا تو کہتے ہیں زبان کی شطح سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جنید علیہ الرحمۃ نے شطیحات ابو یزید علیہ الرحمۃ کی باقاعدہ تفسیر بیان کی ہے۔ اگر ان کے نزدیک ابو یزید کی شطیحات میں کوئی کمزوری یا علت ہوتی تو وہ ہرگز ان کی وضاحت نہ کرتے۔

اسی ضمن میں قتاد علیہ الرحمۃ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ اشعار:

”حقیقت و احوال کی شطح ان دونوں یعنی حقیقت و احوال کے درمیان فصل ہے۔ اور اسی فصل کو شطح

حقیقت و احوال کے درمیان چمک رہی ہے۔

پس حال اس حال کی طرح ہے کہ اس کا شطح حالت تلویں میں ہوتا ہے اور آنکھ حقیقت و احوال کے درمیان موجود شطح کے قریب لے جاتی ہے۔“

الصول

مریدین و متوسط سالکین کا اپنے ساتھیوں کے احوال کے بارے میں زبان کھولنا اصول کہلاتا ہے اور یہ ایک مذموم فعل ہے۔ ابوعلی رودباری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے دل میں اللہ کے ساتھ نیابت کرے۔ اور یہ خیال کرے کہ جو اس نے تجھے عطا کیا ہے کسی اور کو نہیں عطا کیا۔ اور اس طرح تو اس شخص پر زبان سے حملہ کرے جو اپنا حال تجھے بتانے پر اللہ سے شرماتا ہو۔

کسی پر حملہ کرنے یعنی زبان درازی کرنے سے نفرت کرو کیونکہ اپنے سے اوپر کے شخص پر زبان سے حملہ کیا تو یہ بدتہذیبی ہے، اگر اپنے سے نیچے کے آدمی کے ساتھ ایسا کیا تو یہ قلت معرفت کی دلیل ہے۔ اور اپنے جیسے سے یہی معاملہ کیا تو یہ سواد بی ہے۔

جو صادقیں و کاملین ہوتے ہیں وہ اگر کچھ کہتے بھی ہیں تو اپنے رب سے کہہ دیتے ہیں اور یہ ان کے ماسوا اللہ پر نکیہ نہ کرنے کی دلیل ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں تیرے ذریعے ہی حملہ کرتا ہوں اور تیرے ذریعے ہی متحرک رہتا ہوں۔“

ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے: ”پھر میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی کے ذریعے حملہ کرتا ہوں۔“

کسی کا شعر ہے۔ ترجمہ شعر:

”اس شخص کے بعد میری زندگی میں کیا لطف رہ جاتا ہے جس کے ذریعے میں زمانے کے مصائب تکبختہ: پر حملہ آور ہوتا تھا“

ذہاب

ذہاب بمعنی غیبت کے ہے۔ لیکن ذہاب کی کیفیت غیبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ذہاب سے مراد قلب کا مشاہدہ حقیقت کر لینے کے بعد محسوسات کی حس سے جاتے رہنا ہے۔ پھر وہ اپنے ذہاب کی کیفیت کے احساس سے بھی مبرا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس مبرا ہونے سے بھی مبرا ہو جاتا ہے۔ الغرض ذہابات کا یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے ابو یزید علیہ الرحمۃ کے قول ”لیس بلیس“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: لیس بلیس ہر شے کے احساس سے مبرا ہو جانے اور پھر مبرا ہو جانے کی کیفیت سے بھی بری ہو جانے کو کہتے ہیں، یعنی دیکھنے والا بھی نہ اشیاء باقی نہ ہوں گی تو ان کا احساس بھی نہ رہے گا۔ اس کیفیت کو صوفیہ فناء بھی کہتے ہیں۔ الغرض فناء سے فناء ہو جانے یا گم ہو جانے کی کیفیت کو بھی گم کر دینے کو ذہاب عن ذہاب کہتے ہیں۔

نفس

صوفیہ کی اصطلاح میں نفس وہ ہے جو سوزش قلب کو فرحت و سکون بخش دے۔

کسی شیخ کا قول ہے: نفس اللہ کی جانب سے چلنے والی وہ بانڈیم ہے جو باعثِ راحت اور اللہ کی آگ پر غالب آ جاتی ہے اور یہی مفہوم تنفس کا بھی ہے۔ ترجمہ اشعار:

”جس نے اللہ کی پناہ لی وہ اللہ کے ذریعے نجات پا گیا اور اللہ کی قضا کے پورا ہونے نے مسرور کر دیا۔

ہر سانس اللہ ہی کے لیے اور اسی کی خاطر جاری ہے۔ میری ہر سانس میں اسی کی قوت موجود ہے۔“

نفس سے مراد بندے کی سانس بھی ہے۔ جنید علیہ الرحمۃ: اللہ تعالیٰ نے بندے کو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ہر سانس کی حفاظت کا پابند کیا ہے۔ کسی کا شعر ہے۔ ترجمہ شعر:

”میری ہر سانس میں تو ہی بستا ہے اور میری نَس نَس میں تو ہی روح بن کر جاری و ساری ہے۔“

حس

حس ایک علامت ہے جو نفس سے متعلق ہے۔

عمر و مکی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: جس نے کہا میں غلبہ و جد کے وقت حس نہیں رکھتا تو اس نے غلط کہا کیونکہ اسے کیفیتِ احساس کے مفقود ہونے کا احساس بھی قوتِ حس ہی سے ہو سکتا ہے پانا یا گم کرنا دونوں محسوسات میں سے ہیں اور حس ہی کے ذریعے محسوس کئے جاسکتے ہیں۔

توحید عامہ

توحید عامہ سے مراد اقرارِ لسانی اور زبان نے ذات و احد عز و جل کے اثبات پر اس کے تمام اسماء صفات کے ساتھ جو

اقرار کیا ہو اس کی قلبی تحقیق ہے اور یہ تحقیق اس طرح ہو کہ اللہ نے جس کو ثابت رکھا اس کا اثبات کرے اور اس نے جس کی نفی کی اس کی نفی کرے اور اس کے ساتھ اللہ نے جو کچھ اپنے لیے ثابت قرار دیا ہو اس کا بھی اثبات کرے اور اس نے جو کچھ اپنی ذات سے منفی قرار دیا ہو اس کی نفی کرے۔

توحید خاصہ

اس کی تفصیل باب توحید میں گزر چکی ہے۔ بہر حال مختصر آئیے کہ توحید خاصہ وحدانیت خداوندی کی عظمت کو پانے اور اس کے قرب کی حقیقت کو اس طرح حاصل کرنے کو کہتے ہیں کہ بندے کی حس اور حرکت اللہ کی مرضی کے تابع ہو۔ کہتے ہیں کہ ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ ایک شخص سے توحید کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو اس شخص نے کہا: یہ تو آپ کی توحید تھی مگر جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس سے مختلف ہے اس پر شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تو اپنی ذات کو اس کے لیے ہی مختص کر دے۔ پھر تجھے وہ اپنی توحید کا مشاہدہ اس طرح کرائے کہ تجھے اس مشاہدے سے بھی بے خبر کر دے۔ یہی توحید خاص کی صفت ہے۔

تفرید

تفرید، اللہ تعالیٰ کو حدود سے بالکل علیحدہ ماننے اور حقائق فردانیت کے ساتھ اسے قدیم جانے کو کہتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ موحدین کی تعداد مومنین میں زیادہ ہوتی ہے۔ مگر مفردین کی تعداد موحدین سے کم ہوتی ہے۔ حسین بن منصور علیہ الرحمۃ نے اپنی شہادت کے وقت یہ لفظ کہے تھے: واجد کو یہی کافی ہے کہ وہ خدائے واحد عزوجل کو یکتا مانے۔

تجربید

تجربید سے مراد قلوب کا شواہد الوہیت کے مشاہدے کے لیے کدورت بشریت سے خالی ہو جانا ہے۔ کسی شیخ نے تجربید کے بارے میں کہا: اللہ تعالیٰ کو ما سوا اللہ سے یکتا و منفرد ماننا اور بندے کا ہر اس مشاہدے میں محو ہو جانا جو اسے کرایا جائے، تجربید کہلاتا ہے۔ تجربید، تفرید اور توحید اگرچہ باعتبار معنی یکساں ہیں تاہم صوفیہ ان کو اپنے انداز میں مختلف طور پر بیان کرتے ہیں اور ان کی تفصیل واجدین کے حقائق اور اشارات کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”حقیقت حق ایک ایسی حقیقت ہے جسے صرف صاحب تجربید جیسا کہ تجربید کو جاننے کا حق ہے جان سکتا ہے۔“

لھم المفرد اور السرا المجرود

لھم المفرد اور السرا المجرود دونوں اصطلاحات ہم معنی ہیں۔ مفہوم دونوں کا یہ ہے کہ بندے کا ہم یعنی ارادہ اور سر یعنی باطن جب تمام اشغال سے مجرد ہو اور خدائے ذوالجلال کے مراقبہ میں منفرد ہو تو ایسے میں نہ تو اس میں کوئی خیال مخل ہو سکتا ہے

اور نہ ہی کوئی اسباب اس کے لیے توجہ، قرب اور اتصال سے مانع ہو سکتے ہیں۔
 جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مجھ سے ابراہیم آجری علیہ الرحمۃ نے کہا: اے نوجوان! اگر ایک لمحے کے لیے بھی تو اللہ کی
 جانب ارادہ کرے تو یہ تیرے لیے اس چیز سے بھی کہیں بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہو۔
 ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ نے کسی شخص سے کہا: وارفتہ عزائم فضاء عدم میں ہوتا ہے۔ تیرا ارادہ جو شیشے شخص کا ارادہ ہے جب
 کہ میرا ارادہ وارفتہ محبت کا ارادہ ہے۔

محادثہ

بندے اور خدا کا باہم ہمکلام ہونا صدیقین کا وصف ہے۔
 ابو بکر واسطی علیہ الرحمۃ سے صدیقین کے آخری مقام کے بلند ترین حال کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے: وہ
 طلوع ہونے والے اور اللہ سے ہمکلامی کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں۔
 سید الکوینین رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک ہے: ”بے شک میری امت میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا ہے اور
 عمر انہی میں سے ایک ہیں۔“

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خلق کو اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ ان سے پوشیدہ کلام فرمائے اور اللہ
 سے ہمکلام ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں اس لیے پیدا کیا کہ مجھ سے چھپ چھپ کر ہمکلام ہو کرو اور اگر ایسا نہ کرو تو
 مجھ سے ظاہر کلام کرو اور اگر یہ بھی نہ کرو تو مجھ سے سرگوشی کرو اور اگر ایسا بھی نہ کرو تو مجھ سے ہی سنو۔

مناجات

وہ راز دارانہ گفتگو جو بندے اور خالق کے درمیان خلوص ذکر کے ساتھ ہوتی ہے۔
 ابو عمرو بن علوان علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں جنید علیہ الرحمۃ کو ایک رات صبح تک یہ مناجات کرتے سنا کہ یا الہی! اے
 میرے مالک! تو مجھے خود سے جدا کرنا چاہتا ہے یا تو مجھے ترک ہیہات میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ میں نے ابو عمرو سے پوچھا کہ
 یہاں ہیہات سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا: تمکین۔

مسامرتہ

بندے کو پوشیدہ طور پر اسرارِ غیبی کے بارے میں جو خطاب ہوتا ہے اسے مسامرتہ کہتے ہیں۔
 ابو علی رود باری کا ایک شعر اسی ضمن میں ملاحظہ ہو۔ ترجمہ شعر:
 ”میں نے اپنے خلوص محبت سے رات کے وقت یہ بات چیت کی کہ اس کے غم سوزش عشق اور اس
 کی گرمی، اس کی آگ ہے۔“
 کسی شیخ نے کہا کہ مسامرتہ کمال پوشیدگی کے ساتھ خطاب کو دائم باقی رکھنا ہے۔“

روایت القلوب

دل کا حقائق ایمان کے ساتھ انوارِ یقین کے ذریعے غیب میں پوشیدہ اسرار کا دیکھنا رویتِ قلوب کہلاتا ہے جیسا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ کیا آپ اللہ کو دیکھتے ہیں؟ تو فرمایا: ہم کیونکر اس کی عبادت کرتے ہیں اگر اسے دیکھتے نہیں، اور فرمایا: اسے آنکھوں نے نہیں دیکھا، یعنی اس دنیا میں آنکھوں نے عیاں نہیں دیکھا بلکہ قلوب نے حقائق ایمان کے ساتھ اسے دیکھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى [النجم: ۱۱]

ترجمہ: ”دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔“

قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ دنیا میں قلب کے ذریعے روایت باری تعالیٰ ممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو یا اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

اسم

اسم کا ان الفاظ پر اطلاق ہوتا ہے جن کے ذریعے اللہ کی طرف اشارہ کیا جائے گا مگر ان الفاظ کے ساقط ہونے سے ان کا معنی معنی سے الگ نہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے: لوگوں کے پاس اللہ کی جانب سے فقط اس کا نام ہی ہے۔ اور وہ یہ بھی کہا کرتے تھے: لاؤ! اس شخص کو جو اللہ کا نام الفاظ میں واجب کرتا ہے۔

ابو الحسن نور علیہ الرحمۃ اللہ کی طرف اشارہ کرنے پر اس شعر سے استدلال کرتے تھے: ترجمہ شعر: ”جب بچے کی ماں کو بچے کی بھوک کا علم ہوتا ہے تو وہ بچے کا نام لے کر اسے غذا دیتی ہے اور بچہ قوی ہو جاتا ہے۔“

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: میں ایسے شخص کی تلاش میں ہوں جس نے اللہ کا نام پکارا ہو اور وہ جو کچھ کہتا ہو اسے ثابت کرتا ہو۔ آپ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ لوگ علم میں ٹھیک گئے، علم اسم میں چلا گیا اور اسم ذات میں گم۔

رسم

رسم سے مراد خلق کے ظاہری اوصاف و افعال ہیں جو غیبِ حق کے ظہور سے مٹ جاتے ہیں۔ جنید علیہ الرحمۃ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کا اسم غائب ہو گیا ہو، اس کے اوصاف ندر ہے ہوں اور اس کے افعال باقی ندر ہے ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اس وقت ایسا ہوتا ہے جب بندے کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ اللہ کی اپنی ذات کے ساتھ اور اپنے لیے اپنی سلطنت میں قائم ہے۔ گویا رسوم کے مٹنے کا مفہوم یہ ٹھہرا کہ بندے سے متعلق علم اور فعل اس وقت باقی ہی ندر ہے جب وہ یہ دیکھ لے کہ اللہ قائم بالذات ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ مصرع

”مٹے ہوئے نشانات اور تیلوں کے پاس“

وہم

دسم سے مراد اصطلاح صوفیہ میں وہ کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے بارے میں اپنے قدیمی علم میں جس طرح چاہا

ان سے متعلق کر دیا ہے اور اس کے بعد اس میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ اور نہ ہی کسی کو اس کا علم ہے۔ احمد بن عطاء علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دو قسم کے دم ہوتے ہیں جو مقبول اور مردود بندوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ دونوں ازل سے ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

روح اور تروح

روح اور تروح سے مراد وہ بادیہیم ہے جس سے اہل حقیقت کے دلوں کو مہکا یا جاتا ہے اور جو اعمال انہوں نے نہایت احسن انداز سے انجام دیئے ہوتے ہیں ان سے تھکاوٹ کے بعد انہیں آرام بہم پہنچایا جاتا ہے۔ یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: حکمت (دانشندی) اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جسے اللہ جل جلالہ عارفین کے قلوب پر نازل فرماتا ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ دنیا کی آگ سے راحت پائیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ولی اللہ کی روح عالم قدس میں اپنے مولا کی حضوری میں مشغول رہتی ہے۔

سفیان علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ عارفین کے دلوں کی جولاں گاہ ایک آسانی باغ میں ہے جس سے آگے جابا ت رب شروع ہو جاتے ہیں عارفین کے قلوب آسانی باغ میں جمع ہوتے ہیں اور نہ مقام مقرب میں محبت الہی کے شریچے چلتے ہیں۔

نعت

نعت سے مراد یہ ہے کہ نعت بیان کرنے والے اپنے منعوں (جس کی نعت بیان کی گئی ہو) کے احکام و اوصاف کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نعت اور وصف دونوں ہم معنی ہوں مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وصف، مجمل اور نعت مفصل ہوتی ہے وصف کے بیان میں جامعیت ہوتی ہے جب کہ نعت میں ہر جز کو جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

صفت

صفت کو موصوف سے الگ نہیں کیا جاسکتا اسے موصوف کہا جاسکتا ہے اور نہ غیر موصوف۔

ذات

ذات کی تعریف یہ ہے کہ یہ قائم بالذات ہوتی ہے جب کہ اسم، نعت اور صفت ذات کی علامتیں ہیں، اسم، نعت اور صفت کا تعلق فقط صاحب ذات سے ہوتا ہے جسے مسمیٰ کہا جاتا ہے۔ یہی مسمیٰ موصوف و منعوف ہوتا ہے جیسا کہ ”قادر“ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اسی طرح قدرت اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور تقدیر اللہ تعالیٰ کی نعوت سے ایک نعت ہے۔ اسی طرح متکلم بھی اسماء الہی میں سے ایک اسم ہے اور کلام صفات الہیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اور غفران (بخشش) نعوت الہیہ میں سے ایک نعت ہے۔

خلق اور خالق

واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: خلق کے پاس سوائے اللہ کے اسم صفت اور نعت کے کچھ بھی نہیں، خلق اس کے اسماء کے ذریعے اس کی نعوت سے اور نعوت کے ذریعے اس کی صفت سے اور صفات کے ذریعے اس کی ذات سے حجاب میں رہتی ہے۔

جب بھی بندہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر، تقدیر، فضل اور بخشش کا ذکر کرتا ہے تو وہ دراصل اس کی نعمت کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعے اس کی تعریف بیان کر رہا ہوتا ہے اور جب وہ اس کے علم، قدرت، کلام اور مشیت کا ذکر کرتا ہے تو وہ اس کی صفات بیان کر رہا ہوتا ہے گویا اس نے اس کی صفات ہی کے ذریعے اس کا وصف بیان کیا۔

ابو عبد اللہ قرشی علیہ الرحمۃ کے دو اشعار۔ ترجمہ اشعار:

”جب تجھ پر آفتاب اپنی روشنی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور تم اس کی مانوس کرن کے ساتھی ہوتے ہو۔

تو اس آفتاب کا مقام ذات عزیز سے دور ہوتا اور وہ تیرے غالب نفس کی نعت سے خالی نہیں ہوتا۔“

حجاب

ایک ایسی رکاوٹ جو طالب اور مطلوب کے درمیان واقع ہو حجاب کہلاتی ہے۔ سری سقٹی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: یارب! جب بھی تو مجھے عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو حجاب واقع کرنے کے عذاب میں مبتلا نہ کرنا۔

محمد بن علی الکتانی علیہ الرحمۃ نے کہا: ثواب پر نظر رکھنا حجاب درحجاب ہے اور درحجاب کا احساس رکھنا پسندیدگی و شوق سے حجاب میں رہنے کے مترادف ہے۔

کتابی کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ بندے کا ثواب کے حاصل ہونے سے متعلق سوچنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور حجاب کا احساس رکھنے سے یہ مراد ہے کہ ایسا عمل بندے کے لیے اپنے عمل سے لگن اور شوق کے حصول میں ایک رکاوٹ بن جاتا ہے۔

دعویٰ

نفس کا خود سے وہ کچھ منسوب کرنا جو اس میں نہیں دعویٰ کہلاتا ہے۔

سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان دبیز ترین پردہ دعویٰ ہے اور کہا ہے ”جب میں نے محبت کا دعویٰ کیا تو اس نے کہا تو نے مجھ سے متعلق جھوٹا دعویٰ کیا کیونکہ یہ کیا بات ہے کہ میں تیرے اعضاء کو پر گوشت دیکھتی ہوں۔“

ابو عمرو زجاجی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: جس کے ہاں دعویٰ نہیں اس میں کوئی حقیقت ہی نہیں۔

مذکورہ بالا قول سے ابو عمرو کی مراد یہ تھی کہ نفس خود سے وہ طاعات منسوب کرے جو اس کے اندر موجود نہ ہوں اور نہ ہی اپنے دعویٰ پر کوئی گواہی رکھتی ہو۔

اختیار

اختیار اشارہ ہے اس چیز کی طرف جو اللہ عزوجل بندے کے لیے منتخب فرماتا ہے اور بندہ اسے عنایت خداوندی کے

ساتھ اپنے لیے اختیار کر لیتا ہے گویا کہ وہ جو کچھ اختیار کرتا ہے اختیار خداوندی کے ساتھ نہ کہ اپنے اختیار سے اختیار کرتا ہے۔ یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب تک بندہ معرفت حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس سے یہی کہا جاتا ہے کہ تو خود نہ منتخب کر کیونکہ تو اس وقت تک اختیار کا امین نہیں ہو سکتا جب تک معرفت حاصل نہ کرے۔ اور جب بندہ معرفت پالیتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے چاہو تو جن لو اور چاہو تو نہ چنو کیونکہ اگر تو نے کچھ منتخب کیا تو ہمارے اختیار کے ساتھ اور منتخب نہ کیا تو بھی ہمارے اختیار کے ساتھ۔ الغرض تو اپنے اختیار و عدم اختیار میں ہمارے اختیار کے ساتھ منسلک ہے۔

اختبار

حق تعالیٰ کا صادقین کا اس غرض سے امتحان لینا کہ اس کے ذریعے وہ مخصوصین کی جگہوں کو پر کرے اور اس امتحان سے وہ ان کے صدق کو ظاہر کر کے مومنین پر اپنی حجت قائم کر دے تاکہ مبتدی سالکین ان سے سیکھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اخبر من تقله. ﴿۱﴾

حدیث کی شرح یہ ہے کہ جس کو چاہو آ زما کر امتحان لو تاکہ تم اسے آ زما کر اس کے اندر پوشیدہ سچائی کو سامنے لے آؤ۔

البلاء

بندے کی حقیقت حال کو جاننے کے لیے آزمائش کے طور پر عذاب میں مبتلا کرنے کے ذریعے اس کا امتحان لینا البلاء کہلاتا ہے۔

ابو محمد جریری علیہ الرحمۃ کا قول ہے: انسان وہیں ہے جہاں آزمائش ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم پیغمبروں کی جماعت دیگر لوگوں سے زیادہ آزمائشوں سے دوچار ہوتی ہے۔“ کسی نے بلا کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں۔ ترجمہ اشعار:

”مجھ پر ابتلاء کے مصائب چکر لگاتے رہتے ہیں۔ اور کب تک مجھ پر حملہ کرتے رہیں گے۔

مجھے آزمائش کے لیے اپنے سوا کوئی آزمائش نظر نہیں آتی۔ اور میری آزمائش کو آزمائش پر غصہ ہے۔

میں آزمائش و ابتلاء کے لیے آزمائش ہوں اور میری آزمائش کی محافظ، اس پر غیرت کرنے والی ہے۔

اے میری آزمائش! تو آزمائش پر زیادتی نہ کر، اس کے لیے رحم و بخشش کرنے والا بن جا۔

اے آزمائش میں مدد کرنے والے! ابتلاء کے دور میں میری اعانت فرما کیونکہ آزمائش میرے لیے آگ کا بھڑکتا شعلہ ہے۔“

اللسان

علم حقائق کے بیان کرنے کو لسان کہتے ہیں۔

ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ نے جنید علیہ الرحمۃ کو ایک خط میں تحریر کیا: میرے سردار! آپ کو علم بلا میں لسان حاصل ہے یعنی اسے بیان کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ اور اسی طرح آپ کو علم بلا البلاء میں بھی دسترس حاصل ہے۔
 ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ سے لسانِ علم اور لسانِ حقیقت کے درمیانی فرق کو واضح کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا: لسان (بیان) علم ہم تک واسطے سے پہنچتا ہے جب کہ لسان (بیان) حقیقت بلا واسطہ ہم تک پہنچتا ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ لسان الحق کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا: جس تک خلق کی رسائی نہ ہو۔
 واضح رہے کہ شبلی کے قول میں لسان سے مراد بیانِ علم اور عبارت میں کسی مفہوم کو واضح کرنا ہے۔

سر

سر، وجود و عدم کے درمیان پوشیدہ ہوتا ہے مگر معنوی طور پر موجود ہوتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سر وہ ہے جسے حق تعالیٰ نے غائب رکھا ہو اور خلق یہ ہے کہ اس پر حق تعالیٰ بلا واسطہ مطلع ہو۔ اور سر حق پر صرف حق تعالیٰ ہی مطلع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سر اس سر ہوتا ہے جس کا احساس سر بھی نہیں کر سکتا ہے اگر ایسا ہوتو وہ سر نہیں کہلاتا ہے۔
 سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ نے کہا: نفس کے لیے بھی ایک سر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقط فرعون کی زبان پر جاری کیا تھا تو کہا تھا:

انا ربکم الاعلیٰ.

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:

”اے سر اسرا! جو اس قدر دقیق ہو جاتا ہے کہ سر ذی روح کے وہم و گمان سے بھی پوشیدہ ہو جاتا

ہے۔

یہ ظاہر و باطن موجود رہتا ہے اور ہر شے سے ہر شے کے لیے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔“

عقد

عقد کا تعلق باطن سے ہے اور یہ اس عہد کو کہتے ہیں جو بندہ اپنے قلب میں اپنے رب اور اپنے درمیان ٹھہراتا ہے کہ وہ فلاں کام کرے گا اور فلاں کام نہیں کرے گا۔
 قول باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا! أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ﴿۱﴾ [المائدہ: ۱]

”اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو۔“

ایک مرد انا سے دریافت کیا گیا کہ تو نے اپنے رب کو کس طرح پہچانا؟ اس نے جواب دیا: میں نے اسے مشکلات کے حل ہو جانے اور ارادوں کے ٹوٹ جانے سے پہچانا۔

محمد بن یعقوب فرجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس برس سے اللہ اور اپنے درمیان فقط اس خوف سے کوئی عہد قائم نہیں کیا کہ مبادا وہ اسے فتح فرمادے اور اس طرح میں کہیں اپنی زبان سے ہی جھوٹا نہ ہو جاؤ۔
 کہا جاتا ہے کہ خاص و عام میں فرق یہ ہے کہ عامۃ المؤمنین پر اللہ تعالیٰ نے واجب کر دیا ہے کہ وہ اپنے عہدوں کو اس

وقت پورا کریں جب کہ وہ ان کا اقرار اپنی زبان سے کریں۔ اور خاص مومنین پر ایفائے عہد کا پورا کرنا اس طرح لازم ہے کہ وہ اس وقت عہد کو پورا کریں جب انہوں نے دل میں عہد باندھا ہو۔

اللهم

ہم کو واحد استعمال کرنے میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے کہ سالک اپنے تمام ہوم یعنی ارادوں کو یکجا کر کے ایک ہی ارادے میں ضم کر دے۔

ابوسعید خدری علیہ الرحمہ نے فرمایا: اپنے ہم (ارادے) کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اکٹھا کر دے۔ کسی اور شیخ کا قول ہے: بندے کو چاہیے کہ اس کا ارادہ اس کے قدموں کے نیچے ہو یعنی نہ تو وہ حالتِ ماضی کا ارادہ کرے اور نہ مستقبل کا بلکہ موجودہ کیفیت کے وقت ہی سے متعلق رہے۔

للحفظ

لحظ سے مراد دل کی آنکھوں کا ان زواید یقین کا مشاہدہ کرنا کہ جن پر بندہ غیب کے ساتھ ایمان لا چکا ہو۔ ابوعلی رود باری علیہ الرحمۃ کے چند اشعار اسی ضمن میں ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ اشعار:

”میں نے اسے چشمِ دل سے دیکھا اور اس نے میرے اس دیکھنے کو بھی دیکھا۔ اور اس طرح میں اس کے مدلول و مقصود کے ساتھ خود اپنی رویت سے بھی غائب ہوا۔

میرا مقصد وارادہ اتفاقاً ایک مخفی لطف و کرم سے متصل ہو گیا۔ اور اس لطفِ خفی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ کی رضا سے قریب قرار پایا۔

کسی کی طرف نہ تو میرا قصد ہے نہ کسی کی طرف میرا ادراک متوجہ ہے اور نہ ہی میں کسی آزمائش سے مطمئن ہوتا ہوں کہ اسے بھول جاؤں۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اسے یاد نہیں کرتا اور میں اسے یاد بھی کیسے کروں جب کہ میں نے اسے بھلایا ہی نہیں۔“

محو

کسی شے کا اس طرح فنا ہو جانا کہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے محو کہلاتا ہے۔ اگر کوئی نشان باقی رہ جائے وہ طمس کہلانے گا۔ ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ نے کہا: خاص و عام دونوں قیص عبودیت میں رہتے ہیں مگر جو ان میں سے ارفع ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کی طرف کھینچ لیتا ہے اور اس کے نفس سے دیگر تمام مشغولیات و مصروفیات کو منادیتا ہے۔ پھر اسے مقامِ قرب میں ثبات عطا فرماتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۗ [الرعد: ۳۹]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ جو چاہے منادیتا اور ثبات کرتا ہے۔“

اللہ کا اپنا قرب عطا فرمانا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ اپنے قرب سے نواز کر اپنے پاس اکٹھا کر لیتا ہے، اس کے نفس کو احساسِ افعال سے عاری کر کے اسے اپنے ساتھ ثابت کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے افعال و حرکات میں اللہ ہی کا محرک سمجھے۔

محقق

محقق مجھ کا ہم معنی ہے مگر اس قدر فرق ہے کہ محقق مٹ جانے اور فنا ہو جانے کے اعتبار سے مجھ سے کسی قدر آگے ہے۔ ایک شخص نے ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے میں آپ کو پریشان دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ آپ کے ساتھ اور آپ اس کے ساتھ نہیں؟ شبلی علیہ الرحمۃ نے جواب دیا اگر میں اس کے ساتھ ہوتا تو میں موجود ہوتا بلکہ میں تو اس کی ذات میں محو ہو چکا ہوں یعنی نہ میں ہوں اور نہ مجھ سے متعلق کوئی شے موجود ہے بلکہ ہر شے اسی سے اسی کے لیے اور اس کے ساتھ ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”ہر شے اسی کے لیے اسی کے ساتھ اور اسی سے ہے پھر میرے لیے کوئی شے کہاں ہے کہ میں اس کو اپنے لیے پسند کروں۔“

اثر

زائل ہونے والی شے کا باقی رہنے والا نشان اثر کہلاتا ہے۔ کسی کا قول ہے کہ جسے دیکھنے سے محروم رکھا گیا وہ اثر ہی سے مانوس ہو گیا اور جس نے اثر کو کھو دیا وہ ذکر میں مشغول ہو گیا۔ کہنے والے نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”میرے پاس نہ تمہارا کوئی نشان ہے اور نہ ہی میں نے تمہارے بارے میں کوئی خبر سنی ہے۔“

کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے محل پر یہ شعر لکھا تھا۔ ترجمہ شعر:

”ہمارے آثار ہی ہمارا پتہ دیں گے لہذا ہمارے بعد ہمارے آثار کو ہی دیکھو۔“

خواص علیہ الرحمۃ نے کہا: خدا تعالیٰ کو تمام اشیاء سے یکتا جاننا یہ ہے کہ بندہ ان تمام آثارِ اشیاء کو اس سے علیحدہ پانے جو نفس سے ملحق کرتا ہے۔ آپ نے یہ شعر بھی کہا۔ ترجمہ شعر:

”اگر تجھ سے پہلے دریائے چین بھی حائل ہوتا تو میں اسے ایک مٹ جانے والا سراپ محض سمجھتا۔“

کون

کون ایک جامع و مجمل لفظ ہے ان تمام مخلوقات کے لیے جسے موجدِ اعلیٰ عزوجل نے کاف اور نون کے درمیان پیدا فرمایا۔

بون

بون کا معنی جدائی و علیحدگی ہے۔ کون اور بون دونوں کے معنی کو جنید علیہ الرحمۃ نے بڑی خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: موجدین انہیں کہتے ہیں جو موجود ہوتے ہیں بغیر وجود کے اور وہ علیحدہ ہوتے ہیں بلا جدائی کے۔ یعنی وہ اشیاء میں ہوتے ہیں اس طرح کہ گویا نہیں ہیں اور ان سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طرح گویا کہ جدا نہیں۔ کیونکہ ان کا اشیاء کے ساتھ

موجود ہونا ان کی شخصیتوں کے ساتھ ہونا اور ان اشیاء سے جدا ہونا ان کے باطن سے متعلق ہے۔ ترجمہ اشعار:

” بلاشبہ وہ میدانِ توحید میں اکیلا بھٹکتا پھرا۔ اور جب تو نے اسے طلب کیا تو وہ تیری عظمت و عزت کے ساتھ غائب ہو گیا۔

تو اس کے لیے ظاہر ہوا جسے تو نے اس کی علیحدگی کے بعد ثابت کر دیا۔ تو گویا وہ موجود ہو گیا بغیر ہونے کے جیسے تو ہی اسے وجود میں لے آیا۔“

وصل

وصل کا مفہوم ہے غائب سے لاحق ہو جانا۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جس نے جب تک عرش کے نیچے کی اشیاء سے آنکھیں بند نہیں کیں وہ عرش کے اوپر جو کچھ ہے اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اس نے خالق عرش کے وصل تک رسائی حاصل نہ کی۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: جس نے یہ خیال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا ہوا ہے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ بعض صوفیہ نے کہا: اصول کو ضائع کرنے کے باعث انہیں وصل نصیب نہیں ہوا۔ ترجمہ شعر:

”تیرا وصل وجدائی ہے، تیری محبت بغض ہے تیرا قرب دوری ہے اور تیری صلح جنگ ہے۔“

فصل

کسی پرندیدہ امید کی گئی شے کا حاصل نہ کر سنا فصل ہے۔

کسی نے کہا: جس نے یہ خیال کیا یا گمان کیا کہ اسے وصل حاصل ہوا اسے یقین کر لینا چاہیے کہ وہ جدا ہو گیا۔ کسی اور نے کہا: تیرے وصل کی خوشی جدائی کے غم سے مربوط ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا۔ ترجمہ مصرع:

”ند وصل ہے نہ جدائی نہ یاس ہے نہ طبع۔“

اصل

اصل سے اضافہ ہوتا ہے۔ اصل الاصول ہدایت ہے اور اس کے بعد اصول جیسے دین کے اصول یعنی، توحید، معرفت، ایمان، یقین، صدق اور اخلاص

فرع

فرع اصل سے بڑھتی ہے اور جب فرع سے مزید فرع نکلتی ہیں تو وہ قائم مقام اصل کے ہو جاتی ہے۔ الغرض اصل ان اضافوں کے لیے جو فرع کہلاتی ہیں بمنزلہ حجت ہے۔ اور یہ فرع اپنے اصول کی طرف لوٹتی ہیں۔

ہدایت اصل ہے اور توحید، معرفت، ایمان، صدق اور اخلاص اس پر اضافے ہیں۔ اور احوال، مقامات، اعمال اور طاعات ان اصول پر اضافے ہیں یعنی ان کی فرع ہیں۔ اسی طرح یہی فرع پھر مزید فرع کے پیدا ہونے کا سبب بننے کے باعث اصول کہلاتی ہیں۔

عمرو بن عثمان کی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہمارا اصول کو مان لینا ہمارے لیے کوتاہی و کمی پر دلیل و حجت قائم کر دیتا ہے۔

اسی طرح اصول پر ایمان و اقرار کے بعد ان کا انکار کرنے کے سلسلے میں بھی ہمارے اوپر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ کسی عالم دین کا قول ہے کہ جس امر کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی وہ اصل ہے اور جو امور اس اصل سے بدھیں وہ فردع ہیں اور یہ اپنے اصل کی طرف لوٹائی گئی ہیں۔

طمس

کسی واضح شے کے بیان کا محو ہو جانا طمس کہلاتا ہے۔ جنید علیہ الرحمۃ نے ابو بکر الکسائی علیہ الرحمۃ کو ایک خط لکھا: آپ پوشیدہ راستہ اور ماند پڑے ہوئے ستاروں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ [المراسلت: ۸]

ترجمہ: ”یہاں طمس سے مراد ستاروں کی روشنی کا جاتے رہنا ہے۔“ عمرو بن عثمان کئی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: تو اس وقت تک حقیقت حق تعالیٰ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک ان محو و جانے والے راستوں پر نہ چلے۔ یعنی تو ان احوال تک نہ پہنچ جائے جن تک تمہارے علاوہ کوئی اور نہ پہنچ سکا ہو اور ان کا نشان باقی نہ ہو۔

الرمس اور الدمس

دس کا معنی دفن کرنا ہے اسی لیے قبرستان کو دیما س کہتے ہیں۔ جنید علیہ الرحمۃ نے بیخی بن معاذ کو ایک خط میں لکھا: پھر اپنے دل میں موجود ہر شے کے غلبہ کو قبر میں دفن کر دو اور اس قبر کو بھی غیب کی پوشیدگی میں دفن کر دو یہاں تک کہ اس شے کا مخفی ہونا بھی اس سے مخفی کر دو پھر اس کی طرف اشارہ کی نسبت کو بھی اس سے علیحدہ کر دو۔

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جنید علیہ الرحمۃ کی اس تحریر میں حقیقت توحید کی جانب اشارہ ہے یعنی بندہ صفات و افعال بشریت سے بالکل فانی ہو جائے۔ اور گویا کہ وہ ہے مگر نہیں ہے۔

سہل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جب تو اپنے نفس کو تحت الثریٰ میں دفن کر دیتا ہے تو تیرا قلب عرش سے اوپر پہنچ جاتا ہے۔ منہوم یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو چھوڑ دے اور اس کی مخالفت کرے۔

قصم

قصم کا معنی ہے توڑنا۔

ابو بکر زقاق علیہ الرحمۃ نے کہا: اگر گناہ میں نے خود اختیار کیے ہوتے تو مجھے اس کا کوئی رنج نہ پہنچتا کیونکہ یہ امر میرے مطابق ہوتا۔ مگر کیا کروں کہ میری کمر تو اس وقت توڑ دی گئی جب خود گناہوں نے میری جانب سبقت کی۔

ابو بکر واسطی علیہا الرحمۃ نے فرمایا: تمام امور اپنے حقائق کے اعتبار سے زمانوں پر غالب آئے تو جس نے زمانوں کو قدیم جانا اس کے لیے زمانوں کا مقابلہ ٹوٹ گیا۔

سبب

سبب سے مراد واسطہ ہے۔ اور اسباب کا مفہوم اللہ تعالیٰ اور خلق کے درمیان واسطے ہیں۔ احمد بن عطا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جس نے سبب میں مسبب کی صنعت کا مشاہدہ کیا، اسے اس مشاہدے نے مسبب تک رسائی کے قابل بنا دیا، کیونکہ جس نے سبب کا مشاہدہ کر لیا اس کا قلب اسباب کی زینت و زیبائش سے معمور ہو گیا۔ اور جس نے طاعات سے غافل کر دینے والے اسباب کو جان لیا وہ ان سے الگ ہو گیا اور اعمال صالح کی جانب لے جانے والے اسباب سے تعلق جوڑ لیا۔

اس ضمن میں ابوعلی رودباری علیہ الرحمۃ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ اشعار:

”جو تیرے ساتھ اپنی محبت، خواہشات اور دوستوں کی الفت کو ترک کر کے فانی نہ ہو چکا ہو۔
یا اسے محبت نے ذلیل و خوار کر کے اس کے لیے وہ اسباب اکٹھے کر دیئے ہوں جو اس سے جدا تھے۔

تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مراتب کے بیچ کوئی حصہ پانے اور اچھے ٹھکانے کے حصول کے لیے کھڑا ہو۔“

نسبت

یہ اس حال کو کہتے ہیں جس سے کوئی شخص اس وقت باخبر ہوتا ہے جب وہ اس سے خود کو منسوب کرے۔ جعفر طیالسی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے: نسبت دو طرح کی ہے ایک نسبت حظوظ اور دوسری نسبت حقوق، جب اوصاف بشری غائب ہوں تو حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور جب اوصاف بشری ظاہر ہوں تو حقیقت غائب ہو جاتی ہے۔ قنات علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ مسافر کون ہے؟ آپ نے کہا: جس کے لیے دنیا میں کوئی رشتہ دار نہ ہو۔ ابو الحسن نوری علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: جو کچھ آنکھیں دیکھتی ہیں وہ علم سے منسوب ہوتا ہے اور جو کچھ قلوب جانتے ہیں اس کی نسبت یقین سے ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ نسبت کا معنی ہے اقرار کرنا۔ عمرو بن عثمان کی علیہ الرحمۃ نے کہا: اسرار کے پوشیدہ ہونے کی صفت یہ ہے کہ نہ تو وہ احساس میں قائم ہوں اور نہ ہی وہ نسبت میں ظاہر ہوں۔

صاحب قلب ہونا

قلب میں جو علم اکٹھا ہوتا ہے اس کا زبان و بیان اور فصاحت سے ظاہر نہ کرنا صاحب قلب ہونا کہلاتا ہے۔ جنید علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے: اہل خراساں اصحاب قلب ہیں۔

رب حال

رب حال کا معنی یہ ہے کہ فانا شخص محبت، خوف، رجا اور شوق وغیرہ جیسے احوال سے مربوط ہے اور جب ان احوال میں سے کوئی حال اس پر غالب ہو تو ایسے شخص کو رب حال (حال کی پرورش کرنے والا) کہتے ہیں۔

صاحب مقام

جو شخص قاصدین و طالبین کے مقامات مثلاً توبہ، ورع، زہد اور صبر وغیرہ میں سے کسی مقام کے لیے جانا جائے تو اسے صاحب مقام کہتے ہیں۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: بندہ معرفت کی حقیقت اور صفاء توحید تک احوال و مقامات کو عبور کرنے کی صورت ہی میں رسائی حاصل کرتا ہے۔

کسی شیخ کا قول ہے کہ میں ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کے پاس کئی بار حاضر ہوا اور ہر مرتبہ انہیں مقامات و احوال کے بارے میں گفتگو کرتے سنا۔

بے نفس ہونا

بے نفس وہ شخص ہوتا ہے جس پر نفس کی عادات غالب نہ آسکیں اور عادات نفس یہ ہیں غصہ، تکبر، حرص، طمع اور حسد۔ جب بندہ مذکورہ آفات سے محفوظ ہو تو سمجھ لو کہ وہ بے نفس ہے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے اللہ کی طرف رجوع کیا اس کا اللہ سے تعلق پیدا ہو گیا اور وہ قرب اللہ کے مقام میں ٹھہرا تو اس نے اللہ کے سوا سب کچھ بھلا دیا۔

جب آپ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے اور کدھر جا رہا ہے تو اس کے پاس سوائے اللہ، کہنے کے کوئی جواب نہ ہوگا۔ اور اس کی وجہ اس کے قلب میں وہ تعظیم خداوندی ہے جو اس نے پالی ہے۔

صاحب اشارہ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کی گفتگو باریک نکات اشارات اور علم معارف پر مبنی ہو۔ ابوعلی رودباریؒ نے کہا۔

ترجمہ شعر:

”اگر وجد کا خالص ہونا مشتمل بر اشارات ثابت ہو جائے تو اس کو کسی سے کوئی طبع نہیں رہتی۔“

انا بلا انا و نحن بلا نحن

بندے کا اپنے افعال میں افعال ہی سے علیحدہ ہونے کے لیے انا بلا انا و نحن بلا نحن کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ سے اس قول خداوندی کا مفہوم پوچھا گیا:

وَمَا يَكْفُرُ فَرَقَ نَعْمَةً فَيُؤِنَّ اللَّهُ [النحل: ۵۳]

ترجمہ: ”اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔“

آپ نے جواب فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے انہیں ان کے افعال میں افعال سے جدا کر دیا ہے۔

انانت وانانت انا

اس قول کی تشریح کو شبلی علیہ الرحمۃ کی اس گفتگو سے سمجھیں جس میں انہوں نے فرمایا: اے ساتھیو! وہ مجنون بنی عامر تھا

جس سے لیلیٰ کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتا: میں لیلیٰ ہوں۔
 اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لیلیٰ کے ساتھ لیلیٰ سے خود غائب ہو جاتا اور صرف لیلیٰ کا نظارہ ہی باقی رہ جاتا۔ اور اس کے ساتھ
 وہ ماسوا لیلیٰ ہر شے سے بھی غائب ہو جاتا اور ہر شے کو لیلیٰ ہی کے ذریعے دیکھتا۔
 کوئی شخص کس طرح کس کی محبت کا دعویٰ کرنے کا حقدار ہو سکتا ہے جب کہ وہ ٹھیک حالت میں اپنی عادات و افعال کو
 پوری طرح انجام دے رہا ہو۔

انسوس تو اس شخص پر ہے کہ جس نے اپنے اوصاف و عادات کو نہ ترک کیا اور نہ ہی خود سے ایک ذرے کو بھی علیحدہ کیا۔
 ایسے میں وہ کس طرح دعویٰ محبت کرنے کا سزاوار ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ معبود عز و جل کے عشق میں
 مقدر بھر کوشش کرنا لوگوں کے نزدیک کوئی بلند رتبہ بات ہی نہیں۔

من تو شد م

شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک اور موقع پر فرمایا: دو محبت کرنے والے کسی سمندر میں کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ ان میں سے
 ایک پانی میں گر کر ڈوب گیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے نے بھی پانی میں چھلانگ لگا دی۔ غوطہ خوروں نے دونوں کو پانی سے صحیح سالم
 نکال لیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: میں تو پانی میں گر گیا تھا مگر تم نے خود کو کیوں پانی میں ڈال دیا۔ اس پر اس
 نے جواب دیا: میں تمہارے ساتھ اپنے سے غائب تھا میں نے یہ سمجھا تھا کہ میں، تو تھا۔
 کوئی لڑکا شبلی علیہ الرحمۃ کو مجلس میں موجود تھا اس نے آپ سے کہا: اے ابو بکر! اس نے مجھے مجھ سے حاصل کر لیا، مجھے
 مجھ سے غائب کر دیا اور مجھے میری ہی طرف لوٹا دیا۔ گویا کہ میں بغیر اپنی ذات کے وجود کے ہوں۔
 شبلی علیہ الرحمۃ نے اس سے فرمایا: تجھ پر انسوس ہے تو نے یہ کیفیت کہاں سے پائی؟ تجھے خدا اندھا کرے۔
 لڑکے نے جواب دیا: میرے لیے کہاں سے کوئی شے ہے جو میں اس میں اندھا ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ لڑکا شبلی کی مجلس
 سے بھاگ گیا۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:

”ہم نے اسے یاد رکھا اور بھلا یا ہی نہیں اور اس کا ذکر کرتے ہی رہتے مگر نیم قرب ظاہر ہوئی اور
 غالب آگئی۔“

پھر میں اس کے ساتھ خود سے فانی ہو گیا اور اس کے لیے اسی کے ساتھ باقی ہو گیا یہاں تک کہ اپنی ہی خبر دینے والا اور
 اپنی ہی بات کرنے والا ہے۔

کسی اور نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:

”میں کون ہوں؟ محبوب! اور محبوب کون ہے؟ میں ہوں۔ تو نے مجھے دیکھا تو تو نے (در اصل) ہم
 دونوں کو دیکھا۔“

ہم دور و صیں ہیں ایک جسم میں، اللہ نے ہمیں لباس جسم پہنا دیا۔
 من و تو کی اسی یکتائی سے متعلق دو اور شعر ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ اشعار:

”اے تنہائی کی تمنا! تو نے مجھے اپنے ساتھ خود سے فنا کر دیا۔ تو نے مجھے خود سے اس قدر قریب کر دیا کہ میں سمجھا شاید تو میں ہوں۔
یہ روداد تو تھی مخلوق سے مخلوق کی محبت کی تو اس کی محبت کا عالم کیا ہوگا جو رگ جاں سے قریب ترکی محبت کا دعویدار ہو۔“

ہو بلا ہو

ہو بلا خود اصل اشارہ ہے اللہ کو یکتا و منفرد جاننے کی طرف۔ مفہوم یہ ہوا کہ وہ ہے کہنے والے کے وہ کہے بغیر۔ اور وہ ہے بغیر کا تب کے لفظ لکھے اور وہ یعنی ہو موجود ہے بغیر ان دو حرفوں یا واؤ کے مجموعے کے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے توحید سے متعلق فرمایا: توحید کی تعریف یہ ہے کہ اس کا حکم جاری و ساری ہے، اس کا غلبہ ہر شے پر چھایا ہوا ہے، توحید ظاہر ہوئی تو غالب آگئی، پوشیدہ ہوئی تو حجاب میں چلی گئی۔ حملہ آور ہوئی تو ہلاک کر دیا، وہ ہے مگر بغیر لفظ وہ کہنے کے۔ وہ ظاہر ہوتی ہے تو ہر وہ شے جو اس پر ظاہر ہوا سے ہلاک کر دیتی ہے اور جو شے بھی اس کی طرف اشارہ کرے اسے فنا کر دیتی ہے اس کے قریب والا اس سے دور ہے اور اس سے دور اس کے قریب ہے۔ اور اس کے قریب والا شک میں مبتلا ہے۔

قطع علائق

علائق سے مراد وہ اسباب ہیں جو بندے سے لگ کر اس کو مشغول کر دیتے ہیں یہاں تک کہ اسے اللہ عزوجل سے دور لے جاتے ہیں۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اہل توحید نے علائق یعنی اسباب کو چھوڑ دیا محبوب حقیقی جل ذکرہ کی محبت میں مشغول ہو کر خلائق سے جدا ہو گئے آرام و آسائش کو ترک کر دیا، ہر مانوس سے نفرت کرنے لگے۔ اور پسندیدہ شے سے ناگواری ظاہر کی۔

بادی بلا بادی

بادی سے مراد اہل معرفت کے دلوں پر ظاہر ہونے والے احوال، انوار اور صفاء اذکار ہے اور جب بلا بادی کہا جاتا ہے تو اس سے اشارہ مقصود ہوتا ہے کہ بادی (ظاہر ہونے والے) سے مراد ظاہر کرنے والا ہے جو قلوب پر احوال و انوار کو ظاہر کرتا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّهُ هُوَ بَدِيءٌ وَيُعِيدُهُ [البروج: ۱۳]

خواص علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ”معرفۃ المعرفۃ“ میں لکھتے ہیں کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے تو وہ بغیر ظاہر ہونے والے کو ظاہر ہوتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کوئی اور ظاہر ہونے والا حال یا کیفیت فنا ہو جاتی ہے اور یہ مشاہدہ حق کے ان سے قریب ہونے کی بنا پر ہوتا ہے۔

التحلی

تحلی سے مراد صدائین کے ساتھ اقوال اور اظہار اعمال کے لحاظ سے مشابہت پیدا کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان تجلی یعنی ظاہری آراستگی اور ارادہ خواہش ظاہر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں ثابت و جاگزیں ہو۔ اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔ ۵

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”جس نے خود کو اس چیز سے آراستہ کیا جو اس میں موجود نہیں تو شاید امتحان نے اسے رسوا کیا۔“

تجلی

حق تعالیٰ کے انوار کا اس کی طرف آنے والے سالکین کے دلوں پر چمکنا تجلی کہلاتا ہے۔
ابو الحسن نوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے خلق کے لیے اپنے خلق کے ساتھ ظاہر ہوا اور اسی طرح ان سے

پوشیدہ ہوا۔

واسطی علیہ الرحمۃ نے قول باری تعالیٰ:

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٩﴾ [التغابن: ۹]

ترجمہ: ”وہ دن ہے ہار والوں کی ہار کھلنے کا۔“

کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: اہل حق کا تقابن (خسارہ، ہار) ان کی کیفیت فناء، رویت اور تجلی کے مطابق ہوتا ہے۔
ابو الحسن نوری علیہ الرحمۃ نے کہا: انوار و احوال کی تجلی سے خوبیوں کو حسن ملتا ہے اور ان کے پوشیدہ رہنے سے خوبیاں

نتیج ہو جاتی ہیں۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”اس کے قلب پر نور حق تعالیٰ نے جب ظہور کیا تو تار یک دل روشن ہو گیا۔“

تجلی

ظاہر و باطن میں موجود حق سے دوسری طرف متوجہ کرنے والے عوارض سے علیحدگی اختیار کرنے کو تجلی کہتے ہیں۔ گویا تجلی میں خلوت، عزمت اور وحدت کو لازماً اختیار کرنا ہوتا ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے: محفوظ قلوب کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی حفاظت کرنے والا ان کا رب عزوجل انہیں غیر سے گفتگو کرنے سے کنارہ کش ہونے سے مانع نہیں ہوتا۔ اور اس لیے کہ وہ ان قلوب پر رحم کرتے ہوئے انہیں صفا و دیگر اوصاف سے نوازے۔

یہ تمہیں اس شخص کی بعض صفات جو اللہ تعالیٰ بندے کو دیگر تمام اشیاء جو اس کے اور بندے کے مابین حاصل ہوتی ہیں، سے علیحدہ ہو جانے پر عطا فرماتا ہے۔

یوسف بن الحسن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تجلی سے مراد عزلت (علیحدہ ہو جانا) ہے کیونکہ بندہ اپنے نفس پر قدرت نہیں رکھتا اور کمزور ہو جاتا ہے تو وہ اپنے نفس سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”بلاشبہ نوجوان کا دل اگر محبت میں ایک طویل زمانہ گزار دے پھر بھی وہ اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔“

العلتہ

علت کننا یہ ہے اس شے سے جو نہ تھی اور واقع ہو گئی۔

ابو بکر شیلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ خلق کی تعریف یہ ہے کہ تابعداری اس کے وجود کا سبب ہے۔ اور اس کا موجود ہونا اس کی علت۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہر شے کی علت اس کی صنعت ہے مگر اس کی صنعت کی کوئی علت نہیں۔ میرے نزدیک ذوالنون علیہ الرحمۃ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہر پیدا کردہ شے میں نقصان کا موجود ہونا ہے کیونکہ وہ نہیں تھا اور ہو گیا مگر صانع کی صنعت میں مصنوعات کے لیے کوئی علت نہیں۔ کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ مصرع

”اے بیماری سے میرے لیے شفا! اگر چہ تو ہی میری بیماری ہے“

ازل

اس کا معنی وہی ہے جو قدیم کا ہے۔ کیونکہ قدیم کو ازل سے موسوم کیا جاتا ہے جب کہ باری (پیدا کرنے والا) کو اس سے موسوم نہیں کیا جاتا۔ اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شے فلاں شے سے بہت پہلے ہے۔ ازل اور ازلیت فقط اللہ کے لیے ہے سوائے اس کے ان صفات سے کسی اور کو موسوم نہیں کیا جاسکتا۔ ازل اللہ تعالیٰ کے اسمائے اولیت میں سے ایک اسم ہے پس وہ اللہ ہے جو سب سے اول قدیم اور لم یزل ولا یزال ہے۔ اور ازلیت اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

محققین میں سے کسی نے کہا ہے کہ حق اللہ تعالیٰ جن اشیاء میں زوال پذیر نہیں تھا وہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ وہ جن اشیاء میں نہ تو زوال پذیر ہے اور نہ ہوگا۔ بعض صوفیہ نے تو اس قول کی تعریف کی کیونکہ اس میں حق تعالیٰ سے تغیر کی صفت کی نفی ہے اس لیے وہ اپنے تمام اسماء و افعال میں لازوال ہے۔ مگر بعض صوفیہ نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس قول سے کہنے والے نے اشیاء کو قدیم جانا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اسماء فعل اور اسماء ذات میں فرق ہے اور اسی طرح صفات فعل اور صفات ذات میں بھی فرق ہے۔

ابد اور ابدیت

اللہ تعالیٰ کی نعوت میں سے ایک نعت ہے۔ ازلیت اور ابدیت میں فرق یہ ہے کہ ازلیت کا آغاز نہیں ہوتا جب کہ

ابدیت کا کوئی انجام نہیں ہوتا۔ واسطی علیہ الرحمۃ ابد کی تعریف میں کہتے ہیں: ابد، عدد میں انقطاع واقع ہونے کی ترک کر دینے کی جانب اشارہ ہے

اور اس طرح اوقات کو دوام میں منادینے کی طرف اشارہ ہے۔

مزید کہا کہ دم اور رسم دونوں صفات ہیں جو ہمیشہ کے لیے ازل سے جاری ہیں۔

کسی اور نے یہ کہا ہے کہ ازل، قدم اور ابد، حقیقت احدیت سے دور نہیں کی جاسکتیں، کیونکہ یہی وہ اشارات ہیں جن کے ذریعے وہ خلق کو خود سے آگاہی عطا فرماتا ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا: پاک ہے وہ ذات جو اس وقت بھی موجود تھی جب کہ مکان، زمان، اوقات، دھر، ابد، ازل، اول اور آخر موجود نہیں تھے۔ اور اس نے اشیاء کو اس طرح پیدا فرمایا کہ وہ ان سے غافل نہیں، ان سے اس کو کوئی اعانت نہیں ملتی اور اس نے ان پر جو کچھ عائد کیا وہ اس میں عادل ہے۔
عمر بن عثمان کی علیہ الرحمۃ نے کہا: پاک ہے وہ بے نیاز جو قدیم ہے ازل سے اور ابد کی بیشکلی میں لازوال ہے۔

وقتی مسرمد

وقتی مسرمد سے مراد وہ حال ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان قائم ہوتا ہے اور کسی وقت بھی بدلتا نہیں۔ اور یہ حال واجد کا کلام ہے جس کے ذریعے وہ اس کے سر کی خبر دیتا ہے صفات کی نہیں۔ کیونکہ صفات تغیر کے وجود کا باعث ہیں۔ اور اگر یہ صفات متغیر نہ ہوں تو متغیر ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے عدم تغیر کی صورت میں انہیں اس حالت سے متغیر کر دیا جاتا ہے جو ان کی جبلت میں موجود ہو۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کا شعر ملاحظہ ہو۔ ترجمہ شعر:

”میرا وقت تیرے ساتھ متعلق ہو کر دائمی ہو گیا۔ اور تو نے مجھے خود میری ذات سے اس طرح فنا کر دیا کہ میں مجرورہ گیا۔“

بحری بلا شاطیٰ

بحری بلا شاطیٰ (میرا دریا بے کنار ہے) کا معنی وہی ہے جو وقتی مسرمد کا ہے، اور یہ الفاظ پہلی بار ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ نے اس وقت کہے تھے جب ایک روز انہوں نے اثنائے کلام میں فرمایا کہ تمہارے اوقات محدود ہیں جب کہ میرے وقت کے وہ کنارے نہیں۔ اور میرا دریا بے کنار (بحری بلا شاطیٰ) ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کے قول کی تشریح یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جس حال پر فائز کر رکھا تھا اس کی کیفیت ایسی تھی کہ جو اپنی وسعت کے اعتبار سے بے نہایت تھا۔ اور اس طرح کی وسعت و لامحدودیت کو اسی طرح کے جملے سے ہی واضح کیا جاسکتا تھا جو انہوں نے فرمایا: یعنی بحری بلا شاطیٰ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلَ الدَّالِ الْكَافِ لَئِن لَّكَفَيْدُ الْبَحْرِ قَبْلُ أَنْ تَنْفَعِدَ كَلِمَتُ رَبِّي وَ كَوْجُنَا بِيْتَلِهَ

مَكِّيَّةٌ ﴿٥١﴾ [الکہف: ١٧٩]

ترجمہ: ”تم فرما دو! اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔“

مذکورہ آیت مبارکہ میں کلمات رب کے لامتناہی ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ ذات جو ان سے متصف ہے وہ خود لامتناہی ہے۔ کسی کا قول ہے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اس سے محبت کر بیٹھا اور جو اس سے محبت کر بیٹھا وہ بحرِ نعم میں ڈوب گیا۔ کسی اور نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”اگر تیرے وصل میں میرے سامنے بحرِ چین بھی حائل ہوتا تو میں اسے سراب فانی تصور کرتا۔“

نخن مسیرون

نَخْنُ مُسَيَّرُونَ کہنے سے صوفیہ کی مراد قلوب کا ایک حال سے دوسرے حال اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونے کے لیے چلانا مراد ہے۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: زاہد پیدل چلتا ہے تو عارف ہوا پر اڑتا ہے۔ یعنی وہ احوال و مقامات میں سفر کرنے میں نہایت تیز رفتار ہوتا ہے۔

ابو بکر شیلی علیہ الرحمۃ نے کہا۔ ترجمہ شعر:

”زمرہ عشاق میں ہی شامل نہیں اگر میں نے اپنے دل کو اس کا گھر اور اس کا مقام نہیں بنایا۔

میں طواف کعبہ کو اسی کی طرف چلنے کے قائم مقام سمجھتا ہوں اور جب میں رکن کو بوسہ دیتا ہوں تو

اسی کی ذات ہی میرے لیے رکن ہوتی ہے۔“

تلوین

تلوین کا مفہوم بندے کے احوال کا مختلف ہوتا ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ حقیقت کی علامت تلوین ہے کیونکہ تلوین قدرتِ قادر کا ظہور ہے اور اس سے ’غیرت‘ حاصل ہوتی

ہے۔

تلوین کا معنی تغیر ہے اس لیے جس نے تلوین صفات اور تغیر احوال کی طرف اشارہ کیا اس نے یہ کہا کہ حقیقت کی علامت تلوین کا رافع ہو جانا ہے اور جس نے تلوین قلوب، اسرار پاکیزہ اور تلوین کے نتیجے میں قلوب پر بیعت طاری ہونے کے بعد واردات کی تلوین کی جانب اشارہ کیا تو انہوں نے یہ کہا کہ علامتِ حقیقت تلوین ہے کیونکہ وہ اللہ کی جانب ہریر کرنے میں اپنے قلوب میں تلوین واردات کی کثرت پاتے ہیں۔ جہاں تک تلوین صفات کا تعلق ہے تو اس کا بیان اس شعر میں موجود ہے۔ ترجمہ شعر:

”تو ہر روز رنگ بدلتا ہے یہ تجھے زیب نہیں دیتا۔“

واسطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جس نے اس کے اخلاق کو اپنالیا اس کی طبیعت میں تلوین کے آثار ظاہر ہی نہیں ہوتے۔

کسی نے مسیرین کے بارے میں یہ دو شعر کہے ہیں۔ ترجمہ اشعار:

”میں نے اپنے دل کو روکا مگر وہ نہیں رکا اور وہ کوئی شے طلب بھی کرتا ہے اور اس سے دور بھی

بھاگتا ہے۔

وہ حق کی طرف بے تابی سے محبت طلب کرنے جاتا ہے مگر مجھے اس کے بارے میں ڈر بھی رہتا

ہے۔ اور اس پر ترس بھی آتا ہے۔“

بذل الحج

اس ترکیب کا معنی بندے کا اپنی تمام تر محبوب چیزوں کو قربان کر کے اللہ کی طرف اپنی مقدر بھر توجہ صرف کرنا ہے۔
خواص علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اللہ کی طرف توجہ کرنے والا ہر بندہ جب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی توجہ میں
مقامات استراحت قائم ہوں تو اس کی توجہ ختم نہیں ہوتی۔
کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”اے خوبصورت ناز و انداز والے تجھے روحوں پر غلبہ حاصل ہے“

میرے نزدیک ’حج‘ (واحد ’مہجہ‘ بمعنی روح، زندگی) سے جان و مال اور اولاد جیسی تمام محبوب چیزیں مراد ہیں۔

تلف

تلف بمعنی طبعی موت ہے۔

ابوحزہ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں ایک کنویں میں گر گیا اور لوگوں نے اسے اوپر سے بند کر دیا۔ میں نے یہ یقین کر لیا کہ
اب بچنا مشکل ہے اور مایوس ہو کر سر رکھ دیا، اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درندہ کنویں میں داخل ہوا، میں اس کی ٹانگ سے
چبٹ گیا اس نے مجھے کنویں سے باہر نکال لیا۔ اس کے بعد غیب سے آواز آئی کہ اے ابوحزہ! اس اچھے انداز میں ہم نے
تمہیں موت سے موت کے ذریعے بچا لیا۔ ابوحزہ علیہ الرحمۃ نے اس موقع پر اشعار کہے تھے جن میں سے دو ہدیہ قارئین
ہیں۔ ترجمہ اشعار:

”میں تجھے دیکھتا ہوں اور تیری ہیبت کے ذریعے وحشت سے دوچار ہو جاتا ہوں۔ تو مجھے تو لطف و
مہربانی سے نوازتا ہے۔

جو مجھ، محبت میں مر جاتا ہے اسے تو زندہ کرتا ہے اور زندگی کا موت کے ساتھ وابستہ ہونا کس قدر
تجربہ انگیز ہے۔“

جریری علیہ الرحمۃ کا قول ہے: جس شخص کو علم توحید کے شواہد کا علم نہ ہو اسے دھوکہ و فریب وادی موت میں پہنچا دیتا ہے۔

اللہاء

اللہاء (پناہ لینا) سے مراد ہے صدق فقر و رجاء کے ساتھ قلوب کا اللہ کی طرف مائل ہو جانا۔

واسطی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: جو بندہ فقط موت کے وقت صدق فقر اور توجہ الی اللہ پر فائز ہو اس پر دائمی ذلت باقی رہتی ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ [بنی اسرائیل: ۸۰]

”اور یوں عرض کرو کہ اے میرے رب! مجھے سچی طرح داخل کرو اور سچی طرح باہر لے جا۔“

قرآن کریم کے مندرجہ بالا کلمات مبارکہ کی کسی اہل علم نے یہ تشریح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حضور صدق

نفر کے ساتھ صدق لجا کا اظہار کیا۔ اور صدق لجا کے ساتھ ہی سراسر مرتب ہوتے ہیں۔

انزعاج

کسی مقصد کے حصول کی خاطر لوں کا خواب غفلت سے بیدار ہو کر دھڑکنا انزعاج کہلاتا ہے۔ جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تم اس کی خدمت میں اپنے بھیدوں کو پیش کیوں نہیں کرتے، تم وہ چیز بھی کیوں اس کے سامنے نہیں رکھتے جس سے قلب بے قرار ہو جاتے ہیں، تم اس کی طرف کوشش کر کے اس کی آزمائشوں سے مانوس ہو کر اور اس کی بخششوں پر خوش ہو کر بڑھتے کیوں نہیں؟

غالباً ابراہیم الخواص علیہ الرحمۃ سے کہا گیا کہ آپ کے مریدین کہتے ہیں کہ ہم جب کوئی چیز لینا چاہتے ہیں تو اپنے رب سے لیتے ہیں مگر ہم نے انہیں ہمیشہ لوگوں ہی سے چیزیں لیتے دیکھا ہے۔ آپ نے جواب دیا وہ کون ہے جو لوگوں کے دلوں کو بے چین کرتا ہے اور وہ انہیں بلاناگے دے دیتے ہیں۔

جذب الارواح

جذب الارواح، بلندی قلوب، مشاہدہ اسرار، مناجات، مخاطبت اور اس طرح کی دوسری اصطلاحات سے مراد بندے پر توفیق عنایت اور قلوب پر انوار ہدایت کا قرب و بعد اور صدق و صفا کی مقدار کے مطابق نازل ہونا ہے۔

ابوسعید خرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی ارواح کو اپنی طرف بلا لیتا ہے پھر انہیں اپنے ذکر اور حصول قرب کی لذتوں سے بہرہ ور فرماتا ہے۔ اور وہ ان کے اجسام کو ہر شے کی لذت عطا فرماتا ہے گویا ان کے جسموں کی زندگی، جانداروں کی زندگی جیسی ہوتی ہے اور ان کے ارواح کی زندگی، اللہ والوں کی زندگی ہوتی ہے۔

واسطی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: بیشک اللہ نے صوفیہ کو اپنے لطف و کرم سے اس طرح نوازا ہے کہ ان کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اور آپ نے مزید کہا کہ جب اللہ تعالیٰ روحوں کو جسموں سے کھینچ لیتا ہے تو جسموں میں عقول و صفات بدستور باقی رہ جاتی ہیں کیونکہ اللہ نے انہیں شرط عقول کے ساتھ ڈھانپ رکھا ہے۔ اور بچوں کو اس نے اس سے مایوس کر دیا کہ انہیں اپنے سراز کے سوا کوئی اور شے حاصل ہو۔

قول خداوندی ہے:

قُلْ يَفْضِلُ اللَّهُ وَ يَرْحَمُهُ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ [یونس: ۵۸]

ترجمہ: ”تم فرماؤ! اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔ وہ ان کی سب دھن

دولت سے بہتر ہے۔“

الوטר

وטר سے مراد وہ خواہش اور پسندیدہ و بہتر منفعت کا حصول ہے جو بشری و نفسانی صفات سے مبرا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں اپنے وطن میں متمکن ہے اور اپنے وطن میں بلند۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”اے لیلیٰ میں کوچ کر گیا مگر میں نے اپنی آرزوئیں پوری نہیں کیں۔ اور میں برابر مغموم اپنے گھر کا مشتاق رہوں گا۔“

ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے کہا۔ ترجمہ اشعار:

”میں مر جاؤں گا اور تیرے لیے میری محبت بھی مر جائے گی۔ اور میں نے تیری محبت کے گھاٹ سے اپنی خواہشیں پوری نہیں کیں۔“

میری تمام آرزوؤں کی جگہ فقط ایک تو ہی ہے جو میری آرزو ہے۔ اور تو ہی میری امیری و ثروت ہے جب کہ میں تنگ دست ہوتا ہوں۔“

کسی دانشور سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک کونسی جگہ رہنے کے لیے بہتر ہے؟ اس نے جواب دیا: کسی کے لیے سب سے بہتر رہنے کی جگہ وہ ہے جہاں وہ جو آرزو کرے پوری ہو۔

الوطن

اصطلاح صوفیہ میں وطن سے مراد بندے کا وہ مقام ہے جہاں اس کا حال ختم ہو اور اسے قرار حاصل ہو یوں بھی کہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں حال اور فلاں مقام میں قرار حاصل کیا۔

جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جو وطنوں پر پہنچنے کے بعد اللہ کے بخشے ہوئے سواری کے جانوروں پر سوار ہو کر اس کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھتے ہیں۔

ابوالحسن نوری کے چند اشعار۔ ترجمہ اشعار:

”کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس نے مجھے فریفتہ کر کے مجھے میرے وطن سے بھگا دیا۔“

جب میں غائب ہو جاتا ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر وہ ظاہر ہو تو مجھے غائب کر دیتا ہے۔“

ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ایمان، یقین سے افضل ہے۔ کیونکہ ایمان و طنات سے عبارت ہے جب کہ یقین خطرات سے۔ اور یہ کہ ابوسلیمان علیہ الرحمۃ نے جس قدر اپنے یقین کا مشاہدہ کیا تھا اس قدر انہوں نے اس کے بارے میں کہا۔ اور یہ کہہ کر انہوں نے گویا یقین سے اپنی اجنبیت کا اظہار بھی کیا، کیونکہ یقین، قلب میں معرفت کا قرار پڑنے سے پیدا ہوتا ہے اور اسی کے مطابق مختلف لوگ مختلف درجات یقین پر فائز ہوتے ہیں۔

الشرود

منازلات حقائق اور حقوق سے لازم رہنے سے صفات کے علیحدہ ہونے کو شرود کہتے ہیں۔

ابن الاعرابی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ’مشردین‘ ہر وادی میں بغیر کسی مقصد کے پھرتے ہیں اور ہر چمکنے والی شے کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

واسطی علیہ الرحمۃ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بندے کو تربیت احوال کی غذا عطا کی اور اسے اعمال میں مشاہدے سے نوازا لہذا اس پر واجب ہے کہ وہ زندگی میں صدق فقر اور صدق بقاء اختیار کرے تاکہ اس پر شرود حمل نہ کر سکے۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرود کی ذلتیں اٹھاتا پھرے اور لوگوں سے مدد مانگتا پھرے۔ اگر اسے اپنے احوال میں صدق و جد کی کیفیت حاصل ہو تو کوئی

وجہ نہیں کہ وہ شروع سے مامون نہ رہے۔

قصود

قصود کی جمع ہے یعنی سچے ارادے۔ اور سچی نیتیں جو اللہ کی طرف رجوع ہونے پر مبنی ہوں۔
احمد بن عطاء علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: جس نے حق کے علاوہ کسی اور کا ارادہ کیا وہ حق کی نگاہوں میں حد درجہ گر گیا۔

واسطی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: مختلف ارادوں کے خیالات دل میں لانا مجبور کا انکار ہے۔ اور جو مقصود کو پیش نظر رکھتا ہو وہ ارادوں کو کب دیکھتا ہے۔

واسطی علیہ الرحمۃ کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ جو بندہ اپنے ارادے میں مقصود کو مطمح نظر بنائے ہوئے ہو وہ ارادوں کو کب دیکھتا ہے۔

واسطی علیہ الرحمۃ کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ جو بندہ اپنے ارادے میں مقصود کو مطمح نظر بنائے ہوئے ہو اسے ارادوں کا احساس تک نہیں رہتا۔

اصطناع

اصطناع ایک ایسا مرتبہ ہے جس پر فقط انبیاء علیہم السلام اور صدیقین رضوان اللہ علیہم اجمعین فائز ہوتے ہیں۔ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ اصطناع کے مرتبہ پر فقط موسیٰ علیہ السلام فائز تھے کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاصْطَنَعْنَاكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾ [طہ: ٤١]

ترجمہ: ”میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔“

جب کہ کچھ صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اصطناع فقط انبیاء علیہم السلام ہی کا حصہ ہے۔

ابوسعید خدری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اللہ کی طرف سے جو پہلی چیز ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ اس نے بندوں کو ان کے نفوس میں پوشیدہ کر دیا پھر ان کے نفوس میں فنا کر دیا۔ اور انہیں اپنے لیے تیار کیا اور یہ توحید کے دائمی ظہور کے لحاظ سے توحید میں داخل ہونے کے لیے پہلا قدم ہے۔

کسی شیخ سے مندرجہ ذیل آیات کی وضاحت پوچھی گئی:

وَاصْطَنَعْنَاكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾ [طہ: ٤١]

ترجمہ: ”اور میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔“

لِيُضَنِّعَ عَلَيَّ عَيْنِي ﴿٣٩﴾ [طہ: ٣٩]

ترجمہ: ”اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔“

تو فرمایا: اس درجہ تک پہنچنے کے لیے جو محنت و جانفشانی کرنا پڑتی ہے اس سے نہ تو کوئی نبی بچ سکا اور نہ ہی کوئی ولی۔

اصطفاء

اصطفاء کا معنی ہے چن لینا، منتخب کر لینا۔ یہ اسم مشترک ہے۔ قول خداوندی ہے:

اجْتَبَيْنَهُمْ وَهَدَيْنَهُمُ [الانعام: ۸۷]
 ترجمہ: ”اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی۔“

اور فرمایا:

اللَّهُ يُصَفِّي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۗ [الحج: ۷۵]

ترجمہ: ”اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔“
 واسطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اس نے تجھے خود شروع فرمایا، اپنے لیے منتخب کیا پس جس نے اس مقام پر غرور و فخر کیا تو اس نے جو کچھ کیوہو خطرے میں پڑ گیا اور جس نے اس کی طرف پوری توجہ کی اسے اس مقام سے ہدایت ملی۔

مسخ

مسخ کا معنی اصطلاح صوفیہ میں قلوب کا مسخ ہو جانا ہے۔ یہ کیفیت ان کی ہوتی ہے جو اس کے در سے دھسکارے گئے ہوں حالانکہ پہلے ان کے قلوب متوجہ الی اللہ تھے مگر انہیں اعراض کرنے کے سبب مسخ کر دیا گیا اور ان کی توجہ حظوظ کی بجائے حقوق کی طرف لگا دی گئی۔ اگر کوئی کہے کہ فلاں کو مسخ کر دیا گیا تو مراد یہ ہوگی کہ اس نے اپنے قلب کے ساتھ اعراض کیا۔

لطیفہ

لطیفہ ایک اشارہ ہے جو فہم میں روشن اور ذہن میں چمکتا ہے اسے باریکی مفہوم کی وجہ سے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ابو سعید ابن الاعرابی کہتے ہیں: حق تعالیٰ تجھے اپنے پاس سے ایک لطیفہ عطا کرنا چاہتے ہیں جس کے ذریعے تو اس کی مرضی کے مطابق اس کا ادراک حاصل کر لے۔
 ابو حمزہ صوفی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: تو نے میرے معاملے میں میرے ساتھ تعلق کیا تو نے میرے غائب کے لیے حاضر کو ظاہر فرمایا، بلاشبہ لطف کا حصول لطف سے ہی ہوتا ہے۔

امتحان

امتحان سے مراد آزمائش ہے اللہ کی جانب سے، جو اللہ کی طرف بڑھنے والے قلوب پر ڈالی جاتی ہے۔ اور یہ آزمائش اس طرح ہوتی ہے کہ قلوب کھڑے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بکھرے جاتے ہیں۔
 خیر النساء علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں ایک مسجد میں داخل ہوا تو میرے مریدین میں سے ایک نوجوان مجھ سے کہنے لگا: اے شیخ! مجھ پر کرم کرو کیونکہ میری آزمائش بری ہے۔ میں نے پوچھا آزمائش کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے آزمائش کو کھو دیا اور عافیت سے ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ یہ ایک بڑی آزمائش ہے۔
 امتحان تین طرح کا ہوتا ہے: ایک سزا کی صورت میں دوسرا کفار اور کسی چیز سے آزمانے کی صورت میں جب کہ تیسرا درجات میں بلندی کی صورت میں ہوتا ہے۔

حدیث

یہ اسم ہے اس شے کے لیے جو موجود نہ تھی اور ہوگی۔

صوفیہ کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عوام الناس کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے تو اپنی نشانیوں میں سے کوئی نشانی پیدا فرماتا ہے۔ اور جب خواص کو متنبہ کرنا چاہتا ہے تو ان کے قلوب سے نئی پیدا شدہ اشیاء کا ذکر رازاً فرمادیتا ہے۔

الکلیۃ

کلیۃ کسی شے کی اس مجموعی شکل کو کہتے ہیں کہ اس میں کچھ باقی ندر ہے یعنی تمام کا تمام۔ جب کوئی شخص لفظ کل استعمال کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں تاہم معنی کے لحاظ سے باقی رہنا برقرار رہتا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ کوئی بندہ پوری طرح عبودیت پر فائز نہیں ہوتا بلکہ اس میں سے کچھ پہلو غیر اللہ کے لیے باقی رہتے ہیں۔

کسی اور صوفی کا قول ہے کہ اگر تو اللہ کے حضور تمام کا تمام حاضر ہو تو وہ کل الکل کے ساتھ تیری طرف بڑھے گا۔ کسی کا شعر ہے۔ ترجمہ شعر:

”تیرے لیے میرے وجود کا پوری طرح حاضر ہونے کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ گویا تو اپنے کل کے ساتھ میرے کل کی طرف برہتا ہے۔“

تلمییس

کسی شے کو اس کی ضد کے اوصاف کے ساتھ آراستہ کرنا تلمییس کہلاتا ہے۔ واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تلمییس عین ربوبیت ہے۔ یعنی وہ مومن کو کافر اور کافر کو مومن کے لباس میں ظاہر فرماتا ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

وَلَكَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلِيْسُونَ ﴿٩﴾ [الانعام: ٩]

”اور ان پر وہی شہر رکھتے ہیں جس میں اب پڑے ہیں۔“

چند علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وہ التباس سے ملا ہوا اور احساس میں متلون انداز سے شامل ہے۔ قنود علیہ الرحمۃ کا ایک شعرا سی ضمن میں ملاحظہ ہو۔ ترجمہ شعر:

”ہم پر ہر دھوکہ دینے والے کے بارے میں اس وقت دھوکہ وہی کا انکشاف کیا جاتا ہے جب وہ اپنے دعوے میں گمراہ ہو جائے اور وہ کسی کی شے کو اپنے ظاہر کرنے میں ناکام ہو جائے۔“

شرب

ارواح و اسرار پاکیزہ کا وارد ہونے والے کرامات کا استقبال کرنا اور ان کرامات سے لطفِ نعمت حاصل کرنے کو شرب سے مشابہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایسی کیفیت میں بندہ پر قربِ مولیٰ کے انوارِ مشاہدہ وارد ہوتے ہیں تو وہ ان سے خوشی حاصل کرتا اور نعمت کا لطف اٹھاتا ہے۔

ذوالنون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ان کے قلوب بحرِ محبت پر وارد ہوئے اور اس میں سے چلو بھر بھر کر دلوں کو خطرے میں ڈال کر سیراب ہوئے تو لقاءِ محبوب میں حائل ہر مشکل ان پر آسان ہو گئی اور ہر کاوت دور ہو گئی۔

ترجمہ اشعار:

”میں نے تیری یاد میں کئی پاکیزہ پیالے نوش کئے۔ اس لیے اب تیری (محبت) میں قلب کو کوئی علت لاحق نہیں ہو سکتی۔
اب تیرے سوا کسی اور شے کی طرف میرا کوئی میلان نہیں۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ میں تجھ سے بے توجہ ہوں تو زندہ ہی ندر ہوں۔“

ذوق

ذوقِ شرب کی ابتداء ہے۔
ذوالنون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جب اللہ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی محبت کے جامِ پلائے تو انہیں اپنی محبت کی لذتوں کا مزا چکھایا اور انہیں اس کی حلاوت سے نوازا۔

اسی سلسلہ میں کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”وہ کہتے ہیں کہ ان کی مثال بچہ گم کر دینے والی عورت کی سی ہے یعنی وہ اس کی طرح بے قرار ہیں۔ مگر اس نے تو بچہ گم ہی نہیں کیا یعنی وہ تو بے قرار ہی نہیں ہوا جس نے دوستوں کی جدائی کے صدمے ہی نہ اٹھائے ہوں۔“

عین

عین اشارہ ہے اس شے کی ذات کی طرف جس سے اشیاء ظاہر ہوں۔
واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ایک گروہِ صوفیہ جو اس بحث میں الجھا تھا کہ مصادر کلام کہاں ہیں کہ دریں اثناء وہ عین پر پہنچ گئے اور اس نے انہیں بحث و طلب سے ہی بے نیاز کر دیا۔

جنید علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے حالات و واقعات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ وہ عین الجمع تک رسائی حاصل کر چکے تھے اور یہ عین الجمع اسماء توحید میں سے ایک اسم ہے جس کی اپنی خصوصیات ہیں جن سے اس پر فائز صوفیہ ہی باخبر ہوتے ہیں۔

ابوالحسنِ نوری علیہ الرحمۃ کا ایک شعر۔ ترجمہ شعر:

”سب کچھ گزر گیا اور نہ کوئی عین رہا نہ کوئی شانِ قوم عاد اور ان کی قدیم جنت بھی معدوم ہو گئی۔“

اصطلام

اصطلام خصوصیت ہے ایسے غلبہ کی جو عقول پر وارد ہو کر انہیں اپنے غلبہ و قوت کے ساتھ سلب کر لیتی ہے۔
کسی نے کہا ہے کہ قلوب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کو آزما یا گیا ہوتا ہے اور دوسرے وہ جن کو اصطلام لاحق ہو

چکا ہوتا ہے۔ اگر اصطلام واقع ہو تو قلوب جاتے رہتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:
 ”جب میری محبوبہ میرے سامنے ظاہر ہوتی ہے تو میں اسے اس قدر عظیم سمجھنے لگتا ہوں کہ اس شخص
 کی طرح واپس ہونے لگتا ہوں جو آیا ہی نہیں۔
 اور میری یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مجھ سے سب کچھ جھٹن جاتا ہے اور مجھ سے وہ سب کچھ پوشیدہ کر لیا
 جاتا ہے جو میں نے پالیا ہوتا ہے۔“

حریت

حریت سے اشارہ کیا جاتا ہے اللہ کی عبودیت اختیار کرنے کی نہایت پالینے کی طرف۔ وہ اس طرح کہ مخلوقات میں سے
 کوئی تجھ پر غالب نہ آسکے اور تو جب اللہ کی بندگی اختیار کرے تو تو پہلے سے آزاد ہو۔ جیسا کہ بشر بن حارث حافی علیہ الرحمۃ
 نے سری سقطی علیہ الرحمۃ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھے آزاد پیدا فرمایا لہذا اسی طرح رہ جس طرح اس نے تجھے پیدا فرمایا، لہذا تو
 اپنے متعلقین و رفقاء سے سفر ہو کہ حضر دور رہ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام اعمال انجام دو اور لوگوں کو خود سے دور چھوڑ دو۔
 جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: عارف کا آخری مقام حریت ہے۔
 کسی نے کہا ہے کہ کوئی بندہ اللہ کا سچا بندہ نہیں بن سکتا جب تک وہ غیر اللہ کا غلام بنا رہے۔

رین

رین (زنگ) سے مراد وہ زنگ ہے جو دلوں کو لگ جاتی ہے۔ قول باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مِمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۶﴾ [التطيف: ۱۶]

ترجمہ: ”کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دی ہے ان کی کمائیوں نے۔“

کسی عالم کا قول ہے کہ حجابات قلب تین قسم کے ہوتے ہیں:

- ۱۔ مہر کی صورت میں اور یہ کفار کے دلوں پر لگی ہوتی ہے۔
- ۲۔ زنگ اور قسادت کی صورت میں اس کا تعلق قلوب منافقین سے ہے۔
- ۳۔ زنگ اور حجاب کی صورت میں اس کا تعلق قلوب موثرین سے ہے۔

ابن الجلاء علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ ان کے والد کا نام جلاء کیونکر پڑا؟ انہوں نے جواب دیا ان کا نام جلاء اس
 وجہ سے نہیں تھا کہ وہ لوہے کی پھیل کرتے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ جب قلوب پر گنگلو کرتے تھے تو ان سے گناہوں کا زنگ
 اتار دیتے تھے۔

غین

غین (بادل، تیرگی) کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے ایک روایت اسی ضمن میں مروی ہے
 جو کہ ضعیف ہے۔ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 البتہ میرے دل پر بادل چھا جاتے ہیں تو میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور دن میں ستر بار اس کے حضور

تو یہ کرتا ہوں۔“ ①

شارحین نے کہا کہ بادل جو رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر چھا جاتا تھا، اس کی مثال اس آئینہ کی سی ہے جس پر دیکھنے والے کی سانس سے بادل سا چھا جاتا ہے اور تھوڑی دیر بعد وہ بادل چھٹ کر آئینہ پھر سے صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ نبی کا قلب اس طرح کے کسی غلبہ خلق سے متاثر ہو کیونکہ نبی کا قلب زویت سے مخصوص ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا دَأَىٰ ۖ ﴿النجم: ۱۱﴾

ترجمہ: ”دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔“

کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ سید دو عالم علیہ التحیۃ والسلام کے قلب اطہر کے بارے میں کچھ بیان کرے یا اسے کسی شے سے مثال دے یا اسے کسی طرح کی نفسی یا جلی بملت کا حامل قرار دے۔

ابوعلیٰ رود باری علیہ الرحمۃ نے قلب پر بادل چھا جانے کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں۔ ترجمہ اشعار:

”غین (قلب پر چھانے والا بادل) حق کی صحبت میں رہنے والے اس قلب پر چھا جانے سے روک دیا جاتا ہے جو علتوں سے علیحدہ ہو گیا ہو۔

اور اگر ان علتوں کا سامنا سبقت حق کے ساتھ ہو جائے تو قلب پر بادل کا چھا جانا اپنے بوجھوں سے پھر جائے۔

لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ مقصد و مراد سے جو انوار توحید چمکتے ہیں وہ اس کی آرزو کو بیدار کرنے کا سبب ہوتے ہیں۔

اس سے واپس ہونا اس سے ملنے کے مترادف ہے اور اس کے سرائر، صاحب سرائر کے لیے کوئی چھا جانے والا بادل ظاہر نہیں کرتے۔“

الوسائط

وسائط سے مراد وہ اسباب دنیا و آخرت ہیں جو بندے اور اللہ جل شانہ کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔

کسی شیخ سے وسائط کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: وسائط تین طرح کے ہوتے ہیں: وسائط مواصلات، وسائط

محصلات اور وسائط مفصلات۔

وسائط مواصلات سے مراد حق تعالیٰ کی طرف جانے کے راستے کے صحرا محصلات سے مراد عبادات اور مفصلات سے

مراد خواہشات نفس ہیں۔

ابوعلیٰ رود باری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اللہ وہ پاک ذات ہے جس نے وسائط یعنی اسباب کو عارفین کے لیے رحمت بنایا

ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اس تک رسائی حاصل کر سکیں۔

① اس حدیث کو امام احمد نے مسند، امام مسلم نے صحیح اور ابوداؤد اور نسائی نے اپنی سنن میں روایت کیا۔

شطحیات و کلماتِ صوفیہ جو بظاہر قبیح مگر دراصل صحیح ہیں

معنی شطحیات اور منکرین شطحیات کی تردید
شطح کی جمع شطحیات ہے، اور شطح سے مراد وہ عجیب و غریب عبارات ہیں جو صوفیہ کرام سے وجد و مستی کی انتہائی کیفیت میں صادر ہوتی ہیں۔

لغت عرب میں شطح کا معنی حرکت ہے جیسے کہا جاتا ہے: شَطْحٌ يَشْطُحُ یعنی حرکت کرنا۔ اور آنے کے گودام کو مشطاح کہتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:

”فترات کے کنارے گھوڑوں کے گھاٹ، آٹے کے گودام کی طرف جانے والے رستے سے کچھ پہلے، پادری کی قبر کے نزدیک آٹے کی چکیوں اور ہرنیوں کی خانقاہ جو کہ حسیناؤں کی خانقاہ ہے کہ پاس ٹھہر جا!“

اور جب پانی کے بندے کے پاس کوئی ہرنی جسے حسن نے صبح کی روشنی اڑھ رکھی ہو ظاہر ہو۔ تو اس ہرنی سے میرا سلام کہو جب بھی کوئی بہتری کی جانب پکارے۔“

آٹے کے گودام کو مشطاح اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں آٹے کو چھانسنے کے لیے کثرت سے ہلاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات آٹا چھانسنے وقت پہلوؤں سے آٹا گرتا بھی رہتا ہے۔ لہذا لفظ شطح حرکت سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ شطح واجدین کے قوی وجد کی حالت میں ان کے اسرار کی حرکت کے نتیجے میں صادر ہونے والے اس کلام کو کہتے ہیں جو سننے والے کو بظاہر عجیب سا لگتا ہے۔ اور شطح میں بیان کی گئی بات کا انکار کرنے والا یا اس پر اعتراض کرنے والا مفتون و ہلاکت میں پڑنے والا ہے۔ اور جو اسے سن کر کسی ایسے شخص سے رجوع کرے جو اس کا علم رکھتا ہو اور اس طرح وہ انکار اور اس پر بحث کرنے کو ہی ختم کر دے تو ایسا شخص بلاشبہ نجات پانے والا اور صالح ہے۔

اور شطح کی کیفیت تو ایسی ہوتی ہے جیسا کہ کسی تنگ نہر میں جب پانی چھوڑ دیا جائے تو پانی اس کے کناروں سے باہر نکل پڑے تو ایسے میں کہا جاتا ہے: شَطْحُ الْمَائِ فِي النَّهْرِ۔ اس طرح ایک مبتدی صوفی جو بحالتِ وجد اپنے وجد کو اس قدر قوی پاتا ہے کہ وہ اپنے قلب پر وارد ہونے والے انوارِ حقائق کے غلبہ کا تحمل نہیں ہو سکتا تو یہ انوار اس کی زبان پر پھیل جاتے ہیں اور وہ ان کے بارے میں ایسی عجیب و غریب اور پیچیدہ گفتگو کرتا ہے کہ سننے والے کی سمجھ سے بالا ہوتا ہے۔ ہاں وہ لوگ اسے سمجھتے ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں۔ اس بنا پر ایسا کلام اہل اصطلاح کے ہاں شطح کہلایا جانے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے قلوب کھول دیئے ہیں، انہیں بلندی کی طرف جانے والے درجات کی طرف بڑھنے کی اجازت دے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب بندوں کو اپنی طرف آنے، متوجہ ہونے اور مراتبِ خواص پر مطلع ہونے کی

صلاحیت بخش دی، لہذا ان منتخب اولیاء میں سے ہر ایک اس حقیقت کو بیان کرتا ہے جسے وہ پالیتا ہے۔ وہ اپنے حال اور قلب پر وارد ہونے والے انوار و حقائق ہی سے متعلق گفتگو کو زبان پر لاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے ارادوں سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو جاتے ہیں اور وہ اس مقام پر ہوتے ہیں جہاں تمام احوال و مقامات اور راستے آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾ [یوسف: ٧٦]

ترجمہ: ”اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔“

اور فرمایا:

رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ [الزخرف: ٣٢]

ترجمہ: ”اور ان میں ایک دوسرے پر درجوں بلندی دی۔“

اور فرمایا:

أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۗ [بنی اسرائیل: ٢١]

ترجمہ: ”دیکھو! ہم نے ان میں ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی۔“

کسی کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ اللہ کے اولیاء کے بارے میں زبانِ غیبت کھولے اور خود اپنے قیاس سے ان کے کلام سے مطالب اخذ کرے کیونکہ اولیاء اللہ اپنے اوقات میں مختلف اور احوال میں ایک دوسرے کے مقابلے میں فضیلت رکھتے ہیں اس طرح وہ احوال میں باہم ایک جیسے بھی ہوتے ہیں۔ اب اگر ان میں سے کوئی اپنے ساتھیوں سے زیادہ صاحبِ فضیلت ہو اور وسعتِ معرفت کا حامل ہو تو وہ اس بات کا اہل ہے کہ شطحیاتِ صوفیہ سے متعلق گفتگو کرے یا ان کے درست و نادرست ہونے کے بارے میں کچھ کہے اور اگر کوئی شخص ایسے صاحبِ مقام صوفیہ کے راستے پر چلا ہی نہ ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ صوفیہ کے اس طرح کے کلمات سے انکار کو جانے دے اور انہیں اللہ پر چھوڑ دے۔ اس کے علاوہ اگر اس نے صوفیہ سے متعلق کوئی غلط ریمارکس دیئے ہوں تو ان کے غلط ہونے کا اعتراف کرے۔

تشریحِ علوم، علماء کی علمی مشکلات اور ان کی صحت پر دلائل

واضح رہے کہ علم پر مکمل عبور کسی ذہن کو حاصل نہیں کیونکہ علم انسانی اذہان سے کہیں وسیع تر ہے اس سلسلے میں موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعے کو ذہن میں رکھنا چاہیے جب کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفتِ جلال، اپنے ساتھ کلام کرنے، نبوت، وحی اور رسالت جیسے مناصب سے نوازا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے نبی صادق ﷺ کی زبان سے یہ کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندے کے علم کے جاننے سے عاجز تھے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا [الکہف: ۶۵]

ترجمہ: ”تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی۔“

یہاں تک کہ انہوں نے اس بندے سے کہا:

هَلْ آتَيْنَاكَ [الکہف: ۶۶]

ترجمہ: ”کیا میں تمہارے ساتھ رہوں۔“

اس طرح گویا موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کی شرافت و عظمت کی تائید کی اور اس بات کا بھی اقرار کر لیا کہ وہ ان کی باتوں کا انکار نہیں کریں گے حالانکہ وہ شخص یعنی خضر علیہ السلام نبوت، رسالت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنے کی فضیلت کے لحاظ سے کسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر تم وہ کچھ جان لو جس کا علم مجھے ہے تو البتہ روؤ گے زیادہ اور ہنسو گے کم، تم عورتوں سے لذت یاب نہ ہو سکو گے، نہ ہی تم اپنے بچھونوں پر آرام کر سکو گے، اور بلند جگہوں پر جا جا کر بلند آواز سے اللہ کے حضور میں دعائیں مانگو گے کہ خدا کی قسم! اگر میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹا جاتا تو یہ میرے لیے بہتر ہوتا۔

اس حدیث کو اسراہیل نے ابراہیم بن مہاجر سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے مورق سے انہوں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا۔

اس حدیث نبوی میں ذیل کی آیت مبارکہ کی تصدیق اور اس کے لیے دلیل موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ [المائدہ: ۶۷]

ترجمہ: ”اے رسول! پہنچا دو جو کچھ اتارا تمہارے رب کی طرف سے۔“

آیت مبارکہ میں ما انزل الیک فرمایا۔ یہ نہیں فرمایا: ما تعرفنا به الیک۔

قول رسول اللہ ﷺ: ”اگر تم وہ کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں..... الخ“ کی تشریح یہ ہے کہ اگر وہ علوم جو وہ جانتے تھے انہیں لوگوں تک پہنچانے اور پھیلانے کا حکم ہوتا تو وہ ضرور ان کو لوگوں تک پہنچاتے۔ اور اگر لوگوں کے لیے ان کا جاننا مفید ہوتا تو وہ ضرور انہیں سکھاتے۔

علوم رسالت مآب ﷺ

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ختم المرسلین ﷺ کو تین قسم کے علوم عطا فرمائے:

ایک علم جو خاص و عام یعنی ہر ایک کے لیے واضح ہے۔ اور یہ علم حدود الہی، اور امر و نہی پر مشتمل ہے۔
دوسرا علم جو صرف صحابہ کرامؓ کو دیا گیا یعنی وہ علم جو حدیثہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جانتے تھے حتیٰ کہ عمر الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی عظمت و فضیلت کے باوجود ان سے دریافت فرمایا کہ اے حدیثہ! کیا میں منافقین میں سے ہوں؟ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے علم کے ستر باب سکھائے۔ جنہیں میرے بغیر کوئی اور نہیں جانتا۔

صحابہ رسول ﷺ و رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جس کو بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی تو وہ اس کے حل کے لیے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے۔

تیسرا علم وہ ہے جو فقط رسول اللہ ﷺ ہی کو عطا فرمایا گیا اور اس میں کوئی اور ان کا شریک نہیں۔ وہ وہی علم جس کی طرف آپ نے لو تعلمون ما اعلم کہہ کر اشارہ فرمایا۔
اسی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی کو بھی یہ خیال نہیں رکھنا چاہیے کہ وہ تمام علوم کو جانتا ہے اور اس طرح وہ مخصوصین کے کلام میں اپنی رائے سے غلطیاں نکالے، انہیں کافر و زندیق کہے حالانکہ وہ خود ان کے احوال و مقامات کی رفعتوں سے بے خبر ہو۔

علوم شریعت کی اقسام

علوم شریعت کی چار اقسام ہیں:

قسم اول، علم روایت و آثار و اخبار پر مشتمل ہے اس علم کو ثقہ راوی ثقہ راویوں سے نقل کرتے ہیں۔

قسم دوم، علم روایت ہے۔ یہ فقہ و احکام پر مبنی ہے۔ اور علماء و فقہاء میں متداول ہے۔

قسم سوم، علم قیاس جو غور و خوض اور مخالفین کے خلاف دلائل لانے پر مشتمل ہے۔

یہ اہل بدعت و گمراہی کے خلاف حجت ثابت کر کے دین کی نصرت کا علم کہلاتا ہے۔

قسم چہارم، یہ وہ علم ہے جو تمام سے افضل ہے کیونکہ یہ علم، حقائق، انوار و تجلیات کے نزول، مجاہدات و ریاضت، خلوص، طاعات، معاملہ باللہ، اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے، ہر وقت اسی کی طرف بڑھنے، ارادوں کی سچائی خواہشات و آفات سے باطن کی صفائی، خالق مساوات پر اکتفاء، مخالفت نفس کر کے اسے مار دینے، احوال و مقامات میں صدق برتنے، خلوتوں اور جلوتوں میں ظاہر اور باطن دونوں طرح سے اللہ کے حضور حسن ادب سے رہنے، غلبہ حاجات کے وقت فقط گزارہ کرنے پر اکتفا کرنے، دنیا سے منموڑ لینے، دنیا میں موجود اشیاء کو بلند کی درجات اور کرامات تک پہنچنے کے لیے ترک کر دینے پر مشتمل ہے۔

جو شخص علم روایت میں غلطی کرے تو وہ اپنی غلطی کے بارے میں اہل روایت سے نہیں پوچھتا اور روایت میں غلطی کرنے والا کبھی اہل روایت سے رجوع نہیں کرتا اور جو قیاس و نظر کے علم میں غلطی کرتا ہے وہ اہل روایت و روایت سے سوال نہیں کرتا اور جو علم حقائق و احوال میں الجھ جائے وہ اپنی الجھن کو کسی اور سے نہیں پوچھتا بلکہ یہ تمام لوگ اپنے اپنے مسائل، متعلقہ علم کے

ماہرین و علماء سے سمجھتے ہیں۔

یہ ممکن ہے یہ یہ مندرجہ بالا تمام علوم آپ کو اہل حقائق کے ہاں تو مل جائیں گے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ علم حقائق آپ کو فقط ماہرین علوم شریعت کے ہاں مل سکے۔ ہاں ان میں جس کو اللہ چاہے عطا فرمادے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ علم حقائق تمام علوم کا پھل اور ان کا انجام ہے اور غایت جملہ علوم خود علم حقائق کی غایت ہے۔ جو اس تک رسائی حاصل کرے وہ ایک بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو جاتا ہے اور اس علم حقائق میں علم قلوب، علم معارف، علم اسرار، علم باطن، علم تصوف، تعلم احوال اور علم معاملات شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَوْ كَانُ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَتِ رَبِّيَ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَتُ رَبِّيَ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ [الکہف: ۱۰۹]

ترجمہ: ”تم فرمادو! اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور

میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی امداد کر لے آئیں۔“

کیا آپ نہیں جانتے کہ علم تصوف کے علماء باقی تین علوم شریعت کے علماء کے علوم کا انکار نہیں کرتے مگر باقی تینوں علوم شریعت کے علماء اہل تصوف کے علوم کا انکار کرتے ہیں ہاں جسے اللہ چاہے وہ انکار نہیں کرتا۔

ان علوم مذکورہ میں سے جو بھی اپنے اپنے علم میں مہارت تامہ حاصل کرے تو وہ اپنے ساتھیوں کے لیے امام ہوتا ہے اور وہ اپنے ہر مسئلے کو اسی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اگر کسی شخص میں یہ چاروں مذکورہ علوم جمع ہو جائیں تو وہ امام کامل، قطب، حجت الہی، اور راہ راست کی جانب بلانے والا کہلاتا ہے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کسب بن زیاد سے ایک گفتگو کے دوران فرمایا: زمین اللہ کی جتوں کو قائم کرنے والے سے خالی نہیں ہوتی تا کہ کہیں اس کی نشانیاں اور حجت باطل نہ ہو جائے۔ ایسے لوگ اگرچہ تعداد کے اعتبار سے بہت کم ہوتے ہیں مگر قدر و منزلت کے اعتبار سے عند اللہ بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔

اب ہم شطیح اور شطیحات سے متعلق بحث کی طرف آتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ شطیحات کا صدور اہل کمال سے بہت کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے معانی میں متمسک ہوتے ہیں۔ شطیح کا صدور زیادہ تر مبتدی ہی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ نہایات و غایات اور کمال کی طرف بڑھنے والا ہوتا ہے۔

شطیحات ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ مع تفسیر جنید بغدادی علیہ الرحمۃ

جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کی شطیحات میں سے بہت کم کی تفسیر بیان کی ہے مگر دانشمند کم ہی سے زیادہ پردہ لیل لاسکتا ہے۔

یہ بات میرے لیے محال ہے کہ میں جنید علیہ الرحمۃ کی تشریحات کو نظر انداز کر کے اپنی تشریحات پیش کروں۔ جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ابو یزید بسطامی سے متعلق بیان کردہ شطیحات مختلف انداز کی ہیں اور ان کے نقل کرنے والے بھی متفرق انداز سے نقل کرتے ہیں اور یہ شاید اس وجہ سے کہ یہ شطیحات مختلف احوال و مقامات میں کہی گئی ہیں۔ الفرض ہر بیان کرنے والا اپنے اپنے طریقے کے مطابق ضبط کرتا ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے کلام کی شرح کی ہے تو اس وجہ سے کہ وہ خود بلند مقام اور کامل بصیرت کے حامل تھے دوسرے یہ کہ جس دریا سے سیراب ہوئے تھے وہ فقط انہی کا حصہ تھا۔

انہوں نے فرمایا: میں نے یہ دیکھا کہ ابو یزید بسطامی کے کلام کا مقصد و مصلحتی بہت دور ہوتا ہے۔ یعنی ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے بہت کم کوئی سمجھ سکتا ہے صرف وہی شخص ان کے کلام سے پورا مفہوم اخذ کر سکتا ہے جو اس کے معانی کو جانتا ہو۔ اور اگر کوئی اس صلاحیت سے عاری ہو تو اس نے جو کچھ سنا اور سمجھا وہ قابل قبول نہیں۔

جنید علیہ الرحمۃ نے کہا کہ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا کلام اپنی قوت و گہرائی اور بلند معانی کے اعتبار سے ایک ایسے دریا سے سیراب ہوتا ہے کہ جو انہی کا حصہ ہے اور میں نے ان کے حال میں ایک ایسا بعید مفہوم و مطلوب پایا ہے کہ کم ہی کوئی اس کے بارے میں سن کر سمجھ سکے گا یا اس کی کوئی تعبیر کر سکے گا کیونکہ ان کا متحمل تو وہی ہو سکے گا جو اس کے معانی کو سمجھے گا اور جو ان کو سمجھنے یا برداشت کرنے کی استعداد انہیں رکھتا اس لیے یہ سب کچھ بے معنی ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یزید بسطامی کی شطیحات کو جس انداز میں پایا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ ایسے رموز و معانی پالے تھے جن میں وہ مستغرق ہو چکے تھے اور حقیقت حق میں وارد ہونے سے پہلے اس میں فنا ہو گئے۔ اور یہ حقیقت حق ایسے معانی پر مبنی ہے کہ جس نے ان کو کئی مرتبہ مستغرق کیا اور یہ معانی خود ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

جنید کہتے ہیں کہ جہاں تک ابو یزید کے حال کے ابتدائی مراحل ہیں تو وہ اس لحاظ سے مضبوط و محکم ہیں اور وہ ان مراحل کی انتہا کو پہنچے۔ آپ نے علم تو حید سے متعلق حقائق بیان کئے مگر یہ سب کچھ ابتدائی حالات میں تھا کہ جن میں توحید کے مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔

میں ابو یزید بسطامی کی جن شطیحات و کلمات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اگرچہ وہ کتابوں میں موجود نہیں کیونکہ علماء کے نزدیک ان کا تعلق مشہور و معروف علم سے نہیں، تاہم میں نے دیکھا کہ لوگوں نے ان کے معانی پر کافی غور و خوض کیا، ایک انہیں اپنے باطل نظریات کے لیے حجت بناتا ہے تو دوسرا ان کے کہنے والے کو کافر سمجھتا ہے حالانکہ یہ سب لوگ ابو یزید کے کلمات کو غلط تشریحات میں غلطان رہے بلاشبہ اللہ ہی راہ صواب دکھانے والا ہے۔

ابویزید بسطامیؒ کی ایک شطح اور اس کی تشریح

لوگوں میں ابویزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے متعلق یہ حکایت بہت مشہور ہے اور میں یہ نہیں جانتا کہ یہ کہاں تک صحیح ہے یا غلط۔ بہر حال حکایت یوں ہے: ابویزید نے کہا کہ ایک مرتبہ اللہ نے مجھے اوپر لے جا کر اپنے سامنے بٹھا دیا اور مجھ سے فرمایا: اے ابویزید! میری مخلوق کی یہ خواہش ہے کہ تجھے دیکھیں۔ میں نے عرض کیا: مجھے اپنی وحدانیت سے آراستہ فرمادے، اپنی انانیت کا لباس مجھے پہنادے۔ اور مجھے اپنی احدیت سے قریب کر دے تاکہ جب تیری مخلوق مجھے دیکھے تو وہ کہہ اٹھے کہ ہم نے خدا کو دیکھ لیا۔ ایسے میں گویا وہاں میری جگہ تو ہی ہوگا اور میرا وجود ہی نہ ہوگا۔

اگر مذکورہ واقعہ صحیح تو اس کی توضیح جنید علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ”تفسیر کلام ابی یزید“ میں ان الفاظ میں کرتے ہیں: ابویزید علیہ الرحمۃ کو حقیقت توحید کے کمال تک رسائی حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ کے ایک و مفرد ہونے کے حقائق سے ملبوس نہیں کیا گیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے اس کے عطا کرنے کی درخواست کی وگرنہ ان حقائق سے بہرور ہونے کی صورت میں ایسا سوال بھی نہ کرتے۔

اور اس طرح کا سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کیفیت سے قریب تھے جو وہاں تھی نہ کہ وہ کسی ایسے مقام سے قریب تھے جس میں امکان و استمکان کا وجود ہوتا ہے۔ اور ابویزیدؒ کے یہ الفاظ کہ ”مجھے لباس پہنادے اپنی انانیت کا، مجھے آراستہ کر دے اپنی وحدانیت سے اور مجھے اپنی احدیت سے قریب کر دے“ تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی مطالبہ کیا وہ ان کے روحانی ظرف کے مطابق تھا۔ اور انہیں اسی قدر معرفت حاصل ہوئی جس کا انہوں نے اظہار کیا تھا۔

یہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جنید علیہ الرحمۃ نے ابویزید کے قول کی اسی قدر تشریح کی جس قدر کہ الفاظ میں اشارات موجود تھے۔ مگر انہوں نے ان کے بارے میں لوگوں کے الزامات اور تنقیدات کا جواب دیا۔ بہر حال اس کے بارے میں ہم کچھ عرض کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ان کے قول اللہ نے اوپر لے جا کر مجھے اپنے پاس بٹھا دیا“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے مجھے مشاہدہ کرایا اور میرے دل کو اس مشاہدے کے لیے حاضر فرمایا کیونکہ تمام خلق اللہ کے سامنے ہے ان پر ایک سانس یا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا کہ جس میں وہ تمام ایک دوسرے سے مشاہدے کے اعتبار سے مختلف نہ ہوں۔

ایک اور حدیث نبوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو کہتے کہ میں خدائے جبار کے سامنے کھڑا ہوں۔

اور ابویزید علیہ الرحمۃ کا قول ہے ”اس نے مجھ سے اور میں نے اس سے کہا“ تو اس میں شب و روز میں اللہ کے حضور مشاہدہ قلب کے ساتھ صفائے ذکر اور مناجات اسرار کی طرف اشارہ ہے۔ ہماری اس تشریح پر اس طرح کی تمام عبارات کو قیاس کرتے جائیں کیونکہ اس طرح کی ہر عبارت اس سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہے۔

اور یہ جان لو کہ جب بندے کو اپنے مالک کی قربت کا پختہ یقین ہو جائے اور وہ اپنے قلب کے ساتھ حضور خداوندی میں حاضر اپنے تمام خیالات و ارادات کا محافظ رہے تو ہر خیال جو اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ دراصل اس سے اس کے قلب

کے ذریعے اللہ کا خطاب ہوتا ہے۔
الغرض قلوب میں جو کچھ بھی حضور قلبی کے دوران واقع ہوتا ہے اس کا آغاز و انجام اللہ ہی کی جانب ہوتا ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:

”آرزوؤں نے اس کی شبیہ بنائی اور وہ میرا ندیم بنا گیا میں نے گمشدہ و پوشیدہ کو ہی اپنے لیے

نعت جانا۔“

آرزوؤں نے اسے تصور میں اس طرح جگہ دی کہ میں گویا اپنے قلب سے اس کے پوشیدہ راز کے ساتھ سرگوشیاں کرتا ہوں۔
کسی اور نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:

”جب میں نے اس کی محبت کا ارادہ کیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔

اگر (عاشق) ساری زندگی خون کے آنسو روتا رہے تو بھی میں اس پر ترس نہ کروں۔“

اوپر کے اشعار میں قلوب کی سرگوشیوں سے متعلق کہا گیا ہے اور اس طرح کے کئی اشعار اور بھی ہیں۔

ابویزید علیہ الرحمۃ کے قول: ”مجھے اپنی واحدیت سے آراستہ کر، مجھے اپنی انانیت سے ملبوس فرما، اور مجھے اپنی احدیت سے قریب کر“ سے مراد ابویزید علیہ الرحمۃ کا اپنے حال سے تجرید و توحید اور حقیقت تفرید کے آخری مقام کو پانے والوں کے احوال کی جانب منتقل ہونا ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

آپ نے فرمایا: ”مفردین سبقت لے گئے۔“ ۱

عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مفردین کون ہیں۔ آپ نے فرمایا: دکھ اور خوشی دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنے والوں کو مفردین کہتے ہیں۔

ابویزید علیہ الرحمۃ کے قول: ”مجھے اپنی انانیت کا لباس پہنا حتیٰ کہ تیری مخلوق مجھے دیکھے تو یہ کہے کہ اس نے تجھے دیکھ لیا اور وہاں گویا میں نہیں تو ہی ہے۔“ کی تشریح یہ ہے کہ ابویزید (علیہ الرحمۃ) فنا ہو جائے اور پھر وہ اپنی فنا سے بھی فنا ہو جائے گویا اس کی جگہ حق اپنی وحدانیت کے ساتھ جلوہ گر ہو اور نہ کوئی خلق پہلے ہو اور نہ کوئی موجودات میں سے ہو۔ الغرض اس طرح کی تمام باتیں آنحضرت ﷺ کے اس قول سے مستفاد ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب وہ میری نظروں میں عزیز ہو جاتا ہے تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ ۲

اس ضمن میں چند شعر ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ اشعار:

”میں کون ہوں؟ محبوب! اور محبوب کون ہے؟ میں اگر تو مجھ کو دیکھ لے تو گویا تو نے ہم دونوں کو

دیکھ لیا۔

۱ امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ بقول حاکم یہ حدیث صحیح الا سناد ہے۔

۲ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

ہم دو روہیں ہیں جو ایک ساتھ ایک ہی جسم میں موجود ہیں۔ اللہ نے ہمیں جامہٴ بدن پہنا دیا ہے۔“

مذکورہ اشعار میں اگر مخلوق میں سے کسی فرد کی دوسرے فرد سے محبت مس فنا ہو جانے کا یہ عالم ہے تو کہے اللہ کے ساتھ محبت کرنے کا عالم کیا ہوگا۔

کسی مرددانا کا قول ہے کہ دو محبت کرنے والے اس وقت تک محبت کی حقیقت کو نہیں پاسکتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کو اس طرح نہ پکارے کہ اے میں!

یہ بحث خاصی طولانی ہے اور اس ضمن میں سب کچھ تو نہیں کہا جاسکتا بہر حال مختصر اُبیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

ابویزید بسطامیؒ کی ایک اور سطح اور اس کی تشریح

ابویزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے کہا: سب سے پہلے جب میں اس کی وحدانیت تک پہنچا تو پرندے کی شکل میں، جس کا جسم احدیت سے اور پر ہمیشہ قائم رہنے سے بنے ہوئے تھے۔ دس برس تک فضائے کیفیات میں محو پرواز رہنے کے بعد پھر ایک ایسی فضا میں پہنچا۔ جو پہلی فضا سے کروڑ گنا بڑی تھی۔ میں مسلسل اڑتا رہا یہاں تک کہ میدان ازلیت میں وارد ہوا۔ یہاں میں نے احدیت کا درخت دیکھا۔ اس کے بعد ابویزید علیہ الرحمۃ نے اس درخت کی زمین، جز، تنا، شاخوں اور پھل کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا: پھر میں نے دیکھا اور مجھے معلوم ہوا کہ سب کچھ دھوکہ ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابویزید علیہ الرحمۃ کے قول: ”سب سے پہلے جب میں اس کی وحدانیت تک پہنچا۔“ سے مراد ان کا توحید کو پہلی بار مشاہدہ کرنا ہے۔ گویا انہوں نے وہی کچھ بیان کیا جو انہوں نے دیکھا۔ اور آخری حد کا ذکر اس وقت کیا جب وہ وہاں تک پہنچ گئے اور آخری حد پر پہنچ کر ہی انہوں نے اپنے ٹھکانے کا ذکر کیا اور یہ سب کچھ دراصل طالبین حقیقت کا راستہ ہے جو وہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے اور علم توحید کے حقائق کو پانے کے لیے طے کرتے ہیں۔ اور یہی راستہ ہی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے سلسلے میں ان سالکین کی نظر میں مقبول و محبوب ہے جو اس کے مشاہدات سے گزر چکے ہوتے ہیں۔

ابویزید علیہ الرحمۃ کا یہ قول: ”اس فضائے کیفیت کی حیثیت کروڑ گنا بڑھ کر ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی استطاعت بھر اس مقام کی وضاحت کرنا چاہی مگر وہ ان کی توضیحات سے کہیں بڑھ کر نکلی۔ اس کے بعد انہوں نے وہ کچھ بیان کیا جو انہوں نے وہاں مشاہدہ کیا مگر یہی کچھ مطلوب و مقصود نہیں بلکہ اس راہ کے مشاہدات میں سے ایک ہے۔

الغرض جنید علیہ الرحمۃ نے جو کچھ شطیحات ابویزید علیہ الرحمۃ سے متعلق وضاحتی انداز میں کہا وہ سمجھنے والوں کے لیے کافی ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جنید علیہ الرحمۃ نے ابویزید علیہ الرحمۃ کے قول پر کی جانے والی تنقید کا کوئی جواب نہیں

دیا۔ جب کہ اعتراض کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ انسان کے لیے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ پرندہ بن کر اڑتا پھرے۔

ان بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ابویزید علیہ الرحمۃ نے اڑنے سے ارادوں کی بلندی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور دلوں

کی پرواز مراد لی ہے۔ اور اس طرح کا مفہوم خود لغت میں موجود ہے جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ قریب ہے کہ میں خوشی کے مارے

اڑنے لگوں یا میرا دل اڑنے لگا۔ اور قریب ہے کہ میری عقل اڑ جائے، اسی مفہوم کے مطابق۔

یعنی بن معاذ علیہ الرحمۃ نے کہا: زاہد چلتا ہے اور عارف اڑتا ہے۔ یعنی عارف اپنے مطلوب کی طرف جانے میں زاہد

سے تیز رفتار ہوتا ہے۔ اور ایسا کہنا جائز ہے۔

اس ضمن میں قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَكَلَّمَ إِنْسَانَ الْوَمْنَهُ ظَلْمَةً فِي عُنُقِهِ [بنی اسرائیل: ۱۶]

ترجمہ: ”اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی۔“

سعید بن جبیرؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ہر انسان کے ساتھ سعادت و شقاوت کو پہلے سے لاحق کر دیا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔ ترجمہ اشعار:

”جس روز وہ بچھڑے تو اس کے بعد کئی دن اس کے فراق میں اسی کوچ کے دن کی طرح آنسو

بہاتے گزرتے۔“

اگر تو مجھے اس روز دیکھتا جب انہوں نے کوچ کیا تو میرا جسم تو موجود تھا مگر میرا دل ان کے ساتھ ساتھ اڑتا تھا۔

ابویزید علیہ الرحمۃ کے قول: ”اس پرندے کے پر اور جسم احدیت اور ہمیشہ قائم رہنے سے بنے ہیں۔“ سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے مقصود و مطلوب کی جانب پرواز کرنے میں اپنی طاقت و اختیار سے بری ہے اور وہ ان الفاظ سے اپنی حرکت اور فعل کو ذات احد جو دائم ہے سے منسوب کرنا چاہتا ہے مگر اس کا اظہار کچھ عجیب و غریب الفاظ میں یعنی استعارہ کرتا ہے اور اس طرح کی مثالیں و اجدین اور تصور خدا میں مستغرق صوفیہ کے کلام میں جا بجا موجود ہیں کیونکہ جب کوئی صوفی خدا کے ذکر میں مستغرق ہوتا ہے اور اس کے قلب پر ذکر محبوب ہی کا غلبہ ہوتا ہے تو ایسے میں وہ اپنے احوال کو صفات محبوب کے ذریعے بیان کرتا ہے جیسا کہ مجنون بنی عامر جب جنگلی درندوں کو دیکھتا تو انہیں بھی لیلیٰ کہہ کر پکارتا اگر پہاڑوں پر نظر ڈالتا تو انہیں لیلیٰ ہی کہتا اور لوگوں کو دیکھتا تو انہیں بھی لیلیٰ کا نام دیتا یہاں تک کہ جب اس سے پوچھا جاتا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اور حال کیا ہے تو بھی جواب لیلیٰ ہی کہتا۔

قیس العامری کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ اشعار:

”جب دیار لیلیٰ سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو۔“

یہ دیار کی محبت نہیں کہ جس نے میرا دل موہ لیا ہے بلکہ اس کی محبت نے میرا دل لوٹ لیا ہے جو ان دیار کا مکین ہے۔

کسی اور کے شعر ہیں۔ ترجمہ اشعار:

”میں اپنے باطن سے تیری محبت کے بارے میں بحث کرتا ہوں مگر سوائے اپنے اور کچھ سمجھائی

نہیں دیتا تو تیرے بارے میں کیونکر جان سکتا ہوں کہ تیری حقیقت تو بہت بڑی ہے۔

اگر اس نے مجھے پالیا ہے تو کیسے کیونکر موجود تو صرف وہ خود ہے اور اگر اس نے میرے بارے

میں کچھ بیان کیا ہے تو دراصل اس نے اپنے ہی بارے میں کچھ بیان کیا ہے۔“

الغرض اس طرح کی کئی مثالیں ہیں جو کہنے والوں نے بہت خوبی سے محبوب غیر حقیقی کے بارے میں خود کو منہا کر رکھی ہیں۔

ابویزید علیہ الرحمۃ کے قول: ”دس برس..... الخ“ اور ”ایک کروڑ بار..... الخ“ سے مراد جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے

مطابق اللہ کی طرف جانے والے راستوں کے مقامات ہیں۔

ابویزید علیہ الرحمۃ کے اس قول: ”یہ سب کچھ دھوکہ ہے“ سے مراد حقائق تفرید اور تجرید توحید کا عرفان پالینے کے بعد

کون و مملکت کی طرف متوجہ ہونا فقط دھوکہ ہے۔ اور اسی بنیاد پر حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے کہا اگر ابویزید بسطامی اس مقام

بلند پر فائز ہوتے جس کی طرف انہوں نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے تو وہ کبھی ابتدا، درمیانی مقام، جسم، پر، فضلا اور میدان کا ذکر نہ کرتے بلکہ ابتدائی اور درمیانی مقام سے ہی نکل جاتے اور جو انہوں نے کہا کہ میں نے جان لیا کہ یہ سب کچھ دھوکہ ہے تو یہ اس لیے کہ اہل نہایت کے ہاں اللہ کے سوا ہر شے کی طرف توجہ کرنا دھوکہ ہے۔ اور اگر کوئی اس بات کا انکار کرتا ہے تو اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پیش نظر رکھنا چاہیے کہ عربوں نے سب سے بڑھ کر جو سچ بات کی ہے وہ لبید کا یہ مصرع ہے۔

الاکل شی ما خلا اللہ باطل۔ ❶

ابویزید بسطامی کا ایک قول اور اس کی تشریح

ابویزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: میں میدان نفی میں وارد ہوا جس میں دس برس تک محوسفر رہا یہاں تک کہ میں نفی سے نفی کے ساتھ نفی میں داخل ہوا۔ اس کے بعد میں فناء کی منزل تک پہنچا اور یہی میدان توحید ہے۔ میں برافنی کے ساتھ فناء کی فضاؤں میں اڑتا رہا تو آنکھ فناء ہونے میں فنا ہوا اور جب فنا ہوا تو خود فنا ہونے سے فنا ہو گیا (یعنی فنا کا احساس بھی نہ رہا) پھر نفی میں نفی کے ساتھ اس کے فنا ہونے سے فنا ہوا۔ تب جا کر میں خلق کے عارف سے غائب ہو جانے اور عارف کے خلق سے غائب ہو جانے کے ساتھ توحید کے مقام تک رسائی حاصل کر سکا۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہ کیفیت جو اوپر مذکور ہے اور اس طرح کی دیگر کیفیات شاہد کے ادراک پانے سے متعلق ہیں اور غیب کے شواہد کا علم پانے میں داخل ہیں۔ اور اس میں فناء کے وہ معانی ہیں جن کا تعلق فناء کے فنا سے غائب ہونے سے ہے۔

ابویزید علیہ الرحمۃ کے قول: ”میں نفی کے میدان میں وارد ہوا یہاں تک میں نفی سے نفی کے ساتھ نفی میں داخل ہوا۔“ سے مراد یہ ہے کہ ایسا کہنا ابویزید علیہ الرحمۃ کا حقیقت فنا تک پہنچی رسائی تھی اور حاضر غائب ہر شے سے اس کا فانی ہونا تھا۔ اور فنا کے پہلی بار وقوع ہونے کے ساتھ اس کے فناء کے آثار مٹ گئے۔ اور نفی کے ساتھ نفی ہونے سے مراد تمام اشیاء کا اس سے منفی ہونا اور خود منفی ہونے کے احساس کا بھی منفی ہو جانا ہے۔ یعنی کوئی شے ایسی نہیں جو محسوس کی جاسکتی ہو یا وہ موجود ہو گیا رسوم مٹ گئے اساکٹ گئے، مقامات حضور غائب ہو گئے اور مشاہدہ سے متعلق ہر شے ختم ہو گئی پھر کوئی شے ایسی نہ رہی جسے پایا جاتا کوئی شے محسوس نہ ہوتی کہ اسے گم کیا جاتا اور نہ ہی کسی چیز کا کوئی نام رہا کہ اسے یاد رکھا جاتا۔ الغرض ہر شے ان سے پوری میں غائب ہو گئی اور وہ خود فنا میں ضائع ہو گئے۔ اور اس ضائع ہونے سے مراد نفی میں نفی کے ساتھ نفی ہونا ہے۔ جو کہ ہر شے کے مفقود ہونے کی حقیقت ہے اس کے بعد نقد نفس ہوتا ہے اور مقصود ہونے کا مفقود ہونے میں مفقود ہونا، مٹ جانے میں غوطہ زن ہونا اور فنا کا فنا سے فنا ہو جانا یہ سب ایسے امور ہیں کہ جن کی نہ تو کوئی انتہا ہے اور نہ کوئی وقت کہ جسے محفوظ رکھا جاسکتا ہو۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابویزید علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ ”میں دس برس تک میدان نفی میں پرواز کرتا رہا“ سے مراد ان کا وقت ہے اور اس کا کوئی معنی نہیں کیونکہ ایسے حال میں اوقات غائب ہوتے ہیں اور جب وقت گزرے اور جو اس سے غائب ہو اس سے بھی غائب رہے تو ایسے میں دس برس، سو برس یا اس سے زیادہ۔

حضرت جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ پھر ابویزید بسطامی نے کہا: ”پھر میں توحید سے خلق کے عارف سے غائب ہونے اور عارف کے خلق سے غائب ہونے کی حالت میں شناسا ہوا۔ جب میں توحید سے آگاہ ہوا تو مجھ پر جملہ خلق کی اللہ سے غیبو بت اور اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات سے اپنی کبریائی میں علیحدہ و مفرد ہونا ثابت ہو گیا۔“ اس عبارت کی تشریح کے بارے میں جنید کہتے ہیں کہ یہ عبارت اپنے مطلب کے لحاظ سے خاصی واضح ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔

یہ تھیں وہ تشریحات جو جنید نے شطحیات ابو یزید سے متعلق بیان کیں۔ مگر یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جنید علیہ الرحمۃ نے جو تشریحات بیان کیں وہ بھی مشکل ہیں مگر اس کے لیے مشکل نہیں جو ان کا اہل ہو۔ کیونکہ ایسی باتیں اس شخص کے لیے دشوار فہم ہوتی ہیں جس نے علم میں تجربہ حاصل نہ کیا ہو اور اللہ کی عظمت و کبریائی سے متعلق روایات اور کتابیں نہ پڑھی ہوں کہ جن کے ذریعے وہ ان علوم پر دلیل لاسکے جو کہ کتابوں کی صورت میں مدون نہ ہوں اور جن سے فقط اولیاء اللہ اور خواص و مقربین کے سینے ہی مالا مال ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کے صاحب فہم علماء ہی یہ جانتے ہیں کہ کس طرح فنا ہوگی اور یہی وہ کیفیت جسے اہل معرفت کی زبان میں فنا کہا جاتا ہے۔ پھر فنا ہی فنا ہر وہ شخص جس نے اپنے اس حال میں جو اللہ کے چاہنے والوں کا خاصہ ہے، اضافہ پایا تو پھر مسلسل ہر سانس اور ہر لمحہ اللہ کے ساتھ اس کے مخصوص حال میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور ہر سانس میں وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اور یہ سلسلہ لامتناہی چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ اور ہر وہ حال جس سے وہ دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے تو پہلے حال سے اس کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے اور ان کے قول نئی اور فنا سے فنا ہو جانے، دور ہو جانے، دور ہو جانے سے بھی دور ہو جانے اور میں گم ہوا پھر گم ہونے سے بھی گم ہو گیا، جیسی عبارات کا مفہوم بھی یہی ہے۔

اگرچہ ان کی عبارات مختلف ہیں مگر ان کے معانی متفقہ اور حقائق مرتب ہیں۔ اس ضمن میں عبد اللہ ابن عباسؓ کی وہ روایت ہے جو اس قول خداوندی سے متعلق ہے:

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَا لِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا
طَلْقَ الْعَيْنِ ۝ [ختم السجده: ۱۰]

”پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو
خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”فرشتوں نے کہا اے رب! اگر زمین و آسمان وہ کچھ نہ بننا چاہیں جو آپ ان کو بنانا چاہتے ہیں تو اللہ نے فرمایا: تو میں ان پر ایک ایسا چوپایہ اپنے چوپایوں میں سے مسلط کر دیتا جو ایک ہی لقمے میں ان کو نگل جاتا۔ فرشتوں نے عرض کیا، اے ہمارے رب! وہ چوپایہ کہاں ہے۔ فرمایا: میری چراگاہوں میں سے ایک چراگاہ میں۔ فرشتوں نے کہا: وہ چراگاہ کہاں ہے۔ فرمایا: میرے پوشیدہ اور دور از فہم علم میں۔“

یہاں اس روایت میں دیکھئے کہ چوپایہ اور لقمہ میں آسمانوں اور زمین کا گم ہونا پوشیدہ ہے جب چراگاہ میں گم ہو جانے سے بھی گم ہو جانا مضمحل ہے۔ اور گم ہو جانے میں قلوب عارفین کے لیے تنبیہ ہے لہذا جس نے اس تنبیہ کو اپنے قلب کے ساتھ مشاہدہ نہ کیا وہ کس طرح اپنے نفس، کائنات اور اللہ کی تمام مخلوقات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بعض کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا کہ اگر تو نے وہ کچھ نہ کیا جس کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں تو میں تمہیں اپنی بہت بڑی آگ سے جلا ڈالوں گا۔ کسی عارف سے اللہ کے قول ”تو میں تمہیں اپنی بہت بڑی آگ سے جلا ڈالوں گا۔“ کا مفہوم پوچھا گیا تو کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم پر اپنی محبت میں سے ایک ذرہ مسلط کرے گا تو جہنم کی حیثیت اس ذرے کے سامنے ایسی ہوگی کہ جتنے نانبائی کے توروں کی حیثیت پوری دنیا کی آگ کے سامنے

دوتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی کمتر۔

ابویزید بسطامی کے قول: "نفی سے نفی کے ساتھ نفی میں..... الخ" سے وہ اپنی اس نفی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں وہ اس طرح منفی ہیں کہ جب کہ تمام اشیاء اپنے معانی اور وجود کے اعتبار سے اس حال میں کہ وہ اللہ کے لیے ہیں، اشباح ہیں اور یہ اشیاء اگرچہ ایجاد سے متعلق ہیں مگر اپنے حقائق کے لحاظ سے عدم و الہی کے ساتھ مربوط ہیں۔ اور اہل حق کے لیے ان کے مشاہدے کے مطابق تقسیم شدہ مراتب ہیں۔

اللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ ۗ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۱۶﴾ [البقرہ: ۲۱۶]

ترجمہ: "اور اللہ چاہے اور کشائش کرتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پھر جانا۔"

صاحبِ کتاب للمع اور ابنِ سالم میں ابویزید بسطامیؒ کی شطحیات پر ایک مباحثہ

فرعون اور یازید بسطامیؒ

میں نے ابنِ ابنِ سالم علیہ الرحمۃ کو اپنی مجلس میں ایک روز یہ کہتے سنا کہ فرعون نے وہ کچھ نہیں کہا تھا۔ جو یازید بسطامی علیہ الرحمۃ نے کہا۔ کیونکہ فرعون نے یہ کہا تھا: اَنَا رَبُّكُمْ الاعلیٰ جب کہ رب ایسا اسم ہے جس سے مخلوق کو بھی موسوم کیا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: فَلَأَنْ رَبُّ دَارٍ۔ (فلاں گھر کا مالک ہے) و رَبُّ مَالٍ (مال کا مالک) و رَبُّ بَيْتٍ۔ مگر یازید بسطامی علیہ الرحمۃ نے کہا: منبختانی۔ حالانکہ منبختان اور مسبوح اللہ کے اسماء میں سے ہیں۔ جن سے غیر اللہ کو موسوم کرنا جائز نہیں۔

میں نے ابنِ ابنِ سالم علیہ الرحمۃ سے کہا کہ تیرا یہ کہنا: تیرے نزدیک صحیح ہے کہ یہ قول ابویزید کا ہے۔ اور یہ بھی کہ ان کا ارادہ بھی 'سجانی' کہنے سے وہی تھا۔ جو 'انا ربکم الاعلیٰ' کہنے سے فرعون کا تھا۔ اس پر ابنِ سالم نے کہا۔ ان کی مراد اس سے کچھ ہو۔ بہر حال اس کے کہنے سے ان پر کفر لازم آتا ہے۔

میں نے کہا جب آپ کو ان کے خلاف یہ گواہی دینے کے لیے کہ سجانی سے ان کی مراد کیا تھی۔ معلومات ہی حاصل نہیں۔ تو آپ کا انہیں کافر قرار دینا باطل ٹھہرا۔ کیونکہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انہوں نے کچھ کلمات کہے ہوں۔ اور ان کے بعد 'سجانی' کہا ہو۔ یعنی یوں کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سجانی، سجانی۔ اگر ہم کسی کو یہ کہتے ہوئے سنیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۰﴾ [الانبیاء: ۲۰]

تو ہمیں یہ بات ہرگز نہیں کھٹکے گی۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی آیت تلاوت کر رہا ہے یا یہ کہ وہ اللہ کی وہی تعریف بیان کر رہا ہے جو اللہ نے خود اپنے لیے بیان فرمائی ہے۔ اس طرح اگر ہم ابویزید بسطامیؒ کو یہیم سجانی سجانی کہتے ہوئے سنیں تو ہمیں شک نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہے ہوتے تھے اور اس کا وصف خود اس کلام سے کر رہے ہوتے تھے جس میں اللہ نے اپنا وصف خود بیان کیا۔

جب معاملہ یہ ہے تو ہم نے جس قدر دلائل دیئے ان کے مطابق آپ کا ایک ایسے معروف زاہد و عارف کی تکفیر کرنا قطعاً محال ہے۔

میں نے خود ایک مرتبہ بسطام جاکر ابویزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے اہل خانہ ان سے اس بات کی بابت پوچھا تو انہوں

نے اس کا انکار کر کیا اور کہا ہم اس طرح کی کوئی بات نہیں جانتے۔

بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے مزکورہ قول ”سجانی“ سے متعلق اگر کتابوں میں ذکر نہ ہوتا اور لوگوں کی زبانی یہ واقعہ مشہور نہ ہوتا تو میں ہرگز اس کی طرف دھیان نہ دیتا۔

میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ کو ایک اور موقع پر اپنی مجلس میں یہ کہتے سنا کہ بایزید علیہ الرحمۃ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”میں نے عرش کے سامنے یا اس کے نزدیک اپنا خیمہ گاڑ دیا۔“ یہ کلمہ کفر ہے جو صرف کافر ہی کہتا ہے۔

ابن سالم علیہ الرحمۃ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ بایزید علیہ الرحمۃ جب یہودیوں کے قبرستان سے گزرے تو کہا: یہ معذور ہیں اور جب مسلمانوں کے قبرستان سے گزرے تو کہا: یہ دھوکے میں ہیں۔

ابن سالم علیہ الرحمۃ جلیل القدر بزرگ ہونے کے باوجود بایزید علیہ الرحمۃ پر طعن کرنے میں زیادتی کرتے ہیں اور وہ ان کو صرف اس لیے کافر قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے مذکورہ بالا کلمات کہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اللہ آپ سے درگزر فرمائے ہمارے ہاں کے علماء آج بھی ان کے مزار سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ مشائخ متقدمین کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ وہ ان کے نزدیک جلیل القدر عباء، زہاد اور اہل معرفت میں سے تھے۔ وہ یہ بھی ذکر کرتے تھے کہ ان کو اپنے ہم عصروں پر ورع، اجتهاد اور ذکر اللہ پر دوام رکھنے میں فوقیت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ ایک جماعت نے ان کے بارے میں یہ بیان کیا کہ ہم نے انہیں اس قدر ذکر الہی کرتے ہوئے دیکھا کہ تعظیم و خشیت خدا سے انہیں پیشاب کی جگہ خون آنے لگا۔ ان باتوں کے پیش نظر یہ کیسے جائز ہے کہ ہم ان کے بارے میں بیان کی جانے والی باتوں پر ان کی تکفیر کریں جب کہ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں کہ ایسا کہنے میں ان کی مراد کیا تھی یا کس سیاق میں انہوں نے ایسا کہا تھا اور نہ ہی ہمیں یہ علم ہے کہ یہ کلمات کہتے وقت ان پر کیا حال طاری تھا۔

کیا یہ ہمارے لیے درست ہے کہ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے وجد حال اور وقت پر فائز ہوئے بغیر ان کے بارے میں کوئی رائے دیں والا یہ کہ ہم ان کے مقام پر فائز ہوں تو بات جیتی بھی ہے کیا اللہ تعالیٰ نے مومنین سے یہ نہیں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ۖ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ أَشَدُّ مِنَ الْحُجْرَاتِ [۱۲]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔“

الغرض یہ وہ گفتگو تھی جو ابن سالم اور میرے درمیان بایزید بسطامی سے متعلق روایات اور حکایات کے متعلق ہوئی۔

اگر ابو یزید سے منسوب اس بیان کو صحیح مان لیا جائے کہ ”میں نے عرش کے سامنے یا اس کے نزدیک اپنا خیمہ گاڑ دیا“ تو

یہ کوئی نہ معلوم یا غریب کلام نہیں کیونکہ تمام خلق کا نجات اور جملہ مخلوقات عرش کے نیچے اور اس کے سامنے ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ میں نے اپنے خیمے کا رخ رب العرش کی طرف کر لیا۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ کائنات میں ایک قدم کی جگہ ایسی نہیں۔ جو عرش کے سامنے نہ ہو۔ لہذا معترض کے لیے ان کے اس کلام میں اعتراض کی گنجائش ہی نہیں۔

ابو یزید علیہ الرحمۃ سے متعلق یہ قول کہ قبرستان یہود سے گزرے تو کہا: یہ معذور ہیں“ سے مراد یہ کہ جیسے وہ معذور ہیں کیونکہ جب بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے یہ دیکھا کہ ازل سے ان کے لیے شقاوت و بدبختی مقدر ہے تو کیونکر وہ ایسا کوئی عمل کر سکتے تھے جو شقی لوگوں کا نہ ہوتا۔ تو گویا وہ معذور ہی تھے۔ اور اس لحاظ سے وہ معذور نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے ہی

بیان کے مطابق اپنی کتاب مقدس میں ان کی حالت یوں بیان فرمائی:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيُّوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ [التوبہ: ۳۰]

ترجمہ: ”اور یہودی بولے عزیز (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔“

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصْرٰى نَحْنُ اٰبْنٰؤُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهُ [المائدہ: ۶۱]

ترجمہ: ”اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے جو بھی فیصلہ فرمایا وہ اس میں عادل اور جو بھی اس نے تخلیق کیا اس میں حکیم ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝ [الانبياء: ۲۳]

ترجمہ: ”اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے۔ اور ان سب سے سوال ہوگا۔“

ابویزید علیہ الرحمۃ کا قول کہ وہ جب مسلمانوں کے قبرستان سے گزرے تو کہا کہ ”یہ دھوکے میں ہیں“ کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ واقعی انہوں نے ایسا کہا تھا تو بھی اس کی وجہ عامۃ المسلمین کا وہ مشہور خیال ہے جس کی بنا پر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو اعمال کیے ہیں ان کی وجہ سے وہ نجات پائیں گے اور کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس طرح کے خیال سے مبرا ہوتے ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے انہوں نے مونثین کو مغرورین (دھوکے میں آئے ہوئے) کی ایک ایک سانس اور حرکت کی ابتدا و انتہا اسی سے اور اسی پر ہوتی ہے۔ جس نے فضل الہی اور اس کی وسعت رحمت کے بغیر یہ سمجھا کہ نجات پا جائے گا تو بلاشبہ وہ دھوکہ و ہلاکت میں پڑ گیا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سید الانبیاء اور امام اقیاء علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جسے اس کے اعمال نجات دلا سکیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا آپ بھی فرمایا: میں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہاں اس صورت میں کہ میرا رب مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

صوفیہ کرام پر علم الحقائق تک رسائی حاصل کئے بغیر معترض ہونا گمراہی ہے۔

الغرض وہ لوگ جن کے جو ارج مضبوط اور علم و ادب سے مالا مال ہوں ان کے کسی قول یا واقعے پر بایں وجہ اعتراض کرنا کہ ان کے ادراک سے اس کا مفہوم باہر ہو، وہ بلاشبہ عالم کی لغزش، حکیم کی لالچنی بات اور عاقل کی کھلی ہوئی غلطی ہے اور بسا اوقات اسی طرح کسی حکیم کی حکمت کو غلط معانی پہنایے جاتے ہیں کیونکہ ان کی حکمت کو کوئی ایسا شخص بیان کرتا ہے جو خود اس کے مفہوم سے بے خبر اور اس کا ادراک مراد مستحکم سے دور رہتا ہے تو ایسے میں اصل مفہوم کا الٹ لوگوں کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو مستحکم میں غلطی دکھائی دیتی ہے جو خود اس حکمت کے مقصد سے نا بلند اور معافی سے بے خبر ہوتا ہے۔ کیونکہ علوم کے سر بستہ راز کو کسی سر بستہ راز ہی کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ حکمت میں غلط معانی پہنانے کا عمل دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک حروف میں تحریف یہ آسان ترین طریق ہے، اور دوسرا طریق معانی میں تحریف کا ہے جیسے کوئی حکیم اپنے حال اور اوقات کے مطابق کچھ کہے مگر سننے والے کو اس جیسا حال اور وقت حاصل نہ ہو تو ایسے میں وہ اپنے مقام و احوال کے مطابق اس کی غلط تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح غلطی کر کے ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں۔

اکتساب فیض کا طریق

میں نے ابو عمرو بن علوان علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے جنید علیہ الرحمۃ سے سنا اور انہوں نے فرمایا: میں تو عمر تھا کہ

صوفیہ کرام کی صحبت میں بیٹھتا اور ان کی ایسی باتیں سنتا رہتا جنہیں کھنسا میرے بس سے باہر تھا۔ مگر اس کے باوجود انکار سے میرا دل ہمیشہ محفوظ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ان سے فیض پایا۔

ذکر اور مذکور

میں نے سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا اسے اس بات سے زیادہ تقویت ملتی ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ میں ابن سالم علیہ الرحمۃ سے کلام بایزید پر بحث کے بعد ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے ہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ سے متعلق یوں بیان کیا کہ ہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ نے کہا: اللہ کا ذکر زبان سے کرنا ہذیان اور قلب میں ذکر الہی کو جاری رکھنا وسوسہ ہے۔ جب ابن سالم علیہ الرحمۃ سے اس قول کی تشریح کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا: ہل بن عبد اللہ کی مراد یہ تھی کہ بندہ مذکور کے ساتھ قائم رہے نہ کہ ذکر کے ساتھ۔

ابن سالم کے مرید خاص اور صاحب کتاب للمع

ایک اور مجلس میں ابن سالم نے ہل بن عبد اللہ سے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے کہا: میرا مولانا نہیں سوتا اور میں بھی نہیں سوتا تب میں نے ابن سالم کے ایک مرید خاص سے کہا کہ اگر ابن سالم، ہل بن عبد اللہ کی جانب بہت زیادہ مائل نہ ہوتے تو وہ ان کی بھی اسی طرح تغلیط و تکفیر کرتے جیسے انہوں نے بایزید بسطامی کو اپنی تکفیر کا نشانہ بنایا تھا، کیونکہ سمیل بن عبد اللہ جو ابن سالم کے امام اور ان کے نزدیک تمام لوگوں سے افضل ہیں، اگر ان کے وہ اقوال و کلمات جو ابن سالم بیان کرتے ہیں کوئی ہدف تنقید بنانا چاہے تو بخوبی بنا سکتا ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہل بن عبد اللہ کے اقوال کی کوئی ایسی تشریح ہو سکتی ہے جس پر ناقہ تنقید نہ کر سکے تو پھر ایسی کوئی تشریح ابو بیزید بسطامی کے اقوال کے بارے میں کیوں نہیں روا رکھی جاتی تاکہ ان کے اقوال کو بھی ہل بن عبد اللہ کے اقوال کی طرح ہدف تکفیر نہ بنایا جاسکے۔ میری یہ بات سن کر ابن سالم کے مرید خاص پر مکمل سکوت طاری ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی جانب سے عصمت و تائید، انوار نبوت، اللہ سے ہم کلامی اور رسالت کے حامل نہ ہوتے تو وہ حضرت خضر علیہ السلام کے نقل نفس کرنے، جو کہ گناہ کبیرہ میں سے بھی سب سے بڑا گناہ ہے، پر اعتراض نہ کرتے اور نہ ہی وہ یوں کہتے جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے:

أَقْتَلْتُمْ نَفْسًا ذَكَّرْتُمُوهَا ۗ يُغْنِي عَنْكُمْ قَوْلُ اللَّهِ كَذِبًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا كَلِمًا ﴿٧٣﴾ [الكہف: ٧٣]

ترجمہ: ”کیا تم نے تھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی ہے شک تم نے بہت بری بات کی۔“

اور حضرت خضر نے یوں جواب دیا:

أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْبُطَنِي مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٤﴾ [الكہف: ٧٤]

ترجمہ: ”میں نے آپ سے نہ کہا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے۔“

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً کہا:

إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ بَعْدِ هَذَا فَلَا تُصِجْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِن لَدُنِّي عُذْرًا ﴿٧٥﴾ [الكہف: ٧٥]

ترجمہ: ”اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں تو پھر میرے ساتھ نہ رہنا۔ بے شک میری طرف سے تمہارا

عذر پورا ہو چکا۔“

جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ خود دیکھ لیا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے قتل نفس کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا اور اس کے لیے قصاص کا حکم دیا تو ان پر لازم تھا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے قصاص کا مطالبہ کرتے ان سے علیحدہ ہو جاتے اور ان کی صحبت و مجلس میں بیٹھنے کو جائز نہ سمجھتے مگر اللہ کی طرف سے خصوصی توفیق و ہدایات کے حامل ہونے کی وجہ سے معاملے کی صورت بدل جاتی ہے۔

روز قیامت تک ہر دلی اور صدیق کا یہی شعار رہے گا مگر ان میں سے کوئی بھی درجہ نبوت کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کبھی کسی دیوار کا سہارا نہیں لیا سوائے مسجد اور سرائے کی دیوار کے۔ اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے انہیں بجز روز عید کبھی روزے کے بغیر نہیں دیکھا یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، ان کے (زہد و عبادت) کے بارے میں اس طرح کی روایات بکثرت ملتی ہیں۔

مفلوظات ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ اور ان کی تشریح

تصرف اولیاء

مجھ سے ابو عبد اللہ ابن جابان علیہ الرحمۃ نے کہا کہ میں ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں قحط سالی کے دوران حاضر ہوا نہیں سلام کیا جب رخصت ہونے کو اٹھا تو انہوں نے مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے فرمایا: جاؤ! میں تمہارے ساتھ ہوں جہاں کہیں بھی جاؤ تم میری حفاظت میں ہو۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ ان کے مذکورہ قول میں نکتہ یہ ہے کہ قلب پر تجرید توحید اور حقیقت تفرید کے غلبہ سے وہ خود کو فانی اور لاشیٰ دیکھتے تھے اور جب صاحب وجد کی کیفیت یہ ہو تو وہ لفظ انا (میں) سے اپنے وجد اور اس حال کو مراد لیتا ہے جو اس کے باطن پر چھا گیا ہوتا ہے اور ایسے میں انا سے وہ اپنے مولا کے قرب کے مشاہدہ سے متعلق غالب آ جانے والی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

میں نے حصری علیہ الرحمۃ سے سنا کہ شبلیؒ کہا کرتے تھے: میں نے اپنی ذلت کو یہود و نصاریٰ کی ذلت کے مقابل رکھا تو میری ذلت ان کی ذلت سے بھی بڑھ کر نکلی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مذکورہ دونوں اقوال میں یا بھی تعارض ہے تو ہمیں یہ کہیں گے کہ دونوں روایات اپنی جگہ صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں حقیقت یہ ہے کہ دونوں مختلف اوقات و احوال میں ان سے سرزد ہوئے پہلا قول جب انہوں نے ادا کیا تو خالصتاً صفا مشاہدہ کی بنا پر اور انہوں نے جو کہ محض خالص توحید کی حقیقت کو پا کر اور خود کو مٹا کر کہا مگر جو نبی وہ دوسری حالت میں آئے یعنی خالص بشری حالت کی طرف لوٹے تو اپنی عاجزی و انکساری کی وجہ سے انہوں نے جو پایا وہی بیان کیا۔ جیسا کہ یحییٰ بن معاذ رازی کہتے ہیں کہ بندہ جب اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو فخر کرتا ہے اور جب اپنے نفس کو یاد کرتا ہے تو فقیر و حقیر ہو جاتا ہے اور یہ نکتہ علوم شرعی میں موجود ہے۔

مقام مصطفیٰ وانسار مصطفیٰ ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سوائے اللہ کے مجھ میں کوئی اور شے نہیں ساتی، اور میں اولاد آدم کا سردار ہوں مگر مجھے کوئی فخر نہیں۔

آپ سے ہی روایت ہے کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو، میں تو اس عورت رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہوں جو دھوپ میں سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھی۔

ان دونوں روایتوں میں احوال کے اعتبار سے کس قدر فرق ہے۔ سطور گزشتہ میں ہمارے موقف کی طرف شبلیؒ کے بارے میں یہ حکایت بھی اشارہ کرتی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا لے کر کھا لیا۔ اور کہنے لگے کہ

میرے نفس نے مجھ سے روٹی کا ٹکڑا طلب کیا، اور اگر میری روح عرش و کرسی کی طرف التفات کرتی تو جہل جاتی اس قول میں روح کے عرش و کرسی کی طرف ملتفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میری روح عرش و کرسی میں، وحدانیت یا قدیم ہونے کا تھوڑا سا اثر بھی قبول کر لیتی تو جہل جاتی کیونکہ عرش و کرسی دونوں حادث و مخلوق ہیں کہ نہیں تھے اور پیدا ہو گئے۔

ابو بکر شبلیؓ سے ایک موقع پر ابو یزید بسطامیؒ کے اقوال کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اگر بایزید آج موجود ہوتے تو ہمارے کسی بچے کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور کہا کہ اگر کوئی میری بات کو سمجھتا تو میں گلے میں زنا را باندھ لیتا۔ میرے خیال میں شبلی علیہ الرحمۃ نے بھی بایزیدؒ کے بارے میں اسی جانب اشارہ کیا ہے جو جنیدؒ نے بایزیدؒ سے متعلق کہا کہ ابو یزید بسطامیؒ باوجود اپنے بلند مرتبے اور حال کے ابتدائی احوال سے آگے نہیں نکلے اور میں نے ان سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں سنا جو ان کے کمال پر دلالت کرتا ہو۔

یہاں یہ بات اہم ہے کہ اس علم تصوف سے مخصوص لوگوں کو یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ اس کے احوال باقی تمام سے اعلیٰ وارفع ہیں اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اللہ ان پر غیرت کھاتا ہے دوسروں کے مقابلے میں تاکہ وہ کہیں ایک دوسرے میں ہی نہ کھو جائیں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ابو یزیدؒ نے ایسی باتیں کیں کہ جن کو سمجھنے سے ان کے ہم عصر لوگ قاصر رہے۔ مگر بعد میں جنیدؒ نے کہا کہ وہ ہدایت سے نہیں نکلے اور ہم نے ان سے ایک لفظ بھی ان کے کمال پر شاہد نہیں سنا۔ پھر شبلیؓ نے کہا کہ آج بایزیدؒ اگر یہاں ہوتے تو وہ ہمارے بچوں یعنی مریدوں کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے جبکہ کسی شیخ نے کہا کہ میں بیس برس تک شبلیؓ کی خدمت میں رہا میں نے اس دوران کبھی ان سے توحید پر ایک لفظ تک نہیں سنا ان کی تمام تر گفتگو کا موضوع احوال و مقامات ہی رہتے تھے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا یہ صوفیہ عظام کے بلند معنی اشارات و نکات میں سے بہت کم ہے کیونکہ حقیقت توحید کی نہ انتہا ہے اور نہ کوئی کنارہ جب کہ ہر صاحب معرفت حقائق کے ایسے سمندر میں غرق ہے کہ اس کی حد بیان کی جاسکتی ہے نہ اس کی انتہاء معلوم کی جاسکتی ہے۔

ابوبکر شبلیؓ کی ایک شطح کی تشریح

کسی صوفی نے کہا کہ میں ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں یہ کہتے ہوئے سنا: اگر گزشتہ ایک یا دو ماہ سے میرے دل میں جبریل و میکائیل علیہما السلام کا خیال تک بھی آیا ہو تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے دے کہ مجھے نکل لے۔ میں نے حصریٰ سے سنا کہ ان سے شبلی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے اگر تیرے دل میں جبریل و میکائیل علیہما السلام کا خیال تک بھی گزرے تو تو نے شرک کیا۔

صوفیہ کی ایک جماعت کو میں نے دیکھا کہ وہ جبریل و میکائیل علیہما السلام جیسے مقرب ملائکہ کے بارے میں اس طرح کی بات کو ناپسند کرتے تھے۔ اور ایک حدیث ہے کہ سید الرسل ﷺ نے فرمایا: میں نے جبریل کو بوسیدہ کپڑے کی طرح دیکھا جس سے مجھے اس کی علمی فضیلت کا علم ہوا اور میں اپنے بارے میں اس سے ڈر گیا۔

اہل معرفت کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کو اپنے اوپر فضیلت دیتے تھے تو کسی کو ان کے بارے میں مذکورہ بالا انداز میں ذکر کرنا کیسے جائز ہے۔

ہم اس سلسلے میں یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ واجدین اور ذکرا الہی میں جو ہو جانے والے شیوخ کرام کا کلام اکثر مجمل ہوتا ہے اسی وجہ سے اعتراض کرنے والوں کو ظن اور اعتراض کا موقع مل جاتا ہے کیونکہ مجمل کلام کا کچھ سیاق و سباق ہوتا ہے جو سننے والے تک نہیں پہنچ پاتا جب کہ کلام مفصل و واضح اور صاف ہوتا ہے اور مجمل میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں شبلی علیہ الرحمۃ کا جو کلام بیان کیا گیا وہ مجمل ہے جس کا باقاعدہ ایک سیاق و سباق ہے جسے سامع جان لے تو اسے ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ پر اعتراض کرنے کی ضرورت پیش ہی نہ آئے۔ اور اگر کلام مجمل کو سیاق و سباق کے بغیر دیکھا جائے تو پھر معترض کو اعتراض کا حق ہے کیونکہ ایسے میں وہ کلام، غیر مفصل اور غیر واضح حالت میں ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ پر بغیر سوچے سمجھے طعن و تشنیع گناہ عظیم ہے

میں نے ابوبکر شبلیؓ کی جو روایت جبریل و میکائیل علیہما السلام کے بارے میں بیان کی اس کی مکمل تشریح سیاق و سباق کے ساتھ ابومحمد نسائی نے اس طرح سے کی ہے کہ سب اعتراضات صاف کر دیئے اور اس کے مفہوم کو پوری طرح واضح کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ابوبکر شبلیؓ سے جبریل علیہ السلام کی صورت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: میں نے ایک روایت سے یہ جانا ہے کہ جبریل علیہ السلام کو سات سوز بانوں پر عبور ہے اور سات سوان کے پر ہیں جن میں سے ایک کو پھیلا دے تو مشرق کو ڈھانپ لے اور دوسرا پر پھیلا دے تو مغرب کو ڈھانپ لے۔ الغرض تم ایسے فرشتے کے بارے میں کیا پوچھتے ہو کہ پوری دنیا اس کے پردوں میں غائب ہو جاتی ہے۔ پھر شبلیؓ نے اس شخص سے کہا کہ ہاں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جبریل کی حیثیت کرسی کے ایک پایہ کے سامنے ایسی ہے جیسے زرہ میں اس کا ایک حلقہ۔ پھر کرسی، جبریل، عرش اور تمام ملکوت جو اہل معرفت پر ظاہر ہوتے ہیں ایک بے آب و گیاہ میدان میں ریت کے ایک ٹیلے کی مانند ہیں پھر شبلیؓ نے کہا: اے

سائل! یہ وہ علوم ہیں جن کو اس نے ظاہر کیا کیا اجسام ان کے متحمل ہو سکتے ہیں یا طباغ ان کو برداشت کر سکتے ہیں یا عقل ان کا احاطہ کر سکتی ہے یا آنکھیں دیکھ سکتی ہیں یا کان ان کو سن سکتے ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی طرف اہل بصیرت کی رہنمائی فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ اپنی ایک ایسی مملکت پر غلبہ و حکمرانی رکھتا ہے جو کہ غیب سے تعلق رکھتی ہے جس کی وسعتوں میں سوائے اس کے کوئی اور نہیں سا سکتا۔ اگر وہ اپنے اس ملک غیب میں سے ایک ذرہ بھی غائب کر دے تو نہ روئے زمین پر بستیاں باقی رہیں نہ درخت پھلیں نہ دریا چلیں نہ رات تاریک ہو سکے اور نہ دن روشن ہو۔ مگر وہی علیم و حکیم ہے۔ اور وہ ان علوم کی طاقت نہیں رکھتے۔ اسی دوران ابو بکر شبلیؓ نے سائل سے فرمایا: اے سوال کرنے والے! تو نے مجھ سے جبریل علیہ السلام اور ان کے احوال کے متعلق پوچھا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے کہ وہ مجھے نکل لے اگر میں پچھلے ایک دو ماہ سے جبریل و میکائیل کے ذکر کا خیال تک بھی دل میں لایا ہوں جب کلام یا گفتگو اس طرح کے سیاق و سباق کی محتاج ہو جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں تاکہ معنی واضح ہو سکے جب کہ اعتراض و الزام لگانے والے کلام کے صرف آخری حصہ پر ہی نظر رکھتے ہوئے اسے جوں کا توں ان لوگوں کی طرف منتقل کر دیتے جو انہیں سمجھ ہی نہیں پاتے تاکہ لوگ اپنی زبان اس کلام کے بارے کھولیں اور اولیاء اللہ پر اعتراض و الزام تراشی سے کام لیں بلاشبہ ایسا عمل کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا ہے۔

ابوبکر شبلی کے بعض اقوال پر اعتراضات

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کی جن باتوں پر اعتراض کیا جاتا تھا ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ بعض اوقات قیمتی لباس پہنتے پھر اسے اتار کر نذر آتش کر دیتے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے عنبر کا ٹکڑا لے کر اسے آگ پر رکھا پھر نفرت کا اظہار کرتے ہوئے گدھے کی دم کے نیچے تھوک دیا۔

وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر دنیا کسی بچے کے منہ میں ایک لقمہ ہوتی تو ہم اس بچے پر تم کرتے۔

ایک اور صوفی کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس گیا تو ان کے سامنے شکر اور بادام پڑے دیکھے جنہیں وہ جلا رہے تھے۔

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ دنیا اور آخرت دو لقمے ہوتی تو میں دونوں کو منہ میں ڈال لیتا اور اس طرح لوگوں کو دنیا و آخرت کے وسیلے سے محروم کر دیتا۔

ایک مرتبہ انہوں نے کچھ گھر کا سامان اور مال کثیر صرف کر کے خرید اور کھڑے کھڑے سب کا سب لوگوں میں تقسیم کر دیا جب کہ آپ کے اپنے اہل و عیال بھی تھے مگر آپ نے ان کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اور اس طرح کے تمام واقعات شریعت مطہرہ کے سراسر منافی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر انہوں نے کس کو اپنا امام سمجھتے ہوئے اس کی پیروی میں سارا مال و منال لوگوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ چھوڑا۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس عمل میں ان کے امام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جنہوں نے اپنی ساری ملکیت کو آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اپنے عیال کے لیے کیا باقی چھوڑا؟ تو کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند نہیں فرمایا۔

ضیاع مال کی حقیقت

جہاں تک مال کے ضیاع کا تعلق ہے تو وہ معصیت خدا میں مال خرچ کرنے کو کہتے ہیں، اگر کوئی شخص معصیت خدا میں ایک دانق (درہم کا چوتھا حصہ) بھی خرچ کرے تو وہ ضیاع مال ہے جبکہ اللہ کی راہ میں خرچ کیے جانے والے ایک لاکھ درہم بھی ضیاع مال نہیں۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کا بعض اشیاء جلا دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اشیاء آپ کے قلب کو اللہ سے دور لے جاتی تھیں۔ اس ضمن میں سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے قصے کو قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے۔

وَهَبْنَا لِداوُدَ سُلَيْمَانَ ۖ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ﴿۱۰﴾ اِذْ عَرَضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِيِّ الصُّفْفَتُ الْاُجْبَادُ ﴿۱۱﴾ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّنَّ حَبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ ۗ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْجَبَابِ ﴿۱۲﴾ رَدُّوْهَا عَلٰی ۙ فَطَفِقَ مَسْحًا

بِالتَّوَقُّقِ وَالْأَعْتَانِقِ ۝ [ص: ۳۲۹۹]

توجہ: ”اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان عطا فرمایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لائے
 والا جب کہ اس پر پیش کیے گئے تیسرے پہر کو کہ روکیے تو تین پاؤں پر کھڑے ہوں چوتھے سم کا
 کنارہ زمین پر لگائے ہوئے اور چلائے تو ہوا جو جائن تو سلیمان نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت
 پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ کے پردے میں
 چھپ گئے پھر حکم دیا کہ انہیں میرے پاس واپس لاؤ تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے
 لگا۔“

کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تین سو عربی النسل گھوڑے موجود تھے جن کی مثال نہ ان سے پہلے کسی حکمران
 کے پاس تھی اور نہ بعد کے کسی حکمران کے پاس ایسے گھوڑے موجود تھے۔ جب یہ گھوڑے ان کے سامنے لائے گئے تو ان کا
 دل ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور ان سے نماز عصر کا وقت جاتا رہا۔ ایسے موقع پر آپ نے کہا: رو دو ہا علی فلفظ..... الخ اور تمام
 گھوڑوں کی گردنیں کاٹ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی جزا یوں دی کہ سورج کو ان کے لیے واپس کیا تاکہ پھر سے عصر کا
 وقت ہو جائے اور وہ نماز عصر ادا کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ سے اسی ضمن میں ایک حدیث روایت کی جاتی ہے کہ غزوہ خندق کے روز آپ کی نماز عصر فوت ہو گئی
 تو آپ کو اس کا شدید رنج ہوا تو آپ نے فرمایا: انہوں نے نماز عصر سے ہماری توجہ ہٹا دی خدا ان کے دلوں اور گھروں کو
 آگ سے بھرے حالانکہ ان (کفار) نے اس سے پہلے آپ کو شدید اذیتیں پہنچائی تھیں یعنی ضرب و شتم کیا اور آپ پر خون
 اور گندگی بھینگی مگر آپ نے سوائے اس قدر دعا کرنے کہ اسے اللہ! میری قوم کو معاف فرما کہ وہ جاہل ہیں، لیکن جب ان کے
 باعث ان کی نماز عصر کا وقت جاتا رہا تو آپ نے شدت ملال کی وجہ سے بددعا فرمائی۔ یہ حدیث اپنے مضمون کے اعتبار سے
 حضرت سلیمان کی روایت سے زیادہ مکمل ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تو سورج نہ
 پلٹا یا گیا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایسا کیا گیا۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دین
 حنیف کے ساتھ بھیجا گیا اور ان کے لیے قضاء صلوة کو معاف کر دیا گیا کیونکہ فرض جہاد نے انہیں فرض نماز کی ادائیگی سے باز
 رکھا۔ اور خندق کو نہ فرض جہاد سے ہے تو اسی خاطر ان کا فریضہ صلوة ان کے لیے معاف کر دیا گیا۔ جب کہ سلیمان کو نماز کی
 ادائیگی سے نہ کسی فرض نے غافل رکھا اور کسی نفل عبادت نے اسی وجہ سے ان کے لیے فریضہ صلوة ان کے لیے معاف کر دیا
 گیا۔ جب کہ سلیمان کو نماز کی ادائیگی سے نہ کسی فرض نے غافل رکھا اور کسی نفل عبادت نے اسی وجہ سے ان کے لیے فریضہ
 صلوة معاف نہیں کیا گیا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی فضیلت معافی فرض کی صورت میں سورج کے پلٹائے جانے سے زیادہ
 کامل ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام کے لیے فرض نماز کو معاف کر دیا جاتا تو ان کے لیے سورج کو واپس نہ کیا جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل حقیقت ہر اس شے سے کسی طرح بھی چھٹکارا پانے کی پوری کوشش کرتے ہیں جو انہیں اللہ سے غافل
 کرے۔ اور اسی چیزوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں، وہ سوائے اللہ کے کسی اور شے کو اپنے اندر جگہ نہیں دیتے۔
 جس نے یہ کہا میں چاہتا ہوں کہ یہ دنیا ایک لقمہ ہوتی اور میں اسے یہودی کے منہ میں دے دیتا تو یہ کہنے والے کے

نزدیک دنیا کی ذلت سے عبارت ہے۔

ذلت دنیا کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: دنیا معلون ہے اور اس میں جو کچھ اسباب دنیوی ہے وہ بھی ملعون ہے۔ ﴿

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پینے دیتا۔ ﴿

﴿ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

﴿ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

کلام ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کی تشریح اور جنید بغدادیؒ سے ان کی گفتگو

بیان کیا جاتا ہے کہ ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک روز اپنے مریدین سے فرمایا: اے جماعت! میں لامحدودیت کی طرف جاتا ہوں مگر صرف محدودیت کو پاتا ہوں پھر میں دائیں اور بائیں لامحدودیت کی تلاش میں جاتا ہوں مگر وہی محدودیت ہی سامنے ہوتی ہے، پھر میں واپس آتا ہوں اور میں یہ سب کچھ اپنی چھوٹی انگلی کے ایک بال میں دیکھتا ہوں۔

شبلی علیہ الرحمۃ کا یہ قول ان کے مریدین نے سمجھ سکے دراصل اس قول میں کون کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عرش و کرسی دونوں حادث اور محدود ہیں اور دنیا میں اس کے آگے کوئی حد نہیں اور نہ اس کے تحت کوئی تخت ہے اس کی کوئی نہایت نہیں اور مخلوق میں سے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے یا اس کی کوئی نہایت نہیں اور مخلوق میں سے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے یا اس کی صفت جو خود اللہ نے بیان فرمائی ہو اور اس کے علم کا مخلوق احاطہ نہیں کر سکتی اس کے علم سے صرف اس کا خالق ہی باخبر ہے۔

شبلی علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ میں لوٹتا ہوں اور اس تمام کچھ کو اپنی چھوٹی انگلی کے ایک بال میں دیکھتا ہوں، سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس تمام خلق کی تخلیق میں جو قدرت قادر کار فرما ہے وہی قدرت میری چھوٹی انگلی کے ایک بال کی تخلیق میں بھی موجود ہے۔ اس قول کی ایک اور تشریح یہ ہے کہ کون اور جملہ مخلوقات چاہے ان کا طول و عرض یا حجم کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ ان کے خالق کی کبریائی اور صانع کی عظمت کے سامنے بالکل ویسے ہے جیسے میری چھوٹی انگلی کا ایک بال یا اس سے ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک اور موقع پر کہا: اگر میں یہ کہوں تو بھی اللہ اور اگر وہ کہوں تو بھی اللہ اور بلاشبہ میں اس سے ایک ذرہ کا طالب ہوں۔

قول کے پہلے حصے سے اس آیت کی جانب اشارہ مقصود ہے۔

وَمَعَهُمْ آيَاتٌ مَا كَانُوا۟ [المجادل: ۸]

ترجمہ: ”کہ وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہوں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے غائب نہیں وہ ہر مکان میں موجود ہے مگر نہ مکان اس میں سماتا ہے اور نہ مکان اس سے خالی رہتا ہے۔

قول کے دوسرے حصے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خلق، اللہ سے اس کے اسماء و صفات کے ساتھ مجرب ہے اور خلق کو جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے اس کے اسم و رسم کے سوا کچھ نہیں کیونکہ وہ اس سے آگے برداشت بھی نہیں کر سکتے۔

اسی سلسلے میں شبلی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر۔ ترجمہ شعر:

”تو میں نے کہا کیا انہوں نے میرے خط کی مہر کو توڑا ہے اس نے کہا: وہاں تب میں نے کہا یہی

میرا حصہ ہے۔“

ان کا ایک اور شعر۔ ترجمہ شعر:

”کیا یہ سعادت نہیں کہ میرا گھر شہروں میں تیرے گھر کے پڑوس میں ہے“

اور آپ نے یہ شعر پڑھے۔ ترجمہ اشعار:

”تیری جانب سے ہم پر ایک روز بادل چھائے جنہوں نے ہمارے لیے بجلیاں تو روشن کیں مگر بارش کو موخر کیا۔

اب نہ تو بادل چھٹتے ہیں کہ بارش کی طبع رکھنے والا مایوس ہو جائے اور نہ بارش برستی ہے کہ یہاں سیراب ہو۔“

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: میں تیس برس تک حدیث و فقہ کا مطالعہ کرتا رہا یہاں تک کہ صبح روشن ہوگئی۔ اس کے بعد میں اپنے ہر اساتذ کی خدمت میں گیا اور کہا میں اللہ کو جاننے کا علم حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر کسی نے بھی اس سلسلے میں مجھے کچھ نہ بتایا۔

صبح کے روشن ہونے سے ان کی مراد یہ تھی کہ پھر انوارِ حقیقت اور حقیقتِ نقد و علم و معرفت کی طرف دعوت دینے کی منزل مجھ پر ظاہر ہوگئی۔

ان کے اس قول کہ اللہ کے جاننے کا علم لے آؤ کی تشریح یہ ہے کہ الہ اور بندے کے درمیان ہر لحظہ اور ہر گھڑی میں واقع ہونے والے احوال کے جاننے کا علم لے آؤ۔

شبلیؒ نے جنیدؒ سے کہا: اے ابوالقاسم! اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جس کے لیے تو انوارِ حقیقت اللہ کافی ہے۔ جنیدؒ نے جواب دیا: اے ابوبکر! آپ کے اور اکابر صوفیہ کے درمیان آپ کے اس سوال میں دس ہزار مقامات ہیں۔ جن میں سے پہلے مقام اس کو ختم کر دینا ہے جسے آپ نے شروع کیا ہے۔

یہاں نکتہ یہ ہے کہ جنیدؒ شبلیؒ کے حال سے اپنے علم اور فضیلتِ تمکین کے باعث آگاہ تھے اسی لیے انہوں نے شبلیؒ پر اس مقام کو ظاہر کیا کیونکہ ان کو شبلیؒ سے دعویٰ کر بیٹھنے کا خطرہ تھا کیونکہ جس شخص کو تو انوارِ حقیقت اللہ کافی ہوا سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہذا جنیدؒ سے ان کا یہ سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ البتہ اس مقام سے قریب تھے۔

میں سے ابنِ علوان علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے سنا کہ جنیدؒ نے کہا: شبلیؒ کو ان کے مقام پر یہی ٹھہرا دیا گیا جس سے وہ دور نہ ہوئے اور اگر وہ اس سے آگے نکل جاتے تو وہ امام بن جاتے۔

ابو عمرو علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ اکثر شبلیؒ جنیدؒ کے پاس جاتے تو ان سے کوئی سوال پوچھتے مگر جنیدؒ انہیں جواب نہ دیتے اور کہتے کہ اے ابوبکر! مجھے تمہارا اور تمہارے ثبات کا خدشہ رہتا ہے کیونکہ اضطراب اتار چڑھاؤ، تیزی و گرمی اور خشک کیفیات ممکنین کے احوال میں سے نہیں بلکہ ان کا مبتدی اور صاحبِ ارادت لوگوں سے ہے۔

ابوبکر شبلیؒ علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ جنیدؒ نے ان سے ایک روز کہا: اے ابوبکر! تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: میں اللہ کہتا ہوں۔ جنیدؒ نے کہا: جاؤ! خدا تمہیں سلامت رکھے۔ یہ کہنے سے جنیدؒ کی مراد یہ تھی کہ تم عظیم خطرے میں ہو۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اللہ کہنے میں ماسوا اللہ سے نہ بچایا تو تمہارا کیا حال ہوگا۔

ابوبکر شبلیؒ علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: ایک ہزار گزرے ہوئے برس اور ایک ہزار آنے والے برس مل کر ایک وقت بنتا

ہے اور تمہیں وسوسے گمراہ نہ کر دیں وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ تمہارے اوقات منقطع ہیں جب کہ میرے وقت کا نہ آغاز نہ انجام۔

وہ بعض اوقات یہ شطح بھی بیان کرتے تھے: میں وقت ہوں، میرا وقت غالب ہے اور وقت میں سوائے میرے کوئی اور نہیں اور میں فانی ہوں۔

آپ یہ دو شعر بھی پڑھا کرتے تھے۔ ترجمہ اشعار:

”وہ اپنے ساتھ معاملہ کرنے والے میں رہتا ہے، اور جو حق کا امین ہو تو اس لیے کہ خود امین یعنی

اللہ نے اسے امن دیا۔“

اس کی عزت اگر معزز ہوئی تو یہ گویا اس نے خود عزت کو قوی بنایا اور اس طرح یقین پر سے یقین جاتا رہا۔

بعض اوقات آپ یہ بھی کہا کرتے تھے: میں نے ہر عزت و وقار پر نظر کی مگر مجھے اپنی عزت سے برہ کر نظر آئی۔ اور

میں نے ہر عزت والے کی عزت میں اپنی عزت دیکھی۔ اس کے بعد آپ

مَنْ كَانَ يُؤَيِّدُ الْعِزَّةَ فَلَيْتَهُ الْعِزَّةُ جَمِيعًا [فاطر: ۱۸]

ترجمہ: ”جسے عزت کی چاہ ہو تو عزت سب اللہ کے ہاتھ ہے۔“

اور کہا کرتے تھے۔ ترجمہ شعر:

”جس نے صاحب عزت سے عزت پائی تو اس کے لیے وہ صاحب عزت ہی ساری عزت ہے۔“

شبلی علیہ الرحمۃ کے قول میں ”وقت“ سے وہ سانسوں کے درمیانی سانس اور دل میں گزرنے والے دو خیالوں کے خیال

کی جانب اشارہ ہے۔ اور اگر وہ اللہ کے ساتھ اور اسی کے لیے ہو تو وہ اس کا وقت ہے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو وہ نفس ہے اور

اگر یہ وقت ایک مرتب فوت ہو جائے تو پھر ہزار سال میں بھی اس پر تاسف کرتے ہوئے یہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یعنی چاہے

ایک ہزار سال ماضی کے اور ہزار سال مستقبل کے ہوں تب بھی اس کا حصول ممکن نہیں۔ اور تجھ میں تمہاری دونوں سانسوں کے

درمیان ایک سانس ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ تجھے چھوڑ نہ دے۔ اور صاحب عزت وغلبہ وہ ہے جسے اللہ اپنے ساتھ

معزز بنائے تو پھر کوئی اور اس جیسا معزز نہ ہو گا اسی طرح ذلیل وہ ہے جسے اللہ خود سے غافل کر کے کسی اور کی جانب متوجہ کر

دے تو کوئی اس جیسا ذلیل نہیں۔

شبلی علیہ الرحمۃ کا یہ قول کہ تمہیں اشباح (اجسام) دھوکہ نہ دیں، سے مراد یہ ہے کہ ماسوا اللہ ہر شے اشباح میں شامل ہے

اگر تو ان کی طرف متوجہ ہو تو دھوکے میں آیا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ میں فانی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قول میں ان الفاظ

آیا ہے جس سے واقفان کا اپنی طرف اشارہ نہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ میرے وقت کا نہ آغاز ہے نہ انجام، تو یہ اس لیے انہوں

نے کہا کہ ہر شے میں رخصت و معافی موجود ہے مگر وقت میں نہیں کیونکہ وقت میں ماسوا اللہ کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی

رخصت و معافی نہیں چاہے ایک ہزار سال میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی غیر اللہ کی طرف متوجہ کیوں نہ ہو۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر تو مجھ میں اپنے سوا کسی اور کے لیے

ادنیٰ ہی تو مجھ سے توجہ بھی پائے تو مجھے اپنی آگ میں جھسم کر دے، اور کوئی معبود نہیں فقط تیری ہی ذات لائق عبادت ہے۔ یہ اور اس

طرح کے تمام اقوال درحقیقت ابو بکرؓ کی غلبات وجد ہیں جن کو وہ اپنے وقت کے سب حال بیان کرتے ہیں مگر ایسی کیفیات دائمی نہیں ہوتیں کیونکہ ان کا تعلق احوال سے ہے اور حال اس واردات قلبی کا نام ہے جو بندے پر وقتی طور پر وارد ہوتی ہے ہمیشہ کے لیے باقی نہیں رہتی اور اس کا دائمی یا مستقل نہ ہونا اولیاء کرام پر خصوصی مہربانی ہے۔ اگر ایسی کیفیت دائمی ہوتی تو اولیاء کرام اور خاصانِ خدا مذہبی شرعی اور سماجی و اخلاقی قوانین پر عمل کو ترک کر چکے ہوتے۔ اسی سلسلے میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر غور کرنا چاہیے جب ان کی خدمت اقدس میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ہم آپ کے حضور میں موجود رہتے ہیں تو آپ کے فرمودات سننے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تو اس وقت ہمارے دل نرم پڑ جاتے ہیں۔ مگر جب آپ کی بارگاہِ رحمت پناہ سے نکلنے ہیں تو پھر اہل و عیال کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یہ سن کر سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر تم اسی حالت پر ہو جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تمہاری ہوتی ہے تو ملائکہ تم سے مصافحہ کریں۔“ ابو بکرؓ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: اگر میرے دل میں یہ خیال بھی گزرا ہوتا کہ جہنم اپنی آگ سے میرے جسم کے ایک بال کو جلا ڈالے گی تو میں مشرک ہوتا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ شبلیؒ نے درست کہا کیونکہ جہنم کو جلانے کی حیثیت حاصل نہیں بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے اور اس میں شک نہیں کہ اہل دوزخ کو ان کے لیے مقررہ مقدار کے مطابق ہی جلانے کا عذاب دیا جاتا ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ یہ بھی کہا کہ میں جہنم کو کیا کروں جہنم تو وہ ہے جس میں تم رہتے ہو۔ یعنی اللہ سے جدا اور دور رہنا ہی دراصل بندے کے لیے سب سے بڑا عذاب اور جہنم ہے۔

الغرض جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی جدائی کے عذاب میں ڈال دیا تو وہ عذاب ستر سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک قاری کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا:

قَالَ احْسَبُوا فِيهَا وَلَا تُحْكَبُونَ ﴿۱۱۰﴾ [المؤمنون: ۱۱۰]

ترجمہ: ”رب فرمائے گا: دھکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔“

تو آپ نے کہا: کاش! میں ان میں سے ایک ہوتا۔ گویا یہاں شبلیؒ نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں اللہ کی طرف سے جواب ملتا تھا۔ اسی لیے انہوں نے فرمایا: کاش! میں ان میں سے ہوتا اور مجھے اللہ کی طرف سے جواب دیا جاتا اور اس شخص کی طرح ہوتا جو شدتِ خوف سے عذاب میں ہو کیونکہ ایسا شخص نہیں جانتا کہ اللہ کی طرف سے اسے سعادت، شقاوت دوری یا قرب میں سے کیا عطا ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں شبلیؒ نے یہ بھی کہا: اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر وہ جہنم پر اپنا لعاب دہن بھی پھینک دیں تو اسے بجھا ڈالیں۔ ان کا یہ قول سننے والوں پر دشوار گزارا حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: قیامت کے دن مومن سے کہے گی: اے مومن! گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلے کو سرد کر دیا۔

ابو بکرؓ کی اس ضمن میں اور بھی کئی واقعات و روایات ہیں مگر طوالت سے بچنے کی خاطر ان کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے۔ بہر حال عقلمند کم سے بھی زیادہ کی طرف رہنمائی پالیتا ہے۔ بے شک اللہ ہی توفیق دہندہ ہے۔

ابوبکر الواسطیؓ کے ملفوظات

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اللہ کی مہربانی کے ساتھ نہ کہ آپ کی مہربانی سے۔ حدیث کی تشریح یہ ہے کہ ام المؤمنین کا شر، فضل اور فخر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ مگر انہوں نے واقعہ انک کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا لحاظ نہ کیا بلکہ اللہ کا لحاظ کیا کیونکہ اس نے ان کی برأت کے لیے قرآن کی آیات نازل فرمائیں اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ان کی بلندی، محبت، مقام اور فضیلت اور بڑھ گئی۔ اس سلسلے میں جس قدر بھی روایات و معلومات آپ کو ہوں انہیں مذکور تشریح کی کسوٹی پر پرکھ لیا کریں۔

فضیلت درود

ابوبکر الواسطی علیہ الرحمۃ کے قول: ”بیغیر ان کرام علیہم السلام پر اپنی دعاؤں میں درود بھیجو مگر درود بھیجنے کے عمل کو اپنے دل میں کوئی قدر نہ دو۔“ اس سے مراد وہ نہیں جو اعتراض کرنے والے نے بیان کیا ہے کہ واسطی نے کہا اپنے دل میں انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے میں کثرت کا اپنے دل میں خیال مت لاؤ اور یہ نہ سمجھو کہ تم نے بہت زیادہ درود بھیجا کیونکہ انبیاء علیہم السلام یہ حق رکھتے ہیں کہ اس سے بھی بڑھ کر ان پر درود بھیجا جائے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ نے اس پر دس مرتبہ درود بھیجا۔ لہذا درود بھیجنے والے کو اپنے دل میں یہ خیال نہیں لانا چاہیے کہ اس نے درود بھیجا کیونکہ کوئی کتنا ہی زیادہ درود بھیجے اس کے جواب میں اس پر اللہ کا درود پھر بھی زیادہ رہے گا جیسا کہ حدیث شریف سے واضح ہے۔

جس نے واسطی کے قول کہ ”تو اس کے لیے اپنے دل میں قدر نہ پیدا کر“ کی تشریح یوں کی ہے کہ اپنے دل میں انبیاء علیہم السلام کی قدر پیدا نہ کرو تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے انبیاء علیہم السلام کی قدر پیدا نہ کرو کیونکہ قلوب موئین میں اللہ کے عرش اور کرسی کی قدر بھی پیدا کرنا جائز نہیں۔ یہ تشریح تو حید و حقیقت تفرید کے مفہوم کی پیش نظر رکھ کر کی گئی، جہاں تک علمی و دینی اعتبار سے اللہ نے تعظیم رسل، ان پر ایمان رکھنے اور ان کی خصوصیات بیان کرنے کا موئین کو حکم دیا ہے تو اس کا ذکر ہم صفحات گزشتہ میں اس موضوع پر مستقل ابواب میں کر آئے ہیں۔

سید الرسل ﷺ لاثانی و بے نظیر ہیں

سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت سے متعلق اہل صفا کا سب سے جامع قول یہ ہے کہ بے شک حضور نبی کریم ﷺ لاثانی و بے نظیر ہیں کسی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان کی تمام خصوصیات کا ادراک کر سکے۔

بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا: کیا کوئی آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر بھی ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا: کیا کوئی ان کا ادراک بھی کر سکتا ہے بایزید نے مزید کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے مجدد شرف سے متعلق جملہ مخلوقات نے جو کچھ بھی پایا اور سمجھا وہ نہ پانے اور نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک صاف پانی

سے لبریز مشک میں جو پانی مترشح ہوا سی قدر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے مرتبے کو جانا اور اس کے علاوہ کچھ بھی انہیں معلوم نہیں۔

اہل تصوف سید الکوینین ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ وہ انہیں سب کچھ عطا فرمائے گا جو وہ طلب فرمائیں گے۔ حدیث قدسی یوں ہے: اے محمد! (ﷺ) مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور مولائے کل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مانگیں اور وہ عطا نہ کرے۔

دعائے رسول ﷺ

اے اللہ! میرے اوپر، میرے نیچے، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے پیچھے، میرے دراء اور میرے سامنے نور عطا کر۔
اے اللہ! میرے قلب میں، میری آنکھوں میں، میرے کانوں میں، میرے جسم میں، میرے استخوان میں نور پیدا فرما۔

مقام مصطفیٰ ﷺ

صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ ان کی دعا قبول ہوئی اور انہوں نے جو مانگا وہ عطا ہوا جس پر خود ان کی حدیث دلالت کر رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں تمہیں اپنی پیٹھ پیچھے بھی اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح تمہیں سامنے سے دیکھتا ہوں۔
ہر فضیلت اور شرف جو امت کے کسی بھی فرد کو عطا ہوا ہو وہ درحقیقت فضیلت و شرف محمدی ہی ہے۔ لہذا کسی کو وہ کچھ نہ کہنا چاہیے جسے وہ جانتا نہ ہو۔

اولیاء اللہ پر تنقید اللہ سے روگردانی کی علامت ہے

ایک اجمل صوفیہ کا قول ہے: جب قلب اللہ تعالیٰ سے جدا ہونے اور منہ موڑنے کا خوگر ہو جائے تو اس کے نتیجے میں وہ اولیاء اللہ پر اعتراض و تنقید کے فتنے میں پڑ جاتا ہے۔

مدعیان تصوف کی غلطیاں اور ان کی وجوہات

میں نے احمد بن علیؑ سے اور انہوں نے ابوعلی رودباریؑ سے یہ سنا کہ ہم تصوف کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جیسے تلوار کی دھار پر ہوں اور ادھر کو جھکیں تو بھی جہنم اور ادھر کو جھکیں تو جہنم یعنی ہم جسے نکلتے پر پہنچے ہوئے ہیں اگر اس میں ذرہ بھر بھی غلطی سرزد ہو تو اہل جہنم میں سے ہو جائیں کیونکہ تصوف اور اس کے علم میں غلطی کرنے کے علاوہ باقی ہر شے میں غلطی کرنا زیادہ آسان ہے۔ اس لیے کہ تصوف مقامات احوال، ارادات، مراتب اور اشارات پر مبنی ہے جس نے ان میں حقیقت سے ہٹ کر غلطی کی تو اس نے اللہ کی مخالفت پر کمر باندھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ کی دشمنی مول لی۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اپنی خطا کی معافی مانگ لے یا اس پر ڈٹا رہے۔

جس شخص نے بتکلف اہل تصوف کے طریقوں کو اپنانے کا ارادہ کیا یا یہ اشارہ کیا کہ وہ تصوف سے متعلق کافی معلومات رکھتا ہے یا اس نے یہ خیال کیا کہ وہ صوفیہ کے بعض طریقوں پر عمل پیرا ہے اور صوفیہ کے تین اصولوں پر کاربند نہ رہا تو وہ دھوکے میں ہے چاہے وہ ہوا پر چلے، دانائی کی باتیں کرے یا خواص و عوام میں اسے قبول عام بھی کیوں نہ حاصل ہو۔

صوفیہ کے تین اصول

وہ تین اصول یہ ہیں:

- ۱۔ ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے اجتناب
 - ۲۔ ہر مشکل اور آسان فرض کی ادائیگی
 - ۳۔ دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دینا چاہیے تھوری ہو یا زیادہ۔ مگر اس قدر اختیار کرنا کہ جتنی مومن کے لیے ضروری ہو۔
- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں جو دنیا میں ہیں مگر دنیا میں سے نہیں:
- ۱۔ روتی کا وہ ٹکڑا جس سے تو اپنی بھوک کو منائے۔
 - ۲۔ کپڑا جس سے تو اپنی شرمگاہ کو ڈھانپے۔
 - ۳۔ گھر جس میں تو رہے۔
 - ۴۔ نیک سیرت نبویؐ جس سے تو سکون حاصل کرے۔

مذکورہ چیزوں کے علاوہ وہ سب کچھ جن کا تعلق جمع، منع، دنیوی چیزیں روک رکھنے زیادہ کی چاہ اور فخر و گھمنڈ سے ہے وہ ایک حجاب ہے جو بندے کو خدا سے منقطع کر دیتا ہے۔ ہر وہ شخص جس نے خاصانِ خدا کے احوال کا دعویٰ کیا یا اس کو یہ خیال ہوا کہ وہ اہل صفا کے مقامات سے گزر رہا مگر سطور گزشتہ میں بیان کردہ تین اصولوں پر اپنی بنیاد استوار نہ کی تو وہ اپنے تمام دعادی میں سچا ہونے کی نسبت جھوٹا ہونے کی طرف زیادہ قریب ہوگا، اقرار کرنے والا عالم اور دعویٰ کرنے والا جاہل ہوتا ہے۔

تصوف میں غلطی کرنے والوں کے طبقات اور ان کی غلطیوں کی نوعیت

پھر میں نے ان طبقوں کی طرف نظر کی جنہوں نے تصوف میں غلطیاں کیں۔ ان لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جس نے اصول شریعت پر عمل کرنے میں کمی، صدق و اخلاص میں کمزوری اور قلت علم کی وجہ سے غلطیاں کیں۔ جیسا کہ کسی شیخ نے کہا: انہیں وصل سے اس لیے محروم کیا گیا کہ انہوں نے اصول کو ضائع کیا۔ دوسرا طبقہ وہ جس نے آداب، اخلاق، مقامات، احوال، افعال اور اقوال جیسی فروع میں غلطی کی جس کا سبب اصول کے بارے میں قلت معلومات، حظ نفسانی اور طبعی مزاج کی اتباع ہے اور یہ سب کچھ اس لیے انہوں نے کسی ایسے شخص کی قربت نہیں حاصل کی جو انہیں ریاضت کراتا تلمیخوں کے گھونٹ پلاتا اور انہیں اس راستے پر ڈال دیتا جو ان کے مطلوب کو جاتا ہے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک گھر میں چراغ کے بغیر داخل ہوتا ہے اور سنوارنے کے بجائے زیادہ بگاڑ دیتا ہے، جب انہوں نے یہ سمجھا کہ اب جو ہر نایاب ان کے ہاتھ لگ گیا تو حقیقت یہ تھی کہ سوائے ایک کم قیمت کنکری کے انہیں کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اہل بصیرت کی اتباع نہیں کی جو اشاہ، اشکال، اضداد اور اجناس کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان سے خطا سرزد ہوگئی اور لایتمی و مہمل باتوں میں کثرت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ وہ حیران و پریشان ہو کر شکست خورہ، مفتون، زیادتی کرنے والے، غم خورہ و ہم گمان کے دھوکے میں گرفتار، جنونی، خودسرا، غموں سے چور، غلط دعویٰ کرنے والے اور فقط آرزو کرنے والے ہو گئے۔ پاک ہے وہ ذات والا صفات جس نے انہیں یہ کچھ دیا اور وہی ان کی بیماری اور علاج کو جانتا ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے غلطی کی تو اس میں کوئی بڑی علت یا کبھی نہ کبھی بلکہ صرف لغزش تھی جو جاتی رہی تو وہ مکارم اخلاق، اور بلند معاملات پر فائز ہو گئے، اپنی پراگندگی کو سمیٹا، عناد کو ترک کیا، حق کا اعلان کیا، اپنی عجز و انکساری کا اقرار کیا، اور اس طرح وہ اچھے احوال، روشن افعال، اور بلند درجات کی طرف لوٹ آئے اور ان کی لغزش نے ان کے مراتب کو کم نہ کیا اور ان پر کسی شدید غلطی نے وقت کو تار یک نہ کیا اور ان کی پاکیزگی و صفا مکدر نہ ہوئی۔

مختصر یہ کہ تینوں طبقات، ارادت، مقاصد اور نیتوں کے تقاضوں کے لحاظ سے مختلف احوال رکھتے ہیں۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

”جس نے خود کو ان اوصاف سے آراستہ کیا جو اس میں موجود نہ تھے تو اس کے غلط دعویٰ کی قطعی کو

اس کی زبان نے کھول دیا۔“

شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر یہ شعر کہا تھا آپ کا ارشاد ہے: ایمان، ظاہری طور پر خود کو اچھا ظاہر کرنے اور آرزو کرنے کا نام نہیں بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں سما جائے اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔ جس نے اصول میں غلطی کا ارتکاب کیا وہ نہ تو گمراہی سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں کہ اللہ چاہے تو ممکن ہے اور جس نے فروع میں غلطی کی تو یہ کوئی بڑی آفت نہیں اگرچہ صحت سے بعید ہے۔

فروعات میں غلطی کرنے والے

فقر و غنا میں غلطی کرنے والے طائفے

صوفیہ کے ایک گروہ نے یہ کہا کہ غنا کو فقر پر فضیلت حاصل ہے۔ اس سے ان کا اشارہ غنا باللہ کی طرف تھا۔ نہ درنیوی مال و اسباب جیسی حقیر چیزوں کی طرف مگر بعد میں ایک طائفہ نے اس میں ٹھوکر کھائی اور لگے آیات و روایات سے یہ ثابت کرنے کہ درنیوی مال و اسباب کا غناء ہی ایک بہترین حال اور طالبین آخرت کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ اس طائفے نے اپنی سی کوشش کی اور غلطی کا مرتکب ہوا کیونکہ جن صوفیہ کرام نے فقر و غناء پر گفتگو کی اور غنا کو اللہ کی جانب جانے والے کے احوال میں سے قرار دیا تو اس سے ان کی مراد اللہ کے ساتھ غنا اختیار کرنا تھا نہ کہ دنیا کے ساز و سامان کا غنا جس کی قدر و قیمت اللہ کی نظر میں چھجر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

صوفیہ کی ایک جماعت نے فقر، افتقار، صبر، شکر، رضا، تقویٰ، سکون اور کچھ نہ رکھنے پر اطمینان کے حقائق پر گفتگو کی جب کہ ایک اور گروہ گمراہی میں پڑ گیا اور خیال کرنے لگا کہ یہ فقیر محتاج کہ جس کے پاس صبر و رضا نہیں اسے اس کے فقر پر کوئی ثواب اور فضیلت حاصل نہیں ہوگی جب کہ وہ فقیر جو حالت اضطراب میں صبر و رضا سے خالی ہے وہ غنی بال دنیا سے افضل ہے۔ نفس کو بنیادی طور پر محتاج پیدا کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ قوت لایموت اور مہمانداری کی استطاعت سے محروم ہونے کی صورت میں اطمینان و سکون کا مظاہرہ کرنا صفات بشری سے نہیں۔ نفس فقر کو پسند نہیں کرنا اور نہ ہی طبیعت و خواہش اس سے موافقت کرتی ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق سے ہے جب کہ غناء کو نفس پسند کرتا اور طبیعت و خواہش اس سے موافقت کرتی ہے کیونکہ اس کا تعلق حظوظ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غنی کو ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں دینے کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ مَثَلًا لَهَا ۗ [الانعام: ۱۶۰]

ترجمہ: ”جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں۔“

مگر فقیر کے تو ہر سانس کے بدلے نیکی شمار ہوتی ہے کیونکہ وہ فقر کی تلخی پر صبر کرتا ہے اور صبر کے ثواب کی کوئی معدود و محدود حد نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا يُوفَى الضَّعِيفُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ [الزمر: ۹]

ترجمہ: ”صابروں ہی کو ان کا ثواب بھر پور دیا جائے گا بے گنتی۔“

فقر اپنی ذات میں بہتر ہے اور اگر اس میں کوئی علت بھی شامل ہو جائے تو وہ علت ہی اس میں بری ہوگی جیسا کہ قول رسول ﷺ ہے: فقر مومن کے لیے گھوڑے کی گال پر بہترین لگام سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ اس حدیث میں فقر کو کسی اور شے سے مشروط نہیں کیا گیا، جب کہ غنا دنیا (دنیوی امارت) اپنی ذات میں مذموم ہے اگر اس میں اعمال صالحہ میں سے کوئی اچھی خصلت شامل ہو جائے تو وہ خصلت ہی اچھی ہے نہ کہ خود غنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غنا کا تعلق کثرت

مال و متاع سے ہے۔ گویا انہوں نے غنا کو غنا ہی سے مشروط کیا۔

ایک اور طبقے نے یہ کہا فقر و غنا دو ایسے احوال ہیں کہ بندے کو ان کی پیروی کے بجائے ان سے گزر جانا چاہیے اور وہ ان میں ٹھہرا نہ رہے، یہ بات اہل معارف و حقائق کی ہے لیکن احکام حقیقت، آخری مقامات پر پہنچ کر حاصل ہوتے ہیں۔ ایک اور طائفے نے یہ گمان کیا کہ جس نے مذکورہ نظر یہ پیش کیا اس نے فقر و غنا کو ایک کر دیا اور کہا کہ باعتبار حال دونوں یکساں ہیں تو انہیں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہم نے آپ کو فقر ناپسند کرنے والا سمجھا حالانکہ ہم نے آپ کو غنا پسند کرنے والا پایا۔ اگر فقر و غنا دونوں ایک جیسے احوال ہیں تو تمہارا یہ موقف دونوں کو یکساں قرار دینے کا اس وقت کہاں ہوتا ہے جب تم ان دونوں احوال کو بیک وقت سینے سے بھی نہیں لگاتے اور بیک وقت دونوں سے نفرت بھی نہیں کرتے۔ اس طرح ان لوگوں کی غلطی عیاں ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔

ایک اور گروہ نے غلطی کرتے ہوئے کہا کہ فقر کے حال سے مراد صرف محرومی و فقر ہے۔ اور وہ اس معنی میں اس طرح کھو گئے کہ آداب فقر تک ان کے ارادے نہیں پہنچے۔ اور ان سے یہ بات پوشیدہ رہی کہ فقر میں فقیر کے لیے فقر کا احساس، حقیقت فقر تک پہنچنے کے لیے درحجاب بن جاتا ہے اور فقیر صادق کے لیے حال فقر میں کوئی ایسی خصلت نہیں جو محرومی و فقر سے بہت کم ہو۔ صبر، رضا اور تقویٰ اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس فقر سے کہیں مکمل تر ہیں جو ان خصائل سے متصل نہ ہو۔ اسی طرح فقر کا احساس اور اس سے سکون و مسرت پانا بھی حال کی کچی کا پتہ دیتا ہے اور مقام تک پہنچنے میں حجاب ثابت ہوتا ہے۔ باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔

اسبابِ دنیوی کی کثرت و قلت اور کسبِ معاش

صرف نبی اور صدیق ہی کے لیے مال و متاع کی کثرت اختیار کرنا درست ہے۔ کیونکہ وہ اشیاء سے دوسروں کی خاطر تعلق رکھے ہوئے ہیں اور مال و اسباب سے ان کا ناطہ حقوق کا ہوتا ہے نہ کہ خواہشاتِ نفس کا۔ اس لیے کہ وہ ہیں خرچ کرتے ہیں جہاں اللہ انہیں خرچ کرنے کی اجازت دے اور جہاں خرچ کرنے سے روک دے وہاں خرچ کرنے سے روک جاتے ہیں لہذا جس کو اللہ کی اجازت حاصل ہونے کی فضیلت عطا نہ کی گئی ہو اور نہ ہی وہ اہل کمال یا اہل نہایات میں سے ہو تو لامحالہ کثرتِ مال و متاع اختیار کرنے سے وہ دھوکے اور تاویلات میں پڑ کر غلطی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

جس نے یہ خیال کیا کہ وہ کثرتِ مال سے سکون حاصل نہیں کرتا تو اس سے ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اسبابِ دنیوی سے جو اس کے پاس ہے۔ سکون حاصل نہیں کرتا تو اسے نہ خرچ کرنے سے تھوڑا سا چاہیے اور نہ ہی طلب کرنا چاہیے اور قلیل و کثیر اس کی نظر میں یکساں ہو اور جس کے نزدیک قلیل، کثیر پر بھاری نہ ہو اور اس کے ہاں ایک دو سے بڑھ کر نہ ہو، اس کا قلب دنیا کے مالِ مفقود کی طلب اور موجودہ مال و متاع کو جمع رکھنے سے خالی نہ ہو تو بلاشبہ وہ طالب دنیا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی خاطر دنیوی مال کا اکتساب کرنے والا ہے اور جو خود کو اس اصول سے مستثنیٰ سمجھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

ایک طبقہ نے تنگ حالی اور کم پسندی کو اختیار کر لیا، گھٹیا لباس اور کم غذا کا خود کو عادی بنا لیا اور یہ گمان کرنے لگے کہ جس نے بھی نفس پر نرمی کی، مباح اشیاء حاصل کیں یا بہتر کھانا کھا یا تو یہ اس کے لیے خرابی اور مقام سے گرنے کا باعث ہے اس طبقے کے لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان کے حال کے علاوہ ہر حال لغزش ہے جو کہ ان کی غلطی ہے کیونکہ از خود سختکام بلندی چاہنے، سہولت و امارت اختیار کرنے یا اسی طرح تنگی و کمی سے زندگی گزارنے میں بھی بنیادی طور پر علت و خرابی موجود ہے کیونکہ ایسا کرنے میں تکلف برتا جاتا ہے جو بلاشبہ علت سے خالی نہیں۔ ہاں اس حالت میں علت سے بری ہے کہ اس سے تادیب ریاضتِ نفس مقصود ہو۔ جب وہ ایسا کرنے کی مصیبتوں اور لوگوں کی طرف سے اپنا لحاظ دیکھ لے تو اسے چاہیے کہ پوری کوشش کر کے خود کو اس سے جدا کرے وگرنہ ہلاکت میں پڑ جائے گا اور ابد تک بہتری کی امید نہیں کی جاسکے گی۔

عبادت گزاروں کی ایک جماعت وہ ہے جو کم کر روزی حاصل کرنے کا موقف رکھتے ہیں اور اپنے کسبِ معاش کی طرف مائل ہیں وہ ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں جو ان کی طرح کماتے نہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ حال کی صحت کا دار و مدار غذا کی صفائی پر ہے۔ اور غذا کی صفائی ان کے نزدیک کسبِ یعنی خود کم کر حاصل کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔ ان لوگوں نے اپنے اس موقف میں غلطی کی کیونکہ کسب میں رخصت و جواز تو صرف اس کے لیے ہے جو حال توکل کو اختیار کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا حال ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے اور یہ یقین کرنے پر مامور فرمایا کہ اللہ ہی ان کو ان کا مقررہ رزق عطا فرمائے گا۔ اسی طرح تمام انسان بھی اس پر مامور ہیں کہ وہ اللہ پر توکل رکھیں اور اللہ نے جو وعدہ فرمایا ہے اس پر یقین رکھیں اور رزق نہ ہونے کی صورت میں سکون کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقررہ رزق ان کو پہنچا دے

جس سے اس طرح کا توکل نہ ہو سکے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے چند شرائط کے ساتھ کسب کو مباح قرار دے دیا تاکہ وہ ہلاکت سے بچے رہیں۔ شرائط کسب یہ ہیں کہ کسب کی طرف مائل نہ ہو، یہ نہ سمجھے کہ رزق کسب سے ملتا ہے۔ اپنے کسب کو اپنے لیے غنیمت نہ سمجھے بلکہ کمانے سے اس کا ارادہ مسلمانوں کی اعانت ہو۔ کسب معاش سے فرض نماز کے اولین وقت میں ادائیگی سے غافل نہ کرے اور علم شریعت حاصل کرے تاکہ مبادا حرام کھائے۔ اگر کسب معاش ان شرائط میں سے کسی ایک سے بھی خالی ہو تو بلا شک و ریب ایسی کمائی آفت و مصیبت سے عبارت ہے۔ اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے کچھ ساتھیوں نے کسب نہیں کیا اور وہ محتاج ہیں تو اس کا فرض ہے کہ اپنی روزی میں سے زائد انہیں دے۔ جس نے یہ شرائط پوری کیں تو مجھے اس سے اکتساب میں غلطی کرنے کا خدشہ ہے۔

کچھ لوگ وہ ہیں جو کسب کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں، اپنے حال پر بھروسہ کئے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کوئی آ کر ان کو غذا مہیا کرے۔ ان کے نزدیک یہ حالت ان کا ”حال“ ہے حالانکہ ان کا یہ عمل سراسر غلطی پر مبنی ہے کیونکہ کسب کرنے سے رخصت صرف اسی کو ہے جس کو قوت یقین اور قوت صبر حاصل ہو اور اگر کسی کا یقین کمزور ہو اور اس کی طبیعت اور طمع نفس اس پر غالب ہو تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ طلب کسب کرے اور ترک طلب ایمان کی قوت کے ساتھ مکمل و افضل ترین ہے۔

ارادات میں غفلت، مجاہدات میں غلطی اور آرام و آسائش اختیار کرنا

صوفیہ کے ایک گروہ نے عبادات اور نفس کو مجاہدات و ریاضات سے گزارنے میں غلطی کی اور اس طرح انہوں نے عبادات و ریاضات میں اپنی اساس کو محکم نہ کیا، موقع کے لحاظ سے کوئی عمل نہ کیا، نتیجتاً وہ شکست کھا گئے اور اوندھے منہ گر پڑے یہ اس لیے کہ انہوں نے متقدمین کے مجاہدات کا سنا اور یہ دیکھا کہ کس طرح اللہ نے ان کے ذکر کو پھیلا یا، لوگوں میں ان کی کرامات مشہور ہوئیں اور انہوں نے قبول عام حاصل کیا تو ان کے نفس کو بھی یہ لالچ ہوا اور انہوں نے بھی تمنا کی کہ متقدمین کی سی شہرت و قبولیت حاصل کریں تو انہوں نے بتکلف ریاضات و مجاہدات شروع کر دیئے اور جب مدت طویل گزر گئی اور وہ اپنی مراد کو نہ پہنچے تو وہ ست پڑ گئے اور جب انہیں کسی داعی علم تصوف نے مجاہدہ و عبادت اور ریاضت نفس کی دعوت دی تو اس بات کو انہوں نے بے وزن جانا۔ اگر حق تعالیٰ انہیں اپنی بارگاہ کی طرف لے جاتا انہیں اپنی طاعت پر مداومت اختیار کرنے کا ارادہ فرماتا اور انہیں اپنے لطف و عنایت سے نوازتا تو ان کی رغبتوں میں اضافہ ہو جاتا، ان کی نیتیں قوی ہو جاتیں اور وہ اپنے عمل پر اپنی نیتوں کو برقرار رکھتے مگر جب انہیں یہ کچھ حاصل نہ ہوا تو ان کے ارادے کمزور ان کی ہمتیں پست ہو گئیں بلکہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ وقفہ تھا حالانکہ انہوں نے غلط سوچا کیونکہ وقفہ وہ ہے جس سے مجاہدہ کرنے والوں کے قلب کبھی کبھار خوشی پاتے ہیں اور پھر اپنے حال کی طرف لوٹ آتے ہیں البتہ جس حالت سے یہ لوگ دوچار ہوئے تو وہ سستی کا بلی اور جھوٹی آرزوؤں کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے احمد بن علی کرخنی سے اور انہوں نے ابوعلی رودباریؒ کو یہ کہتے سنا کہ آغا انجام جیسا ہے اور انجام آغا کی مانند تو جس نے کسی چیز کو انجام پر پہنچ کر چھوڑ دیا جب کہ وہ آغا میں اس سے کام لیتا تھا تو بلاشبہ وہ دھوکے میں پڑ گیا۔

ایک طبقہ وہ ہے جنہوں نے سفر کیا، سیاحت کی، مشائخ سے ملے ان کے ساتھ نشست و برخاست کی اور واپس آ کر اپنے ساتھیوں سے فخر کے ساتھ کہا کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا اور وہ جن لوگوں سے ملے وہ ان سے کبھی ملے ہی نہیں اور انہوں نے خود کو ثابت قدم صوفیاء شمار کیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے واضح غلطی کی کیونکہ سفر کو سفر ہی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے اخلاق کو روشن بناتا ہے۔ اور صوفیہ سفر اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں اپنے نفس کی برائیاں نظر آئیں تاکہ وہ ان کو دور کرنے کی کوشش کریں اور وہ ان پوشیدہ اسرار کو بھی پالیں جو وہ گھر بیٹھ کر نہیں جانتے تھے۔ معارف اور مشائخ کی ملاقات کا حصول، ادب، حرمت، و رغبت اور ارادت کا تقاضا کرتا ہے۔ اسے شیخ سے ملتے وقت سب کچھ بھلا کر صرف شیخ کی نصیحت اور وعظ ہی قبول کرنا چاہیے۔ وہ شیخ کے حضور حاضر ہونے کے لیے ہی اپنے نفس سے مطالبہ کرے نہ کہ اپنے نفس کے لیے وہ شیخ سے ملے اور نہایت نرمی و ادب کو ملحوظ رکھے، اپنے قلب کی حفاظت کرے، نظر شیخ پر رکھے اور اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں شیخ سے اس کی ملاقات اور صحبت اس کے اپنے خلاف حجت ہی نہ بن جائے۔

جس شخص نے ہمارے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کئے بغیر سفر کیا اور اپنے تئیں یہ سمجھا کہ وہ مسافر ہے یا اس نے مشائخ سے ملاقات کی ہوئی ہے تو وہ بہت بڑی بھول کا شکار ہے۔

ایک گروہ وہ ہے کہ جس نے احوال و جائیداد کو خرچ کر ڈالا اور یہ سمجھتے رہے کہ خرچ کرنا اور سخاوت کی عادت ڈالنا ہی شاید مراد مقصود ہے حالانکہ ایسا عمل درست نہیں کیونکہ صوفیہ کی مراد خرچ کرنے اور سخاوت و فیاضی سے یہ نہیں کہ شہرت حاصل کی جائے یا اظہار سخاوت کیا جائے بلکہ انہوں نے تو یہ دیکھا کہ مسبب سے تعلق رکھتے ہوئے اسباب سے ناطہ جوڑنا مقام کی خرابی کا باعث اور حقیقت تک رسائی کے درمیان حجاب کا کام دیتا ہے۔ اگر وہ مال و اسباب دنیا خرچ کرتے ہیں تو اس لیے کہ وہ اس علت سے نجات پالیں جو اسباب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کے راستے میں حائل ہوگئی۔ لہذا خرچ کرنے سے نہ دولت رہے گی اور نہ اس سے تعلق باقی رہے گا۔ اور جس نے فقط سخاوت و فیاضی کی خاطر دولت کو خرچ کیا اور سمجھا کہ وہ طریق صوفیہ پر گامزن ہے تو اس نے بالکل غلط سوچا۔

ایک جماعت نے یہ کھلم کھلا جائز اشیاء کے استعمال میں میں پڑ کر اپنے اوقات کی کوئی حفاظت نہ کی اور یہ کہنے لگے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کیا چیز ہے ہم نے تو جو کچھ پایا کھا لیا اور سو گئے یہی ہمارا ”وقت“ ہے انہوں نے جو کچھ کہا وہ غلط کیونکہ وقت جب ضائع ہو جائے تو پھر پایا نہیں جاسکتا اور نہ ہی وقت صوفیہ کی نظر میں کوئی ایسی کیفیت ہے جس میں آسائش و سہولت ہو بلکہ ”وقت دائمی ذکر، مسلسل اخلاص، شکر، رضا اور صبر سے معمور ہوتا ہے۔ نفس اور خواہشات دشمن ہیں جو بندے پر فتح و غلبہ پانے کی ٹوہ میں رہتے ہیں جب بندہ ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہو جائے تو پھر اس کی خیریت کی توقع کی جاسکتی ہے اور نہ اس کی ہلاکت ٹل سکتی ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ ایسے حال پر فائز ہو گیا ہے کہ وہ ان دشمنوں سے محفوظ ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

ترکِ طعام، عزلت نشینی اور ترک دنیا

مریدین و مبتدی سالکین نے جب مخالفتِ نفس کے علم کو سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ جب نفس ترکِ طعام کے ذریعے عاجز ہو جاتا ہے تو اس کے شر، ظلم اور موانع سے بندہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور نتیجتاً انہوں نے کھانے پینے کی عادت کو ترک کر دیا اور ترکِ طعام کے آداب کو ملحوظ نہ رکھا اور نہ ہی اساتذہ سے ان آداب کے بارے میں رہنمائی حاصل کی اور کئی کئی دن اور راتیں کھانا پینا چھوڑے رکھا۔ اور یہ سمجھتے رہے کہ یہ 'حال' ہے۔ ان کا یہ عمل غلط ہے کیونکہ مرید کے لیے مرشد و شیخ کا ہونا ضروری ہے جو اسے ہر وہ تعلیم دے جس کی اسے ضرورت ہے تاکہ مبادا اس کے ارادے سے کوئی ایسی مصیبت اور فتنہ پیدا ہو کہ اسے تلف کرنے کی اس میں طاقت ہی نہ ہو اور وہ اس فساد سے بچ نہ سکے۔ اس طرح وہ نفس کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی وہ اسے شربہا سکتا ہے جو اس کی جبلت میں شامل ہو گیا۔ یہی نفس برائی کے راستے پر ڈالنے والا ہے جس نے یہ جانا کہ جب نفس کم کھانے اور بھوک سے شکستہ ہو جائے تو اس کا شر اور آفات دور ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ بندہ اس سے محفوظ ہو جاتا ہے تو اس نے غلط خیال کیا۔

ابن سالم علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ صوفیہ جب غذا کو کم کرنا چاہتے تو ہر جمعہ کے روز بلی کے کان کے برابر کھانا کم کر لیتے۔ میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ سے سنا کہ کہل بن عبداللہ اپنے مریدین کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ وہ ہر جمعہ کو ایک بار گوشت کھایا کریں تاکہ وہ اس قدر کمزور نہ ہو جائیں کہ عبادت نہ کر سکیں۔

میں نے ایک جماعتِ صوفیہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو قنوتِ طعام، خشک گھاس کھانے اور پانی ترک کرنے کا عادی بنایا ہوا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان سے فرض نماز قضا ہو جاتی کیونکہ وہ وقت کا صحیح انداز نہیں کر پاتے تھے اور متحدہ میں کے ان آداب سے بے خبر تھے جو انہوں نے اس طرح کا عمل اختیار کرنے میں روا رکھے ہوئے تھے۔

ایک جماعت الگ ہو کر پہاڑوں کی کھوہ میں جا بیٹھی۔ اور ان عزلت نشینوں نے یہ سمجھا کہ وہ لوگوں سے بھاگ رہے ہیں یا پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر اپنے نفسوں کے شر سے چھٹکارا پاتے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ترکِ دین کے ذریعے ان بلند احوال و مقامات پر فائز فرمائے گا جن تک اس نے اپنے اولیاء کو پہنچایا اور اگر وہ لوگوں میں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ترقی نہیں دے گا۔ حالانکہ ایسا کرنے میں ان سے خطا ہوئی کیونکہ ائمہ مشائخ کرام جن کی طبع کم اور خلوت و تنہائی دائمی تھی اور انہوں نے عزلت اختیار کی تو اس کی طرف انہیں مرشد نے راغب کیا اور حال کی قوت نے ان کی رہنمائی کی جس کے نتیجے میں ان کے قلوب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی جس نے انہیں جان پہچان، وطن اور کھانے پینے سے دور رکھا اور حق نے انہیں اس طرح اپنی جانب کھینچا کہ اپنے سوا ہر شے سے بے نیاز کر دیا۔ الغرض جس کا حال تو می اور واردات کا غلبہ اس پر نہ ہو اور اس کے باوجود وہ تکلف اٹھائے اور اپنے نفس پر ایسا بوجھ ڈالے جس کا وہ تحمل ہی نہ ہو سکے اور نفس پر ظلم کرے تو اس نے اپنے نفس کو ضرور پہنچایا نہ وہ کھوئی ہوئی متاع کو حاصل کرے گا اور جو پاس ہو گا وہ بھی کھو بیٹھے گا۔ جس نے حنکلف ایسا کیا پھر یہ سوچا کہ وہ مرتبہ خواص کو پہنچا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔

میں نے نو جوانوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ کم کھاتے، رات بھر جاگتے اور ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہتے یہاں تک کہ ان میں سے کسی پر غشی طاری ہو جاتی اور اس کے بعد کئی دنوں تک اسے علاج اور سہولت کی ضرورت ہوتی تاکہ وہ اتنی طاقت پالے کہ فرض نماز تو ادا کر سکے۔

ایک جماعت نے اپنے آلات شہوت کٹوا دیے اور سمجھنے لگے کہ اب جب کہ انہوں نے ایسا کر لیا تو شہوت نفسانی کی آفات سے جان چھوٹ جائے گی۔ ان کا یہ عمل غلط ہے کیونکہ آفات شہوت تو انسان کے اندر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر آلہ کاٹ دیا جائے اور علت باطن میں موجود رہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ الٹا نقصان پہنچتا ہے اور یہ آفت اور بڑھ جاتی ہے۔ لہذا جس نے ظاہری آلہ کے کاٹ دینے کو ہی شرفنسانی سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھا تو وہ غلطی پر ہے۔

کچھ صوفیہ گھومتے رہے تا آنکہ زور دارہ لیے بغیر بے آب و گیاہ صحراؤں کی طرف نکل گئے اور یہ سمجھا کہ اس طرح انہوں نے صادقین کے حقیقت توکل کو پالیا۔ تو انہوں نے بھی یہ غلطی کی کیونکہ جن صوفیہ کا یہ عمل رہا وہ ان کی ابتدائی حالت تھی، دوسرے یہ کہ انہیں آداب کی تربیت حاصل تھی اور انہوں نے اس سے قبل اپنے نفوس کو مجاہدات پر راضی کر لیا تھا وہ اپنے احوال پر ثابت قدم تھے وہ نہ تو قلت کی پرواہ کرتے تھے اور نہ تنہائی سے گھبراتے تھے۔ انہوں نے اس راہ میں کتنوں کو مرتے دیکھا اور کتنی تلخیاں انہوں نے چکھیں حتیٰ کہ ان کے احوال، ویرانے، آبادی، میدان، پہاڑ، جماعت، تنہائی، عزت، ذلت، بھوک، سیری، زندگی اور موت میں یکساں ہو گئے۔

بعض لوگوں نے اُون کا لباس پہننے کا تکلف کیا، بیوندگی قمیضیں پہنیں، چھاگل اٹھائے رنگے ہوئے کپڑے پہنے، اشارات سیکھے اور یہ سمجھتے رہے کہ جو ایسا کرے وہ بھی صوفیہ میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یہ سارے کام بٹ کیے کیونکہ لباس، آرائش اور مشابہت کا تکلف کر کے کسی کو سوائے حسرت، ندامت، عتاب، ملامت، شرم اور قیامت کو جہنم کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ تہلیس و تہبہ کر کے وہ اہل حقائق کے احوال کو پالے گا تو یہ اس کی خطا ہے۔ ایک گروہ نے صوفیہ کے علوم کو جمع کیا، ان کے اشارات کو جان لیا، ان کے واقعات یاد کرے، بولنے میں صحیح الفاظ اور فصیح عبارات کا تکلف کرنے لگے، اور یہ سمجھا کہ ایسا کر کے وہ صوفیہ میں شمار ہوں گے اور ان کے احوال بلند کو حاصل کر لیں گے، تو یہ ان کی غلط سوچ کا نتیجہ ہے۔

ایک جماعت نے پہلے روزی جمع کر لی، جب ان کے نفوس ان کے پاس موجود مال و دولت سے مطمئن ہو گئے تو وہ اپنے معمولات یعنی نماز، روزہ، قیام اللیل، ورع، کھر در لباس پہننے، رونے اور خشیت کی طرف لوٹے اور یہ سمجھے کہ یہی وہ مطلوبہ حال ہے جس کے بعد اور کوئی حال ہی نہیں۔ ان کا یہ خیال بھی ہراسر غلط ہے۔

میں نہیں جانتا کہ کسی علم تصوف کے جاننے والے شیخ نے ابتداء میں پہلے کی تمام معلومات سے خدوچ نہ کیا ہو۔ اور اپنے مریدین کو ابتداء سلوک میں جملہ علاق چھوڑنے، اور غیب سے رزق کو متعین سمجھنے کا حکم نہ دیا ہو۔ اگر ان میں سے کوئی کسی سبب معلوم کی طرف لوٹا ہو یا رزق جمع کرنے کا سوچا ہو تو یہ سب کچھ اس نے اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں یا اہل و عیال کی خاطر کیا ہوگا۔

جس نے تصوف کی طرف اشارہ کیا، صوفیہ کے حال کا دعویٰ کیا، خود کو ان میں سے گردانا مگر حقیقت اس کی وہ نہ ہو جو ہم

نے بیان کی تو ایسا شخص غلط راستے پر گامزن ہے۔

تصوف لہو و لعب کا نام نہیں

ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ سماع و رقص، دعوتیں برپا کرنا، سہولت و آسائش طلب کرنا، سماع قصائد اور تواجید و رقص کے موقع پر کھانے کے اجتماعات کا تکلف کرنا خوبصورت آوازوں اور دل پسند نغموں کے الجان ترتیب دینے کا حاصل کرنا اور باکمال صوفیہ کے احوال پر مبنی غزلیہ اشعار اختراع کرنا، ہی تصوف کہلاتا ہے۔ بلاشبہ ایسا سوچنے والوں نے غلطی کا ارتکاب کیا کیونکہ ہر قلب جو حب دنیا میں ملوث اور ہر نفس جو باطل کام کرنے اور غفلت کا عادی ہو اس کا سماع و وجد غلطی و علت سے خالی نہیں اور اس طرح کا وجد و سماع کرنا محض بناوٹ ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ اپنے حیلوں اور تکلفات کے بل بوتے پر بوقت سماع و وجد، مستحقین صوفیہ میں سے ہو جائے گا تو یہ اس کی غلطی ہے۔

حریت و عبودیت

معتقدین میں سے ایک جماعت نے حریت و عبودیت کے مفہوم پر گفتگو کرتے ہوئے کہا بندہ ۱۰ اپنے اور خدا کے درمیان واقع ہونے والے احوال و مقامات میں آزاد لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آزاد بندوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو کام کرتے ہیں اس کا معاوضہ طلب کرتے ہیں اور اس کا انتظار کرتے رہتے مگر غلاموں کی عادت ایسی نہیں ہوتی، کیونکہ غلام اپنے آقا کی طرف سے جس کام پر مامور ہو اس کے لیے نہ کوئی اجرت طلب کرتا ہے اور نہ معاوضے کا انتظار، جب بھی اسے کسی شے کی طمع دامن گیر ہو جائے تو گویا اس نے غلامی کی روش ترک کر دی۔ کیونکہ غلاموں کو الگ ان کا آقا ان کے عمل بدلے کچھ عطا کر دے تو یہ ان کے آقا کی مہربانی ہوگی نہ کہ ان کا استحقاق مگر احرار یعنی آزاد بندوں کا طریق ایسا نہیں ہوتا۔

مشائخ کرام میں سے کسی شیخ نے غلام اور آزاد بندوں کے مقامات سے متعلق ایک کتاب بھی لکھی ہے مگر اس کے باوجود ایک گمراہ فرقے نے یہ سمجھا کہ حریت، عبودیت سے کہیں بلند تر ہے، چونکہ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ آزاد بندے دنیوی احوال میں مرتبہ و درجہ کے اعتبار سے غلاموں سے اولیٰ و اعلیٰ ہوتے ہیں لہذا انہوں نے اسی بات کو پیمانہ بنا کر آزاد کو غلام پر ترجیح دی اور اس میں وہ گمراہ ہوئے، اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ جب تک بندے اور اللہ کے درمیان تعبد کا تعلق قائم ہے تو وہ غلام کہلائے گا مگر جو نبی وہ وصل الہی حاصل کرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور عبودیت یعنی بندگی اس سے ساقط ہو جائے گی۔

یہ فرقہ کم نہی کی علمی اور اصول دین کو ضائع کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوا۔ اس سے یہ بات پوشیدہ رہی کہ عبد اس وقت تک عبد نہیں جب تک اس کا قلب ہر ما سوائے سے آزاد نہ ہو یہی وہ کیفیت ہے جس پر فائز ہو کر بندہ حقیقت میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عبد سے برہ کر کسی اچھے نام سے اپنے بندوں کو نہیں پکارا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَبْسُوْنَ عَلٰى الْاَرْضِ هٰؤُلَاءِ الْفِرْقَانُ [۶۴]

ترجمہ: ”اور رحمن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔“

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا عِبَادِىَ [الحجر: ۱۹]

ترجمہ: ”خبر دو میرے بندوں کو۔“

عبد وہ اسم ہے جس سے اس نے اپنے ملائکہ کو موسوم فرمایا:

عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ [الانبیاء: ۲۶]

ترجمہ: ”بندے ہیں عزت والے۔“
 پھر اسی اسم ’عبد‘ سے اپنے انبیاء و رسل کو پکارا:
 وَادْعُوْا عِبَادَنَا [ص: ۱۹۰]
 ترجمہ: ”اور یاد کرو ہمارے بندوں کو۔“
 اور فرمایا:

وَادْعُوْا عِبَادَنَا [ص: ۱۹۰]
 ترجمہ: ”اور یاد کرو ہمارے بندہ کو۔“
 اور فرمایا:

نِعْمَ الْعِبَادُ [ص: ۱۹۱]
 ترجمہ: ”کیا اچھا بندہ۔“

اور اپنے صفی و حبیب ﷺ سے فرمایا:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۱۹۱﴾ [الحجر: ۹۹]
 ترجمہ: ”اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔“

حضور پر نور ﷺ کے پاؤں مبارک میں نماز پڑھنے سے درم آ گیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرمادئے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں شکر کرنے والا بندہ نہ ہوں! ﴿۱﴾

اختیار مصطفیٰ ﷺ

ایک اور روایت میں ہے کہ مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا کہ چاہوں تو فرشتے کے جامے میں نبی بن کر آؤں اور چاہوں تو عبد کے جامے میں بن کر آؤں، جبریل نے میری طرف اشارہ کیا کہ عاجزی اختیار کر لیجئے، اور میں نے کہا: عبد کے جامے میں نبی بن کر آنا چاہتا ہوں۔

اگر خلق اور خدا تعالیٰ کے درمیان عبودیت کے درجہ سے بلندتر کوئی درجہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس پر فائز ہوتے اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں وہی درجہ عطا فرماتا۔

اخلاص میں اہل عراق کی غلطی

اہل عراق میں سے ایک گمراہ فرقے کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اخلاص اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک بندہ خلق کی طرف متوجہ ہونے اور اچھے برے عمل میں ان کی موافقت کو ترک نہیں کر دیتا۔ اس فرقے نے یہ بھی سمجھا کہ اہل معرفت کی ایک جماعت نے حقیقتِ اخلاص پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ان کے اخلاص میں صفاء پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ قلب میں خلق کی طرف توجہ، کائنات کا خیال اور ماسوا اللہ ہر شے کا وجود ختم نہیں ہو جاتا۔ اسی نظریے کو انہوں نے اپنے لیے صحیح سمجھا کہ وہ اس کا دعویٰ کریں، اس کی تقلید کریں اور تکلف کو اپنائیں اس سے قبل کہ وہ راہِ سلوک کو طے کریں، آدابِ تصوف کو سیکھیں، ابتدائی درجات سے آغاز کریں تاکہ وہ بتدریج ایک حال سے دوسرے حال اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ کر نہایات کو حاصل کر لیں مگر ان کا دعویٰ اور غلط تو قعات انہیں قلت توجہ، ترک ادب اور تجاوز حدود کی طرف لے گئیں۔ شیطان نے انہیں اپنا اسیر بنا لیا اور نفس و خواہشات نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ لیکن وہ اپنی طرف سے اسی خیال میں رہے کہ اخلاص میں طریقِ مخلصین پر کار بند ہیں حالانکہ وہ نقصان و گمراہی میں پڑے رہے اور ان کو اس سے نجات کیونکر ملے کہ ان سے اپنی بدبختی کے سبب یہ حقیقت پوشیدہ رہی کہ درجہ اخلاص پر فائز مخلص بندہ وہ ہے جو مہذب و مؤدب ہو، گناہوں کو ترک کر چکا ہو، طاعات میں خود کو پوری طرح مشغول کر چکا ہو، ارادات پر عمل پیرا ہو اور احوال و مقامات تک پہنچ گیا ہو تاکہ یہ سب کچھ اسے خالص، اخلاص کی منزل پر پہنچا دے۔

جو بندہ اپنی خواہشات کا اسیر، اپنے نفس کا رہیں اور شیطان کا قیدی ہو وہ ایسے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے جن کی طرف قرآن کریم نے یوں اشارہ کیا ہے:

ظَلُمْتُ بَعْضَهُمْ قَوْفًا بَعْضًا إِذْ أَخْرَجْتَهُمْ كَمَا لَمْ يَكُنْ يَرْتَهُمْ [النور: ۱۰]

ترجمہ: ”اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب اپنا ہاتھ نکالے تو بھائی دینا معلوم نہ دے۔“

ایسا شخص تو مبتدیوں کی منزل سے بھی پیچھے ہے چہ جائے کہ آگے بڑھے۔ اس طرح کے لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے نفیس و بیش قیمت موتی کے بارے میں سنا کہ وہ شفاف اور مدور ہوتا ہے، اب اس کے ہاتھ کہیں سے شیشے کا منکا آ گیا جو مدور اور شفاف ہوتا ہے۔ تو اس نے یہ جانا کہ موتی ہے بعد میں اسے کوئی حاجت پیش آ گئی اور وہ اسے جوہری کے پاس لے گیا۔ جوہری نے پرکھ کر کہا یہ شیشہ ہے موتی نہیں اور اس کی کوئی قیمت نہیں مگر اس نے جہالت اور جھوٹی لالچ کو نہ چھوڑا اور یہ نہ کیا کہ اسے پھینک دیتا۔ حالانکہ اس کو خود شیشہ و موتی کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ الغرض ایسے لوگ ہر روز اپنی گمراہی اور سرکشی کے سبب نقصان اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ایسی گمراہی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

نبوت و ولایت میں غلطی کرنے والے

فضیلت ولایت و نبوت

ایک فرقہ اس گمراہی میں پڑ گیا کہ ولایت کو نبوت پر فضیلت حاصل ہے۔ اور انہوں نے اپنا یہ موقف قرآن مجید میں موجود قصہ موسیٰ و خضر علیہما السلام میں اپنی رائے کو شامل کر کے حاصل کیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَيْنٰهُ مِنْ لَدُنَّا عَلَمًا ﴿۶۶﴾
[الکہف: ۶۶]

ترجمہ: ”تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پانا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔“

پھر موسیٰ علیہ السلام کو کلام و رسالت سے مختص کرتے ہوئے فرمایا:

وَ كَتَبْنَا لَكَ فِي الْاَلْوَا حِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ﴿الاعراب: ۱۸۲﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل۔“

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿الکہف: ۶۷﴾

ترجمہ: ”آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا:

لَا تَوَدَّ اِخْتِي اِيَّ بِمَا تَسِيْبُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿الکہف: ۷۳﴾

ترجمہ: ”مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو۔“

قرآن کریم میں موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصے سے اس گمراہ گروہ نے یہ مفہوم اخذ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں نقص تھا اور خضر علیہ السلام کو ان پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی مفہوم نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا کہ انہوں نے اولیاء کرام کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی اور انہیں اس بات کی طرف توجہ دی نہ رہی کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جسے چاہے اور جیسے چاہے کسی بھی چیز سے مختص فرمائے جیسا کہ آدم علیہ السلام کو، سبوح و ملائکہ سے، نوح علیہ السلام کو سفینہ سے، صالح علیہ السلام کو ناقہ سے، ابراہیم علیہ السلام کو آگ کی ٹھنڈک اور سلامتی سے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے سے اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو شوق القرا اور انگلیوں سے چشمے جاری ہونے سے مختص فرمایا۔

جہاں تک غیر انبیاء کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا:

وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجَنَحِ النَّخْلَةِ تُسَاقُ عَلَيْكِ زُطَبًا جَدِيًّا ﴿٢٥﴾ [مریم: ۲۵]

ترجمہ: ”اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاتی تھی ہر تازی کی کھجوریں گریں گی۔“

حالانکہ حضرت مریم نبیہ نہ تھیں تاہم انہیں جس چیز سے مخصوص فرمایا گیا اس سے انبیاء علیہم السلام کو بھی مختص نہ کیا گیا۔ اس سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دے۔ اسی طرح آصف بن برخیا کے پاس کتاب کا ایسا علم تھا کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلیقوں کو اٹھالائے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آصف بن برخیا، حضرت سلیمان سے افضل تھے جنہیں اللہ نے نبوت، فہم اور سلطنت عطا فرمائی تھی، اس کے علاوہ آپ کو اس ہد ہد پرندے کے قصے کا بھی علم ہوگا جسے پانی معلوم کرنے کا ایسا علم دیا گیا تھا جو اس کے علاوہ کسی اور پرندے یا جن وانس کو حاصل نہ تھا۔

حضور سید دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: تم میں سب سے بڑھ کر علم فرانس جاننے والا زید سب سے بہترین قرأت کرنے والا ابی بن کعب اور سب سے بڑھ کر حلال و حرام کو جاننے والا معاذ بن جبل ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت دی جنہیں عشرہ مبشرہ کے نام سے موسوم کیا گیا، مگر ان دس صحابہ حضرت زید حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم شامل نہیں۔

کرامات سید الرسل ﷺ کی اتباع سے ملتی ہیں

اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو کرامات سید الکوین محمد مصطفیٰ ﷺ کے حسن اتباع کے نتیجے میں ملتی ہیں تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ تابع کو متبوع پر اور مقتدی کو امام پر فضیلت دی جائے۔

انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ عطا ہوتا ہے اس میں سے شہد بھرا اولیاء کرام علیہم الرحمہ کو عطا ہوتا ہے۔

جس نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام کو فرشتے کے ذریعے وحی ہوتی ہے جب کہ اولیاء کرام کو براہ راست الہام ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہیں پر تو قائل نے غلطی کی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو براہ راست الہام مسلسل ہر وقت ہوتا رہتا ہے جب کہ اولیاء کو کبھی کبھی الہام ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ انبیاء کو رسالت، نبوت اور جبریل کے ذریعے وحی کی فضیلت حاصل ہوتی ہے جبکہ اولیاء کو ان میں سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی۔

اگر حضرت علیہ السلام پر موسیٰ علیہ السلام کے انوار اور تخصیص کلام سے ایک ذرہ بھی ظاہر ہوتا تو وہ فنا ہو جاتے مگر اللہ نے انہیں ان انوار سے اس لیے حجاب میں رکھا کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی مزید برآں آراستگی اور انہیں فضیلت عطا کرنا مقصود تھی۔

جہاں تک ولایت و صدیقیت کا تعلق ہے تو وہ خود انوار نبوت سے منور ہوتی ہے۔ صدیقیت و ولایت کو ہرگز نبوت سے ملتی نہیں قرار دیا جاسکتا چہ جائیکہ اسے نبوت پر فضیلت دی جائے۔

اباحت وعدم اباحت میں غلطی کرنے والا فرقہ اور اس کے نظریات کی تردید

ایک فرقہ گمراہ نے اباحت اور عدم اباحت میں اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے یہ کہا کہ دراصل اشیاء بہان ہیں ان سے ممانعت اور احتراز اس وقت لازم ہے جب کوئی ان میں حد سے بڑھ جائے اگر حد سے تجاوز نہ ہو تو اشیاء اپنی اصل حالت یعنی اباحت کی طرف لوٹ جاتی ہیں اور انہوں نے اس آیت سے اپنی تاویل کو منسوب کیا:

فَأَكْبِتُكُمْ فِيهَا حَبَابًا ۚ وَعَذَابًا ۚ وَأَعْتَابًا ۚ وَذَيْبَاتٍ ۚ وَغُلَابًا ۚ وَتَلَبَّابًا ۚ وَأَعْيَابًا ۚ وَفَاكِهَةً ۚ وَ

أَهَابًا ۚ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِيْلًا لِّعَابِكُمْ ۗ [عبس: ۲۷، ۲۸]

ترجمہ: ”تو اس میں آگایا تاج اور گورگور اور چارہ اور زیتون اور کھجور اور گھنے پاشے اور میوے اور دوپ

تمہارے فائدے کو اور تمہارے چوپاؤں کے۔“

انہوں نے اس آیت کو غیر مفصل قرار دیا اور اس عمل نے انہیں ان کی جہالت کے سبب اس مقام پر اکٹھا کیا کہ ان کے نفوس کو یہ لالچ ہوا کہ وہ چیز جسے مسلمانوں کے لیے ممنوع قرار دیا گیا ان کے لیے مباح ہے بشرطیکہ وہ اس میں حد سے تجاوز نہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصول سے بے خبری، خواہشات کی پیروی اور علم شریعت کے بارے میں قلت معلومات ہی ان کی غلطی اور ایک لطیف سے نکتے کو نہ سمجھنے کا باعث تھی۔

جب انہوں نے مشائخِ متقدمین کے مکارمِ اخلاق، حسن معاشرت اور بھائی چارے کے بارے میں سنا تو انہوں نے بھی خواہشات اور آسائش و سہولت کی خاطر وہی طریق اپنایا، یہاں تک کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے گھر جا کر اس کے کھانے میں سے کھا لیتا، اس کی کمائی سے رقم لے لیتا اور اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں اس کے احوال میں اسی طرح تصرف کرتا جس طرح اپنے معاملات میں روا رکھتا۔

اس ضمن میں فتح الموصلی کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے کسی ساتھی کے گھر گئے اور اس کی کینز سے کہا: میرے بھائی کی رقم کی تھیلی مجھے لا دو کینز تھیلی لے آئی اور انہوں نے اپنی ضرورت کے مطابق رقم اس میں سے لے لی۔ جب ان کا ساتھی گھر لوٹا تو کینز انہیں سب حال کہہ سنا یا تب انہوں نے کہا: اگر تو نے سچ کہا ہے تو اللہ کی خاطر تو آزاد ہے۔

حسن بصری کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ایک ساتھی کی عدم موجودگی میں اس کی تھیلیوں میں سے کھاتے تھے۔ کسی نے اس کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے: اے لئیم! کیا ہم سے پہلے ایسے لوگ نہ تھے کہ کوئی ان میں سے کسی کے گھر جاتا اس کے طعام اور دراہم میں سے کچھ لے لیتا اور اس سے اس کا ارادہ اپنے بھائی کو خوش کرنا مقصود ہوتا اور یہ سمجھتا کہ ایسی خوشی اس کے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ اہل معرفت کے اس گروہ کے مسلک کی بنیاد باہمی رواداری پر ہے نہ کہ باہمی عداوت۔ جیسا کہ ابراہیم بن شیبان علیہ الرحمۃ نے کہا ہم اس شخص کی صحبت اختیار نہیں کرتے جو یہ کہے کہ ہم اعلیٰ ہیں الغرض اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں۔

اس فرقہ گمراہ نے از خود یہ سمجھ لیا کہ صوفیہ کرام اباحت کے اسی غلط مفہوم پر قائم تھے جو انہوں نے اپنے طور پر سمجھ لیا کہ شرعی حدود کو ترک کرنا اور امر و نہی پر کاربند ہونے سے تجاوز کرنا جائز ہے حالانکہ اس طرح یہ لوگ اپنی جہالت میں صحیح راستے سے بہت دور نکل گئے اور اپنے جھوٹے حیلوں اور تاویلیوں کے ساتھ ہر ممنوع چیز کی طلب اور اتباع خواہشات سے گریز نہ کیا۔

جو یہ سمجھتا ہے کہ ہر شے فی الحقیقت مباح ہے وہ یہ کیوں نہیں کہا کہ ہر شے اصل میں ممنوع ہے اور امر و نہی کے ذریعے ان کی اباحت، رخصت و سہولت کی خاطر تا کہ بندہ اس بات میں غلطی نہ کر بیٹھے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے اور حرام وہ ہے جسے اللہ حرام قرار دے اور مومنین میں کوئی بھی اس بات کا پابند نہیں بنایا گیا کہ وہ گزری ہوئی شریعتوں یا پہلے کے لوگوں کے اعمال کی اتباع کرے بلکہ ان کے ذمہ یہ فرض ہے کہ وہ انہی احکام کی بجا آداری کریں جن کا انہیں اللہ نے حکم دیا اور ان امور سے باز رہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا اور مشتبه امور سے اجتناب کریں جیسا کہ سید المرسلین علیہم السلام نے فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح، اور ان کے مابین مشتبه امور ہیں، اور اللہ نے جن امور کو حرام قرار دیا وہ ایک ممنوعہ چراگاہ کی مثل ہیں پس جو اس کے ارگرد چلا گیا تو خدشہ ہے کہ اس کے اندر جا پڑے۔

جن لوگوں نے یہ کہا کہ دراصل اشیاء مباح ہیں ان کا یہ قول اس قول سے کہ دراصل اشیاء ممنوع ہیں، کس طرح اولیٰ نہیں۔ اور جب کوئی کسی زمین کی ملکیت ظاہر کرے تو اس کے لیے ملکیت اسی صورت میں جائز ہو سکتی ہے کہ وہ اپنا دعویٰ دلیل کے ساتھ ثابت کرے۔

اور اس کو نجاست و طہارت کے مسئلہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ فقہاء اور صوفیہ کی جماعت کے نزدیک اشیاء دراصل پاکیزہ ہیں جب تک کہ ان کی نجاست پر دلیل نہ لائی جائے۔ نجاست و طہارت اور اباحت و خطر میں فرق یہ ہے کہ نجاست و طہارت عبادات میں شامل ہیں جبکہ اباحت و خطر کا تعلق املاک سے ہے اور جو چیز کسی کی ملکیت میں ہو تو وہ کسی اور کے لیے اس وقت تک مباح نہیں ہو سکتی جب تک وہ دلیل و حجت پیش نہ کر دے۔

فرقہ حلولیہ کی لغزشیں اور ان کے نظریات

فرقہ حلولیہ میں سے کسی کو میں خود نہیں جانتا اور ان سے متعلق تمام تر معلومات مجھے دوسرے لوگوں کے ذریعے پہنچی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حلولیہ فرقے کے لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اجسام منتخب فرمائے اور ان میں معانی ربوبیت کے ساتھ حلول کیا۔ اور ان سے بشری لوازمات کو زائل فرمادیا۔

اگر واقعتاً کسی نے یہ نظریہ پیش کیا اور اپنے تئیں یہ سمجھا کہ اس نے توحید کو پالیا تو اس نے غلط سمجھا کیونکہ جب کوئی شے کسی دوسری شے میں حلول کرتی ہے تو وہ اس کی جنس سے ہوتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اشیاء سے بالکل جدا ہے اور اشیاء اس سے اپنی صفات کے لحاظ سے جدا ہیں اشیاء میں اس نے جو کچھ ظاہر فرمایا اس کا تعلق اس کے آثار صنعت اور ذیلی ربوبیت سے ہے کیونکہ مصنوع، صانع پر دلالت کرتا ہے اور مولف اپنے مولف پر۔

اگر یہ سچ ہے کہ حلولیہ نے یہ کہا تو بلاشبہ وہ گمراہ ہوئے کیونکہ انہوں نے قادر کی صفت قدرت اور قدرت قادر و صنعت صانع پر دلالت کرنے والے شواہد کے درمیان کوئی تیز ہی نہیں کی اور اس میں انہوں نے ٹھوکر کھائی۔

مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ فرقہ حلولیہ میں سے کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ انوار کے ذریعے حلول کرتا ہے۔ کسی نے کہا کہ مستحسن شواہد کی طرف ایک انجانی نظر کے ذریعے حلول کرتا ہے۔ کسی نے کہا: مستحسناات وغیر مستحسناات میں حلول کیے ہوئے ہے اور ان میں سے کسی نے کہا: ایک وقت چھوڑ کر دوسرے وقت میں حلول کرتا ہے۔ الغرض ہر وہ شخص جس نے اس قسم کے نظریات واقعتاً پیش کئے ہیں تو وہ گمراہ اور اجماع امت کے تحت کافر ہے کیونکہ جو کچھ اس نے کہا اس سے کفر لازم آتا ہے۔

وہ اجسام جو اللہ نے منتخب فرمائے وہ اس کے اولیاء و اصفیاء کرام کے اجسام ہیں جنہیں اس نے اپنی طاعت و خدمت کے لیے جن لیا انہیں اپنی ہدایت سے آراستہ فرمایا اور خلق پر ان کو فضیلت دی۔ اور اللہ تعالیٰ اسی صفت سے موصوف ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی صفت بیان فرمائی ہے کوئی شے اس کی طرح نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

حلولیوں نے یہ غلطی بھی کی کہ اوصاف حق اور اوصاف خلق میں امتیاز باقی نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ قلوب میں حلول نہیں فرماتا بلکہ قلوب میں ایمان باللہ، تصدیق، توحید اور معرفت الہی حلول کرتی ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی مصنوعات کی صفات ہیں جو ان میں اللہ کی صنعت کے طور پر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات یا صفات کے ساتھ قلوب میں حلول نہیں فرماتا۔

فناء بشریت کو غلط معانی پہنانے والے

جن لوگوں نے فناء بشریت میں ٹھوکر کھائی اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مستحقین کی فنائے متعلق گفتگو سنی اور اسے فناء بشریت سمجھ بیٹھے اور دوسوسہ میں پڑ گئے۔ ان میں سے کچھ نے تو کھانا پینا بھی چھوڑ دیا کیونکہ ان کے نزدیک بشریت ایک قالب اور ڈھال ہے کمزور ہوا تو بشریت جاتی رہی لہذا یہ جائز قرار دیا کہ وہ موصوف بصفات الہیہ ہیں۔ اس فرقہ گمراہ سے یہ نہ ہوسکا کہ بشریت اور اخلاق بشریت میں فرق کرتے، بشریت، بشر سے زائل نہیں ہوتی جیسا کہ سیاہ رنگت سیاہ آدمی سے اور گوری رنگت گورے آدمی سے زائل نہیں ہوتی جب کہ اخلاق بشریت، انوار حقائق کے غلبہ سے بدلتے رہتے ہیں۔ صفات بشریت، بشریت کا عین نہیں جس نے فنا کی بات کی تو اس سے وجود اعمال و طاعات کی فناء کے ذریعے قیام حق کے لیے وجود عبد کی بقا مراد ہے۔ اور اسی طرح اس سے مراد علم سے جہالت کی فناء اور ذکر سے غفلت کی فناء ہے۔

وہ چیز جو فناء بشریت کی اصلیت ہے خود فناء بشریت اس چیز کی اصلیت ہے اور بشریت کا بشریت کے ساتھ فناء ہونا صفت بشریت ہے۔ جس نے یہ سمجھا کہ نفس کا زائل ہونا اور بندے سے کبھی کبھی تلوین کی صفت کا جدا ہونا فناء بشریت ہے تو اس نے سررا غلط جانا اور بشریت کی تعریف سے بے خبر رہا۔ کیونکہ تغیر اور تلوین صفت بشریت ہے جب بشریت سے تغیر اور تلوین زائل ہو گئی تو وہ اپنی صفت سے متغیر ہو گئی اور اپنے معنی سے بدل گئی کیونکہ بشریت خود تو نہ متلون ہوتی تھی اور نہ متغیر جب کہ وہ اپنی صفت سے اس وقت متغیر و متلون کر دی گئی۔

رویت بالقلوب کو غلط سمجھنے والے

ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ اہل شام کی ایک جماعت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس دنیا میں انہیں رویت بالقلوب اسی طرح سے حاصل ہے جیسے آخرت میں عیاشوں پر رویت باری تعالیٰ ہوگی۔ میں نے خود ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی مجھے کسی نے یہ بتایا کہ اس نے ان میں سے کسی شخص کو رویت بالقلوب پر فائز پایا۔ ہاں ابوسعید خدریؓ کا ایک خط میری نظر سے گزرا ہے جس میں انہوں نے اہل شام کو مخاطب کر کے لکھا ہے: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے علاقے میں ایک جماعت ہے جو فلاں فلاں دعویٰ کرتی ہے اور انہوں نے آگے چل کر یہ بھی لکھا کہ ان کے زمانے میں بھی ایک قوم ایسی تھی جو اس مسئلہ میں الجھی اور گمراہ ہوئی۔

اہل حق و صداقت نے جب رویت بالقلوب کا ذکر کیا تو اس سے ان کا اشارہ تصدیق مشاہدہ بالا ایمان اور حقیقت یقین کی طرف تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے رویت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”گو یا کہ میں اپنے رب کے عرش کو ظاہر دیکھتا ہوں۔“ جیسا کہ اس حدیث میں آگے چل کر بیان کیا گیا ہے: ”بندہ جس کے قلب کو اللہ نے منور فرمایا: اوکا قال۔“ جیسا کہ مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ وہ بصرہ کے ابو عبد اللہ الصبیہیؓ کے مریدین کی ایک جماعت تھی جو رویت بالقلوب کے بارے میں دوسرے اور گمراہی کا شکار ہوئی۔ میں نے ان لوگوں کی جماعت کو دیکھا کہ انہوں نے بخوشی اپنے نفس کو مجاہدہ، شب بیداری، ترک طعام، خلوت نشین خلق سے علیحدگی اور کثرت توکل کی مشقت میں ڈال رکھا تھا کہ شیطان نے انہیں اپنے دام میں پھنسا لیا اور خود کو ان کے سامنے ایسے دکھایا کہ ایک تخت پر بیٹھا ہے اور اس سے انوار کی شعائیں بھوت رہی ہیں۔ ان میں کچھ نے یہ واقعہ بعض شیوخ کے سامنے بیان کیا جو شیطان کی فریب کاریوں کو جانتے تھے شیوخ نے انہیں شیطان کی فریب کاری کے بارے میں بتایا اور انہیں ہدایت کر کے استعانت کی طرف لوٹا دیا۔

کہتے ہیں کہ سہل بن عبد اللہ کے ایک شاگرد نے ایک روز ان سے کہا: یا استاد! میں ہر رات اللہ تعالیٰ کو اپنی ان ظاہری آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ سہل بن عبد اللہ جان گئے کہ یہ دشمن (شیطان) کا دھوکہ ہے۔ انہوں نے کہا: عزیزم! جب تو اسے آج کی رات دیکھے تو اس پر قہوک دینا۔ جب رات کو شاگرد نے اس پر قہوکا تو اس کا تخت ہوا ہو گیا اور انوار تاریک ہو گئے۔ اس طرح اُس نے شیطان کے فریب سے چھٹکارا پایا اور اس کے بعد پھر کچھ بھی نہ دیکھا۔

جو ایسے معاملات میں اپنے اساتذہ و مشائخ سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا وہ اسی طرح دھوکے میں رہتا ہے، ہوس کی باتیں کرتا رہتا ہے اور آخری عمر میں اپنے جھوٹے نظریات کے نتیجے میں دین سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

مجھ تک یہ خبر پہنچی کہ عبد الواحد بن زیدؒ سے اس کی جماعت بھاگ گئی کیونکہ وہ انہیں مجاہدہ عبادت، رزق حلال کھانے اور دنیا میں زہد اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد عبد الواحد بن زیدؒ نے ان میں سے ایک کو دیکھا تو اس کا اور اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کیا۔ شاگرد نے جواب دیا: یا استاد! ہم ہر رات جنت میں داخل ہوتے ہیں، اور اس کے چل کھاتے ہیں۔ اساتذہ نے کہا: آج کی رات مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ الغرض وہ ان کو اپنے ہمراہ صحراء میں لے گئے۔ جب

رات ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جماعت سبز لباس پہنے ہوئے ہے اور باغات اور میوے ہیں۔ عبدالواحدؒ نے ان سبز پوش لوگوں کے پاؤں پر نظر کی تو وہ چوپایوں کے کھروں کی مانند تھے۔ وہ جان گئے کہ یہ شیاطین ہیں۔ جب انہوں نے منتشر ہونے کا ارادہ کیا تو عبدالواحدؒ نے ان سے کہا: کہاں جاتے ہو؟ کیا ادریس علیہ السلام جب جنت میں داخل ہوئے تو اس سے نکلے نہ تھے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے خود کو چوپایوں کی پیشاب گاہوں پر گوبر اور خجروں کی لید میں پایا۔ تب انہوں نے توبہ کی اور پھر سے عبدالواحد بن زیدؒ کی صحبت اختیار کر لی۔

بندے کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ جو انور بھی یہ ظاہری آنکھیں اس دنیا میں دیکھیں وہ مخلوق ہیں۔ اس میں اور اللہ میں کوئی مشابہت موجود نہیں اور نہ ان کا تعلق اس کی صفات سے ہے یہ سب خلق و مخلوق کے سوا کچھ نہیں۔

مشاہدہ ایمان، حقیقت یقین اور تصدیق کے ساتھ رویت بالقلب حق ہے جیسا کہ فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے: اس طرح اللہ کی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

کسی تابعی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر پردہ اٹھا دیا جاتا تو میرا یقین نہ بڑھتا۔ اس قول میں انہوں نے اپنے یقین کی حقیقت اور صفا و وقت کی جانب اشارہ کیا اور اپنے غلبہ و جد کی خبر دی اور خبر کی حیثیت مشاہدے کی نہیں ہوتی۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ [النجم: ۱۱]

ترجمہ: ”دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔“

یعنی جو اس نے اپنے دل سے دیکھا اسے آنکھ نے نہیں جھٹلایا اور جو اُس نے آنکھ سے دیکھا اسے دل نے نہیں جھٹلایا اور یہ خصوصیت فقط نبی کریم ﷺ کی ہے کسی اور کی نہیں۔

صفاء و طہارت میں غلطی کرنے والے

ایک طائفہ صوفیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ہمیشہ مکمل طور پاک و صاف رہتے ہیں اور ان کی پاکیزگی کبھی ان سے زائل نہیں ہوتی اور انہوں نے یہ سمجھا کہ بندہ تمام کدورتوں اور برائیوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے کہ گو وہ ان سے جدا ہو جاتا ہے حالانکہ انہوں نے غلطی کی کیونکہ بندہ ہر وقت جملہ علتوں سے پاک نہیں رہ سکتا اور اگر ایک وقت اس کو طہارت حاصل ہو جائے تو بھی علتوں سے بری نہیں۔ اور صفا ایک وقت سے دوسرے وقت میں بندے کے مقامات کے مطابق حاصل ہوتی ہے تو وہ صفاء کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہے اور پھر اس پر دوسری اشیاء کا ذکر جاری ہو جاتا ہے۔

طہارت کا مطلب بندے کے قلب کو سرکشی، حسد، شرک اور تہمتوں سے پاک رکھنا ہے۔ علت سے خالی صفاء اور بغیر تلوین و تغیر کے ہمیشہ کے لیے تمام بشری اوصاف سے پاک ہونا خلق کی صفت نہیں کیونکہ اللہ ہی کی ذات ایسی ہے جو ہر علت سے مبرا اور اپنے سوا ہر شے سے پاک ہے۔ خلق کو ابتلاء و آزمائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو کیسے وہ علتوں اور اغیار سے مبرا ہو سکتے ہیں جب بندہ کے لیے یہ حکم ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ کے حضور توبہ کرے اور ہر وقت اپنے گناہوں کی بخشش مانگے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ [النور: ٣١]

ترجمہ: ”اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔“

اور جیسا کہ سید الکونین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میرے قلب پر ایک بادل سا چھا جاتا ہے تو میں ہر روز سو بار اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

انوار کا غلط مفہوم

ایک جماعت نے انوار کو سمجھنے میں غلطی کی اور یہ خیال کیا کہ وہ انوار کو دیکھتی ہے اور ان میں کچھ نے اپنے قلب کے بارے میں کہا کہ اس میں انوار ہیں یہ لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ یہ وہی انوار ہیں جن سے اللہ نے خود کو متصف فرمایا ہے:

نورِ الہی

یہ جماعت یہ سمجھتی ہے کہ شاید نورِ الہی بھی چند، سورج کے نور سے مشابہ ہے وہ یہ بھی سمجھتی ہے کہ نورِ الہی سے مراد انوارِ معرفت و توحید اور نورِ عظمت ہے اور یہ کہ وہ غیر مخلوق ہے۔

اس جماعت نے نورِ الہی کے مسئلے میں سخت غلطی کی کیونکہ سارے انوار مخلوق ہوتے ہیں جیسا کہ نورِ عرش، نورِ کرسی، نورِ عرش، نورِ قمر اور نورِ کوکب۔ اللہ کے لیے کوئی موصوف و محدود نور نہیں وہ نور جس سے اللہ نے خود کو موصوف کیا وہ نہ تو ادراک میں آسکتا ہے اور نہ ہی محدود ہے خلق کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہر وہ نور جسے علوم اور فہم و ادراک احاطہ کر سکیں وہ مخلوق ہے۔ اللہ کے تمام انوار ہدایاتِ خلق ہیں جب کہ مصنوعات کے انوار عبرت و دلائل، تاکہ ان کے ذریعے وہ معرفتِ توحید پُر دلائل لاسکیں اور ان کے ذریعے بحر و بر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

انوارِ قلوب

انوارِ قلوب کا مفہوم اللہ کے فرقان و بیان کی معرفت حاصل کرنا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا [الانفال: ۲۳]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کر لو۔“

آیت کی تفسیر میں کہا گیا کہ فرقان سے مراد وہ نور ہے جو دل میں اتارا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے بندہ حق و باطل میں فرق کر سکے۔

انوار کے بارے میں یہی کچھ معلومات اس وقت موجود تھیں جو پیش کر دی گئیں۔

عین الجمع میں غلطی کرنے والوں کا بیان

ایک گروہ نے عین الجمع میں غلطی کی، جو کچھ اللہ نے خلق سے منسوب کیا اسے خلق سے جدا سمجھا اور اپنے ہر کام کو اپنے نفوس سے متعلق نہ جانا اور اپنے طور پر یہ سمجھتے رہے کہ وہ احتیاطاً ایسا کرتے ہیں تاکہ اللہ کے ساتھ اس کے سوا کوئی اور شے شریک نہ رہے۔ یہ بات انہیں علت سے خرد و شرعی حدود کو ترک کرنے کی طرف لے گئی کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے افعال میں مجبور ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حدود شریعت سے تجاوز اور اتباع کی مخالفت کرتے وقت ان میں اپنے نفس کو ملامت کرنے کی صفت بھی باقی نہ رہی۔ ان میں سے کچھ کو تو اس عقیدہ و نظریہ نے تجاوز کرنے اور بے کار و معطل بیٹھے رہنے کی جسارت دے دی اور نفس نے انہیں یہ جھانسا دیا کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اس میں مجبور و معذور ہیں۔

ان لوگوں نے جو لغزش کی وہ محض فروع و اصول سے کم علمی کی بنیادی پر کی اور اصل و فرع میں فرق نہ کیا اور نہ ہی جمع و تفرقہ کا علم حاصل کیا اسی کا انجام یہ ہوا کہ جو چیز فرع سے منسوب تھی اسے اصل سے منسوب کر دیا اور جو چیز تفرقہ سے منسوب تھی اسے جمع سے متعلق قرار دیا۔ الغرض انہوں نے ہر شے کو بے محل کر دیا جو ان کی ہلاکت کا باعث بنا۔

صدیق اور زندق

سہل بن عبد اللہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو یہ کہتا ہے: میری مثال دروازے کی سی ہے کوئی حرکت دے تو ہلتا ہوں۔ سہل بن عبد اللہؓ نے جواب دیا: ایسی بات دو آدمیوں میں سے ایک کر سکتا ہے۔ یا وہ شخص جو صدیق ہو یا وہ شخص جو زندق ہو۔

سہل بن عبد اللہؓ نے صدیق اس لیے کہا کہ وہ ہر شے کو اللہ کے ساتھ قائم اور اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے، ہر معاملے میں اللہ کی جانب رجوع کرتا ہے اس کے باوجود کہ وہ اصول، فروع، حقوق، حظوظ، معرفت حق و باطل، متابعت امر و نہی، حسن طاعات، قیام آداب اور اورہ تصوف کو استقامت سے طے کرنے کے بارے میں اپنی ضرورت کے مطابق علم رکھتا ہے۔ ان کے قول میں زندق کا معنی یہ ہے کہ زندق ایسا قول اس لیے کہتا ہے تاکہ کوئی چیز اسے ارتکاب گناہ سے نہ روکے۔ زندق ایسا قول اس کی جہالت تجاوز اور اس جرأت کی طرف لے جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام افعال و حرکت کو اللہ سے منسوب کرتا ہے تاکہ اس طرح شہطان کے گمراہ کرنے سے ارتکاب گناہ اور تاویل باطل پر وہ نفس کی ملامت سے بچا رہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو اس سے پناہ میں رکھے۔

انس، بسط اور ترکِ خشیت کا غلط مفہوم سمجھنے والوں کا بیان

ایک طبقے نے قرب و انس کو بیان کرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ چونکہ ان کے اور اللہ کے درمیان انتہائی قرب کی کیفیت موجود ہے تو انہیں ان آداب و حدود کی طرف رجوع کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے جن کا وہ پہلے لحاظ رکھتے اور پابندی کرتے تھے لہذا انہوں نے ان تمام اعمال کو چھوڑ دیا جن کے انجام دینے سے انہیں شرم دامنگیر ہوتی تھی اور ان افعال سے مانوس ہو گئے جو پہلے ان کو ناگوار گزرتے تھے۔ مختصر یہ کہ انہوں نے اسے اپنا قرب تصور کیا اور اس طرح وہ غلطی کا شکار ہو گئے اور ہلاکت میں پڑ گئے کیونکہ آداب، مقامات اور احوال، اللہ کی جانب سے بندوں کو انعام اور عزت کے طور پر عطا کیے جاتے ہیں اگر وہ اپنے ارادوں میں صادق و مخلص ہوں تو ان کے انعام و اکرام میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔ مگر جب اللہ نے انہیں اپنی توفیق اور عنایت سے محروم کر دیا تو انہوں نے حدود سے تجاوز کیا۔ جن امور کے انجام دینے کا انہیں حکم دیا گیا اس کی انجام دہی سے الٹے پاؤں پھر گئے تو طاعات کے نتیجے میں جو انعامات و اکرامات ان کو عطا کئے گئے وہ سلب کر لئے گئے انہیں اللہ نے اپنے در سے دھتکار دیا، اور وہ گمراہوں کے راستوں پر چلنے لگے مگر وہ خود کو پھر بھی مقبول بندوں میں سے شمار کرتے ہیں جس قدر وہ خود کو اللہ سے قریب سمجھتے ہیں اس سے بڑھ کر وہ اس سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

ذوالنون علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: عارف کے لیے ضروری ہے کہ اس کا نور معرفت، نور و روع کو بجھا نہ دے علم تصوف میں سے کسی ایسی چیز پر باطنی لحاظ سے عقیدہ نہ رکھے جو ظاہری شریعت سے متصادم ہو اور کثرت کرامت اسے اللہ کے محارم کے پردے اٹھانے پر آمادہ نہ کرے جیسا کہ ایک عارف یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے اپنے ذریعے اپنے سے غافل نہ فرما اور باوجودیکہ تیرے حضور بغیر طلب کئے مجھے حضور حاصل ہے پھر بھی مجھے اپنی طلب عطا فرما۔

اوصاف بشری کی بنا کا غلط معنی

مراد لینے والوں کا بیان

بغدادیوں کی ایک جماعت نے یہ کہہ کر غلطی کی کہ وہ اپنے اوصاف سے فنا ہو کر اوصاف حق میں داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ اپنی جہالت کے باعث وہ یہ کہہ کر حلول یا اس عقیدے کے حامل ہو جاتے ہیں جو نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے تھے۔ وہ اپنی طرف سے یہ سمجھتے ہیں کہ بعض متقدمین صوفیہ نے اوصاف بشری سے فنا کو اوصاف حق میں داخل ہونے کا نظریہ پیش کیا۔ جب کہ حقیقت اس ضمن میں یہ ہے کہ بندے کو جو ارادہ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کا عطیہ ہے اور یہ کہنا کہ اوصاف بشری کو فنا کر کے بندہ اوصاف حق میں داخل ہو جاتا ہے دراصل بندے کا اپنے ارادہ سے خروج اور اللہ کے ارادے میں داخل ہونے کے مترادف ہے اور جو یہ جان لیتا ہے کہ ارادہ اللہ کی جانب سے عطیہ ہے اور مشیت الہی کے مطابق چاہتا اور اسی کے فضل کے ساتھ وہ اس مقام کو پہنچتا ہے کہ خود اپنے احساسِ نفس سے منقطع ہو کر کلیتہً اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ تو یہ اہل توحید کا مقام ہے۔

جنہوں نے اس ضمن میں شوکر کھائی اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک معمولی سی بات کو نہ سمجھ سکے اور یہ اوصاف حق ہی کو حق سمجھ بیٹھے اور یہ سب کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قلوب میں حلول نہیں کرتا بلکہ قلوب میں ایمان باللہ توحید اور تعظیم ذکر، تحقیق اور تصدیق کے لوازمات کے ساتھ حلول کیے ہوئے ہوتا ہے اور اس سلسلے میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ خواص کو ایک حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے جو صرف ان ہی کا حصہ ہے کیونکہ وہ خواہشاتِ نفس کی دعوت کو ٹھکرا چکے ہوتے ہیں، گھر کی لذتیں ختم کر چکے ہوتے ہیں، ایمان باللہ میں پوری طرح مخلص و صادق ہوتے ہیں اور عوام ان حقائق سے دور رہتے ہیں کیونکہ وہ نفس اور خواہش کے غلام ہوتے ہیں۔ یہ ہے عام اور خاص میں وہ فرق جو اس ضمن میں ہم نے بیان کر دیا۔

گمشدگی حواس اور اس کا غلط مفہوم

اہل عراق میں سے ایک جماعت کا یہ نظریہ تھا کہ وجد کے عالم میں حواس کھو بیٹھتے ہیں یہاں تک کہ انہیں کسی شے کا احساس تک نہیں رہتا اور وہ محسوسات کے اوصاف سے بھی خارج ہو جاتے ہیں۔

اس جماعت نے غلط سمجھا کیونکہ جس کا گم ہو جانا حس ہی کے ذریعے معلوم ہوتا ہے چونکہ حس صفت بشریت ہے اگر اس پر وہ واردات غالب آجائیں جو قلوب پر وارد ہوتی ہیں، تو حس ماند پڑ جاتی ہے جیسا کہ ستاروں پر سورج کی روشنی غالب ہونے کے سبب وہ ماند پڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح زندہ انسان کی حس بھی زائل ہوتی ہے اور نہ گم بلکہ بعض اوقات بندہ اپنی حس کے ذریعے اذکار قوی کے وقت شدید وجد کے باعث اپنی حس سے غائب ہو جاتا ہے جیسا کہ میں نے جعفر علوی سے اس ضمن میں پوچھا تو انہوں نے یہ بات سنائی کہ جنیدؒ نے کہا: میں نے سری سقطیؒ سے اذکار قوی کے وقت بندے پر شدید وجد کے غلبے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: وہاں! ایسا ہوتا ہے اور ایسی حالت میں بندے کے منہ پر تلوار کا وار کیا جائے تو بھی اسے محسوس نہ ہوگا۔

یہاں محسوس نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ درد محسوس نہ کرے گا یعنی حس ہی کے ذریعے درد کو محسوس نہیں کرے گا اور حس ہی کے ذریعے درد محسوس کرے گا۔

جب تک انسان میں روح باقی رہتی ہے اور وہ زندہ ہو تو اس کی حس ختم نہیں ہوتی کیونکہ حس زندگی اور روح کے ساتھ لازم ہے۔

روح سے متعلق غلط نظریات

ایک جماعت وہ ہے جس نے ارواح کے بارے میں غلطیاں کیں۔ ان کے کئی طبقے ہیں اور ان تمام نے غلطی کی اور گمراہ ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے ایک ایسی چیز کی کیفیت میں غور و فکر کیا جس سے اللہ نے کیفیت ہی کو علیحدہ رکھا اور اسے احاطہ علم سے دور کیا۔ اس نے کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ روح کے بارے میں اللہ کی بیان کردہ تعریف کے علاوہ کچھ کہے۔ ایک جماعت نے کہا: روح، اللہ کے نور میں سے ایک نور ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا نور ذاتی سمجھا جس نے انہیں ہلاکت سے دوچار کیا۔

ایک اور جماعت نے یہ کہا کہ روح اللہ کی حیات سے ایک حیات ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ ارواح مخلوق ہیں اور روح القدس اللہ کی ذات سے ہے۔ ایک گروہ نے یہ کہا کہ عوام کی ارواح مخلوق اور خواص کی ارواح غیر مخلوق ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ارواح قدیم ہیں نہ مرتی ہیں نہ عذاب میں مبتلا کی جاسکتی ہیں اور نہ پرانی ہوتی ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ارواح ایک جسم سے دوسرے جسم میں حلول کرتی ہیں۔ ایک طائفہ یہ خیال رکھتا ہے کہ کافر کی ایک، مومن کی تین اور انبیاء و صدیقین کی پانچ ارواح ہوتی ہیں۔ کسی نے کہا کہ روح، نور سے پیدا کی گئی ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ روح، روحانیت ہے جسے ملکوت سے پیدا کیا گیا جب صاف ہوتی ہے تو عالم ملکوت کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ روحمیں دو طرح کی ہیں لاہوتی اور ناسوتی الغرض مذکور بالا تمام لوگوں نے جو کچھ بھی روح کے بارے میں کہا غلط کہا، کھلی گمراہی میں پڑے اور اس سے بے خبر رہے کہ اس سلسلے میں وہ غلطی کا شکار ہوں گے اس کی وجہ ان چیزوں میں تعین و تفکر ہے جس سے اللہ نے انہیں منع فرمایا جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۗ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي [بنی اسرائیل: ۸۵]

ترجمہ: ”اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ! روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔“

روح کے بارے میں اہل حق کا نظریہ

جہاں تک روح کے بارے میں اہل حق کے نظریہ کا تعلق ہے تو ان کے مطابق تمام ارواح مخلوق ہیں وہ اللہ کے امور میں سے ایک امر ہے۔ ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی ناظر اور تعلق نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کی مملکت میں سے ہیں، اس کے تابع فرمان ہیں، مسلسل اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

ارواح ایک جسم سے نکل کر دوسرے میں داخل نہیں ہوتیں۔ وہ اسی طرح ذائقہ موت چکھتی ہیں جس طرح بدن، بدن کے ساتھ ہی آرام و آسائش پاتے ہیں اور بدن ہی کے ساتھ عذاب محسوس کرتی ہیں۔ ارواح انہیں جسموں میں جمع ہوں گی جن سے نکلی ہوں گی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو اللہ نے ملکوت سے اور اس کے جسم کو خاک سے پیدا فرمایا۔ سطور گزشتہ میں ہم نے جن جن لوگوں کے روح کے بارے میں باطل نظریات پیش کئے ان کو ثابت کرنے سے متعلق ہر ایک کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ اور اسی طرح اہل حق کے بھی ان کی تخلیط اور رد میں واضح بیانات موجود ہیں مگر ہم نے طوالت کے خوف سے اختصار پر اکتفاء کیا۔ بہر حال جو کچھ بیان کیا گیا وہ اس علم کے طالبین کے لیے کافی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کتاب للمع فی التصوف، اللہ جل جلالہ کی حمد اور اس کی اعانت و توفیق سے اختتام کو پہنچی، بے شک اللہ ہی ہمیں کافی اور وہی بہترین چارہ ساز ہے۔

بے حد و شمار، دائمی و مسلسل درود سلام ہوں ہمارے سردار محمد ﷺ اور ان کی آل اطہار پر جب تک کہ ستاروں میں چمک رہے، تاریکیاں سیاہ ہوتی رہیں، صبح طلوع ہوتی ہیں، وقت چلتا رہے، فکر کے چراغ جلتے رہیں، ذکر کے روح پرور ترانے الاپتے رہیں، چلنے والوں کا سفر جاری رہے، گھٹائیں برستی رہیں، غروب ہونے والے غروب ہوتے رہیں خطیب شعلہ نوائی کرتے رہیں، سائے پھیلتے رہیں، بہار کی پھواریں پڑتی رہیں، علم کی باتیں ذہن کے درپچوں میں اترتی رہیں، مخلوق جام ہستی سے سرشار رہیں، حسن اسلام باقی رہے، شب دیبجور سمنتی رہے، اندھیرے، اُجالے کا اختلاف باقی رہے، پو پھنکتی رہے، ہوا میں چلتی رہیں، ملائک مشغول تسبیح رہیں، افلاک گردش میں رہیں، زوال کے سایے ڈھلتے رہیں، ذی روح زندگی کی نعمت سے شاد کام رہیں، عدد کا شمار ہوتا رہے، ابد کا دوام رہے، زباں گویا ہے، مشاہدے، سچائیاں اگلتے رہیں، شبنم کے موتی لٹتے رہیں، زمانہ پھیلتا رہے، موجوں میں اضطراب رہے، چراغوں میں روشنی رہے، انوار جھلملاتے رہیں، اول شب کی تاریکیاں گہری ہوتی رہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم ﷺ سے علم کے دو برتن یاد رکھے ہیں ایک برتن کو میں نے پھیلا دیا، دوسرے کو اگر پھیلاتا تو میرا یہ حلقوم کاٹ دیا جاتا۔" (صحیح ابوداؤد رقم الحدیث ۱۳۰)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من عمل بما علمہ اور ثلثہ اللہ علمہ مالہ یعلّمہ" جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ایسے علم کا وارث بناتا ہے جس سے وہ آگاہ نہیں کتاب للّٰع، "عارف حقیقت" کا تحریر کردہ دستور تصوف ہے، اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حقیقت تک رسائی، شریعت کے راستے کے بغیر ممکن نہیں عالم محض شریعت سے باخبر ہوتا ہے مگر عارف شریعت و حقیقت دونوں سے آگاہ ہوتا ہے۔

احمد ابن عجمیہ الحسینی عالم اور عارف کے درمیان فرق سمجھاتے ہوئے الفتوحات اللہیہ میں رقمطراز ہیں

- عالم اپنے قول سے فروتر ہوتا ہے جبکہ عارف اپنے قول سے برتر ہوتا ہے۔
- عالم محبوب ہوتا ہے جبکہ عارف محبوب ہوتا ہے۔
- عالم اہل یمین کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ عارف مقررین کے قافلہ میں سفر کرتا ہے۔
- عالم اصحاب برہان سے اور عارف اصحاب عیان سے بڑا ہوتا ہے۔
- عالم اہل مباحثہ سے جبکہ عارف اصحاب مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔
- عالم اہل فرق میں عارف اہل جمع میں شامل ہوتا ہے۔
- عالم ایٹاک نعبید کا پیکر جبکہ عارف ایٹاک نستعین کا نمونہ کامل ہوتا ہے۔
- عالم اسباب کو پیش نظر رکھتا ہے اور عارف کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے۔
- عالم شرک جلی سے ڈرتا ہے جبکہ عارف شرک خفی سے بھی غلامی حاصل کرتا ہے۔
- عالم احکام الہی کی معرفت رکھتا ہے جبکہ عارف سے ذات الہی کی معرفت کی خوشبو آتی ہے۔

اگر تم عارف بننا چاہتے ہو تو شریعت کی زمین پر حقیقت کے سمندر سے اتنا پانی چھڑکو کہ شریعت، حقیقت کے پانی سے سیراب ہو جائے۔ شریعت عین حقیقت ہو جائے اور حقیقت عین شریعت بن جائے لیکن "حقیقت" کا انکار نہ کرنا۔

إذا لم تر الهلال فسلم
لا نأیس راؤہ بالابصار

اگر تم نے چاند نہیں دیکھا تو ان لوگوں کی بات مان لو جنہوں نے آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔